

اکابر علماء دیوبند کی تواضع و انکساری اور شانِ عبدیت و فناءیت کے بصیرت افروز واقعات کا حسین گلدستہ
ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کی زندگی کی کلیا پٹ سکتا ہے

اکابر کا مقام تواضع

تسیر
مولانا محمد (صادق آبادی)
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد



مقدمہ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ

اکابر علماء دیوبند کی تواضع و انکساری اور شانِ عبدیت و فنایت کے بصیرت افروز واقعات کا حسین گلدستہ
ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کی زندگی کی کایا پلٹ سکتا ہے

اکابر کا مقام تواضع

مفت ^{حسب} الانام محمدی (صادق آبادی)
استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد

مقدمہ
حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب

ادارہ اسلامیات
کراچی - لاہور

تاریخ اشاعت پہلی بار: شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ اگست ۲۰۰۶
بہتمام: اشرف برادران، سلمہ الرحمٰن

ادارۃ اسلامیات

پبلشرز: ایڈیٹر: سیکرٹری: ایکسپوٹرٹس:

موبین روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔ فون: ۲۷۲۲۴۰۱
۱۹۰ انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون: ۷۲۴۳۹۹۱ ۷۳۵۳۲۵۵
دینا ناتو میزیشن ہال روڈ، لاہور۔ فون: ۷۳۲۴۴۱۲۔ فیکس: ۷۳۲۴۴۱۵ ۹۲ ۴۲
E mail: islamiyat@lcci.org.pk — idara@brain.net.pk

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف	ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم	جامعہ دارالعلوم کراچی، نمبر ۱۴
دارالاشاعت:	ایم، اے، جناح روڈ کراچی
بیت القرآن:	اردو بازار کراچی
بیت المکتب:	نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم:	۲۰ نمبر روڈ لاہور
ادارۃ تالیفات اشرفیہ:	بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارۃ تالیفات اشرفیہ:	جامع مسجد تھانوالی ہارون آباد بہاولنگر

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم العالی

استاذ الحدیث و نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على

سيدنا محمدن المصطفى

و على آله واصحابه وازواجه و على كل من تبعهم بالهدى و التقى

اما بعد: قرآن مجید سے یہ بات واضح ہے کہ رب العزت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی کا پہلا گناہ شیطان نے کیا۔ اور اسکی بنیاد تکبر پر تھی۔ ابی واستکبر وکان من الکفرین۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شخص جنت میں نہ جائیگا جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ غصہ، ظلم و تشدد، بغض و حسد، ریاء، حب جاہ، اکثر اخلاقی باطنی بیماریاں اور عیوب تکبر ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس کی وجہ سے انسان کے نیک اعمال بھی ہباء منثورا ہونے کا قوی احتمال رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی طرح تکبر اور عجب کی رگوں کو اپنے نفس کی گہرائیوں سے کھینچ کر نکال دیا جائے اور اخلاص، تواضع لوجہ اللہ اور عبدیت کے کمالات حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کر لیا جائے تو پھر مسلمان کے لئے اطاعت خداوندی اور تقرب عند اللہ کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کی تھوڑی سی دینی خدمت بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کے یہاں باوزن اور مقبول ہوتی ہے اور اور دنیا میں بھی اس کے دور رس اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اس کے دل میں تکبر کا داعیہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے۔ اس کی بناء پر وہ اپنے کمالات پر نظر رکھتا ہے۔ اور دوسروں پر اپنے آپ کو افضل جان کر تکبر ورنہ کم از کم عجب میں ضرور مبتلا ہوتا ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کمالات میرے ذاتی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور وہ کسی بھی وقت یہ

کمالات واپس لینے پر قادر ہے۔ انسان حاصل شدہ نعمتوں کو دیکھتا ہے اور ان پر فخر کرتا ہے مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ نعمتیں منعم حقیقی نے عطا فرمائی ہیں۔ اور وہ معطی حقیقی ان نعمتوں کو واپس لینے پر ہر طرح قادر ہے واضح رہے کہ تکبر اور عجب کا یہ داعیہ انسان کے اقوال، افعال اور اس کے اعمال میں طرح طرح کی شکلوں سے ظاہر ہوتا ہے اور عام آدمی کے لیے بسا اوقات یہ پہچانا بھی مشکل ہوتا ہے کہ یہ اقوال، افعال اور اعمال تکبر کی پیداوار ہیں ہاں طبیب حاذق اس کو جانتا اور پہچانتا ہے نیز اگر اس داعیہ پر قابو رکھا جائے اور اس پر توجہ نہ دی جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیماری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر بعض اوقات اس بیماری کے علاج میں کئی برس لگ جاتے ہیں اور پھر بھی اس کی جڑیں اندر باقی رہتی ہیں۔ اس لئے حضرات علماء کرام رحمہم اللہ نے تکبر اور عجب کی مذمت، اس کے دور رس دینی و اخروی نقصانات اور تواضع و عبدیت کی تعریف اور دنیا و آخرت میں اس کے بہترین فوائد و منافع پر قرآن کریم کی آیات و احادیث شریفہ کا بڑا علمی ذخیرہ تحریر کیا ہے۔ مگر اسکی عملی تطبیق اور عملی زندگی میں اس کے نفاذ کا کام بہر حال صوفیاء کرام رحمہم اللہ ہی کا منصب ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس بیماری اور اس کے اثرات کو روح انسان سے کس طرح نکالا جائیگا اور حقیقی تواضع و عبدیت کو انسانی زندگی میں نافذ کرنے کا کیا طریقہ ممکن ہے۔

علماء کرام رحمہم اللہ کی محنت اور علمی تحقیق اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی انسانی عملی زندگی میں تنفیذ اور عملی تطبیق سے دین علماء و عملاً مکمل ہوتا ہے۔ اور مسلمان اشخاص اور اجتماعی اسلامی معاشرہ علمی و عملی طور پر دنیا کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ اور مثالی نمونہ بنتے ہیں۔ اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دور میں علم و عمل کی ہر جامعیت عطا فرمائی تھی اور ان کے واقعات میں اسلامی احکام و اصول کی عملی تطبیق کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اور ان کی زندگی اس پر شاہد ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز گرامی مولانا محمد سلمہ کو جزاء خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے گزشتہ دور کے اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کی تواضع و عبدیت کے یہ خوبصورت دلنشین واقعات اس مجموعہ

میں مرتب کر دیئے ہیں جو سلسلۃ الذہب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جن کے مطالعہ سے انسانی سیرت خوب سے خوب تر بلکہ اسوہ حسنہ اور مثالی نمونہ بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت پر اجر عظیم عطا کریں اور اس مجموعہ کو قارئین کے علم و عمل کے لیے بہت ہی نافع اور مفید بنادیں۔ آمین

(حرف محمود) (شرف غفر اللہ لہ)

(خاں) (الغنیہ جامعہ) (زر زینو) (کراچی)

۱۴۲۶.۷.۲۴

www.ahlehaq.org

مقدمہ

حضرت اقدس مفتی محمد ابراہیم صاحب (صادق آبادی) دامت برکاتہم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو جن گونا گوں اوصاف و کمالات سے نوازا ہے ان میں ایک نمایاں وصف تواضع فنائیت اور خود شناسی کی ہے۔ یہ وہ پاکیزہ وصف ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے پاکباز اور چنیدہ بندوں کو نوازتے ہیں، چنانچہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، حضرات صحابہ اور سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو ان کا ممتاز اور منفرد وصف ”تواضع“ ہی نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوں تو قرآن مجید میں اپنے محبوب ﷺ کو مختلف القاب و اوصاف سے یاد فرمایا ہے لیکن جس لقب کو قرآن مجید نے دس بار دہرایا ہے وہ ہے ”عبد“ کا لقب۔ آپ ﷺ کی حیا طیبہ پر ایک اچھتی سی نگاہ بھی ڈالی جائے تو پوری زندگی عبدیت، تواضع اور خضوع و انکسار سے عبارت نظر آتی ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) آپ ﷺ (بلا حائل) زمین پر بیٹھ جاتے، زمین پر ہی کھانا تناول فرماتے، بکری کو تھام (کر اس کا دودھ دوہ دوہ) لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے اور ارشاد فرماتے ”اگر مجھے ایک دست گوشت کی طرف دعوت دی جائے تو اسے بھی قبول کر لوں گا اور اگر بکری کا ایک پایہ ہد یہ کیا جائے تو وہ بھی قبول کر لوں گا“۔ (شرح السنۃ بغوی:)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے کی سواری فرماتے، جنازہ میں شرکت فرماتے، غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر آپ ﷺ جس گدھے پر سوار تھے اس کی لگام کھجور کی پوست سے بنی رسی کی تھی اور جس خوگیر (پالان) پر سوار تھے اس میں بھی کھجور کی پوست بھری تھی (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۳) ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لئے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کام ہم خود کر لیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کر لو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز ہوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔

(۴) آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ بکری کی کھال اتار رہے ہیں، ان سے ارشاد فرمایا: تمہیں کھال اتارنے کا صحیح طریقہ نہیں آ رہا ایک طرف ہو جاؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک کھال اور گوشت کے درمیان داخل فرمایا حتیٰ کہ بغل تک پورا ہاتھ گھس گیا، پھر ارشاد فرمایا ”جوان! اس طرح کھال اتارو“۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

(۵) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھ میں کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ بھی انسانوں میں ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود جوں تلاش کر لیتے (کہ کسی دوسرے کے کپڑوں سے نہ آگنی ہو)، بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنا کپڑا اسی لیتے، اپنا کام خود کرتے، اپنا جوتا ٹانگتے اور وہ تمام کام انجام دیتے جو مرد اپنے گھروں میں انجام دیتے ہیں اور گھر والوں کی خدمت کرتے، جب موء ذن کی آواز سنتے تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ (احمد۔ ترمذی)

(۶) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی کوئی سی لونڈی آتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی آپ ﷺ ہاتھ نہ کھینچتے حتیٰ کہ وہ مدینہ کے جس گلی کو چے میں چاہتی آپ ﷺ کو اپنی ضرورت کے لئے لے جاتی۔ (ابن ابی شیبہ)

(۷) ایک شخص آپ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے ہصیت کے مارے کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”گھبراؤ مت! میں کوئی بادشاہ نہیں، میں تو قریش کی ایک عورت کا

بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (ابن ماجہ)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو، ایک لگا کر کھانا کھائیے اس میں آپ ﷺ کو زیادہ سہولت رہے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (نہیں بلکہ) میں ایسے کھانا کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندے بیٹھتے ہیں۔ (ابن سعد)

(۹) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حضرات آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ عمل آپ ﷺ کو طبعاً گوارا ہے۔ (ترمذی)

(۱۰) آپ ﷺ خود تو نہ اپنا تواضع تھے ہی، دوسروں کی زبان سے بھی ایسی تعریف و توقیف سننا گوارا نہ فرماتے جس میں افراط یا مبالغہ آرائی کا شائبہ ہوتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ”میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حد سے بڑھ کر تعریف کی (اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دیا) میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، لہذا تم بھی مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“ (بخاری، مسلم) ت لك عشرة كاملة۔

یہ آپ ﷺ کی شان تواضع کی ایک حکلی سی جھلک تھی، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اور آپ ﷺ کا یہ عمل درحقیقت تفسیر ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کی ماسواضع احد لله الارفعه الله (مسلم) ”جو اللہ کے لئے تواضع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بلند کریں گے۔“

اس ارشاد نبوت کی صداقت کا مشاہدہ ہر انسان ہر جگہ سکتا ہے کہ جو اللہ کے بندے اللہ کی خاطر اپنے تئیں منادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و عظمت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں اور رفعت و عظمت کی ان بلندیوں سے سرفراز فرماتے ہیں جن پر سلاطین کو رشک آئے منکسر المزاج اور فروتن انسان کو لوگ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے اس کی تعظیم کرتے ہیں، جبکہ متکبر و مغرور انسان کو سب بے قدر

اور حقیر جانتے ہیں، کسی دانائے کتنی اچھی مثال دی کہ تکبر اس شخص کی مانند ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ جب وہ نیچے نگاہ ڈالتا ہے تو سب چیزیں اسے حقیر اور چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن نادان یہ نہیں سوچتا کہ نیچے سے دیکھنے والوں کو وہ خود بھی حقیر اور چھوٹا دکھتا ہے۔ آج مسلمان معاشرے میں تکبر و تعلیٰ کی بیماری عام ہے، عوام ہوں یا خواص، علماء ہوں یا جہلاء، ہر طبقے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، جبکہ یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جو مسلمان کے ایمان و اعمال اور باطن کے لئے زہرِ ہلاکت سے کم نہیں۔ ابلیس کو ابلیس بنانے والا کتا بھی تکبر ہی ہے۔

صوفیہ کرام کے بقول تمام امراض باطنہ کی جڑ عجب اور کبر ہے، نیز سالک کے دل سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری بھی یہی ہے، اس مرض سے نجات حاصل کرنے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

”سب سے بڑی مانع چیز خدا کے دربار میں رسائی سے اور مقبول ہونے سے کبر ہے، اور اس وقت الا ماشاء اللہ عام ابتلاء ہو رہا ہے، حتیٰ کہ اہل علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور عوام سے زیادہ مضر اہل علم کا ابتلاء ہے، اس لئے کہ جب پیشوا ہی گم کردہ راہ ہوں تو وحدانیت کی بظاہر کوئی صورت ہی نہیں۔“ (فیض حسن و اشرف ص ۱۳۶)

آپ ہی کا ارشاد ہے:

”اپنے آپ کو مٹانا جس کو ’تواضع‘ کہتے ہیں بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے۔ یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگانِ خدا نے ساطنیتیں چھوڑ دیں، دنیا بھر کی پروانہ کی، کوئی بات تو تھی جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔“ (ایضاً ص ۱۳۰)

حصولِ تواضع کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اہل اللہ کے پاکیزہ حالات و واقعات کا مطالعہ کیا

جائے بالخصوص ان کی تواضع و مسکنت اور عجز و انکسار کے واقعات کثرت سے پڑھے جائیں۔ ان واقعات میں اللہ تعالیٰ نے جو کیمیائی تاثیر رکھی ہے وہ محتاج بیان نہیں، عیاں راجحہ بیاں۔

اس حقیقت سے کسی دشمن کو بھی مجال انکار نہیں کہ اکابر علماء دیوبند کی زندگیاں سنت نبوی اور سیرت سلف کا کامل نمونہ ہیں۔ یہ حضرات علم و فضل میں شہرہ آفاق ہونے کے باوجود اپنی نجی اور ذاتی زندگیوں میں زہد و تقویٰ، تواضع و فنائیت اور بے نفسی کے بھی پیکر تھے۔ اس شان جامعیت میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی یہ شہادت مبنی بر حقیقت ہے:

اپنے حضرات اکابر کے خلوص، تواضع اور بے ساختگی کے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ ”ان واقعات کے کوئی نظائر پیش نہیں کر سکتا، گو اور حضرات وسعت علم اور مجاہدہ عمل میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں، چنانچہ انکے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے لیکن جو للہیت اور خلوص ان حضرات میں دیکھا کسی اور میں نہ دیکھا۔ پس یہ جو مشہور شعر ہے ان پر صادق آتا ہے۔“

اگرچہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی لوگ کرامتوں کو ڈھونڈتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کے واقعات کو دیکھیں کہ ہر واقعہ ایک مستقل کرامت ہے اور پھر بڑا کمال یہ تھا کہ اپنے کمالات کو ہمیشہ چھپایا، ظاہر نہیں ہونے دیا۔ پھر فرمایا: میں طالب علمی کے ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہوئے لیکن جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔ اس وقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر! یہ حضرات اپنی کہیں نظیر نہیں رکھتے۔“

(ایضاً ص ۱۳۵)

ان صاحب دل خاصان خدا کے واقعات میں جو مقناطیسی کشش اور جادو کی تاثیر ہے اس کا اندازہ پڑھنے والے بخوبی کر سکتے ہیں۔ سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی مطالعہ کے بعد اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ضرورت تھی کہ ان بکھرے موتیوں کو یکجا کر کے ہر شخص کے لئے استفادہ کی راہ آسان کی جائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے

برخوردار عزیز مفتی محمد صاحب (صادق آبادی) کو جنہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا، پہلے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا، پھر ان سے اکابر کی تواضع اور ان کی فنائیت و عبدیت کے واقعات کا انتخاب کر کے ”اکابر کا مقام تواضع“ کے نام سے ایک حسین گلدستہ تیار کیا جس میں ایک سو دس علماء دیوبند کے واقعات جمع کئے گئے ہیں۔

کتاب اتنی دلچسپ، دل آویز اور دلبر با ہے کہ ایک بار شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، اس میں واقعات کی تاثیر و جاذبیت اور ان بزرگان دین کی روحانی کشش کے علاوہ عزیز موءلف کے جہد و اخلاص کا بھی دخل ہے۔

اپنی نوعیت کی یہ منفرد اور جامع کتاب جہاں اکابر کے واقعات کا دائرۃ المعارف ہے وہاں اردو کے ذخیرہ علم و ادب میں بھی ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ آنعزیز نے اس کی جمع و ترتیب میں جو شبانہ روز محنت و مشقت اٹھائی وہ انہیں کا حصہ ہے۔ تقبل اللہ منہ کتاب یوں تو ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لئے نہایت مفید اور سبق آموز ہے لیکن میری درخواست ہے کہ علماء طلبہ مدرسین اور وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی مقتدا و پیشوا ہونے کا شرف بخشا ہے اس کا ایک بار ضرور مطالعہ فرمائیں۔

آخر میں قارئین سے التجاء ہے کہ موءلف سلمہ اللہ تعالیٰ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر عزیز میں برکت دیں۔ اور تادم آخردینی خدمات میں مشغول رکھیں۔
وصل اللهم وبارك وسلم على عبدك ورسولك محمد وعلى آله وصحبه اجمعين۔

محمد انور رحیم

دارالافتاء جامع مسجد فاروق (عظیم صادق آباد)

۹/۳/۲۷

فہرست کتاب

نمبر شمار	آئینہ مضامین تاثرات مقدمہ	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
			۳
			۶
			۶۷
(۱)	”تواضع و فنائیت“۔ اکابر علماء دیوبند کا ایک ممتاز و صف استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!“۔ تواضع و انکساری کا صلہ۔	۱۲۶۷ھ	۸۰ ۸۰ ۸۱
(۲)	حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندہلوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”اور تو اس میں کوئی بات نہیں، ہاں! نماز تو پڑھ لے جے۔“ سادگی کی انتہاء۔ ”مولانا رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔“ کھانے میں سادگی۔ ”بھاگ جا، بھاگ جا، تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔“	۱۲۸۳ھ	۸۲ ۸۲ ۸۳ ۸۳ ۸۳ ۸۳

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۳)	نواب مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔		۸۵
(۴)	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۲۹۷ھ	۸۶
	سادگی اور کسر نفسی۔		۸۶
	”اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا“		۸۷
	کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے کبھی جمع نہیں ہوئے		۸۸
	”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے“		۸۹
	حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی شانِ اخفاء۔		۹۰
	”بھائی! آج بازار جانا نہیں ہوا“۔۔۔۔۔		۹۰
	”وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا“۔		۹۰
	حضرت نانوتوی کی تواضع نے حافظ جی کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔		۹۱
	”اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پاکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا“۔		۹۱
	”جی ہاں! میں ایسا ہی محروم ہوں“۔		۹۲
	”بس جی! تمہاری دعوت ہو گئی“۔		۹۲

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	مباحثہ شاجہان پور کا عجیب واقعہ۔		۹۳
	شانِ مسکنت۔		۹۴
	خدام کی خدمت۔		۹۴
	کھانے میں تواضع۔		۹۴
	”ارے! کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابلِ امامت نہیں رہا؟“		۹۴
	”یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔“		۹۵
	”حکیم صاحب مولانا کے دھوکے میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے۔“		۹۶
	”قوتِ عشق کے نزدیک سنگ و گل برابر ہے۔“		۹۷
(۵)	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ۱۳۰۲ھ		
	رحمہ اللہ کے واقعات۔		۹۸
	تواضع کی حقیقت۔		۹۸
	تواضع کا ایک اور واقعہ۔		۹۸
	”بس اب تو گنگوہ آ کے ہی کپڑے بدلا کریں گے۔“		۹۹
	”میں ادھورا ہوں، معلوم ہوتا ہے میں ادھورا ہی مر جاؤں گا۔“		۱۰۰

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	گدھے پر سوار ہو کر اسی پر کتابیں رکھ کر نانوتہ کو چل دیئے۔		۱۰۱
	غلطی کا اعتراف۔		۱۰۲
	سراپا عجز و انکسار۔		۱۰۲
	اپنے مکتوبات کے آئینہ میں۔		۱۰۳
	استدعائے حسن خاتمہ۔		۱۰۳
	”نہ علم میں مجھے کمال، نہ عمل میں خوبی۔“		۱۰۳
(۶)	حضرت ملا محمود دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی۔	۱۳۰۴ھ	۱۰۵
(۷)	سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی رحمہ اللہ کے واقعات	۱۳۰۸ھ	۱۰۶
	”اب راکھ میں چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لیجا رہا ہے۔“		۱۰۶
	اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلیٰ کی جگہ بچھا دی۔		۱۰۷
(۸)	سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۱۷ھ	۱۰۷
	”ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔“		۱۰۷
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شانِ عبدیت۔		۱۰۸

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔“		۱۰۸
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی سادگی کا حال ایک اہل علم کی زبانی۔		۱۰۹
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ پر فناء کی ایک خاص شان غالب تھی۔		۱۰۹
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی سادگی۔		۱۱۰
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق۔		۱۱۰
	ہر بڑے سے بڑے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔		۱۱۱
	گھر کی حاجت کے لئے عجیب دعا۔		۱۱۱
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا اپنی مدح کی تاویل فرمانا۔		۱۱۲
	”مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے؟“		۱۱۲
	”فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔“		۱۱۳
	”تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان و عیوب چھپ گئے ہیں۔“		۱۱۳
	”ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دیگا۔“		۱۱۳

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۹)	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۲۳ھ	۱۱۴
	تواضع و فنائیت کا مقام بلند۔		۱۱۴
	”اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے۔“		۱۱۵
	”بھائی! ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔“		۱۱۵
	”اگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ زندہ ہوتے تو کیا میں انکے سامنے بولتا بھی؟“		۱۱۵
	شیخ کی جگہ کا ادب۔		۱۱۶
	”الحمد للہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔“		۱۱۶
	”بیشک میری غلطی ہے، ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے۔“		۱۱۶
	کسر نفسی و عامۃ المسلمین سے درخواست دعاء۔		۱۱۷
	”دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں، دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا یہیں یہ دھوم دھام ہے۔“		۱۱۸
	”چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اس لئے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں۔“		۱۱۸
	طلبہ کی حالت غیر ہوگئی اور وہ چیخیں مارنے لگے۔		۱۱۹
	”دوسرے پیر کے یہاں حب جاہ کا سر قلم پایا۔“		۱۲۰
			۱۲۱

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا۔		۱۲۱
	”جو لوگ قال اللہ وقال الرسول پڑھتے ہوں۔ رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟“		۱۲۱
	اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کر لیا۔		۱۲۲
	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خادم پر شفقت۔		۱۲۲
	”جہاں سے کچھ ملا کرتا ہے وہاں سے ناگواری نہیں ہوتی۔“		۱۲۲
	”شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔“		۱۲۳
	”مجھے تحقیق نہیں۔“		۱۲۴
	”مجھے بھی یاد رکھنا!“		۱۲۴
	”منہ پر مدح کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔“		۱۲۵
	مکاتیب رشیدیہ سے چند اقتباسات۔		۱۲۵
	اپنے مرید صادق سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی عجیب تواضع کے کلمات رفیعہ۔		۱۲۵
	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی فناء عن الانوار۔		۱۲۶
	”میرا حال اس قابل نہیں کہ کوئی مجھ سے اعتقاد رکھے۔“		۱۲۶
	”اپنے آپ کو بالکل بے مناسب اور خالی دیکھ کر تائسف کرتا ہوں۔“		۱۲۶

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبتِ صلحا، غنیمت ہے۔“		۱۲۷
	”تم کو ذخیرہ آخرت جانتا ہوں، تم قابلِ فراموشی نہیں ہو۔“		۱۲۷
	”اگر خود ایسے عطیات سے محروم ہے بارے احباب کو عطاء متواتر ہے۔“		۱۲۷
	”اب سب رفیقِ رخصت ہوئے دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں۔“		۱۲۸
	حکیم عبدالعزیز صاحب مرحوم کے ہدیہ پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے غیر معمولی کلمات تواضع۔		۱۲۹
	حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا اپنے نفس پر سوء ظن اور دوسروں کے حسن ظن پر پریشانی۔		۱۳۰
	”اپنا جو حال ہے لکھ نہیں سکتا، محض بیگانہ ہوں، چند باتیں یاد ہیں اور بس۔“		۱۳۲
	”خود شرمندہ و محبوب ہوا کہ آپ کو بندہ کیساتھ یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ دریغ ہوں۔“		۱۳۲
(۱۰)	حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبند کی فنائیت۔	۱۳۳۱ھ	۱۳۲
(۱۱)	حضرت مولانا محمد تکی کاندھلوی رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی۔	۱۳۳۲ھ	۱۳۳

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۱۲)	اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”اللہ اکبر! اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے۔“ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔ ”مجھ فقیر کے لئے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے۔“ ”حضرت! معاف فرمائیے، میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبوآؤں۔“ ”گستاخ نہ بنو!“ ”میں نے دیکھا کہ حضرت رائپوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہیں۔“ ”بھائی! تم کو اب تک اندھیرے میں رکھا، اللہ کے واسطے میری خطا معاف کر دو۔“ ”میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں تو طلب ہے مجھ میں یہ بھی نہیں۔“	۱۳۳۷ھ	۱۳۵ ۱۳۵ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۸ ۱۳۹
(۱۳)	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندی رحمہ اللہ کے واقعات۔ عادات و اخلاق اور طرز زندگی۔	۱۳۳۹ھ	۱۳۹ ۱۳۹

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”لومیاں محمود صاحب! اپنی چار پائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں، کسی کا نوکر نہیں۔“		۱۴۱
	”مولانا تو یہاں کوئی نہیں رہتے اور بندہ محمود تو میرا ہی نام ہے۔“		۱۴۲
	معاصرین کا ادب۔		۱۴۳
	”میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے۔“		۱۴۵
	”ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔“		۱۴۵
	”مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندوؤں کے پاؤں دباتے رہے۔“		۱۴۷
	ایسا ہی ایک اور واقعہ۔		۱۴۷
	پہننے اوڑھنے میں سادگی اور طالب علمانہ وضع۔		۱۴۸
	”میاں! دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے تو اف نہ کروں، لیکن رائے و مشورہ میں سب کا تابع ہوں۔“		۱۵۰
	حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا لباس۔		۱۵۱
	فکرِ آخرت۔		۱۵۲

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۱۵۲		”ہاں بھائی! ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں جو مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں۔“	
۱۵۳		حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ملاقات میں سہقت فرمانا۔	
۱۵۳		حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی شانِ فناء۔	
۱۵۴		حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اپنے شاگرد رشید حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ پر شفقت۔	
۱۵۵		”اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے۔“	
۱۵۶		”خدا کے لئے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوائہ کرنا!“	
۱۵۹		مزید چند واقعات۔	
۱۶۳		حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	(۱۴)
۱۶۴		حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کے واقعات۔	(۱۵)

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	عاجزی و انکساری۔		۱۶۴
	”بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم و فہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے۔“		۱۶۴
	حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تواضع میں اسلاف کا نمونہ تھے۔		۱۶۵
	شیخ پورہ کی دعوت کا قصہ۔		۱۶۵
	بیعت کے عجیب الفاظ۔		۱۶۶
	اہل علم سے استفادہ۔		۱۶۷
	اختلاف میں بھی اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ۔		۱۶۷
	”میں اپنے آپ کو آپ کی روٹیوں پر پلنے والے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔“		۱۶۸
(۱۶)	مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۳۷ھ	۱۶۹
	”بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا۔“		۱۶۹
	”مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی۔“		۱۷۰
(۱۷)	امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۵۲ھ	۱۷۰

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	تواضع و فنائیت کا مقام بلند۔		۱۷۰
	”آپ کو صرف ”مولانا محمد انور شاہ“ لکھنے کی		
	اجازت ہے۔“		۱۷۲
	علم کی عظمت۔		۱۷۳
	حقیقت پسندی۔		۱۷۴
	اساتذہ کا ادب۔		۱۷۴
	استاذ کی خدمت۔		۱۷۵
	علامہ کشمیری رحمہ اللہ شیخ الہند رحمہ اللہ کی مجلس میں۔		۱۷۶
	علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی		
	مفارقت کا غم۔		۱۷۶
	عجز و انکساری کے حسین پیکر۔ غریب طالب علم کی		۱۷۶
	دل		۱۷۸
	شکنی کرنے پر معافی مانگنے کا حکم۔		
	”میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زادِ		
	آخرت سے خالی ہے۔“		۱۷۹

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وقات	صفحہ نمبر
(۱۸)	قطب الاقطاب حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری رحمہ اللہ کے واقعات۔ سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈوی رحمہ اللہ کی صحبت۔ احترام سادات، بزرگان دین و اساتذہ۔ حضرت کے مرید ”ماماں مٹھا“ کی تواضع و انکساری۔ فنائیت پر مبنی عجیب جواب۔ صحبت کا اثر۔ شادی بیاہ میں سادگی۔ حضرت کے خادم مولوی شیر محمد صاحب مرحوم کی فنائیت۔ ”اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اٹھالیں، فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا۔“ ”میں خانہ رقیب کو بھی سر کے بل گیا۔“ کھانے میں نہایت سادگی۔ غریب آدمی کی دلجوئی کا عجیب واقعہ۔ ”تم کشتی میں جاؤ اور میں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں۔“ خود پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔	۱۳۵۴ھ	۱۸۰ ۱۸۰ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۳ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۷ ۱۸۷

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۱۹)	اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی۔	۱۳۵۲ھ	۱۸۸
	”اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے۔“		۱۸۸
	عجز و انکساری کے حسین پیکر۔		۱۸۸
	شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد فضل علی صاحب قریشی رحمہ اللہ کے واقعات۔		۱۸۹
	”میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جو توں کے قریب بیٹھنا چاہیے۔“		۱۸۹
	”تو مجھے تصنع سکھاتا ہے؟“		۱۹۰
	کھانے میں سادگی۔		۱۹۰
	”جو ریح خارج کرنے میں اللہ کا محتاج ہو وہ بڑا بول بول سکتا ہے؟“		۱۹۱
	پیرا! تو چھپنا چاہے تو چھپ نہیں سکتا۔“		۱۹۰
	حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء۔		۱۹۲
	لوٹا لیکر تمام جماعت کے ہاتھ دھلائے اور جماعت کے سامنے رکھتے رہے۔		۱۹۲
	”میں نے اس لئے تمہارے جوتے صاف کیے کہ میری عاقبت اچھی ہو، تم بخل کرتے ہو اور روتے ہو“		۱۹۳
	مجلس شیخ کا حیران کن ادب۔		۱۹۳

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”شاہاباش! تم نے میری غلطی پکڑی“		۱۹۴
	دوران سفر جماعت کے کمزور لوگوں کے ہاتھ پاؤں دباتے۔		۱۹۴
(۲۰)	حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	۱۳۵۵ھ	۱۹۵
(۲۱)	حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات کے آئینہ میں۔	۱۳۶۲ھ	۱۹۷
	حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے واقعات۔		۲۰۶
	”سب سے زیادہ نکلما اور ناکارہ میں ہی ہوں، یہ سب مجھ سے افضل ہیں“۔		۲۰۶
	حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اعلان۔		۲۰۸
	تواضع و فنائیت کی ایک عجیب مثال۔		۲۰۹
	حضرت حکیم الامت اور حضرت مدنی کے درمیان اختلاف اور دونوں بزرگوں کی تواضع و فنائیت۔		۲۱۰
	حضرت تھانوی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دین پور شریف میں تشریف آوری۔		۲۱۴
	حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی فنائیت۔		۲۱۶
	”بھائی! میں انکی سی ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں؟“		۲۱۶
	اپنی اغلاط کی اصلاح کے لئے ”ترجیح الراجح“ کے سلسلہ کا قیام۔		۲۱۷

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	حضرت حکیم الامت کے طرز تربیت کی وضاحت۔		۲۱۸
	”میں اپنے برا بھلا کہنے والوں کو ہمیشہ معاف ہی کرتا رہتا ہوں۔“		۲۱۹
	”کیا آپ نے جھکو فرعون سمجھ لیا ہے؟“		۲۱۹
	”ابھی تو میرا ایک خلق بھی درست نہیں ہوا۔“		۲۲۰
(۲۲)	مولانا بخشش احمد صاحب رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	۱۳۶۲ھ	۲۲۰
(۲۳)	بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۶۳ھ	۲۲۱
	تواضع و فنائیت۔		۲۲۱
	عاجزی و انکساری۔		۲۲۳
	آخرت کا استحضار۔		۲۲۵
(۲۴)	رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب وال پٹھروی رحمہ اللہ کے واقعات	۱۳۶۳ھ	۲۲۶
	”حشر کے روز میرے پاس اس سوال کا جواب نہ ہوگا۔“		۲۲۶
	شیخ کے انتقال کے بعد اپنے مرید اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔		۲۲۶
	طلبہ کرام کی خدمت کا عجیب واقعہ۔		۲۲۷

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا یوں ای پانیاں نیں۔“ ”مجھے اس علم و فضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہ آیا۔“ اس طرح کا ایک اور واقعہ۔		۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۸
(۲۵)	عارف باللہ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔ ایثار، ہمدردی اور اخوت کی جیتی جاگتی تصویر۔ فنائیت کا مقام بلند۔	۱۳۶۴ھ	۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱
(۲۶)	حافظ العصر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب محبوب رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	۱۳۶۴ھ	۲۳۳
(۲۷)	”نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں؟“ حضرت مفتی عبدالکریم صاحب ممتھلوی رحمہ اللہ کی بے نفسی۔	۱۳۶۸ھ	۲۳۳ ۲۳۴
(۲۸)	شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات۔ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی تاریخ۔ شیخ الاسلام کا اخلاص اور زہدانہ زندگی۔ ایک غریب کی دلجوئی کا واقعہ۔	۱۳۶۹ھ	۲۳۴ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۵
(۲۹)	مولانا عبدالمجید صاحب پچھرانوی رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	۱۳۷۱ھ	۲۳۶

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۳۰)	مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا۔“ ”سب سے بڑا متکبر وہ ہے جو اپنی خدمت کو اپنے لیے عار سمجھے۔“ ”اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے۔“	۱۳۷۲ھ	۲۳۷ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۸
(۳۱)	مخدوم المملکت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”تمام تصوف کا حاصل خود کو مٹا دینا ہے۔“ ”بھائی! ہمارے طریق میں تو اول و آخر اپنے آپ کو مٹا دینا ہے۔“ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی علامہ بنوری رحمہ اللہ سے عاجزانہ درخواست۔ ”میں ان کی تواضع و سادگی کو دیکھ کر تو مسخڑ ہی ہو گیا۔“ درخواست نصیحت۔ خلافت سے سرفرازی۔ مدح و ذم ایک۔ ”اب تلافی مافات میں مصروف ہوں۔“	۱۳۷۳ھ	۲۳۹ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۶ ۲۴۸

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۳۲)	شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات - ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام - ”میں امیر ہوں، میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔“ رئیس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات - مولانا گیلانی رحمہ اللہ کی صاف دلی - نفس پر قابو - مرشد بننے سے گریز - مولانا کا اپنا حال - اپنے کو مٹانے کا جذبہ - باوقار اور سادہ زندگی - سادگی کا ایک واقعہ -	۱۳۷۴ھ	۲۴۹ ۲۴۹ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۰ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۳
(۳۳)	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے واقعات - مکارم اخلاق - درویشی اور ولایت - تواضع اور انکساری - ”وہ بریلی سے رائے پور تک مجھے دباتے رہے۔“ ”حضرت! میں نے کیا غلطی کی ہے؟“ -	۱۳۷۷ھ	۲۵۴ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۷

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتانہ اٹھاؤ گے!“۔		۲۵۸
	”خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟“۔		۲۵۹
	”آپ اطمینان سے اچھی طرح کھانا کھائیے!“۔		۲۵۹
	ساری رات عبا اوڑھ کر گزاردی۔		۲۶۰
	مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا۔		۲۶۰
	حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری۔		۲۶۲
	اپنے سر پر پانی کا مٹکار رکھ کر اپنے شیخ کے گھریلجار ہے تھے۔		۲۶۳
	سادگی و بے تکلفی۔		۲۶۵
	اخلاق حمیدہ۔		۲۶۵
	مخلوق خدا کی خدمت۔		۲۶۶
	”مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے؟“۔		۲۶۷
	”میرے مکتوبات قابل مطالعہ کہاں ہیں؟“۔		۲۶۷
	”معلوم نہیں وہ کیوں روئے؟“۔		۲۶۸
	شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے نام ایک مکتوب۔		۲۶۸
	”اپنی تعریف کی بات سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے“۔		۲۷۰
	دوستوں سے بے تکلفی اور تواضع و انکساری۔		۲۷۰
	انتیاز پسند نہ فرمانا۔		۲۷۱

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	محملی قالین پر بیٹھنے سے انکار۔		۲۷۱
	خود جا کر پانی پلایا۔		۲۷۲
	ماتے تھے۔		۲۷۲
	دست مبارک سے نالی صاف کی۔		۲۷۲
	شاگرد کی خدمت۔		۲۷۳
	مخدوم لیکن خادم۔		۲۷۳
	ایک روپیہ قبول فرمالیا۔		۲۷۳
	تعویذ کے لئے خود درخواست۔		۲۷۴
	دیکھا گیا دسترخوان بچھا رہے ہیں۔		۲۷۴
	مزدور کے مکان پر تشریف لے گئے اور معذرت کی۔		۲۷۴
	”ہم تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں۔“		۲۷۵
	”معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا۔“		۲۷۵
	امتیازی برتاؤ سے انقباض۔		۲۷۵
	ایثار و انکسار۔		۲۷۶
	عوام کے کہتے ہیں؟۔		۲۷۷
	نمازی کے چپل سیدھے کئے۔		۲۷۷
	مکتوبات شیخ الاسلام سے چند اقتباسات۔		۲۷۸
	”اصلاح نفس کا خیال ایک نفس پرور سے؟ یا		
	ملعجب!“		۲۷۸
	”عمر ستر سے تجاوز کر گئی مگر توشہ آخرت کچھ نہیں۔“		۲۷۸

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”توجہ الی اللہ اور اصلاح نفس کی مجھکو فرصت کہاں؟“۔		۲۷۹
	”محرومیت نے دامن نہ چھوڑا“۔		۲۷۹
	اپنی تعظیم پسند نہیں فر” آپ کا مجھ سے بیعت کرنا سخت غلطی تھی“۔		۲۷۹
	”جانشین شیخ الہند“ لکھنے پر اظہار ناراضگی۔		۲۸۰
	”اگر آپ حضرات کا یہی معاملہ رہا تو بہت جلد مجھکو ہندوستان چھوڑنا پڑے گا“۔		۲۸۱
	”نہ میں محمودی ہوں، نہ رشیدی، نہ قاسمی ہوں، نہ امدادی“۔		۲۸۱
	”مادحانہ کلمات لکھنے سے اجتناب کیجئے!“۔		۲۸۲
	”آپ جھوٹی مدح سرائی چھوڑ دیں!“۔		۲۸۲
(۳۵)	مخدوم المملۃ حضرت مفتی محمد حسن صاحب	۱۳۸۰ھ	
	امر تسری رحمہ اللہ کے واقعات۔		۲۸۳
	تواضع سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات۔		۲۸۲
	واقعات		۲۸۵
	”میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال“۔		۲۸۵
	”آپ حضرات سے تعلق میری اپنی نجات کا ذریعہ بنے گا“۔		۲۸۵
	”میرے پاس کیا ہے؟ کچھ نہیں! لیکن لوگوں کو شبہ ہو		

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	گیا ہے کہ میں دیندار ہوں۔“		۲۸۵
	”توبہ! توبہ! آپ نے بھی آخرت کے لئے کس ناکارہ شخص کا قرب تلاش کیا۔“		۲۸۶
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کمال تواضع۔		۲۸۶
	لاہور کے ”جامعہ اشرفیہ“ میں درس قرآن۔		۲۸۷
	”بیٹا! مجھے معاف کر دو، میری خدمت کی وجہ سے تمہیں بے آرام ہونا پڑا۔“		۲۸۸
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی ایک یادگار ملاقات۔		۲۸۹
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی ایک یادگار ملاقات۔		۲۸۹
	”میرا اک کھیل خلقت نے بنایا۔“		۲۹۱
	”اگر میری تعریف میں ہے تو سنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔“		۲۹۲
	”اس مجلس میں سب سے زیادہ حقیر میں ہوں۔“		۲۹۳
	”میں کیا ہوں جو میرے ملفوظات لکھتے ہو؟ مت لکھو!“		۲۹۳
	”حضرت مفتی صاحب نے اپنی فقیری کو اس طرح چھپایا ہے جیسے مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے۔“		۲۹۳
	”یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ ہم کلامی کی		

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔		۲۹۴
	”بھائی معاف کر دینا! میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔“		۲۹۵
	”میری کیا بساط ہے کہ دین کی خدمت کا کوئی اونچا دعویٰ کر سکوں؟“		۲۹۵
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شان تواضع		۲۹۶
	سبحان اللہ! خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی۔		۲۹۷
	”جب سقاوہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بدنہ میں کیا آوے گا؟“		۲۹۸
	”میں تمہیں دانٹ کر بچھایا بہت۔“		۲۹۸
(۳۶)	شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۸۱ھ	۲۹۹
	عسر اور سادگی۔		۲۹۹
	حد درجہ تواضع انکساری۔		۳۰۰
	کمال سادگی۔		۳۰۰
	ایک اسٹیشن پہلے اتر کر پیدل جلسہ گاہ پہنچے۔		۳۰۱

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	اکابر سے عقیدت - مشائخ کا ادب -		۳۰۱
	اکرام قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر راپوری		۳۰۱
	شیخ الاسلام مولانا حسن احمد مدنی سے عقیدت -		۳۰۳
	نشست گاہ کا بھی اکرام -		۳۰۳
	حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو		
	بیٹھنے کا اہتمام -		۳۰۴
	تواضع و انکساری -		۳۰۴
	درس توحید کی وجہ سے چھوٹوں کا اکرام و تعظیم -		۳۰۵
	اکرام مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ -		۳۰۶
	رواداری اور احترام مسلک کا عجیب منظر -		۳۰۷
	طلبہ کا سامان اٹھا کر مسجد لیجانا -		۳۰۷
	انسانی ہمدردی -		۳۰۸
	تقاریر میں کوسنے والے سے بغل گیر ہو گئے -		۳۰۸
	اصاغر نوازی کی عجیب مثال -		۳۰۹
(۳۷)	عارف باللہ حضرت مولانا حماد اللہ ہالجوی	۱۳۸۱ھ	
	رحمہ اللہ کے واقعات -		۳۱۰
	”میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ		
	کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے“ -		۳۱۱
	”میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور		
	مجھے دھنسا دیا جاتا“ -		۳۱۲

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”میں کون اور میری رائے کیا؟ جو علما، حضرات فیصلہ فرمائیں میں ان کا تتبع ہوں۔“		۳۱۳
	”سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں، صرف میں ایک گنہگار شخص ہوں۔“		۳۱۳
	حضرت اقدس رحمہ اللہ کی پوری زندگی تواضع و فنائیت کا عملی نمونہ تھی۔		۳۱۴
(۳۸)	امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی فنائیت۔	۱۳۸۱ھ	۳۱۵
	امیر شریعت حضرت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے واقعات۔		۳۱۶
	بے نفسی و بلند ہمتی۔		۳۱۶
(۳۹)	اپنے سر مبارک کا رومال اتار کر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے قدموں میں بچھا دیا۔	۱۳۸۱ھ	۳۱۸
	”میرے گناہوں پر میرے مالک نے پردہ ڈال دیا ہے۔“		۳۱۸
(۴۰)	مولانا سید حسن صاحب رحمہ اللہ کی عاجزی و انکساری۔	۱۳۸۱ھ	۳۱۹
(۴۱)	حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر راپوری رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۸۲ھ	۳۲۰
	”ان کا درجہ بہت اونچا ہے، اللہ کے ایسے بندوں کو		

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	بیعت کرنے سے شرم آتی ہے۔		۳۲۰
	بے نفسی و فنایت کے عجیب واقعات۔		۳۲۲
	مزید چند سبق آموز واقعات۔		۳۲۷
	”چھپر کا مکان ہوتا تو اور بھی جی خوش ہوتا۔“		۳۳۰
	”یہ شخص ہر آن اپنی نفی میں مشغول ہے۔“		۳۳۰
	حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ اور حضرت		
	راپوری رحمہ اللہ کی خانقاہ تھانہ بھون میں حاضری۔		۳۳۱
(۴۲)	عارف باللہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب	۱۳۸۳ھ	
	پھولپوری رحمہ اللہ کے واقعات۔		۳۳۳
	حضرت والا کی سادگی۔		۳۳۳
	ہندو استاذ کی خدمت کا عجیب واقعہ۔		۳۳۴
(۴۳)	امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب	۱۳۸۴ھ	
	دہلوی رحمہ اللہ کے واقعات۔		۳۳۴
	مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ کے نام ایک خط۔		۳۳۴
	کسی سے استفادہ کرنے میں کبھی حجاب نہیں ہوا۔		۳۳۶
	”منشی جی! ہمارے لئے اور ہمارے گھر والوں کے		
	لئے دعا کرنا۔“		۳۳۷
	”مجھے ابھی تک چہ نمبر نہیں آئے۔“		۳۳۷
	اس بالٹی کے اٹھانے کا لطف و مزہ اب تک پار باہوں۔		۳۳۸
	کئی دنوں تک مہمانوں اور گھر والوں کی نجاست اٹھا		

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	کر جنگل میں پھینکتے رہے۔		۳۳۸
(۴۴)	عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمن	۱۳۸۵ھ	۳۳۸
	صاحب کا ملپوری رحمہ اللہ کے واقعات۔		۳۳۹
	اکوڑہ خٹک میں تشریف آوری۔		۳۴۰
	طلبہ پر شفقت۔		۳۴۱
	شان تواضع۔		۳۴۲
	بے نفسی و فنائیت۔		۳۴۶
	اصلاح میں کسر نفسی۔		
(۴۵)	حضرت مفتی سعید احمد صاحب کی تواضع و		۳۴۹
	فنائیت۔		
(۴۶)	حضرت مولانا فخر الدین شاہ صاحب رحمہ		۳۵۱
	اللہ کی تواضع و فنائیت۔		
(۴۷)	حضرت مولانا شیر محمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی	۱۳۸۶ھ	۳۵۲
	تواضع و سادگی۔		
(۴۸)	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ	۱۳۸۷ھ	۳۵۲
	صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔		
(۴۹)	جامع المنقول والمعقول علامہ مولانا محمد	۱۳۸۷ھ	۳۵۳
	ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔		
(۵۰)	شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور مدنی	۱۳۸۹ھ	۳۵۵
	رحمہ اللہ کے واقعات		

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۳۵۵		”حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں۔“	
۳۵۶		”اگر ان حضرات کی تراب نعلین ہو جاؤں تو میرے لئے یہی فخر ہے۔“	
۳۵۷		ہاتھ چومنے والوں کو تنبیہ۔	
۳۵۷		”مجھے اس بیان سے سخت تکلیف پہنچی ہے۔“	
	۱۳۹۰ھ	خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	(۵۱)
۳۵۷		رحمہ اللہ کے واقعات۔	
۳۵۷		کمال تواضع۔	
۳۵۸		ادب و تواضع۔	
۳۵۸		ایک سبق آموز واقعہ۔	
۳۵۹		اتباع شریعت و سنت۔	
	۱۳۹۰ھ	حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جو دھپوری	(۵۲)
۳۶۰		رحمہ اللہ کے واقعات۔	
۳۶۰		بے نفسی۔	
۳۶۳		حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طرف سے اجازت۔	
	۱۳۹۱ھ	مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری	(۵۳)
۳۶۳		رحمہ اللہ کے واقعات۔	

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۵۴)	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ تواضع اور فنائیت کے حسین پیکر۔ ”تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین۔“ ”ید بیضائے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں۔“	۱۳۹۲ھ	۳۶۵ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۸
(۵۵)	شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”اب ایسے متواضع اور منکسر المزاج بزرگ کہاں پیدا ہوں گے؟“ ”ان شاء اللہ ان حضرات کی علمی و دینی خدمات میری مغفرت کا ذریعہ بنیں گی۔“ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔ تواضع اور سادگی کے پیکر۔ ”مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔“ بے تکلف اور سادہ زندگی۔ ”میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا۔“ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا امتیازی وصف۔ ”ان کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا۔“	۱۳۹۲ھ	۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۳ ۳۷۵ ۳۷۵ ۳۷۶

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	خدمت خلق اور بے نفسی کا ایک سبق آموز واقعہ۔		۳۷۷
	ایسا ہی ایک اور واقعہ۔		۳۷۸
	اجازت بیعت اور خلافت سے سرفرازی۔		۳۷۹
	استعفاء کی خواہش اور خشیت و تواضع۔		۳۸۲
	حقیقت علم۔		۳۸۴
	تواضع و فنائیت۔		۳۸۷
	”یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں۔“		۳۸۹
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اپنے بعض ہم		
	عصروں کے ساتھ معاملہ۔		۳۹۰
	”مفت میں کچھ کاغذ کا لے کر لیتا ہوں اور کیا کام		
	ہے؟“		۳۹۱
	حضرت رحمہ اللہ کی شان تواضع۔		۳۹۱
	”یہ میری حقیقت ہے۔“		۳۹۲
	”ہمیں خدا کے گھر کے قرب و پڑوس میں جو راحت		
	نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی۔“		۳۹۲
	”اصول فقہ پر تمہارے دروس میں میں بھی شریک		
	ہوا کروں گا۔“		۳۹۷
	فروتنی است دلیل رسیدگان خدا۔		۳۹۸
	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی سب سے ممتاز اور		
	نمایاں خصوصیت۔		۳۹۹

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۵۸)	محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے واقعات - صغائر نوازی کی عجیب مثالیں - عالی ظرفی، بے نفسی اور ایثار و اخفاء کے بے نظیر واقعات - حقیقی عظمت - ”جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو شہرت کے لئے نہ کرو!“ - ”اولنک آبائی فجننی بمثلہم“ -	۱۳۹۷ھ	۴۱۱ ۴۱۱ ۴۱۳ ۴۱۵ ۴۱۷ ۴۱۷
(۵۹)	قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوئی رحمہ اللہ کے واقعات - تواضع و عبدیت سے متعلق حضرت کے ملفوظات طیبات - ”جہاں“ میں ”ہو وہاں اللہ تعالیٰ کیسے؟“ - کمال انکساری - ”میں تو بہت گنہگار ہوں، کسی سے میری غلط تعریف سن کر بھول رہے ہو“ - ”جہاں گندگی ہوتی ہے مکھی آیا ہی کرتی ہے“ - ”بھائی! مجھ میں کوئی ایسا نقص ہوگا دعا کرو پہلے میری اصلاح تو ہو جائے“ - اپنی تعریف اور کسی کی تنقیص سن کر رقت طاری ہو جانا - ”میں تو کانا ہوں مگر حضرت تھانوی قدس سرہ کی	۱۳۹۸ھ	۴۱۹ ۴۱۹ ۴۲۲ ۴۲۲ ۴۲۲ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۳

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”کیا میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں؟“۔ ”وہ اسلام آباد جا رہے تھے اور ان کا جوتا ٹوٹا ہوا تھا۔“		۴۳۶
	خواب بیان کرنے سے منع کیا کہ خود ستائی کا پہلو نکلتا ہے۔		۴۳۶
	حکومت سعودیہ کے مہمان۔		۴۳۷
(۶۲)	مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی۔	۱۴۰۱ھ	۴۳۸
(۶۳)	حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ کی عاجزی و انکساری۔	۱۴۰۱ھ	۴۳۹
(۶۴)	حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔	۱۴۰۱ھ	۴۴۰
(۶۵)	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۴۰۲ھ	۴۴۱
	حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے ملفوظات و مکتوبات کے آئینہ میں۔		۴۴۳
	مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نام دو یادگار مکتوب۔ ”افسوس! کہ کتے کی دم برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو نیرھی ہی نکلی۔“		۴۴۷
	خلافت کی تشہیر کے خوف سے حضرت رائے پوریؒ		۴۵۰

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۶۸)	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے واقعات - ”بھائی! شہد کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں۔“ ”تشریف آوری محسوس نہ ہوئی۔“ ”یہ آپ کی محبت ہے۔“	۱۴۰۳ھ	۴۵۷ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۸
(۶۹)	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمہ اللہ کے واقعات - ”میں نے سوچا کیوں نہ میں خود ہی کو قصور وار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کر لوں؟“ کمال درجے کمالی۔	۱۴۰۵ھ	۴۵۹ ۴۵۹ ۴۶۱
(۷۰)	مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت - حضرت حاجی محمد شریف صاحب ہوشیار پوری رحمہ اللہ کے واقعات - ”خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں۔۔۔۔۔“ ”اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو!“ ”میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا ہے۔“	۱۴۰۵ھ	۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۴ ۴۶۴

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	اس فنائیت کی مثالیں اس دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔		۴۶۵
	’میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں‘۔		۴۶۵
	’میں اپنے آپ کو سب میں ذلیل ترین دیکھتا ہوں‘۔		۴۶۵
	’میں نالائق دربار اشرف ہوں‘۔		۴۶۶
	’کاش! وہ لڑکا میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی پگڑی اس کے پاؤں پر رکھ دیتا‘۔		۴۶۶
(۷۱)	حضرت کے تحریر فرمودہ دو خط۔	۱۴۰۵ھ	۴۶۷
	حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان عبدیت۔		۴۶۹
(۷۲)	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب راپوری رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔	۱۴۰۵ھ	۴۷۲
	’حضرات! مجھ سے تقریر کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے، لیکن مجھے تقریر کرنی نہیں آتی‘۔		۴۷۲
(۷۳)	عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۴۰۶ھ	۴۷۳
	’کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی؟‘۔		۴۷۳
	’تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے‘۔		۴۷۴
	نشست کے انداز میں بھی سادگی۔		۴۷۵

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت اور آپ کی تواضع و انکساری۔		۴۷۵
	تواضع و شفقت۔		۴۷۶
	خادم کا منصب۔		۴۷۶
	آندھیاں اور خاکساری۔		۴۷۷
(۷۴)	عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحب	۱۴۰۷ھ	
	پانی پتی رحمہ اللہ کے واقعات۔		۴۷۹
	واقعہ (۱)		۴۷۹
	واقعہ (۲)		۴۸۰
	واقعہ (۳)		۴۸۰
	واقعہ (۴)		۴۸۱
	واقعہ (۵)		۴۸۱
	واقعہ (۶)		۴۸۲
(۷۵)	مجاہد ملت حضرت مولانا نور احمد صاحب	۱۴۰۷ھ	
	رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت۔		۴۸۵
(۷۶)	حافظ جی حضور مولانا محمد اللہ صاحب رحمہ اللہ	۱۴۰۷ھ	
	کی تواضع و فنائیت۔		۴۸۶
	ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے لئے مرض کبر کے		
	ازالہ کی دعا کی درخواست کرنا۔		۴۸۶

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۷۷)	حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمہ اللہ کی عاجزی و انکساری۔		۴۸۶
(۷۸)	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۴۰۹ھ	۴۸۸
	مدارس کی تاریخ کا واحد واقعہ۔		۴۸۸
	ایک اور عجیب واقعہ۔		۴۸۹
	سرپا انکسار۔		۴۹۰
	بے نفسی اور علم پروری کا ایک حیرت انگیز واقعہ۔		۴۹۰
	باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے۔		۴۹۲
	”حضرت! آپ نے بڑی شفقت فرمائی۔“		۴۹۳
(۷۹)	مرشد عالم مولانا حضرت غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۴۱۰ھ	۴۹۵
	احترام سادات۔		۴۹۵
	”مفتی صاحب! اب آپ لیٹ جائیں۔“		۴۹۵
	”جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں۔“		۴۹۵
	”بڑوں کی بات کو غفل کرنے کے لئے بھی ادب چاہیے۔“		۴۹۶
	”میں زمینداروں کے گھر چل سکتا ہوں تو غریبوں کے گھر بھی چل سکتا ہوں۔“		۴۹۶

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۴۹۶	۱۴۱۰ھ	”میں کوئی حجر اسود ہوں جسے بوسہ دیتے ہو؟“۔ حضرت مولانا سید محمد عبداللہ شاہ بونیری رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی۔	(۸۰)
۴۹۷	۱۴۱۰ھ	استاذ العلماء حضرت مولانا محمد شریف کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع و انکساری۔	(۸۱)
۴۹۷	۱۴۱۲ھ	حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔	(۸۲)
۴۹۸		”سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے۔“	
۴۹۸		”خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لئے لوٹے بھرا کرو!“۔	
۴۹۹		”اپنی چیز کو تبر کا دینا تکبر ہے۔“	
۴۹۹	۱۴۱۲ھ	فخر اہلسنت حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	(۸۳)
۵۰۰		نام و نمود سے نفرت۔	
۵۰۰		سادگی اور تواضع کے چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات۔	
۵۰۱	۱۴۱۳ھ	مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کے واقعات۔	(۸۴)
۵۰۵			

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں اور میری اصلاح ہوتی رہے۔“		۵۰۵
	”لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آ جائے گا۔“		۵۰۶
	حضرت کی ایک اہم ہدایت ”محبت غلو نہیں ہونا چاہیے۔“		۵۰۷
	ایک دیہاتی قالین پر آ کر بیٹھ گیا۔		۵۰۷
	دورانِ مجلس بھنگی سے بات کرنے کا واقعہ۔		۵۰۸
	”میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔“		۵۰۹
	سر اپا عجز و انکسار۔		۵۱۰
(۸۵)	حضرت مولانا محمد تکی بہاولنگری رحمہ اللہ کی تواضع و انکساری۔	۱۴۱۴ھ	۵۱۱
(۸۶)	فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد	۱۴۱۵ھ	۵۱۲
	تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات۔		۵۱۲
	حضرت مفتی صاحب تواضع اور خود داری کا نمونہ تھے۔		۵۱۲
	فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ پر اعتماد۔		۵۱۳
	مسکنت اور بے نفسی۔		۵۱۳
(۸۷)	مفتی اعظم حضرت مفتی ولی حسن صاحب	۱۴۱۵ھ	۵۱۵
	ٹوکنی رحمہ اللہ کی فنائیت۔		۵۱۵

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
(۸۸)	حافظ القرآن والحديث حضرت مولانا محمد عبد اللہ در خواستی رحمہ اللہ کے واقعات۔ ”تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں۔“ ”زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں؟“ ”ذرا پی پر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے۔“	۱۴۱۵ھ	۵۱۶ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸
(۸۹)	حضرت مولانا محمد رضا الجمیری رحمہ اللہ کی للہیت و تواضع۔	۱۴۱۵ھ	۵۱۸
(۹۰)	حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ غنائیت پر مبنی عجیب ارشاد۔ ”ہمیں بولنا بھی نہیں آیا۔“ ”اپنے پاس کوئی پرہیز نہیں ہے۔“ عجز و انکسار کے حسین پیکر۔ ”ارے بھائی! میں کیا جانوں؟“ ”مجھے تو بات کرنی نہیں آتی۔“ اعلان کی وجہ سے پیشان روک کر کھڑے رہے۔ ”اجی! میری کیا برکت ہے؟ یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے۔“ کمال بے نفسی۔	۱۴۱۶ھ	۵۲۰ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۳ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۶

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۵۲۷	۱۳۱۷ھ	”شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کر دے۔“ مفکر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	(۹۱)
۵۲۷		صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	
۵۲۷		سادگی اور بے تکلفی۔	
۵۲۹		”خادم نہ کہ مخدوم۔“	
۵۲۹		شیخ بے مشینت۔	
۵۳۰		زیادہ سے زیادہ ”مدظلہ“۔	
۵۳۰		خود کو کمتر سمجھنے کی طلب۔	
۵۳۱		انکسار و تواضع۔	
۵۳۳	۱۳۱۷ھ	مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کی تواضع اور سادگی۔	(۹۲)
۵۳۳	۱۳۱۷ھ	فقہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات۔	(۹۳)
۵۳۵		”یہ سب کچھ میری نحوست سے ہو رہا ہے۔“	
۵۳۵		امتیاز پسندی۔	
۵۳۶		فقیر کو اپنی رکابی میں کھانا کھلانا۔	
۵۳۶		کھانے کے موقع پر عادت مبارکہ۔	
۵۳۷		”میں محروم جہاں تھا وہیں رہا۔“	
۵۳۷		شعر کا عجیب مطلب۔	

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۵۳۸		”صاحب نسبت بزرگ“ لکھنے پر تنبیہ۔	
۵۳۸		”یہ کمینہ سیہ کار لائق احترام نہیں“۔	
۵۳۸		”عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے“۔	
		”حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا قائم مقام“ لکھنے پر	
۵۳۸		تنبیہ۔	
		”یہ ناکارہ جوتیاں سیدھی کرنے کے قابل بھی	
۵۳۹		نہیں“۔	
۵۳۹		”اتنی عمر ہو چکی حالات درست نہیں ہوئے“۔	
۵۳۹		”یہاں تو میری نحوست ہی نحوست ہے“۔	
		”آپ سے زیادہ امراض باطنہ و امراض ظاہرہ میں	
۵۴۰		یہ ناکارہ مبتلا ہے“۔	
		حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدہم کا	
۵۴۰		مکتوب اور حضرت والا کی طرف سے اس کا جواب۔	
۵۴۱		رجوع کرنے کی درخواست پر تنبیہ۔	
۵۴۲		ناظم صاحب سے اعتکاف کی اجازت۔	
۵۴۲		”میری حالت نقص ہے“۔	
۵۴۳		مجلس شوریٰ کی رکنیت سے معذرت۔	
		”آپ سے ناراض ہو کر مور و غضب بننے کی تاب	
۵۴۴		کہاں؟“۔	
۵۴۴		”شاید کسی کی خدمت کا موقع مل جائے“۔	

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے۔“		۵۴۴
	”حافظہ تو میرا کمزور ہے۔“		۵۴۵
	”رذائل و خرافات سے دل پر ہے۔“		۵۴۵
	”عصر سے مغرب تک ایک دربار میں مغرب سے		
	عشاء تک ایک دربار میں۔“		۵۴۶
	”میں بیکار ہوں۔“		۵۴۶
	”میرے لئے وفد کی ضرورت نہیں۔“		۵۴۶
	”قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہیں۔“		۵۴۸
	فتاویٰ کی اشاعت کی ناپسندیدگی۔		۵۴۸
	انداز خطاب۔		۵۴۹
	عہدہ قبول کرنے سے احتراز۔		۵۴۹
	”مجلس فقہی“ کی رکنیت سے معذرت۔		۵۵۳
	ہجرت نہ فرمانے کی وجہ۔		۵۵۴
	”میں حضرت مدنی قدس سرہ کی جوتی کی خاک کے		
	برابر بھی نہیں۔“		۵۵۴
	قضاء تام۔		۵۵۵
	”پتہ نہیں ہماری بھی کوئی سفارش کرے گا یا نہیں؟“		۵۵۶
	اپنے لئے کھڑا ہونے سے انقباض۔		۵۵۶
	”ڈانٹنے کے لئے میرا نفس کج رفتار ہی بہت کافی ہے۔“		۵۵۷
	”ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ۔“		-----

صفحہ نمبر	تاریخ وفات	آئینہ مضامین	نمبر شمار
۵۵۸		اپنی تعریف سے نفرت۔ ”وہ نہیں آتے تو تو ہی چل مفتی!“۔	
۵۵۸		”اس کا مجھے علم نہیں۔“	
۵۵۹		”اب مجھ سے اس طرح نہیں پڑھایا جاتا کیونکہ طلبہ زیادہ فاضل ہونے لگے۔“	
۵۵۹		”اس مٹی کے ڈھیر کو اٹھا کر جہاں چاہے رکھ دو۔“	
۵۶۰		”میری بکو اس کیا سنا تے ہو؟“۔	
۵۶۰		”محبت کو محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔“	
۵۶۰		”دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔“	
۵۶۱		”پوری دنیا میں خود سے نکمنا اور ناکارہ کسی کو نہیں پایا۔“	
۵۶۲	۱۴۱۸ھ	عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ کے واقعات۔	(۹۴)
۵۶۳		دروازے پر بیٹھ کر چائے پی۔	
۵۶۴		دینی مدارس وغیرہ میں بیان سے ادب اور تواضع مانع ہوتی تھی۔	
۵۶۵		”وہ حضرات بڑے تھے، ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہئے۔“	
۵۶۵		”ہم تو ادھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے۔“	
۵۶۵		”لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے؟“۔	

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے!“۔		۵۶۶
	اپنی ٹوپی سر سے اتار کر طابعلم کے پاؤں پر رکھ دی۔		۵۶۷
	کابر، اہل علم اور خدام دین کی خدمت۔		۵۶۷
	طلبہ کی خدمت کے عجیب واقعات۔		۵۶۸
	”شاید کسی آئیو الے کی دعا کام کر جائے۔“		۵۶۹
	بیت الخلاؤں کی صفائی۔		۵۶۹
	اپنی تعریف و توصیف اور القابات پر اظہارِ رائے		
	پسندیدگی کے واقعات۔		۵۷۱
	ایک حیران کن واقعہ۔		۵۷۲
	”حضرت نے ایک ہی ملاقات میں مجھ کو اپنا غلام بنا لیا۔“		۵۷۳
	تواضع کی انتہاء۔		۵۷۴
	کپڑے دھونے میں طلبہ کی مدد۔		۵۷۶
	تجارت کے پیچھے مشقت کی عجیب داستان۔		۵۷۶
	”حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں۔“		۵۷۷
	طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ۔		۵۷۸
	”میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں۔“		۵۷۸

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”ان کے ایثار و قربانی اور خلوص میں شبہ نہیں، لیکن میرا کیا ہوگا؟“۔		۵۷۹
(۹۵)	مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۱۸ھ	۵۸۰
	پوری زندگی للہیت و بے نفسی سے عبارت تھی۔		۵۸۰
	طلبہ سے محبت و شفقت۔		۵۸۱
(۹۶)	تاج العارفین حضرت مولانا پیر جی محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کی عبدیت و فنائیت۔	۱۳۱۹ھ	۵۸۱
(۹۷)	شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۱۹ھ	۵۸۲
	تواضع اور خدمت کے حسین پیکر۔		۵۸۲
	”میں مولوی کب ہوں؟“۔		۵۸۳
	”مجھے حدیث کے معنی کا بھی پتہ نہیں“۔		۵۸۶
	ویدار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔		۵۸۶
	وقت کا محدث کمن مہمان کی دلجوئی کر رہا ہے۔		۵۸۷
	علوم مرتبہ کے باوجود انکساری۔		۵۸۷
	حضرت کی بے نفسی۔		۵۸۸
	”اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے		
	لیکن“۔۔۔۔۔		۵۸۹

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”حضرت بار بار معذرت کے الفاظ فرماتے رہے۔“		۵۹۰
	”جواب تو مفتی صاحب کو دینا چاہیے تھا لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے۔“		۵۹۰
	”ہرگز نہیں، یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔“		۵۹۱
	”میری غلطیوں کو معاف فرمادیں۔“		۵۹۲
(۹۸)	واعی الی اللہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۱۹ھ	۵۹۳
	”بھائی! میں گناہ گار اپنی اصلاح کے لئے کسی کی تلاش میں ہوں۔“		۵۹۳
	”سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل سکے گی؟“		۵۹۴
(۹۹)	مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۲۰ھ	۵۹۶
	لباس اور کھانے میں سادگی کا حال۔		۵۹۸
(۱۰۰)	جامع شریعت و طریقت حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے واقعات۔	۱۳۲۱ھ	۵۹۹
	امتیازی شان کو ناپسند کرنا۔		۵۹۹
	حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تواضع۔		۶۰۰
	تواضع اور طلب۔		۶۰۰
	اعتراف قصور۔		۶۰۱

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	گھریلو کام کاج میں گھر والوں کے ساتھ شرکت۔ ”بھائی! جس نے انڈے پراٹھے کھائے ہوں وہ دال روٹی پر کیا گزارہ کرے گا؟“ ”یوں کیوں نہیں کہتے کہ میری نخوست سے دوسرے خیمے جل گئے؟“ حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے واقعات۔ وہ حسد اور معاشرت کی بیماری سے پاک تھے۔ ”ایسے نہیں، بلکہ یہ سند میرے نام پر کر کے دیدیں۔“ انتہاء درجہ کی کسر نفسی۔ ”ہاں بھائی! وہ سچ کہتے ہیں، میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ۔“ عجز و انکسار، تواضع و للہیت پر مبنی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے نام ایک مکتوب۔ امین المملکت حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے واقعات۔ تواضع اور انکسار کا پیکر۔ پروقا رسادگی۔ وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنادیتے تھے۔	۱۲۲۱ھ	۶۰۲ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۷ ۶۰۹ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۲
(۱۰۱)			
(۱۰۲)			

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	”میرے ساتھ وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں۔“		۶۱۲
	سادہ اور بے تکلف زندگی۔		۶۱۲
	سادگی کا ایک عجیب واقعہ۔		۶۱۴
	”حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔“		۶۱۵
	صاغر نوازی۔		۶۱۶
	عاجزی کے دو عجیب واقعے۔		۶۱۷
	سادگی کا ایک اور واقعہ۔		۶۱۹
	سراپا فناء شخصیت۔		۶۱۹
	کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ جانا۔		۶۲۰
	”غریبی میں نام پیدا کر!“		۶۲۰
	صلہ رحمی اور رقت قلبی کا حیران کن واقعہ۔		۶۲۲
(۱۰۳)	فقیر العصر حضرت مفتی عبدالشکور صاحب	۱۳۲۱ھ	
	ترمذی رحمہ اللہ کے واقعات۔		۶۲۲
	سراپا عجز و انکسار۔		۶۲۲
	”یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی۔“		۶۲۵
	تواضع اور سادگی کے حسین مرقع۔		۶۲۵
	”مجھے کچھ نہیں آتا۔“		۶۲۶
(۱۰۴)	مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد	۱۳۲۱ھ	
	صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔		۶۲۷

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	تواضع و سادگی۔		۶۲۷
	”جریر۔۔۔۔ اور ابو جریر“۔		۶۲۸
	گھریلو زندگی کی سبق آموز خصوصیات۔		۶۲۹
	معاشرت میں اسوہ حسنہ۔		۶۲۹
	سلام میں سبقت کا عجیب واقعہ۔		۶۳۰
	”انی بارضک السلام“۔		۶۳۱
	پیدائشی تواضع اور اس کا اثر۔		۶۳۱
	صبح کی تفریح میں تواضع۔ افادہ و استفادہ۔		۶۳۳
	اعطوا ذا حق حقہ۔		۶۳۳
	قیمتی لباس میں سادگی۔		۶۳۴
	قصہ ایک لاکھ تومان کا۔		۶۳۴
	چھوٹوں سے بھی استفادہ علم و طلب اصلاح۔		۶۳۶
(۱۰۵)	حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب	۱۴۲۲ھ	
	بلند شہری رحمہ اللہ کی تواضع و انکساری۔		۶۳۷
(۱۰۶)	حضرت علامہ قاضی محمد زاہد حسینی رحمہ اللہ کی		
	تواضع و فنائیت۔		۶۳۸
	”میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل، ساری زندگی بربادی		
	میں گزر گئی“۔		۶۳۸
(۱۰۷)	عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب	۱۴۲۳ھ	
	رحمہ اللہ کے واقعات۔		۶۳۸

نمبر شمار	آئینہ مضامین	تاریخ وفات	صفحہ نمبر
	تواضع و انکساری۔		۶۳۸
	تواضع و انکساری اور سادگی کا پیکر مجسم۔		۶۴۱
(۱۰۸)	وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین	۱۴۲۴ھ	
	صاحب رحمہ اللہ کے واقعات۔		۶۴۲
	تواضع و فروتنی۔		۶۴۲
	بے نفسی۔		۶۴۳
	کسر نفسی کی انتہاء۔		۶۴۳
(۱۰۹)	شہید ناموس صحابہ حضرت مولانا محمد اعظم	۱۴۲۴ھ	
	طارق شہید رحمہ اللہ کے واقعات۔		۶۴۴
	عجز و انکسار کا پیکر۔۔۔۔۔ اعظم طارق شہید		۶۴۴
	”یہ خدمت میں ہی سرانجام دیتا ہوں“۔		۶۴۷
(۱۱۰)	مفتی نظام الدین شہید رحمہ اللہ کے واقعات	۱۴۲۵ھ	
	”صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیانہ“۔		۶۴۷
	شفقت کا عظیم پیکر۔		۶۴۹



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ”تَوَاضَعُ وَفَنَیْتُ“

اکابر علماء دیوبند کا ایک ممتاز وصف

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، بزرگوں کی دعاؤں اور والد محترم حضرت اقدس مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہم العالی کی حسن تربیت کے طفیل الحمد للہ بندہ کو اکابر علماء دیوبند کے مبارک سیر و سوانح اور انکے پاکیزہ حالات سے عشق کی حد تک شغف ہے۔ فارغ اوقات میں انکے تذکروں پر مشتمل کتب کا مطالعہ میرا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔

نقشبندی سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت پیر جی مولانا محمد ادریس انصاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اکابر کے حالات پڑھنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(۱) اپنے اعمال پر نظر نہیں رہتی، یہ سوچ کر کہ ان حضرات نے تو بہت کچھ کیا میں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔

(۲) بزرگوں کے حالات پڑھ کر عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

ان کی یادوں میں گلوں کی خوشبو کے مصداق اس میں جو لطف اور سکون نصیب ہوتا ہے وہ اس پر مستزاد۔

علامہ زنجیری رحمہ اللہ کے اشعار آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

سَهْرِي لِنَتَقِيحِ الْعُلُومِ الَّذِلِي

مِنْ وَضَلِ غَانِيَةً وَ طَيْبَ عِنَاقِ

”علم و مطالعہ کے لیے میرا راتوں کو جاگنا خوبصورت دوشیزہ کے وصل و ملاقات

سے میرے لیے زیادہ لذیذ ہے“

وَتَمَائِلِي طَرَبًا لِحَلِّ عَوِيصَةٍ

أَشْهِي وَأُحْلِي مِنْ مُدَامَةِ سَاقِ

”اور کسی مشکل مسئلہ کے حل ہوتے وقت میرا جھومنا مجھے ساقی کے جام و شراب سے زیادہ محبوب ہے“

وَصَرِيرُ أَفْلَامِي عَلَى أَوْرَاقِهَا

أَحْلَى مِنَ الدُّوْكَاءِ وَالْعِشَاقِ

”کاغذ کے اوراق پر میرے قلم چلنے کی آواز مجھے عشق و محبت سے زیادہ پسند ہے“

وَالَّذِي نَقَرَ الْفَتَاةَ لِدَفِّهَا

نَقَرَنِي لِأَلْقَى الرَّمْلَ عَنْ أَوْرَاقِي

”نوخیز لڑکی کے دف بجانے کی کھنک سے مجھے اپنی کتابوں کے اوراق سے غبار جھاڑنے کی

آواز زیادہ خوبہ مررت لگتی ہے“ (مقدمۃ الفائق، ص ۸۰۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کی زندگی انتہائی مسرور و زندگانی تھی، لیکن جب کبھی آپ کو فراغت کے چند لمحات میسر آتے تو آپ اکابر علماء دیوبند کا تذکرہ چھیڑ دیتے اور برے و البانہ انداز میں دیر تک انکے پاکیزہ واقعات سنا کر حاضرین کو منظور فرماتے۔

ذکران کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی بے خودی کیا چیز ہے وارفتگی ہوتی ہے کیا

اور آخر میں بڑی حسرت کے ساتھ یہ مصراع پڑھتے

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخواست ہوئی

آہ! یہ قدسی صفات انسان اب ڈھونڈے سے بھی کہاں ملتے ہیں

بھیڑ میں دنیا کی جانے وہ کہاں گم ہو گئے کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں میں

امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد لاہور میں

تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے اپنے اس مشہور

شعر سے تاثرات کا اظہار شروع کیا۔

ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پے روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر کہا کہ اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ علامہ انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
شاذ ہی دیکھو گے ان جیسے فقیروں کی طرح خاک میں بھی جو چمکتے ہیں ہیروں کی طرح
تواضع و فنائیت کے حسین پیکر: اکابر علماء دیوبند کی تاریخ پڑھنے سے ان کی
کتاب زندگی کا سب سے حسین ورق اور تابناک پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ علم و فضل کے
سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع و فنائیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ
زبان زد عام ہے کہ پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکی رہتی ہے لیکن ہمارے زمانے
میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا
۔ یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اور ان کی شخصیت کا زریں عنوان ہے۔

بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس دہلوی صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا
مشائخ کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جو انہی کا حصہ ہیں ایک تو عشق و محبت اور دوسری جذب و
فنائیت۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مکہ مکرمہ میں ایک رومی بزرگ خلیل پاشا نامی تھے پہلے ترکی سلطنت کی طرف
سے ینبوع کے گورنر رہے اور پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی ان کی درویشی کا بھی
ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ انکے والد بڑے بزرگ اور کامل شیخ تھے، مکہ مکرمہ میں مقیم تھے
۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے، ایک روز
حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میرا بیٹا دنیا دار ہو گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ غم نہ
کرو وہ بھی آپ جیسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں خود بخود ان کا دل دنیا سے
اٹھ گیا گورنری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ میری ان سے

کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملے؟ میں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کے ہوتے ہوئے میں نے کسی بزرگ سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال بھی خواب ہی میں بیان کی کہ مقصود بیت اللہ کے پاس حاضری ہے جو شخص ایک راستے سے وہاں پہنچ جائے اس کے ذمے نہیں کہ پھر لوٹ کر جائے اور دوسرے راستے سے پہنچے۔ وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ صبح کو میں نے وہ خواب حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ ان کی زیارت ضرور کرو۔ میں نے کہا اب حضرت کے حکم سے ضرور جاؤنگا۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیل پاشا صاحب نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں۔ ترکی۔ عربی اور فارسی۔ اب میں آپ سے کس زبان میں بات کروں؟ میں نے عرض کیا کہ میں ترکی زبان کو نہ تو سمجھ سکتا ہوں اور نہ بول سکتا ہوں۔ عربی کو سمجھ لیتا ہوں بولنے کی عادت نہیں۔ فارسی کو سمجھ بھی لیتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں انہوں نے بڑی بشارت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرمائی۔ بہت سی باتیں ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ خلیل پاشا صاحب نے فرمایا میں عرب و عجم کے بہت سے علماء سے ملا ہوں مگر ہندوستان کے علماء سے بہتر علماء کہیں نہیں پائے۔

میں نے پوچھا آپ نے ان میں کونسا وصف پایا ہے؟ فرمایا کہ وہ محبت دنیا نہیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس ملفوظ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بس حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہمارے اکابر دارالعلوم کے طبقے میں مخصوص تھی، جو دنیا کے علماء اور درویشوں میں سب سے زیادہ امتیاز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا وہ یہ کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فنا کر دینا اور کچھ نہ سمجھنا اور دنیا کی محبت چھوڑ دینا اور خاص طور پر جاہ کی محبت چھوڑ دینا۔ اس لیے کہ مال کی محبت تو چھوڑنا آسان ہے لیکن جاہ کی محبت چھوٹ جائے، آدمی کے دل میں اپنی بڑائی اور اس بڑائی کی محبت دل میں نہ رہے یہ چیز صرف

اپنے بزرگوں میں دیکھی یہ بات کہیں اور نظر نہیں آئی۔

ہمارے حضرت والا (حضرت تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے متعلقین اور ان کے مریدین کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے یعنی فنا، اس لیے ان کے اندر حب جاہ نہیں ہوتا اور جس میں یہ چیز نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں ہے یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلہ سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا، تعلیٰ نہیں ہوگی، دعویٰ نہیں ہوگا۔

اپنے کو اونچا سمجھنے کا کہیں کوئی شائبہ نہیں ہوگا (مجالس مفتی اعظم، ص ۵۲۲، ۵۲۳)
حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ایک ذاکر نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے طائف میں چلے کیا اور سو لاکھ اسم ذات روزانہ پڑھا مگر نفع نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے حضرت ناراض ہیں، فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو تم کو سو لاکھ اسم ذات روزانہ کی توفیق ہی نہ ہوتی اور یہ بات جو حضرت نے فرمائی اس میں نقشبندیہ کی ایک شان ہے کیونکہ نقشبندیہ میں ناز کی شان غالب ہے اور چشتیہ میں نیاز کی اور ہمارے حضرات مرکب ہیں چشتیت اور نقشبندیہ دونوں سے، ان میں دونوں شاخیں جمع ہیں مگر غلبہ اسی نیاز اور عشق ہی کو ہے جس کی حقیقت فنا ہے (ملفوظات حکیم الامت ج ۲ ص ۳۹۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری تعلیمات فنائیت و خود شکستگی سے لبریز ہیں حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت حاجی صاحب سے ایک ہی سبق پڑھا ہے اور وہ یہ کہ اپنے کو مٹا دو۔ چنانچہ اس سلسلہ کے تمام اکابر پر فنائیت کا غلبہ رہا ہے۔ ان حضرات نے خود کو ایسا مٹایا کہ ایک ظاہر بین نظر نہ پہچان سکی۔
انسان کا سب سے اعلیٰ مقام بندگی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ ہے:-

”اس طریق میں اول قدیم بھی پستی ہے اور آخر بھی پستی ہے۔ بغیر اس کے

اور ادو وظائف کچھ بھی فائدہ مند نہیں“

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ”جس شخص کو داخل طریق ہو کر تواضع میسر نہیں ہوئی وہ بالکل محروم ہے جیسے ایک امیر کبیر کی لڑکی سے کسی نے شادی کی لیکن وہ رتقا، (بانجھ) تھی تو مقصود نکاح تو حاصل نہ ہوا، خاوند کی نظر میں دو کوڑی کی نہیں۔ اسی طرح بدوں تواضع داخل طریق ہونا بیکار ہے“

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت و فتائیت اور بندگی کا ہے، شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو جتنا مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے اتنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرے)۔

ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب ہماری روح نکل رہی ہو اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمادیں کہ

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ . ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً . فَأَدْخِلِي فِي عَبْدِي . وَأَدْخِلِي جَنَّتِي .

دیکھیے! اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام ”بندگی“ ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کبھی اپنا یہ خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے۔

۔ میں عارفی آوارہ صحراء فنا ہوں ایک عالم بے نام و نشان میرے لئے ہے
یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے فنایت کے صحرا میں آوارگی عطا فرمائی ہے اور مجھے فنایت کا درس عطا
فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی عطا فرمادے۔ آمین (اصلاحی خطبات، جلد ۵، ص
(۳۲)

اکابر علماء دیوبند اپنے ملفوظات کے آئینہ میں: اکابر علماء دیوبند تو اضع و بے
نفسی، عبدیت و فنایت، پستی و فروتنی، عاجزی و انکساری، خاکساری و نیاز مندی، خود
فرا موشی و خود انکاری اور خود شکستگی و خود شکنی کے جس مقام بلند پر فائز تھے اس کی ایک واضح
اور نمایاں جھلک ان کے چند ملفوظات و ارشادات میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ
ارشادات جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ یہاں ”مشتے نمونہ از خروارے“
چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:
”آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، کیونکہ میرا تو
کسی دلیل سے بھی اچھا ہونا ثابت نہیں اور میرے پاس آنے والے اللہ کا نام لینے آتے
ہیں یہ یقیناً اچھے ہیں“

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے
”اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا
ہوا تھا اور کہاں مر گیا“

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے ایک معتقد کو خط میں تحریر فرماتے ہیں:
آپ بوجہ حسن ظن کیا کچھ میرے ساتھ اعتقاد جمائے بیٹھے ہیں، الحق مجھ کو نہایت
شرم ہے میرا حال قابل اس کے نہیں کہ کوئی مجھ سے اعتقاد کرے۔ مگر تمہارا حسن ظن اپنا وسیلہ
آخرت جانتا ہوں انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے ساتھ اس کے گمان
کے مطابق معاملہ کرتا ہوں)۔ موجب طمانیت ہو رہی ہے۔ پس میرا پردہ فاش کر کے مجھ کو

ضائع مت کرو۔“

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

”عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آ گئے۔“

امام العصر حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

”میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زادِ آخرت سے خالی ہے“

زندگی کے آخری ایام میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

”میرے پاس کوئی توشہ آخرت نہیں میں دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہوں۔“

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے جس وسیع پیمانے پر اپنے دین کی

عظیم خدمت لی وہ یقیناً ان کی عند اللہ مقبولیت کی واضح اور بین دلیل ہے۔ بالخصوص تصوف

کے میدان میں وہ اپنے تجدیدی کارناموں کی بدولت با اتفاق علماء چودھویں صدی کے مجدد

ہیں لیکن بایں ہمہ تواضع کا مقام بلند ملاحظہ ہو:

(۱)۔ فرمایا۔ روزے سے ہوں باور کرو گے بقسم کہتا ہوں کہ مجھ کو مجھ سے زیادہ

ذلیل انسان کوئی دنیا میں نظر نہیں آتا۔“

(۲)۔ فرمایا۔ ”میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال

اور ہر کافر کو فی المآل اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔ مسلمان کو تو اس لئے افضل سمجھتا ہوں

کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو

کبھی ایمان کی توفیق دیدیں۔ اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔“

(۳)۔ فرمایا: ”بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے، اپنی

کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بری حالت ہو ہرگز اس پر

طعن نہ کیا کرے۔ کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔“

(۴)۔ ایک بار نہایت خشیت کے لہجے میں فرمایا:

دیا سلائی کی طرح سارے مواد خبیثہ نفس میں موجود ہیں بس رگڑ لگنے کی دیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب تک رگڑ سے بچا رکھا ہے بچے ہوئے ہیں۔ فرعون و ہامان کو نہیں بچایا ان میں وہ مادے سلگ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ ہر وقت خطرہ ہے۔“

(۵)۔ ایک مجمع سے مصافحہ کرنے کے بعد فرمایا:

میں نے تو اس نیت سے مصافحہ کیا ہے کہ کیا اتنے سارے محبت کرنے والے مسلمانوں میں سے کوئی بھی خدا کا مقبول و مرحوم بندہ نہ ہوگا۔ اگر ایک بھی مرحوم ہو تو کیا مجھ کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ کر اسے رحم نہ آئے گا اور اللہ میاں سے سفارش کر کے مجھ کو دوزخ سے نہ نکلاوے گا؟“

مخدوم المملکت حضرت مفتی محمد حسن صاحب امر تسری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

”اگر میرے عیوب کی کسی کو اطلاع ہو جائے تو کوئی میرے اوپر تھو کے بھی نہیں۔“

مفتی، اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے:

”ہم انسان بنے تو نہیں لیکن ہم نے انسانوں کو دیکھا ہے۔ اب کوئی نیل آ کر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا کہ میں انسان ہوں۔“

جب آپ پر پہلا دل کا دورہ ہوا تو اس موقع پر موجود بعض بزرگوں (حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب و حضرت بابا نجم احسن صاحب وغیرہ) سے نہایت نحیف اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے:

”میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں۔ میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے۔ میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا۔ چند سیاہ لکیریں کھینچی ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کو قبول فرمالیں تو ان کی رحمت ہے۔“

ایک صاحب دل بزرگ کے بیان کے مطابق امام الاتقیاء حضرت مولانا میاں عبدالحادی صاحب دینپوری رحمہ اللہ اکثر اپنے متعلقین و مریدین سے فرماتے:

”فقیرو! میری سفید ڈاڑھی کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا!“

کبھی فرماتے:

”میں کیا ہوں، میرے اندر ساری گندگی بھری ہوئی ہے۔“

برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

”میرے اکابر نے تو میری اصلاح کی بہت کوشش فرمائی، مگر افسوس کہ کتے کی دم بارہ برس نکلی میں رکھنے کے بعد نکالی تو میڑھی ہی نکلی۔“

حضرت حاجی محمد شریف صاحب ملتانی رحمہ اللہ کو جب اپنے شیخ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جانب سے اجازت و خلافت کی ”بشارت“ دی گئی تو حاجی صاحب نے جواب میں لکھا:

”حضرت کے ارشاد کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں اور ہر شخص مجھ پر تھوک تھوک کر جائے“ اللهم اجعلنا منهم آمین۔

انہی کے نقش قدم پر ہوا خدا جینا۔ یرحمہ اللہ عبدا قال آمینا۔

تواضع و فنائیت کے متعلق چند اشعار

تواضع و فنائیت سے متعلق اکابر بزرگوں سے متعدد اشعار بھی منقول ہیں جنہیں وہ اکثر اپنی اصلاحی مجالس و دیگر تربیتی نشستوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے ان میں سے چند اشعار کا انتخاب ذیل میں پیش خدمت ہے

(۱) منادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے

کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

(۲) بقاء بحر فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی

یہ کشتی بھی عجیب ہے ڈوب کر ہی پار اترتی ہے

(۳) باریابی کی میں شرطوں کا خلاصہ سمجھا

وہی پہنچے گا جو خود کو مٹا ہی دے گا۔

- (۴) مجھے خاک میں ملا دو میری خاک بھی اڑا دو
- (۵) تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے
یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
- (۶) اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔
تو اضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو! صراحی سے
- (۷) کہ جاری فیض بھی ہے اور جھلکی جاتی ہے گردن بھی
چھوڑ کر اپنی بڑائی کر تو اضع اختیار
- (۸) رتبہ مسجد کے منارے کا ہے کم محراب سے۔
ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
- (۹) خاکساری اپنی کام آئی بہت
جو عالی طرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
- (۱۰) صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیما نہ
خاکساری نے دکھالیں رفعتوں پر رفعتیں
- (۱۱) اس زمیں سے واہ! کیا کیا آسماں پیدا ہوئے۔
خاک میں بھی ڈھونڈنے پر نہ ملے اپنا نشاں
- (۱۲) خاکساری خاک کی جب، خاک ساری رہ گئی۔
غبار راہ ہو کر چشم مردم میں محل پایا
- (۱۳) نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا۔
نہ تھی جب تک گناہوں کی اپنے خبر
- رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر۔
پڑی اپنے عیبوں پہ جو نظر
- تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا۔

(۱۴) غیر سے بالکل ہی اٹھ جائے نظر
تیری ہستی کا رنگ و بونہ رہے۔

تو کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کا رنگ و بونہ رہے۔
ہو میں اتنا کمال پیدا کر کہ

ہو رہے تو نہ رہے

(۱۵) تکبر کا انجام۔

حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ
مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
(حضرت ڈاکٹر صاحب) تکبر کو امراض قرار دیتے اور فرماتے کہ انسان کو
بکرے کی طرح میں میں نہ کرنا چاہیے، یعنی یہ نہ کہے کہ میں ایسا ہوں میں ایسا ہوں۔ پھر
عجیب و غریب اشعار سناتے جن میں ہنسی کی ہنسی ہے اور حکمت کی حکمت ہے وہ اشعار اس
طرح سے ہیں:

فخر بکرے نے کیا میرے سوا کوئی نہیں

میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں۔

جب نہ میں میں ترک کی اس مایہ فخر ذات نے

پھیر دی آ کر چھری تب حلق پر قصاب نے۔

گوشت، ہڈی، چمڑا جو کچھ کہ تھا جان زار میں

کٹ گیا، کچھ لٹ گیا، کچھ بک گیا بازار میں۔

باقی رہیں آنتیں فقط ”میں میں“ سنانے کے لیے

ان کو بھی لے گیا نداف دھنکی بنانے کے لیے۔

ضرب کی چوٹوں سے جب آنت گھبرانے لگی

میں کے بدلے ”تو ہی تو“ کی صدا آنے لگی۔

یہ دعویٰ تو مشکل ہے کہ یہ مجموعہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہے، لیکن بہر حال اس میں تقریباً تمام اکابر علماء دیوبند کے بصیرت افروز اور سبق آموز واقعات جمع کر کے اسے جامع بنانے کی اپنی سی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ رحمت خداوندی سے کیا بعید ہے کہ کوئی خوش نصیب ان واقعات کا مطالعہ کر کے انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنالے اور اس کا کچھ حصہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب ہو جائے۔

آخر میں میں اپنی اس حقیر سی طالب علمانہ کاوش کو اس رب العالمین اور ارحم الراحمین کے عظیم دربار میں پیش کرتے ہوئے یہ ندامت اور لجاجت بھری درخواست کرتا ہوں جس کے ہاں دین کی خاطر محنت و مجاہدہ کرنے والوں کی قدر ہے اور وہ اپنے در پر کشکول گدائی پھیلانے والوں کو کبھی مایوس اور خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا کہ اپنی شان کریبی و ستاری کا مظاہرہ فرما کر میری تمام تر علمی و عملی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبول سے نوازے۔ مجھے اور تمام قارئین کو اس سے خاطر خواہ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

معمر

مدرسہ مدرّسہ عربیہ رحیم آباد

و

معین مفتی دارالافتاء مسجد فاروق العظمیٰ، صاوی آباد

۶۱۴۲۶/۷/۹

استاذ الکمل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے

واقعات

(۱)۔ لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو!۔

پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا مملوک علی صاحب بڑے منکسر المزاج، صاحب مروت، خوش اخلاق، محنت پزورہ، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، سادہ طبیعت انسان تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفسانیت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے قصص الاکابر میں ایک واقعہ لکھا ہے جسکو قادری صاحب نے ”حالات مشائخ کاندھلہ“ کے مصنف مولانا احتشام الحق کے حوالے سے بیان کیا ہے، واقعہ یہ ہے:

مولانا مملوک علی صاحب ہمیشہ دہلی آتے اور جاتے جب کاندھلہ سے گذرتے تو باہر سڑک پر گاڑی کو چھوڑ کر ملنے آتے۔ مولانا مظفر حسین صاحب اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے؟ اگر کہا کھا چکا تو پھر کچھ نہیں، اور اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا تو مولانا پوچھتے کہ رکھا ہوا لا دوں یا تازہ پکوا دوں؟ چنانچہ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لا دو اس وقت صرف کھجڑی کی کھرچن تھی اسی کو لے آئے اور فرمایا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی۔ انہوں (مولانا مملوک علی) نے کہا بس یہی کافی ہے۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے تھے۔ یہی ہمیشہ کا معمول تھا۔ (مولانا محمد احسن ص ۱۷۹)

اللہ! اللہ! یہ کیسے حضرات تھے جنکو ہم صحیح معنی میں انسان کہہ سکتے ہیں۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات میں باہم بے حد خلوص اور محبت تھی۔ کیا اس دور میں بھی ایسے انسان مل سکتے ہیں۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا خلوص اور کھرچن میں بے اندازہ محبت اور مولانا مملوک علی کا اسے قبول کر لینا کہ پیشانی پر بل تو کیا بے حد خندہ پیشانی سے

قبول کرنا کیسے پیارے زندگی کے نمونے ہیں۔

ذرا آجکل تو کوئی کھرچن دے کر دیکھ لے کیا بنتا ہے۔ اسی دور میں مولانا مملوک علی کے مخلصین میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر کی متوفی ۱۳۱۷ھ تھے۔ دونوں میں بے حد مخلصانہ روابط تھے۔

یا اللہ! آجکل کی دنیا کو پیچھے کی طرف لوٹا دے اور اس سیاہ بخت دور کو لپیٹ کر رکھ دے۔ لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو (سیرت یعقوب و مملوک ص ۳۲، ۳۵) (۲)۔ تواضع و انکساری کا صلہ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم طلبہ کرام سے اپنے اصلاحی بیان میں فرماتے ہیں:

مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد تھے۔ ہدایۃ النخو پڑھتے تھے، ایک استاذ کے پاس گئے، اتنے غبی تھے کہ وہ استاد کہتے کہ کل کو میرے پاس نہیں آنا۔ دوسرے کی منت سماجت کرتے اس کے پاس جاتے ایک دو دن کے بعد وہ بھی کہتے بھائی وقت ضائع نہ کرو یہاں نہیں آنا۔ انتہائی مایوسی کے عالم میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں گئے اور ان سے عرض کیا کہ حضرت میں پڑھنے کے لیے آیا ہوں لیکن کوئی استاذ پڑھانے کے لیے تیار نہیں۔ ایک دو سبق پڑھاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ تم ہمارا وقت خراب کرنے کو نہ آیا کرو۔ تم کچھ سمجھتے ہی نہیں تو کیوں خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کل کو میرے پاس آنا۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدایۃ النخو کا صرف ایک سبق پڑھایا کہ اب جس استاذ کے پاس جاؤ، جا کر پڑھو، پڑھائے گا۔ پھر جہاں بھی پڑھنے لگے تو ہر ایک نے کہا یہ قابل ذی

استعدادِ ذی طالب علم ہے یہ تو میرے پاس پڑھے تو بہت اچھا ہے۔

تو یہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جس کو نمایاں اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح انتظام کر دیتے ہیں۔

آپ تو اضع کو اپنا شعار بنائیں، انکساری اور اس کے ساتھ وقار آپ کی پہچان ہو۔

(مجالس علم و ذکر، جلد ۲ ص ۱۷۶)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱)۔ ”اور تو اس میں کوئی بات نہیں، ہاں! نماز تو پڑھ لے ہے“۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔

ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی کے ہم سبق

ہیں۔

وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جا رہا تھا

بوجھ زیادہ تھا اور بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے یہ حال دیکھا تو

اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لیجانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے

پوچھا اجی! تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا

”وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں“ اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے

فرمایا ”اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں! نماز تو پڑھ لے ہے“ اس نے کہا واہ میاں

! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا

، اتنے میں ایک اور شخص آیا جو مولانا کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا، بھلے مانس! مولوی

مظفر حسین یہی ہیں۔

اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۰۰، بحوالہ ارواحِ ثلاثہ ص ۱۴۸)

(۲)۔ سادگی کی انتہاء۔

انہی مولانا مظفر حسین صاحب کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے، جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لادیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے، عموماً چیزیں غلے کے عوض خریدی جاتی تھیں، چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے تھے۔

(حوالہ، بالاص ۱۰۱)

(۳)۔ ”مولانا رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں“۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب جب گنگوہ سے رام پور جا رہے تھے تو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے کھانے کی تواضع کی، حضرت مولانا نے فرمایا کہ دیر ہو جائے گی، جو گھر میں رکھا ہو دیدو۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے چند باسی روٹیوں پر اڑو کی دال رکھ کر لادی اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے ان کو پلیٹ کر اپنی چادر میں باندھ لیا، اور رام پور جا کر فرمایا کہ ”مولانا رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں“۔

(آپ بقی حضرت شیخ الحدیث ج ۲ ص ۲۳۸)

(۴)۔ کھانے میں سادگی۔

حسن العزیز میں لکھا ہے کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلہ میں ایک بزرگ تھے۔ درویش بھی تھے، زمیندار بھی تھے، طرز ایسا تھا کہ کوئی ان کو عالم نہ سمجھتا ان کے عجیب و غریب معمولات تھے کھانے کے متعلق، ان کے قرابتدار مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی دہلی کے مدرسہ میں مدرس تھے، دہلی سے نانوتہ کا یہی راستہ تھا، کاندھلہ راستہ میں واقع ہوتا ہے، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے شکایت کی کہ جب کبھی آپ آتے ہیں، تو بلا ملے چلے جاتے ہیں مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ اگر اصرار نہ کیا جائے ٹھہرنے کا تو میں آجایا کروں، اس وقت بہلی میں سفر ہوتا تھا، اس روز سے معمول ہو گیا کہ کاندھلہ پہونچ

کر: نکل میں پہلی چھوڑ کر مولانا مظفر حسین صاحب سے منے آتے پھر وہ ان کو پہنچانے آتے، ایک دفعہ جب وہاں پہنچے تو اول سوال یہ تھا کہ کھانا کھاؤ گے یا کھا کر آئے ہو؟ اور اگر کھاؤ گے تو رکھا ہوا کھاؤ گے یا تازہ پکوا دیا جائے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ رکھا ہوا کھاؤں گا۔ بس ایک برتن میں کچھڑی کی کھرچن لا کر رکھ دی کہ رکھا ہوا تو یہ ہے۔ انہوں نے وہی کھالی۔ (حسن العزیز ص ۲۸۰) (آپ بقی ص ۲۳۸، ۲۳۹)

(۵)۔ ”بھاگ جا، بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا“۔

قصہ بڈولی میں ایک دفعہ مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھہرے۔ برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ مولانا کی اس سے بات چیت ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا میاں جی! کہاں جاؤ گے؟ مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لیے۔ بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد۔ بس اس کی تو روح فنا ہو گئی، دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ہونہو وہی لے گئے، یہ کوئی ٹھگ تھا۔ وہ سیدھا اسی راستے پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کیا۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کڑے کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا بھائی میں نے تیرے کڑے نہیں لیے۔ کہا ان باتوں سے کیا تو چھوٹ جائے گا؟ میں تجھے تھانے لے چلوں گا۔ کہا کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلوں گا۔

غرض وہ مولانا کو پکڑ کر جھنجھانہ کے تھانہ میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں، کھڑا ہو گیا اور دور سے ہی آیا۔ یہ دیکھ کر بننے کے ہوش خطا ہو گئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب تو جوتے پڑیں گے مگر مولانا اس سے کہتے ہیں ”بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا“۔ تھانیدار نے مولانا سے

پوچھا یہ کون تھا؟ کہا تم اسے کچھ نہ کہو جانے دو اس کی کوئی چیز کھو گئی اسکی تلاش میں آیا تھا۔
 دیکھئے! کیا بے نفسی ہے۔ لطف یہ کہ نرا غفو ہی نہیں بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہوئے
 چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ’اس سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں، میرے
 ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں کہ تو وہی ہے جس کے ایک بنیانے دھول
 لگایا تھا بس اس سے عجب نہیں ہوتا‘۔ (ص ۲۳۹)
 (۶)۔ بے تکلف اور سادہ زندگی۔

اسی طرح ایک اور حکایت مولانا مظفر حسین صاحب کی بیان کی جس سے ان کا
 رسوخ فی التواضع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مولانا چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں مولانا کے
 بھتیجے ملے جو گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے مولانا کو دیکھا تو گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ اور
 عرض کیا کہ حضرت! آپ گھوڑے پر تشریف رکھیں میں پیدل چلوں گا مولانا نے عذر کیا مگر
 انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا تو مولانا گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ایک ایڑ لگائی جب بھتیجے کی
 نظر سے غائب ہو گئے تو مولانا گھوڑے سے اترے اور جس راستہ کو وہ بھتیجے آ رہے تھے اس
 کے کنارہ ایک درخت سے گھوڑے کو باندھ کر آگے چل دیئے جب پیچھے سے وہ بھتیجے پہنچے تو
 دیکھا کہ گھوڑا درخت سے بندھا ہوا ہے اور مولانا غائب ہیں۔ آخر کار مجبور ہو کر گھوڑے پر
 سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ (ملفوظات حکیم الامت، جلد ۱۰، ص ۲۵۹)

نواب مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت:

(نواب صاحب شاہ محمد الحق صاحب سے بیعت اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ
 علیہ کے بھی بزرگوں میں سے تھے)

(حضرت امیر شاہ) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا ناتوی بیان فرماتے
 تھے کہ نواب قطب الدین خان صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب
 پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگل میں
 میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہوئے جائیں اور کسی قدر

مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جائے۔ میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سن کر ناراض ہوئے، مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آ کر میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لئے۔ اور رونے لگے (کیا اتنا ہے کہ اس للہیت کی، ایسے بزرگ پر کب گمان ہو سکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہیں۔ اشرف علی) اور فرمایا:

”بھائی! جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ بتلا دو، میں سخت نادم ہوں اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہیں پڑا کہ جھوٹ بولوں لہذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی دن بولا تھا) (چونکہ اس میں کسی کا ضرر نہ تھا اس لئے اباحت کا حکم ہو جاوے گا۔ اشرف علی) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے۔ اور میں بھی روتا رہا۔

یہ قصہ بیان کر کے امیر خان صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ (ارواحِ ثلاثہ، ص ۳۴۲)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے واقعات
(۱)۔ ”سادگی اور کسر نفسی“

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے، مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، ان کے حال سے بھلا ہو یا برا کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپ کہتے۔ یہاں تک کہ اگر بیمار بھی ہوتے تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا تو کہاں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ کے چھاپہ خانہ (مطبوع) میں جب کام کیا کرتے تھے مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لیکر پکارتا تو خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے، بے تکلف ہر کسی سے رہتے۔ جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے، علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔

ایک دن آپ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا اور نہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔“

میں (مولانا محمد یعقوب) کہتا ہوں کہ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے، کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا، اپنا کہنا کر دکھلایا، مسئلہ کبھی نہ بتاتے کسی کے حوالے فرماتے، فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو درکنار اول امامت سے بھی گھبراتے۔ آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے، وعظ بھی نہ کہتے۔ جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوا دیا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔

(بیس بڑے مسلمان ص ۱۱۷، بحوالہ سوانح عمری مولانا محمد قاسم ص ۸، ۹)

(۲)۔ ”اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا۔“

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ علوم کے بحرنا پیدا کنار تھے، ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دلپذیر، قاسم العلوم، اور مباحثہ شاہجہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا اندازہ ہوتا ہے اور ان میں بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

”اب بھی مولانا (نانوتوی) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں، اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔“ (بحوالہ اشرف السوانح ص ۱۳۶ ج ۱)

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد، بالخصوص جبکہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو، عموماً علم و فضل

کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتوی کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں

”جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا، اور کوئی میرے ہوا تک نہ پاتا۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۶۸)

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امر وہوی

رحمۃ اللہ علیہ:

سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۶۶) (۱) اکابر دو بند کیا تھے۔ ص ۸۸

(۳)۔ ”کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے کبھی جمع نہیں ہوئے“

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھے، حضرت مولانا محمد بن قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں، لیکن سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے۔ دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور

مخالفین سے بھی اپنے علم و فضل کا لوہا منوایا ہے۔ (مجالس مفتی اعظم ص ۵۶۰)

(۴)۔ ”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے۔“

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ ہوتا تھا کوئی شخص دیکھ کر یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے علامہ ہیں، جب مناظرہ کرنے پر آجائیں تو بڑوں بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں، لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، تو انگریزوں کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا، چنانچہ ایک آدمی ان کو گرفتار کرنے کے لیے آیا، کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں، جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور اننگی پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے۔ اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا ہوا تھا کہ ”مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے“۔ اس لیے جو شخص گرفتار کرنے آیا تھا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جے قے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہونگے جنہوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی ہے، اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں یہی مولانا محمد قاسم صاحب ہیں بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ ”مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟“ حضرت مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لیے چھپنا بھی ضروری ہے اور جھوٹ بھی نہیں بولنا، اس لیے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے، پھر جواب دیا ”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے۔“

چنانچہ وہ یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے لیکن اب موجود نہیں ہیں، چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا اور کہاں مر گیا“ اس طرح فنائیت کے ساتھ زندگی گذاری۔ (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۳۸ تا ۳۹)

(۵)۔ ”حضرت نانوتوی کی شان اخفاء“

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ لانچے کا پا جامہ پہنتے، ایک موٹی لکڑی گنواروں کی طرح کاندھے پر رکھ کر راستے پر چلتے کئی کئی دن مجلس میں باتیں نہ کرتے جب تک ضروری اور مجبوری نہ ہوتی شان تواضع کا یہ عالم تھا اور علم و حکمت میں کتنی اونچی شان تھی!

ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ کہیں تشریف لے گئے، تقریر فرمائی، معرکتہ الآراء تقریر تھی، مگر اپنا نام نہ ظاہر ہونے دیا۔ تقریر کے بعد لوگوں نے انہیں سے مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا اور حالات دریافت کرنے لگے۔ تو فرمانے لگے ”ہاں! وضو اور نماز کے مسائل جانتا ہے۔“

تو بایں ہمہ کمالات و ہبیہ اور علوم دینیہ کے یہ تھی شان اخفاء۔ (اہل علم کی زندگی ص ۱۳۶)

(۶)۔ ”بھائی جی! آج کل بازار جانا نہیں ہوا۔۔۔“

ایک بار حضرت نانوتویؒ جارہے تھے، ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر کہ آپ سے پوچھا ”صوفی جی! آج کل سوت کا کیا بھاؤ ہے؟“ حضرت نے ذرا بھی ناگواری کا اظہار کئے بغیر فرمایا کہ ”بھائی! آج بازار جانا نہیں ہوا اس لیے معلوم نہیں کہ کیا بھاؤ ہے۔“ (اصلاحی مضامین ص ۵۲)

(۷)۔ ”وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا“

خان صاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیر الدین صاحب (حضرت نانوتویؒ) سے بہت ہی بے تکلف تھے (نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، میں نے کہا ”اے قاسم! تو کیوں نہیں جانتا۔“ تو فرمایا کہ ”وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بناء پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بنا پر جاؤں؟“

میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانے۔ (ص ۱۵۹)

(۸)۔ ”حضرت نانوتوی کی تواضع نے حافظ جی کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔“

خان صاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اس زمانہ میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکرتھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے، رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے، ڈاڑھی چڑھاتے تھے، نماز کبھی نہ پڑھتے تھے، مگر مولانا نانوتوی کی ان سے نہایت گہری دوستی تھی، وہ مولانا کو نہلاتے تھے، کمر ملتے تھے اور مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے، مولانا ان کو کنگھا کرتے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے، اگر کبھی سٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے، غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا، حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو۔ جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا ”حافظ جی! مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہومیرا رنگ اور ہو۔ اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کرتا ہوں، تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھا دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔“

وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجیے، میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیجیے۔

مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے یکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ (ص ۱۶۵)

(۹)۔ ”اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پاکی کا پاپہ پکڑ کر چلوں گا۔“

نواب محمود علی خان صاحب مولانا محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بے حد متنی تھے مگر مولانا ان سے کبھی نہیں ملے، چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڑھ، مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا تو مولانا شہر چھوڑ کر کہیں چل دیتے تھے اور

فرماتے کہ ”نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا، ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر بند بنوادیں اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پاکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔“

دوسری بات کو سن کر تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔ (ص ۱۶۷)

(۱۰)۔ ”جی ہاں! میں ایسا ہی محروم ہوں۔“

حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آنکے، انہوں نے جب حضرت مولاناؒ کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جا رہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ ”کاش! اگر اس شخص کو اس ظاہر علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا“ اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ ”کاش! آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے!“ حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا: ”جی ہاں! میں ایسا ہی محروم رہوں، اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرما دیں تو میری نیک نصیبی ہے۔“

اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے، ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہوئے، تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ ”مولانا مجھے خبر نہ تھی آپ میں یہ جو ہر علی الوجہ الائم موجود ہے۔“ (ص ۱۸۴)

(۱۱)۔ ”بس جی! تمہاری دعوت ہو گئی۔“

مولانا احمد حسن صاحب نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ کی ایک جولا ہے نے دعوت کی، اتفاق سے اس روز بارش ہو گئی اور وہ جولا باوقت پر بالانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم خود اس جولا ہے کے یہاں تشریف لے گئے، اس نے عرض کیا کہ حضرت! چونکہ آج بارش ہوئی تھی اس لیے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔“

مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا، تمہارے ہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! وہ تو

موجود ہے۔ فرمایا بس وہی کھالیں گے، چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی! تمہاری دعوت ہوئی۔ (ص ۱۹۴)

(۱۲)۔ ”مباحثہء شاہجہانپور کا عجیب واقعہ“۔

مولانا احمد حسن امروہوی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہان پور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب بغیر کسی کے اطلاع کیے ہوئے تنہا بہ نفس نفیس شاہجہان پور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند) نے سنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لے گئے، اس کے بعد میں گیا تو شاہجہان پور میں میری مولانا محمود حسن صاحب سے ملاقات ہوئی، میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا مل گئے؟ مولانا محمود حسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھ کو تو ابھی نہیں ملے، تو میں نے کہا اچھا چلو سرائے میں چل کر تلاش کریں، چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آئے والے کا نام لکھا کرتا ہے اس سے جا کر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی ”خورشید حسن“ (یہ حضرت نانوتوی کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا) بھی آئے؟ اس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو مولانا میدان مناظرہ میں تشریف لے چلے، راستہ میں ایک دربار پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے تو مولانا پا جامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر پڑے جس سے پا جامہ بھیک گیا۔ خیر مولانا نے پارا تر کر لنگی باندھی اور اتار کر نچوڑ کر پیچھے لانگھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا اور تشریف لے پیسے۔

خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے اور جو پادری وہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا۔۔۔ تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لے آتا۔ (ص ۱۹۵)

(۱۳)۔ ”شان مسکنت“۔

ایک طالب علم نے حضرت نانوتویؒ کی دعوت کی، آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا، گھر میں جو تمہاری روٹیاں مقرر ہیں وہی ہمیں بھی کھلا دینا۔ اس نے منظور کر لیا۔ یہ ہے شان مسکنت اور غربت و انکساری اور عاجزی کہ اتنا بڑا شخص اور اس طرح اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھا (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۴)

(۱۴)۔ ”خدام کی خدمت“۔

ایک دفعہ ایک درویش حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں درویشی کا امتحان لینے ترک و احتشام سے آئے۔ بہت گھوڑے اور خادموں بھی ساتھ تھے حضرت نے سب کی دعوت کی۔ شاہ صاحب کے نوکروں اور خادموں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔

وہ درویش حضرت کا انکسار اور خلق دیکھ کر آپ کے کمال کے قائل ہو گئے۔ (ص ۴۶)

(۱۵)۔ ”کھانے میں تواضع“۔

حضرت نانوتویؒ اپنے طالب علمی کے زمانے میں مکان میں تنہا ایک جگہ رہتے تھے، روٹی کبھی پکوا لیتے تھے تو کئی کئی وقت تک کھا لیتے تھے (ص ۴۹)

(۱۶)۔ ”ارے! کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابل امامت نہیں رہا؟“

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دہلی تشریف رکھتے تھے اور ان کے ساتھ مولانا احمد حسن صاحبؒ امر وہوی اور شاہ خان صاحبؒ بھی تھے۔ شب کو جب سونے کے لیے لیٹے تو ان دونوں نے چار پائی ذرا الگ کو بچھالی اور باتیں کرنے لگے۔ امیر شاہ خان صاحبؒ نے مولوی صاحبؒ سے کہا کہ صبح کی نماز ایک برج والی مسجد میں چل کر پڑھیں گے، سنا ہے کہ امام قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحبؒ نے کہا کہ ”ارے پٹھان جاہل! (آپس میں بے تکلفی بہت تھی) ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ وہ تو ہمارے مولانا (نانوتویؒ) کی تکفیر کرتا ہے“ مولانا نے سن لیا اور زور سے فرمایا: ”احمد حسن!

میں تو سمجھا تھا کہ تو لکھ پڑھ گیا ہے مگر جاہل ہی رہا، پھر دوسروں کو جاہل کہتا ہے، ارے! کیا قاسم کی تکفیر سے وہ قابل امامت نہیں رہا؟، میں تو اس سے اس کی دینداری کا معتقد ہو گیا، اس نے میری کوئی ایسی بات سنی ہوگی جس کی وجہ سے میری تکفیر واجب تھی گو روایت غلط پہنچی ہو تو یہ راوی پر لازم ہے، تو اس کا سبب دین ہی ہے اب میں خود اس کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ عرض یہ کہ صبح کی نماز مولانا نے اس کے پیچھے پڑھی۔

یہ ہے ہمارے بزرگوں کا مذاق جن کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا، ان حضرات کی عجیب و غریب شان تھی۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ ص ۳۹۴)

(۱۷)۔ ”یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔“

مولانا امراء سے بہت گہراتے تھے اور کسی امیر سے ملاقات کا موقع نہ آنے دیتے تھے۔ ”خورجہ“ کے ایک رئیس برسوں سے تمنا میں تھے کہ میرے گھر پر ایک دفعہ حضرت والا آجائیں، مگر وہ کامیاب نہ ہوتے تھے، اتفاق سے جنگ روم و روس چھڑ گئی اور حضرت نے ترکوں کی اعانت کے لیے چندہ کی تحریک شروع کی جو اس زمانہ میں ”سلطانی چندہ“ کے نام سے معروف ہوئی۔ ان رئیس صاحب کے لیے یہ زریں موقع ہاتھ لگ گیا، انہوں نے کہلوایا کہ اگر حضرت والا ان کے گھر تشریف لا کر وعظ فرمائیں تو وہ سلطانی چندہ میں دس ہزار روپیہ دیں گے۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور ان کے یہاں وعظ فرمایا، انہوں نے حسب وعدہ دس ہزار روپے پیش کیے، ختم مجلس پر حضرت اٹھے تو مجمع بھی اٹھا اور لوگوں میں حضرت کی مہمانی کے بارہ میں کہا و سنی ہوئی اور رد و کد ہونے لگی، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت کو اپنے گھر لے جا کر مہمان بناؤں، لوگ تو اس جھگڑے اور بحث میں سرگرداں تھے اور حضرت اسی ہجوم میں آہستہ سے نکل کر روانہ ہو گئے۔ مغرب کا وقت آچکا تھا، اذان ہونے والی تھی، حضرت والا شہر کے کنارے ایک غیر معروف مسجد میں پہنچے۔ وہاں اتفاق سے امام مسجد نہ تھا، لوگوں میں تشویش ہوئی کہ نماز کون پڑھائے ہر ایک دوسرے پر ٹالتا تھا، چند ایک نے حضرت سے کہا کہ بھائی! تم ہی نماز پڑھا دو (یہ لوگ حضرت کو پہچانتے نہ تھے) مگر

حضرت مذر فرماتے رہے۔ جب کوئی بھی امامت کے لیے تیار نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت سے یہ کہہ کر زبردستی امامت کے لیے مصلے پر دھکیل دیا کہ: ”بندۂ خدا! مسلمان تو ہے، کیا تجھے دو چار سورتیں قرآن کی یاد نہیں جو امامت سے اتنا گھبرار رہا ہے“ حضرت نے اب مجبور ہو کر امامت کرائی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ پہلی رکعت میں تو قل اعوذ برب الناس پڑھ گئے اور دوسری میں قل اعوذ برب الفلق۔ ختم نماز پر اس مسجد کے نمازیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ یہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔ حضرت نے فرمایا: ”بھائی! میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ میں امامت کے لائق نہیں ہوں۔“ لوگوں نے کہا کسی کو یہ پتا تھا کہ تو قرآن بھی سیدھا پڑھنا نہیں جانتا۔ حضرت نے اس پر فرمایا: ”مولویوں سے یہ سنا ہے کہ نماز تو اس طرح بھی ہو جاتی ہے۔“ اس پر لوگوں نے تندہی میں کہا: ”چوری اور سینہ زوری، ایک تو نماز الٹی پڑھا دی اور اوپر سے مولویوں کو بدنام بھی کرے۔“

یہاں یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ حضرت کو ڈھونڈتی ہوئی ایک جماعت ادھر آنکلی اور دیکھا کہ حضرت تو جاہلوں میں گھسے ہوئے ہیں، تب انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ تم کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو۔ یہ تو مولانا محمد قاسم صاحب ہیں۔ اس پر لوگ نادب ہوئے اور غرور و نیاز سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

(آپ بقی ص: ۲۴۶، ۲۴۷ بحوالہ سوانح قاسمی ص: ۳۹۵ ج: ۱)

(۱۸)۔ ”حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے۔“

حضرت مولانا نانوتوی کے متعلق امیر شاہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی کو مولانا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تو حضرت کی خدمت میں جاوے تو مجھے اپنے ساتھ ضرور لے جانا، لیکن مجھ بد نصیب کے دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان و گویا آدمی ہیں بہت طویل قصہ ہے۔ حکیم صاحب دوسری مرتبہ میرے ساتھ خود بخود

ہو گئے اور جب دیوبند پہنچے اور مولانا کا قیام مولانا محمود الحسن صاحب کے مکان پر تھا جب مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں چند قدم آگے بڑھ کر مولانا کے پاس پہلے پہنچ گیا، مولانا کا لباس اس وقت یہ تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہو مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا (کرتا پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگر کھاتا تھا اور ایک رزائی اوڑھے تھے جو نیلی رنگی تھی۔ اور جس میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تھی اور کہیں بالکل اڑی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور حکیم صاحب کی آمد کی اطلاع کی۔ میں تعارف کراہی رہا تھا کہ اتنے میں حکیم صاحب بھی آگئے اس وقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے اور مولانا ایک طرف کو چار پائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی۔ جب حکیم عبدالسلام صاحب پہنچے تو سب لوگ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے حکیم صاحب مولانا کے دھوکے میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے مگر مولانا کی طرف متوجہ نہ ہوئے، میں نے بتایا کہ مولانا یہ ہیں تو وہ مولانا سے مصافحہ کر کے وہیں بیٹھ گئے۔ طویل قصہ ارواحِ ثلاثہ میں لکھا ہے مجھے تو صرف حضرت مولانا کی تواضع کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ (ص ۲۴۵)

(۱۹)۔ ”قوتِ عشق کے نزدیک سنگ و گل برابر ہے۔“

حکیم منصور علی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے سفر میں میں حضرت کے ہمراہ تھا۔ قبہ خضراء جو نبی نظروں کے سامنے ہوا مولانا مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبائیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔ میں نے ان کی دیکھا دیکھی اپنی جوتیاں اتار کر ننگے پیر ہمراہ مولانا مرحوم چلنا شروع کیا۔ اس قدر پتھریاں پاؤں میں چبھنے لگیں کہ متحمل نہ ہو سکا آخر جوتا پہن کر چلنے لگا جو کنکریاں ایک پٹھان نوجوان کے پاؤں

کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان کی صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، سواری کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔ بہر حال اس کے گھر پہنچے، کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے، اس کے بعد جب واپس چلنے لگے تو اس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، بلکہ الثانیہ غضب کیا کہ بہت سارے آدموں کی گھڑی بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت! یہ کچھ آم گھر کے لئے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے اور سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے، کیسے اتنی بڑی گھڑی لیکر جائیں گے۔ مگر اس نے وہ گھڑی مولانا کو دیدی اور مولانا نے وہ قبول فرمائی اور اٹھا کر چل دیئے، اب ساری عمر مولانا نے کبھی اتنا بوجھ اٹھایا نہیں، شہزادوں جیسی زندگی گزاری، اب اس گھڑی کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے، کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے، چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آنے لگا تو اب دونوں ہاتھ تھک کر چور ہو گئے، نہ اس ہاتھ میں چین، اس ہاتھ میں چین، آخر کار اس گھڑی کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا جب سر پر رکھا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے، "ہم بھی عجیب آدمی ہیں پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گھڑی کو سر پر رکھ دیں، ورنہ اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، اور اب مولانا اس حالت میں دیوبند میں داخل ہو رہے ہیں ل۔ کہ سر پر آدموں کی گھڑی ہے، اب راستے میں جو لوگ جو لوگ ملتے وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں، آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ اور آپ نے ایک ہاتھ سے گھڑی سنبھالی ہوئی ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اسی حالت میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے مرتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے۔ بہر حال، انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے۔ یہ ہے تواضع کی علامت۔ (بحوالہ بالا ص ۴۳)

(۳) "بس اب تو گنگوہ آ کے ہی کپڑے بدلا کریں گے"۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جب گنگوہ آتے تو وہی نماز پڑھاتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے استاد زادہ تھے اس وقت

حضرت گنگوہی نماز نہیں پڑھاتے تھے ایک دفعہ نماز مغرب کا وقت تھا، اقامت ہو رہی تھی اور حضرت گنگوہی مصلے پر پہنچے گئے تھے کسی نے اطلاع کی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب آگئے، وہیں مصلے پر کھڑے کھڑے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ مولانا آپ کا وضو ہے؟ تو فرمایا، جی وضو ہے، تو فرمایا کہ مصلے پر تشریف لائیے، وہ مصلے پر آگئے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے پیر اپنے رومال سے صاف کئے۔ پیدل چل کر آئے تھے، گردوغبار لگا ہوا تھا، پانچے جھاڑے، پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی، مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی نے دیکھ لیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے پانجامہ میں ازار بند نہیں ہے بلکہ چار پائی کے بان کی رسی ہے۔ حضرت گنگوہی سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ان کے پانجامہ میں ازار بند نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے دریافت فرمانے پر حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ جب گنگوہ آئے کے لئے چلنے کا وقت آیا تو ازار بند تھا ہی نہیں، ڈھونڈا بھالا، ملا نہیں تو میں نے چار پائی کی رسی کات لی اور باندھ لیا۔ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا کھوٹی پر ہمارا پانجامہ تنگ رہا ہے اسکو اٹھائیے، اس میں ازار بند ہے وہ نکال کر ڈال لیجئے، انہوں نے بے تکلف اتارا اور ازار اپنی میں ڈال لیا، دیکھا تو ازار بند میں ایک روپیہ بھی بندھا ہوا تھا تو فرمایا کہ مولانا! (حضرت گنگوہی) اس میں تو ایک روپیہ بھی ہے؟ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بس وہ بھی آپ کے لیے نذر (حد یہ) ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "بس اب تو گنگوہ آ کے ہی کپڑے بدلا کریں گے۔"

(ماقولات فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ جلد ۲ قسط ۸ ص ۶۶)

(۴) "میں ادھورا ہوں، معلوم ہوتا ہے میں ادھورا ہی مرجاؤں گا۔"

(حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ کیسی کیسی ہستیاں تھیں، اسقدر بے نفسی، اللہ اکبر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے، کسی فعل اور کسی قول سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ ہیں یا کچھ جانتے ہیں۔

اُن حضرات کو اب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ حضرات سب کچھ تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے اور آجکل یہ حالت ہے کہ کچھ نہیں اور اپنے کو سب کچھ سمجھتے ہوئے ہیں اور اِکے متمنی ہیں کہ دوسرے بھی ہمکو کچھ سمجھیں۔ اسی کی ایک شاخ یہ مرض ہے جو عام بلا کی طرح پھیلا ہے کہ اپنے لیے لمبے چوڑے القاب تجویز ہونے لگے، کوئی "امام التفسیر" کہلاتے ہیں، کوئی "امام الشریعت" کہلاتے ہیں، کوئی "امام الہند" بنے ہیں، کوئی "شیخ الحدیث"۔ یہ سب نئی فضا سے ناشی (پیدا ہوئے) ہیں۔ ایک لقب ان میں پرانا ہے "شیخ الاسلام" یہ تو ناگوار نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ سب میں وہی جدت کی جھلک ہے، مجھے تو سن کر وحشت ہوتی ہے کہ اللہ! یکدم کا یا پلٹ ہو گئی، کس قدر زبردست انقلاب ہوا ہے اور یہ اس قدر جلدی انقلاب ان تحریکات کے اثر سے ہوا اور نہ انقلاب ہونے کے لیے بھی ایک وقت کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ ہم نے تو یہ دیکھا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں ادھورا ہوں اور میں نے ان دونوں سے کئی مرتبہ کہا کہ بھائی مجھکو بھی کچھ بتا دو مگر دونوں نے بخل سے کام لیا۔ مراد دونوں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایسا ہوتا جیسے کہ یہ دونوں تو بالدیوں (یعنی مولیٰ چرانے والوں) کو ایسا بنادینا جیسے یہ دونوں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ میں ادھورا ہی مر جاؤں گا۔ اپنے تلامذہ اور مریدوں کے سامنے یہ بات۔ اس بے نفسی کو ملاحظہ کیجئے۔ اس کے بعد اتفاق سے مکہ معظمہ کا سفر ہوا اور حضرت (حاجی صاحب رحمہ اللہ) کی خدمت میں پیاس بجھ گئی۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۶ ص ۱۸۴)

(۵) گدھے پر سوار ہو کر اسی پر کتابیں رکھ کر نانوتہ کو چل دیئے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے متعلق یہ قول نقل فرمایا کہ "ہر شخص میں کچھ نہ کچھ باطنی روگ

نہیں" (الہادی رجب ۱۳۵۷ھ ص ۴۹)

بعد ازاں مولانا محمد یعقوب صاحب گدھے پر سوار ہو کر اور اسی پر کتابیں رکھ کر نانوتہ کو چل

دیئے۔ (سیرت یعقوب و ملک ص ۲۲۹)

(۶) غلطی کا اعتراف:-

اپنی غلطی کا اعتراف بمشکل ہی کوئی کرتا ہے بلکہ غلطی کی تائید اور اس پر اصرار عام ہے اور یہ پستی کی علامت ہے۔ بہادر اور وسیع القلب شخص وہ ہے جو اپنی غلطی کا اقرار کرے اور جو بات نہ آتی ہو اس کے بارے میں صاف کہہ دے کہ مجھے نہیں آتی۔ ڈاکٹر کی سمجھ میں اگر مرض نہیں آتا تو وہ اس کا اقرار نہیں کرتا بلکہ وہ انکل پچو علاج شروع کر دیتا ہے، یہی حال اساتذہ کا ہے، کلاس میں غلطی ہو جائے تو کیا مجال مان لیں۔ ایک پروفیسر نے کالج کی کلاس میں تاب ناک کی تان پاک پڑھا دیا اور اس پر مسلسل اصرار کرتا رہا۔

اب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بارے میں اعتراف غلط کے متعلق مولانا تھانوی کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

"شہر والوں میں یہ عادت نہیں کہ اپنی غلطی کا اقرار کریں، گاؤں والے بیچارے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں، شہر والے تو اس غلطی کو بناتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب میں یہ بات دیکھی کہ ادنیٰ سے طالب علم نے اگر کوئی غلطی بتلا دی تو فوراً اقرار کر لیا کہ ہاں! بھائی میری غلطی تھی۔ مولانا اپنے ماتحت مدرسین کے پاس کتاب لے کر جا بیٹھے تھے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی تھی اس کو پوچھ لیتے تھے" (ایضاً ص ۲۲۹، ۲۳۰)

(۷) سراپا عجز و انکسار _____ اپنے مکتوبات کے آئینہ میں:-

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی تمام زندگی از سر تا پا عجز و انکسار تھی۔

صحیح معنی میں سالک کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کبر و نخوت زبردست رکاوٹ ہے اور خودی کو مٹا نا ہی ولایت ہے۔ یہ خودی شیطانی خودی ہے نہ کہ علامہ اقبال کی خودی جو رحمانی خودی ہے مولانا کے قلم سے جا بجا عاجزی ٹپکتی ہے۔ مختلف مکتوبات میں اپنے مرید منشی محمد قاسم کو لکھتے

ہیں جن کو ابھی مرید نہیں بنایا ہے۔"

اور جو کچھ تم نے بیان اشتیاق اور ارادہ آنے کا لکھا ہے اور حقیقت میں تم کو اس رویہ سے ایسی محبت ہے مگر ملاقات میں جلدی نہ کرنی چاہیے، اگر مقدر میں ہے تو نصیب ہو جائے گی ورنہ قیامت بہت قریب ہے۔ ہمارا تمہارا وہاں کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے بخشے اور فضل کرے" (مکتوب سوم ص ۲۷)

"یہ ناکارہ ہر چند بظاہر مہتمم نیکی کے ساتھ ساتھ ہوا مگر حقیقت حال عالم الغیب خوب جانتا ہے تم اپنے واسطے شیخ کامل کی تلاش رکھ۔۔۔۔۔ یہ عاجز خود در ماندہ شرمندہ بارگاہ خداوندی۔۔۔۔۔ خود لائق اس کے ہے کہ کوئی خدا کا بندہ خدا کے واسطے اسکی دستگیری کرے" (مکتوب سوم ص ۲۸)

ایک اور مکتوب میں اپنے عقیدتمند کو لکھتے ہیں دانا لیکہ اب وہ عقیدتمند مرید بھی بن گیا ہے:

"اس ناکارہ کو بھی دعا سے یاد رکھو کہ سچاس کی عمر آئی اور یہ یونہی گنوائی۔ لڑکپن کے خصائل (عادات) ہنوز ویسے ہی ہیں، ایک وضع نہ بدلی، ایک رنگ نہ پلٹا، کیسی کیسی صحبتوں میں رہ مگر کسی کا کچھ اثر نہ ہوا، ہاں شتی کو کون سعید گردے، اصل کا بدل دینا اسکا کام ہے۔ حضرت مخدوم العالم (حاجی امداد اللہ صاحب) کی خدمت میں جو کوئی بھی کچھ رہ گیا اس پر ایک ایسا اثر ہو گیا کہ تمام عمر نہ گیا، میں کم نصیب جیسا تھا ویسا ہی رہا، عمر بیہودہ کٹی۔"

(مکتوب نمبر ۳۳ ص ۸۱)

ایک خط میں مرید نے بیعت سے پہلے ملاقات کا اظہار کیا ہے ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

"یہ ناکارہ قابل ملاقات نہیں، باتیں بنان اور ہے اور اچھا ہونا اور ہے، مگر یہاں چند بزرگ ایسے ہیں جیسا تم نے خیال باندھا ہے البتہ ان کی زیارت منعمات سے ہے۔ اگر والدین کی رضا اور اجازت ہو اور کوئی حرج نہ ہو اور سامان بن بڑے تو کبھی ارادہ کی جیو، بندہ مانع نہیں، مگر رضا والد کی شرط ہے" (مکتوبات نمبر ۱۳ از یقعدہ ۱۲۸۵ھ ص ۳۹)

اللہ! اللہ! کیا شان انکساری ہے۔ پیر ایسے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو ناکارہ بتاتے ہوئے

دوسرے بزرگوں یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قسم صاحب اور مولانا رفیع الدین صاحب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان سے آکر ملنے میں فائدہ ہوگا۔ اور والدین کی رضامندی، سامان سفر کرفراہمی اور کار زندگی میں حرج واقع نہ ہونے کی صورت میں آنے کو منع نہیں فرمایا۔ یہ ہے شان بزرگی۔

چودھویں مکتوب میں اپنے مخلص مرید کو لکھتے ہیں:

"اوقات یاد الہی میں اس روسیاء کو دعائے خاتمہ بخیر سے یاد کرنا، عمر سب بیکار گزر گئی، دیکھئے آخر کیا ہو" (مکتوب ص ۴۷)

ایک اور خط میں جبکہ مرید صفا کیش آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرنا چاہتا ہے، لکھتے ہیں:

اور اپنے متعلقوں میں اور والدین کی خدمت میں ہی رہنا بہتر ہے۔ سفر کا ارادہ مت کرو، خاص کر اس روسیاء کے ملنے کے ارادے سے کہ حسب ضرورت تمہارے پوچھنے کی ضرورت سے کچھ اوٹ پٹا نگ جواب لکھ بھیجتا ہوں ورنہ باللہ العظیم کہ حال میرا نہایت ابتر ہے الیق صحبت نہیں۔ خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ کچھ تمہیں اس نالائق کے پاس رہنے سے کوئی ضرر ہو اور خدائے تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور اپنے یاد کرانے والے کے قریب۔ تم اسی حالت پر استقامت کرو۔ (ص ۴۶)

(ایضاً ص ۲۳۳، ۲۳۴)

(۸) استدعائے حسن خاتمہ:

"دیکھئے ہم اپنی روسیاءوں کے پتے کیا رنگ لاویں اور کس طور جاویں، سوائے دعا اور التجا کیا چارہ ہے۔ تم بھی اس ناکارہ اور در ماندہ کے حق میں دعا کچھو کہ اللہ تعالیٰ ایسے نازک وقت پر یار و مددگار ہو اور ایمان سلامت لیجاویں آمین" (مکتوب نمبر ۳۳ ص ۷۹)

(۹) "نہ علم میں مجھے کمال نہ عمل میں خوبی۔"

"اپنے عزیز! تم کو اس ناکارہ اور در ماندہ کی طرف حسن ظن ہے، میں بیچارہ کہاں

بزرگوں کے واقعات کی تعبیر کہاں؟" اے ایز قد ر خود بخناس "بندہ کا حال ایسا ہے جیسا کسی نے کہا تھا کہ "پیش ملا طبیب و پیش طبیب ملا" و پیش ہر دو ہیچ و پیش ہیچ ہر دو "نہ علم میں کمال نہ عمل میں خوبی"۔ (مکتوب ع ۳۴ ص ۸۴) (ایضاً ص ۳۴)

حضرت ملا محمود دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ صم تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دواہیے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے۔ ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملا محمود صاحب تھے۔ راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے چھپا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام و نمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سلو و سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جد امجد حضرت مولانا محمد یسین صاحب کی ایک بڑے کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی، ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے

کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا۔ احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب بڑے اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے۔ مگر ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۹۹)

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈوی رحمہ اللہ کے

واقعات

(۱)۔ ”اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لیجا رہا ہے۔“

حضرت سید العارفین حضرت جیلانی سائیں اور آپ کے بعد بھورل سائیں (میاں محمد حسین) کے زمانہ تک سوئی شریف میں آمد و رفت اور صحبت رکھتے رہے۔ حضرت بھورل سائیں کے وصال کے بعد، سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں حضرت سید العارفین کی طرف تھیں کہ انہیں مسند شیخ پر بٹھایا جائے آپ نے مناسب نہ سمجھا اور حضرت سانول سائیں (میاں ابوبکر) کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیں۔ جس سے تمام جماعت کا رخ ان کی طرف ہو گیا۔ اور وہی سوئی شریف کے تیسرے مسند نشین ہوئے۔

حضرت سید العارفین کا جیلانی سائیں کی حیات طیبہ سے دستور تھا کہ رمضان المبارک میں کام پاک سوئی شریف جا کر سنا تے اس سلسلے میں آپ کا یہ معمول تھا کہ روزہ بھر چونڈی شریف میں افطار کرتے اور پیدل پانچ میل چل کر کلام مجید سنا تے اور پھر نماز تراویح کے بعد فوراً واپس گھر آ جاتے۔ اس طرح روزانہ دس میل چل کر آتے جاتے۔ جیلانی سائیں کے بعد بھورل سائیں کے زمانہ تک یہ معمول برابر جاری رہا۔ اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ سوئی شریف کی پختہ مسجد، سانول سائیں کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تو حضرت سید العارفین ہر شب پیدل خفیہ جا کر چپکے سے گارا تیار کرتے، اینٹیں ڈھو کر بنیادوں کے قریب ڈھیر لگا

دیتے اور پھر فقراء کے لیے کوزے بھر کر واپس بھر چوٹ دی چلے جاتے۔

سویرے جب فقراء اٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا تمام سامان تیار حالت میں انکو ملتا وہ حیران رہ جاتے۔ ایک دن حضرت جیلانی سائیں کے زمانہ پاک کی ایک پرانی باخدا فقیر فی مائی بوڑھی نے حضرت سانول سائیں سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اماں (امڑ) اس چور کو پکڑو تو دیکھیں کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑھی جاگتی رہی اور چھپ کر اس مرد باخدا کا انتظار کرتی رہی۔ حسب معمول حضرت سید العارفین چپکے چپکے آئے، پہلے وضو فرمایا اور پھر اپنے کام میں جت گئے۔ تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑھی اچانک قریب جا کھڑی ہوئی اور پوچھا بیٹا حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے۔ تو مائی بوڑھی نے کہا حافظ! سوئی شریف کی تمام آگ اور انگارے تو پہلے سمیٹ کر لے گیا ہے اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لے جا رہا ہے۔ (بیس مردان حق جلد ۱۔ ص ۴۲۸)

(۲)۔ اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلیٰ کی جگہ بچھادی۔

حضرت حافظ محمد صدیقؒ خود حافظ قرآن تھے اور خود ہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عالم کو نماز پڑھانے کے لیے آپ نے اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ حضرت کا ایک فدائی خادم نہ رہ سکا۔ وہ مصلیٰ لے کر بھاگ گیا کہ میرے حضرت کے مصلیٰ پر غیر آدمی کیوں کھڑا ہو؟ حضرت نے اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلیٰ کی جگہ بچھادی اور فرمایا کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائیے۔ اسکو کہتے ہیں ہستی فنا ہونا۔ (ایضاً ص ۵۰۴)

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔“

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل

بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

اللہ اکبر! کس قدر شگستگی و تواضع کا غلبہ تھا۔ اس پر حضرت والا (تھانویؒ) نے فرمایا کہ یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں، حضرت کی عجیب شان تھی، اس فن کے امام تھے، ہر بات میں شان محققیت و حکمت نکلتی تھی، یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی محروم نہیں رہا۔ ہر شخص کی اصلاح و تربیت اُس کی حالت کے مطابق فرماتے تھے، اسی تواضع کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ ، جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہر کجا پستی است آب آنجا رود، ہر کجا دردے شفا آنجا رود

(بہت بڑا محقق بننا طریق عشق میں کارآمد نہیں، بادشاہ (حق تعالیٰ) کا فضل شکستہ حال ہی کی دستگیری کرتا ہے۔ پانی نشیب ہی کی طرف جاتا ہے، جہاں درد ہوتا ہے شفا وہیں جاتی ہے)

وہاں تو مٹ جانے اور فنا ہونے کا سبق ملتا ہے۔ حضرت کی خود یہ حالت تھی کہ اپنے ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۱۔ ص ۹۲)

(۲)۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان عبدیت :-

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انکسار اور شان عبدیت کا کیا ٹھکانہ۔ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو اہل نظر سے چھپا رکھا ہے، یہ باتیں کہنے سے سمجھ میں نہیں آتیں مگر کہنا پڑتی ہیں، جن پر یہ باتیں گزرتی ہیں وہی خوب جانتے ہیں، یہاں قال سے کام نہیں چلتا، یہاں ذوق کی ضرورت ہے۔ (ص ۱۸۱)

(۳)۔ ”آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں“۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ”کہ آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں، کیونکہ میرا تو کسی دلیل سے بھی اچھا ہونا ثابت نہیں اور میرے پاس آنے والے اللہ کا نام لینے آتے ہیں یہ یقیناً اچھے ہیں۔“

آہ! بھلا جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ آنے والوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھ سکتا ہے؟ یا ایسا شخص کسی کے آنے سے گھبرائے گا؟ (ص ۱۹۱)

(۴)۔ حضرت حاجی صاحب کی سادگی کا حال ایک اہل علم کی زبانی۔

ایک سلسلہ، گفتگو میں فرمایا کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ میں کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایسا خادمانہ تعلق رکھ لیا؟ فرمایا اسی وجہ سے تو تعلق قائم کیا کہ وہاں کچھ نہیں دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ کوئی تصنع کی بات نہیں دیکھی تھی۔ خوب ہی جواب دیا، واقعی بات تو یہ ہے کہ اپنے بزرگوں میں ایسی باتوں کا نام و نشان نہ تھا، بہت سادہ وضع اور متبع سنت تھے، دوسروں کی طرح کسی قسم کا ڈھونگ نہ تھا، پس یہی طرز قابل پسند ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۲۔ ص ۳۳۶)

(۵)۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر فناء کی ایک خاص شان غالب تھی۔

ایک سلسلہ، گفتگو میں فرمایا کہ انسان عشاق کے حالات پڑھ لیا کرے اور ان کے پاس بیٹھ لیا کرے اس سے ہی بہت کچھ ہو رہتا ہے، بالخصوص حضرات چشتیہ سے تعلق رکھنے سے ایک خاص دولت ملتی ہے یعنی فناء کیونکہ ان کے یہاں یہی خاص چیز ہے کہ اپنے کو مٹا دو۔ فنا کر دو۔ بعض حضرات کے یہاں بقاء مقصود ہے، فناء تابع اور حضرت چشتیہ کے یہاں فنا اصل ہے، بقاء تابع۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر فناء کی ایک خاص شان غالب تھی، چنانچہ حضرت سے کوئی عرض کرتا کہ حضرت کی وجہ سے یہ نفع ہوا، فرماتے ”میاں! میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے اندر دولت تھی، میرے پاس آ کر میری تعلیم پر عمل کرنے سے اس کا ظہور ہو گیا

”یہ شان فنا کی تھی۔

قاری محمد علی صاحب جلال آبادی کہتے تھے کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندہلوی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے تھے کہ ”حاجی صاحب بزرگان سلف میں سے ہیں، اس وقت کے بزرگوں میں سے نہیں۔“ واقعی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی یہی شان تھی۔ (جلد ۳- ص ۲۲۹)

(۶)۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی تو ظاہری وضع بھی سادی رہتی تھی، کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ دہلی تشریف رکھتے تھے، دیکھا ایک جگہ مجمع ہے اور ”دردنامہ غمناک“ جو کہ حضرت حاجی صاحب کی تصنیف ہے پڑھا جا رہا ہے، حضرت بھی مستمعین (سننے والوں) میں شریک ہو گئے اور کسی نے پہچانا بھی نہیں۔

ایک بار پانی پت تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کوئی عاشق یہی دردنامہ پڑھتا جا رہا ہے، فرماتے تھے کہ میں نے کہا ”کیوں بک بک لگا رہا ہے“ اس نے حضرت کو سختی سے جواب دیا تو کیا جانے؟ حضرت کے پانی پت پہنچنے کے بعد شہرت ہوئی، یہ شخص جی ملاقات کو آیا، حضرت کو پہچان کر بہت شرمندہ ہوا اور حضرت سے معافی چاہی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی! تم نے کوئی بری بات تو نہیں کہی تھی، یہی تو کہا تھا کہ ”تو کیا جانے؟“ واقعی میں تمہاری حالت کو کیا جانوں؟

یہ حالت تھی اپنے بزرگوں کی سادگی کی اور اب تو رنگ ہی بدل گیا، ڈھنگ ہی نرالے ہیں، مجھ کو دیکھ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایک دم کا یا پلٹ ہو گئی۔ (جلد ۴ ص ۱۳۷)

(۷)۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق:-

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان تحقیق ہر امر میں عجیب و غریب تھی۔ ایک

مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے واپسی، قسطنطنیہ کے بعد حضرت سے کہا کہ

سلطان عبدالحمید خان صاحب میں ایسی ایسی خوبیاں ہیں، اگر آپ کہیں تو سلطان سے آپ کا بھی تذکرہ کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ غایت مافی الباب اس تذکرہ سے وہ میرے معتقد ہو جائیں گے، پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا، صرف یہ ہوگا کہ وہ مجھ کو آپ کی طرح بلائیں گے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ بیت اللہ سے بعد ہوگا اور بیت السلطان سے قرب۔ مگر اس ارشاد میں بظاہر ایک دعویٰ اپنے بڑے اور سلطان کے چھوٹے ہونے کا معلوم ہوتا تھا، ساتھ ہی اچھا تذکرہ فرمایا کہ آپ سلطان کو عادل بتاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سلطان عادل کی دعاء مستجاب ہوتی ہے، سوا اگر ممکن ہو میرے لیے ان سے دعاء کرا دیجیے مگر اس کا یہ طریق تو عرفا مناسب نہیں کہ ایک فقیر کے لیے سلطان سے دعاء کو کہا جائے، سو مناسب صورت یہ ہے کہ ان سے میرا سلام کہہ دینا وہ اس کا جواب دینگے پس وہی جواب دعاء ہو جاوے گی (ص ۱۷۵)

(۸)۔ ہر بُرے سے بُرے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو فیض زیادہ ہوا وہ حضرت کی شفقت کی وجہ سے ہوا۔ آپ کی شفقت کی حالت اس کی مصداق تھی۔ بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست و گاہ نیست حضرت کی ذات عجیب و غریب تھی وہ بات کسی میں بھی نہ دیکھی جو حضرت میں تھی، مایوسی اور پریشانی تو وہاں تھی ہی نہیں، ہر پریشان کی وہاں تسلی ہی تسلی تھی اور برے سے برے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، جسکی وجہ غایت تواضع تھی۔ مشکل سے کسی کے ساتھ حضرت کو بدظنی ہوتی تھی حتی الامکان سب کے افعال اور اقوال میں توجیہ اور تاویل ہی فرما دیا کرتے تھے۔ (جلد ۶- ص ۱۸۲)

(۹)۔ گھر کی حاجت کے لیے عجیب دعا:-

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی عجیب شان تھی۔ عبدیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کی ہر بات سے شان فنا ٹپکتی تھی، چنانچہ باوجود

زاہد ہونے کے گھر کی حاجت کے لئے یہ دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ! کوئی ایسا ٹھکانہ دیدیجیے جس میں بیٹھ جاؤں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہاں سے اٹھو“۔ سو حق تعالیٰ نے ایسا ہی سامان فرمادیا۔ (جلد ۷۔ ص ۱۶۰)

(۱۰)۔ حضرت حاجی صاحب کا اپنی مدح کی تاویل فرمانا:-

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی بزرگ مشائخ میں سے آتے اور حضرت کی تعریف کرتے تو ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستاری ہے کہ اہل کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں۔

کیسی شان ہے ان حضرات کی بالکل ہی فانی محض ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے رہنے والے ہی نہ تھے ہر وقت اسی طرف کا استغراق، اسی طرف کا دھیان دل میں رچا ہوا تھا کہ بجائے اس کے کہ اہل بصیرت کی مدح سے کمال کا گمان ہوتا خود مدح کی تاویل فرماتے تھے (جلد ۹ ص ۲۴)

(۱۱)۔ ”مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے؟۔“

امیر شاہ خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا ہوا تھا، حافظ صاحب کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا، اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر اچھا آدمی بھی نہیں تھا، چنانچہ میں اس و مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا، رہی آپ کی شہرت! سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے، پھر مجھے یہ حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے کس طرح بیعت ہو گئے؟۔

اللہ رے نفوسِ قدسیہ! کہ اس کو سن کر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کر فرمایا کہ ”ہاں بھائی! بات تو

ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے، اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔ (ارواحِ ثلاثہ)

(۱۲)۔ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اپنے مسٹرشد حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شے اس کو ہٹا نہیں سکتی، اور میں اپنے سب احباب کی محبت کو اپنے لیے وسیلہ نجات جانتا ہوں۔“

(مکاتیب رشیدیہ ص ۲۸)

(۱۳)۔ ”تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان و عیوب چھپ گئے ہیں۔“

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس پر کچھ شبہ نہیں کہ تم عزیزوں کے کمالات کی وجہ سے فقیر کے نقصان و عیوب چھپ گئے ہیں اور تمہاری محبت نے اکسیر کا کام کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی ایسی ہی ستاری کی امید ہے اور تمہاری محبت کا بڑا وسیلہ ہے۔“ (مکاتیب رشیدیہ ص ۳۰)

(۱۴)۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دیگا۔

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی زید مجدہم فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی بیعت ہونے کے لیے آتا ہے تو مجھے اس سے یوں ڈر لگتا ہے جیسے کسی بندے کو شیر سے ڈر لگتا ہے۔ کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ آج کے بعد یہ داخل سلسلہ ہوا تو اس کے اعمال کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائیگا۔ لیکن وہ بیعت سب کو کر لیا کرتے تھے، جو آتا بیعت کر لیتے تو کسی نے پوچھا حضرت! پہلے والے بزرگ تو بڑے استخاروں کے بعد، اور بڑی سوچ سمجھ کے بعد، مہینوں کے انتظار کے بعد بیعت کرتے تھے اور آپ کے پاس جو آتا

ہے جیسے آتا ہے اس کو بیعت کر لیتے ہیں۔ تو حضرت نے عجیب جواب دیا فرمانے لگے کہ ”بھائی! جو آ کر بیعت کی تمنا ظاہر کرنے لگتا ہے مومن بھائی سمجھ کر اس کی بات پوری کر دیتا ہوں یہ سوچتے ہوئے کہ اگر کل قیامت کے دن میں اللہ کے حضور پکڑا گیا تو ان میں سے کوئی تو ایسا ہوگا جو میری بھی شفاعت کر دیگا۔“

(ماہنامہ ”الا کا بر“ بابت رمضان وشوال س ۱۳۲۵ھ - ص ۳۲)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات
(۱)۔ تواضع و فنائیت کا مقام بلند:-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں:

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے متعلق مولانا عاشق الہی صاحب لکھتے ہیں کہ سچی تواضع اور انکسار نفس جتنا امام ربانی میں دیکھا گیا دوسری جگہ کم نظر سے گزرے گا، حقیقت میں آپ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھتے تھے، بحیثیت تبلیغ جو خدمت عالیہ آپ کے سپرد کی گئی تھی یعنی ہدایت و رہبری اس کو آپ انجام دیتے، بیعت فرماتے، ذکر و شغل بتلاتے، نفس کے مفاسد و قبائح بیان فرماتے اور معالجہ فرماتے تھے، مگر بایں ہمہ اس کا کبھی وسوسہ بھی آپ کے قلب پر نہ گذرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل، میں پیر ہوں اور یہ مرید، میں مطلوب ہوں اور یہ طالب، مجھے ان پر فوقیت ہے، میرا درجہ ان کے اوپر ہے۔

کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپ نے اپنے ”خدام“ کو ”خادم“ یا مستوسل یا ”منتسب“ کے نام سے یاد فرمایا ہو، ہمیشہ اپنے لوگوں سے تعبیر فرماتے اور دعا میں یاد رکھنے کی اپنے لیے طالبین سے بھی زیادہ ظاہر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تین شخص بیعت کے لیے حاضر آستانہ ہوئے، آپ نے انکو بیعت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ ”تم میرے لیے دعا کرو میں تمہارے لیے دعا کروں گا اس لیے کہ بعض مرید بھی پیر کو تیرا لیتے ہیں۔“

(آپ بیتی جلد ۲ ص ۲۴۱ بحوالہ تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۱۷۴)

(۲) ”اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اپنے متعلق انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی تقریر سے اپنی خوبی کا کچھ بھی اثر ظاہر ہوا تو معاً اس کی تردید فرماتے اور اپنے سے اس انتساب کی نفی فرما دیا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے خرقہ کا تذکرہ فرمایا کہ پچاس برس حضرت کے بدن پر رہا ہے، اسی ضمن میں فرمایا ”اسی حجرہ میں حضرت شیخ اور شیخ جلال تھا نیسری رہا کرتے تھے، بیچ میں دیوار حائل تھی، سو کہاں تو فقر کا یہ حال تھا اور اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے۔“ (حوالہ بالا ص ۱۶۹)

(۳) ”بھائی! ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔“

حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا گنگوہی کی خدمت میں اپنے کچھ حالات لکھے، مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”بھائی! ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔“ کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔ پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہو گیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔

پھر ہمارے حضرت (حکیم الامت) نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی، پس مولانا اپنے کمالات موجودہ کی کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے

(آپ بیتی جلد ۲ ص ۲۴۲ بحوالہ حسن العزیز دوم ص ۱۱۱)

(۴) ”اگر حضرت امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟“

ایک مولوی صاحب نے مولانا کی ایک تقریر سن کر جوش میں آ کر کہا کہ آپ کے پاس آ کر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی

تائید فرماتے ہیں اور اگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے، اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے کہ ”یہ کیا کہا! اگر حضرت امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا میں تو ان کی تقلید کرتا اور امام ابوحنیفہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا، کیونکہ مجتہد حجتی کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حجتی تقلید کی جائے۔“ (افاضات یومیہ ۲-۹، ص ۲۳۹)

(۵)۔ ”شیخ کی جگہ کا ادب“:-

امیر شاہ خان صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے، حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۸)

(۶)۔ ”الحمد للہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔“

ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یار اپور تشریف لیجانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا، صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہراوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب بیٹھے تھے، ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عام آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہونیکے کے چھوڑ دیا، آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لیے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھا اور ارشاد فرمایا ”الحمد للہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔“

(تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۸)

(۷)۔ ”بیشک میری غلطی ہے، ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے۔“

مولوی نور محمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مجھے گنگوہ کی حاضری

نصیب تھی اور حضرت (گنگوہی) سے حدیث پڑھا کرتا تھا، دیکھتا تھا کہ طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک اپنا مہمان سمجھتے اور دسترخوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر رو برو کھلایا کرتے تھے، جب طلبہ کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت بڑھ گئے تو طلبہ کو کھانا کھلانے کا وہ اہتمام آپ سے نہ ہو سکا جو کبھی کبھی آنے والے مسافر کا ہوتا تھا مگر تین دن کی مہمانی ضرور قائم تھی۔ اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے اور خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے ان کا کھانا نہ آیا چونکہ یہ طالب علم میرے پہلے ملاقاتی تھے اس لیے مجھے رنج ہوا اور میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیباکانہ غصہ کے ساتھ عرض کیا کہ ”طلبہ کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں، اس کی کیا وجہ کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو خود کھانا کھلاتے اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی بھی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا نہیں؟“

بعد میں مجھے اپنی اس حرکت اور گستاخ جرات پر بہت ندامت ہوئی، مگر اس وقت غصہ کی حالت میں جو کہنا زبان نہ تھا وہ بھی کہہ گذرا۔ میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور مجھنا کارہ سے کہ ادنیٰ شاگرد تھا معذرت کا یہ فقرہ فرمایا کہ ”بیشک میری غلطی ہے ان شاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے۔“

اس تاریخ سے میں نے دیکھا کہ حضرت نے طالب علم کی مہمانی کسی معتمد سے متعمد شخص کے حوالہ بھی نہیں کی، جو کوئی آیا خود اس کو کھانا کھلایا۔ آپ کی یہ بے نفسی اور للہیت دیکھ کر مجھے یقین ہوا کہ حضرت بڑے پایہ کے شیخ ہیں۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۵۵)

(۸)۔ ”کسر نفسی و عامہ المسلمین سے درخواست دعا“۔

آپ کی کسر نفسی و تواضع یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ عام مسلمانوں سے اپنے لیے دعا کراتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ”لوگوں کے حسن ظن کی وجہ سے نجات کی امید ہے۔ من آنم من دانم“۔

بیسویں خطوط میں آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ”مجھے دعا میں ضرور شامل رکھنا اور خدا

کرے کہ تمہارے ظن کے موافق مجھ سے حق تعالیٰ کا معاملہ ہو۔

ایک بار مولانا حکیم محمد حسن صاحب نے اپنے حال قلب کی کچھ شکایت کی کہ مجھے کچھ نفع اور اثر محسوس نہیں ہوتا جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں، آپ نے ان کی تشفی دی اور فرمایا کہ ”میاں! کام کئے جاؤ، ہمت نہیں ہارتے، چلتے کام کا چھوڑنا کس نے بتایا ہے بہتیرا کچھ ہو رہا ہے۔“ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کیونکر اطمینان ہو جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ قلب میں کچھ اثر نہیں ہے، اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہا کہ:

”خدا کے بندے! تمہیں اپنے بڑے کے کہے پر بھی اعتماد نہیں، مجھے نہیں دیکھتے کہ عام مسلمانوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں۔“ (تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۵۶)

(۹)۔ ”دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں، دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا یہیں یہ دھوم دھام ہے۔“

..... اسی تذکرہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کہیں کہ کوئی پیر زادے تھے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے خاندان کے کوئی بزرگ ہیں، ان بزرگ کی وساطت سے یہ شخص جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پیش کئے گئے، اس وقت حضرت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ”رشید احمد ہندی کے پاس لیجاؤ۔“ حضرت نے اس خواب کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا مگر الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اس لیے مختصر متیقن مضمون عرض کر دیا گیا۔ یہ خواب دیکھ کر پیر زادہ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے بذریعہ خط کے اپنا قصد اور خواب کا قصہ حضرت سے عرض کیا، آپ نے جواب لکھوا دیا کہ ”بدعات سے توبہ کر کے آؤ تو مجھے کیا عذر ہے۔“

اس کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نہایت عجز کے ساتھ فرمانے لگے کہ ”دنیا میں تو میرے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا یہیں یہ دھوم دھام ہے۔“

اس قسم کے عاجزانہ کلمات حضرت قدس سرہ کی زبان سے اکثر بے تکلف و بلا

تصنع نکلتے تھے اور یہ اثر تھا اس نسبت عبدیت کا جو آپ کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھی اور جس کے سبب آپ کسی کمال کو بھی اپنی جانب منسوب نہ سمجھتے تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے زیر قدم جس مقام عالی میں آپ کو کمال رسوخ عطا کیا گیا تھا اس کا تقاضا یہی ہے کہ جتنا مرتبہ بڑھتا اور چڑھتا جائے اپنے کو بیچ، بیکار محض اور سرتاپا بغز و احتیاج سمجھتا جائے۔ (تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۳۱۸)

(۱۰)۔ ”چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اس لیے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں۔“

مولوی عبدالمجید ہزاروی فرماتے تھے کہ جب میں نے مولوی نذیر حسین دہلوی (مشہور غیر مقلد عالم) کے پاس حدیث شریف پڑھنی شروع کی تو دل اندر سے گھبراتا تھا اور خواب میں اکثر خنزیر کے بچے نظر آیا کرتے کہ میرے چاروں طرف پھرتے ہیں، ایسے خوب دیکھ کر میرا دل بالکل اچاٹ ہو گیا اور میں وہاں سے روانہ ہو کر سیدھا گنج مراد آباد (حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا، وہاں حاضر ہو کر میں نے اپنے پڑھنے اور خوابوں کی حالت بیان کی۔ مولانا نے دریافت فرمایا پڑھتے کہاں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب کے پاس۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں جا کر پڑھو وہاں حدیث کی دکان کھلی ہوئی ہے، اس کے بعد دیر تک حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تعریف کرتے رہے اور فرمایا کہ تم جاؤ تو ہمارا سلام کہنا اور بتا دینا کہ مجھے آپ کی خدمت میں فضل رحمٰن نے بھیجا ہے۔

غرض مولوی عبدالمجید صاحب گنگوہ آئے جس وقت حضرت کی خدمت میں پہنچے تو حضرت وضو کے لیے چوکی پر بیٹھے اور مسواک کر رہے تھے ان کو دیکھ کر مسکرائے، انہوں نے سلام کیا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا سلام اور پیام پہنچایا اور یہ بھی عرض کیا کہ مولانا نے آپ کی بہت تعریف کی اور انہیں کا بھیجا ہوا حاضر ہوا ہوں۔

حضرت امام ربانی نے ان کی تقریر سن کر بکمال تواضع ارشاد فرمایا ”چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اس لیے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دامنم۔“
مولوی عبد المجید صاحب فرماتے تھے کہ آخر میں نے حدیث شروع کی اور حضرت کی فیض سے مستفیض ہوا، اسی دن سے روز بروز پریشانی کم ہوتی اور فرحت بڑھتی رہی۔

(تذکرہ الرشید جلد ۲ ص ۳۲۰)

(۱۱)۔ ”طلبہ کی حالت غیر ہو گئی اور وہ چیخیں مارنے لگے۔“

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں درس حدیث ہو رہا تھا، مولانا فخر الحسن گنگوہی جیسے ذہین طلبہ حدیث پڑھنے والے تھے۔ دوران درس ایک روایت آئی لا تفضلونی علی یونس بن متی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو، اس پر طلبہ نے اشکال کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو کیوں افضل قرار نہ دیں آپ تو سب سے افضل ہیں، خود قرآن مجید میں ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضُ عَلَىٰ بَعْضٍ اس سے آگے ہے و رفع بعضهم درجات۔ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ جو افضل ہوتے ہیں وہ اس طرح کہا کرتے ہیں مگر اس سے طلبہ کی تشفی نہ ہوئی، اس لیے حضرت گنگوہی نے دوسری قوت سے کام لیا، فرمایا اچھا چلو بتاؤ مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ طلبہ نے عرض کیا اپنے میں سب سے برتر سمجھتے ہیں، پھر فرمایا کہ میں جو کچھ کہوں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ عرض کیا بالکل سچ سمجھتے ہیں پھر فرمایا کہ جس بات کو میں قسم کھا کر بیان کروں اس کو کیسا سمجھتے ہو؟ کہنے لگے اس میں تو جھوٹ کا شائبہ تک بھی نہ ہوگا اس پر فرمایا:

”یاد رکھو! واللہ میں تم سے ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔“

حضرت کے اس فرمانے پر طلبہ کی حالت غیر ہو گئی، چیخیں مارنے لگے، گریبان پھاڑنے لگے اور مولانا مجمع کو ذبح کر کے تڑپتا ہوا چھوڑ کر حجرہ میں چلے گئے۔ اگلے روز جب سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو دریافت فرمایا بالکل والی حدیث کا مطلب سمجھ میں آ گیا؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت بالکل سمجھ میں آ گیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت، جلد ۱ حصہ سوم ص ۷۴)

(۱۲)۔ ”دوسرے پیر کے یہاں حب جاہ کا سر قلم پایا“۔

ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب راپوری رحمۃ اللہ علیہ پہلے میاں عبدالرحیم رحمہ اللہ علیہ (جن کا مزار سہارنپور سے پنجا ب جانے والی سڑک پر ریلوے پھانک کے قریب باغ میں ہے) سے بیعت تھے ان کے مجاز بھی تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت سے بھی خلافت ملی، کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت! پہلے اور دوسرے پیر میں کیا فرق پایا؟ تو بڑا مختصر اور جامع جواب دیا فرمایا کہ ”دوسرے پیر کے یہاں حب جاہ کا سر قلم پایا“۔ (بحوالہ بلا)

(۱۳)۔ ”دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا“۔

ایک بار حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ ماشاء اللہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں۔ فرمانے لگے ”جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے آپ پر کبھی رشک نہیں کیا“۔ اس طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے اور یہ انہیں بڑا سمجھتے۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۵۷)

(۱۴)۔ ”جو لوگ قال اللہ قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟“

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، ابرہہ ہوتا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں، جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لیے اٹھ کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی، پھر کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے، صحن کی طرف رخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں، طلبہ نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا: ”جو لوگ قال اللہ قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟“ (ص ۶۲)

(۱۵)۔ ”اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کر لیا“۔

ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام آپ کا بدن دبا رہے تھے کہ ایک بے تکلف دیہاتی نے سوال کیا کہ مولوی جی! آپ تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں؟ فرمایا ”بھائی جی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمد للہ بڑائی دل میں نہیں آتی“۔ یہ سن کر وہ دیہاتی بولا ”جی مولوی اجی! اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں“۔ اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کر لیا (ص ۶۷)

(۱۶)۔ حضرت گنگوہیؒ کی خادم پر شفقت:-

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں ایک طالب علم خادم رہتا تھا، ایک روز اس کو کسی جگہ بھیج دیا، اس کی عدم موجودگی میں کہیں سے مٹھائی آئی، وہ حضرت نے وہیں تقسیم کر دی جب وہ طالب علم کام سے فارغ ہو کر آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ مٹھائی تقسیم ہوئی تھی تو اندر ہی اندر بہت غصہ ہوا کہ کام کے واسطے ہم اور مٹھائی کے واسطے دوسرے، جی ہی جی میں خوب گھٹا، اسی دوران اس کو اپنے حجرہ کے پاس کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی پھر زنجیر پر ہاتھ پڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے غصہ میں اندر ہی سے پوچھا کون؟ حضرت نے فرمایا رشید احمد، لو یہ تمہارا حصہ ہے مٹھائی کا تمہارے پیچھے تقسیم ہوئی تھی تم یہاں تھے نہیں اس لیے میں نے تمہارا حصہ رکھ لیا تھا۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ حصہ دہم ص ۸۸)

(۱۷)۔ ”جہاں سے کچھ ملا کرتا ہے وہاں سے ناگواری نہیں ہوتی“۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ مولانا شیخ محمد صاحب آگئے، دیکھ کر کہنے لگے آہ! آج تو مرید صاحب کے اوپر بڑی نوازش ہو رہی ہے کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ حضرت حاجی

صاحب باوجودیکہ حضرت مولانا کا بے حد ادب فرماتے تھے مگر اس وقت مصلحت تربیت کے لیے فرمایا کہ ہاں ہے تو میری عنایت کہ میں اس طرح ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلا رہا ہوں ورنہ مجھ کو تو یہ حق ہے اور ان کی حیثیت یہ ہے کہ میں روٹی ان کے ہاتھ پر رکھ کر کہتا کہ وہ ان بیٹے کو کھاؤ اور اس ارشاد کے ساتھ کن آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کوئی تغیر تو نہیں ہوا۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ پر ذرا برابر ناگواری کا اثر نہیں ہوا، کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کو ناگواری تو نہیں ہوا تھا؟ فرمایا ”جہاں سے کچھ ملا کرتا ہے یا ملنے کی کچھ امید ہوتی ہے وہاں سے ناگواری نہیں ہوا کرتی“۔ تو یہ تو وہ راہ ہے کہ بڑوں کو چر کہ دیا جاتا ہے (حکیم الامتؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۳۴)

(۱۸)۔ ”شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں“۔

بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب و شتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے۔ ان فرشتہ صفت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سناؤ۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں ہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

”اجی دور کی گالیاں کا کیا ہے، پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ۔ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں“۔

(ارواحِ ثلاثہ: ص ۲۱۱)

اللہ اکبر! یہ حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۱۱۴)

(۱۹)۔ ”مجھے تحقیق نہیں“:-

اگر آپ کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا یا اس کے بارے آپ کی تحقیق مکمل نہ ہوتی تو ”لا ادری“

(میں نہیں جانتا) کہنے میں آپ کو کوئی جھجک یا گھبراہٹ نہ ہوتی تھی بلاتامل یا بے تکلف فرما دیتے کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا یا مجھے مسئلہ نہیں آتا۔ اس بات کا ذرہ بھر خیال نہیں کرتے تھے۔ لوگ کیا کہیں گے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پرچہ ایک شخص کے پاس دیکھا جس پر چند سوالات اور حضرت کی طرف سے ان کے جوابات تھے۔ اسی پرچہ میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ”بچوں کو نزع کی تکلیف زیادہ کیوں ہوتی ہے؟“

اس کا جواب حضرت نے صرف یہ لکھا تھا کہ ”مجھے تحقیق نہیں“ (بیس بڑے مسلمان ص ۱۸۲)

(۲۰)۔ ”مجھے بھی یاد رکھنا!“:-

ظاہر پرستوں کے نزدیک کرامات کسی کے ولی ہونے کی علامت ہیں حالانکہ سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت علی الدین ہے۔ کرامت تو مقصود ہی نہیں ہے۔ اصل مقصود اتباع سنت ہے۔ جو اس بارے میں جتنا زیادہ پختہ و مستقیم ہوگا وہ اتنا صاحب کمال اور مقرب الہی ہوگا۔ انسان افراط و تفریط کے درمیان احتیاط سے چلنے والا ہو تو وہ صاحب کمال کہلائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ ایسے ہی معتدل المزاج، میانہ رو بزرگ تھے اور اس قدر استقامت اور استقلال تھا کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔

حضرت تھانویؒ حج کے لیے تیار ہوئے اور خدمت میں حاضر ہو کر رخصت و اجازت چاہی، اس کے بعد عین روانگی کے دن بذریعہ تحریر پھر حضرت کو اطلاع دی کہ بندہ آج روانہ ہو رہا ہے

حضرت گنگوہیؒ نے جو تحریر بھیجی اس میں درج تھا کہ ”حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں

حاضر ہو کر مجھے بھی یاد رکھنا۔“ اس کے بعد یہ شعر مسطور تھا

چہ با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آرمجان بادہ پیارا۔

یہ اتباع ہے اس مضمون کا کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت سے عمرہ کی اجازت چاہی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ بھائی وہاں حاضر ہو تو دعا کے اندر ہمیں مت بھول جانا۔ (بحوالہ بالا ص ۲۱۱)

(۲۱)۔ ”منہ پر مدح کرنے والوں کی یہی جزا ہے“۔

مولوی حکیم اسماعیل گنگوہیؒ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ بے تکلف ہونے کی وجہ سے حضرت کے تنفر ظاہر کرنے کے باوجود باصرار سنایا، جب ختم کر چکے تو آپ جھٹکے اور زمین سے خاک اٹھا کر ان پر ڈال دی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا منہ پر مدح کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔ میں کیا کروں جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے (حوالہ بالا)

مکاتیب رشیدیہ سے چند اقتباسات

(۱)۔ اپنے مرید صادق سے حضرت گنگوہیؒ کی عجیب تواضع کے کلمات رفیعہ:-

اپنے مسترشد حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس ناکارہ کو ساری عمر گزر گئی کچھ بھی نصیب نہ ہوا، چاہ سے پانی چلتا اور بذریعہ نالی قل کے زراعت میں جاتا ہے، نل نالی کو کچھ حظ نہیں محض واسطہ ہے، علی ہذا یہ ناکس واسطہ واقع ہوا گو خود خشک لب محروم ہے۔ اب خود آپ سے التجاء دعا کرتا ہوں کہ ہمت و دعا سے مجھ کو بھی یاد رکھیں۔

شیخ عبد القدوس قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ”اصل یہ ہے کہ شیخ مرید کو لے جاتا ہے اور فضل یہ ہے کہ مرید شیخ کو لے جاوے“۔ پدر مفلس کو اگرچہ زکوٰۃ درست نہیں مگر صدقہء نافلہ جائز

”آپ کے رفعت حال سے سرور ہوتا ہے کہ شاید اس محروم کو ہمیں وسیلہ بخش دیں اور پھر آپ کا حسن ظن جو ہے اس سے بھی توقع خیر ہوتی ہے کہ مقبولوں کا ظن خالی نہیں جاتا۔ اس عاجز کو صاحب استقامت جانتا اور اس کے قدم بقدم چلنا محض آپ کا حسن ظن ہے۔“

”.....اپنے آپ کو بالکل بے مناسب اور خالی دیکھ کر تاسف کرتا ہوں۔“ (ص ۶۰)

(۵)۔ ”آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبت صلحاء غنیمت ہے۔“

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے ایک مکتوب کے جواب میں انہیں تحریر فرماتے ہیں:

”..... اور یہاں آنے کے باب میں جو آپ استفسار فرماتے ہیں تو بقولے ع
”او خوشین گم است کرار ہبری کند

مگر معذرا اگر آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبت صلحاء جس قدر
میسر آوے غنیمت ہے۔“ (ص ۶۱)

(۶)۔ ”تم کو ذخیرہ خیرات جانتا ہوں، تم قابل فراموشی نہیں ہو۔“

اپنے خلیفہ مجاز حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”السلام علیکم، آپ کا نامہ آیا، یاد الفت کو دلایا، تم کو ذخیرہ خیرات جانتا ہوں۔“

تم قابل فراموشی نہیں ہو، دعا کا طالب ہوں۔“ (ص ۶۳)

(۷)۔ ”اگر خود ایسے عطیات سے محروم ہے بار احباب کو عطاء متواتر ہے۔“

حضرت سہارنپوریؒ کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا، واردات رجوع الی اللہ تعالیٰ موجب فرحت

ہیں۔ حق تعالیٰ کا نہایت شکر کرنا لازم ہے کہ یہ بڑی نعمت کبریٰ ہے کہ بمقابلہ جہاں مثل پر پیشہ بھی نہیں اور اس احقر کو تو نہایت ہی باعث شکر و افتخار ہے کہ اگر خود ایسے عطیات سے محروم ہے بار احباب کو عطا ومتواتر ہے

درگوزم بر سر گیسوے تو تارے تا سایہ کند بر سر من روز قیامت
مردہ پر اگر وقت مرگ کوتاہی کفن دیکھی جائے تو یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ تکفین میں اولیاء نے کوتاہی کی اور غیر مشروع امر پیش آیا، کوتاہی کفن میں مردہ کا قصور کیا؟ اگرچہ باعتبار دیگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لباس عبارت تقویٰ سے ہے مگر ہر حال میں دعاء مغفرت ضرور ہے۔

(ص ۶۵)

(۸)۔ ”اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ کہ معطیانہ“۔

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”تمہاری بہبودی سے توقع کرتا ہوں کہ خود بھی کچھ نفع پاؤں کہ تم نے بحسن ظن دلیل رہبر بنایا ہے ورنہ اپنی شومی کیا کہوں، اول تو کچھ حاصل نہ ہوا تھا، اگر کچھ طفل تسلی اپنی کی تھی اب ضعف قوت اور ہمت نے اس سے جواب دیا۔ سو خیر دوستوں کی وجہ سے شاید کچھ حاصل جاوے۔ اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ کہ معطیانہ“ من دق باب الکریم فتح“ حق تعالیٰ آپ کو فتح باب نصیب فرماوے۔ (ص ۶۶)

(۹)۔ ”اب سب رفیق رخصت ہوئے دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں“۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اب حادثہء جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم (صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) ۲۴ شب ذی الحجہ یکشنبہ کوفت ہوئے، عالم اندھیرا ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے، دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکے لکھے ہیں انا للہ وانا الیہ

(ص ۷۰)

راجعون“۔

(۱۰)۔ ”حکیم عبدالعزیز صاحب کے ہدیہ پر حضرت گنگوہیؒ کے غیر معمولی کلمات تواضع“۔

حکیم صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اب دوسرا خط آپ کا آیا، الحق یہ ۲۰ روپیہ مجھ کو لینا سخت معلوم ہوتا ہے کہ اس وجہ سے لیا جاوے۔ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ اس کو واپس کر دوں مگر تم ایسا کچھ لکھتے ہو، اب کچھ بار بار لکھنا تو فضول ہے مگر اس قدر نفع ہے کہ لاریب آپ کو بوجہ حضرت کے بندہ سے خیال ہے اور خود یہ ناکارہ خود غرض ہے نہ کسی کی بھلائی مجھ سے ہو سکے نہ کسی کے کام کا ہوں، اگر زبانی دعا کر دی تو کیا ہوا، تم کو جو کچھ مجھ سے خیال ہے وہ محض حسن ظن ہے اور میں اپنے اندر وجہ جانتا ہوں کہ اپنی محبت اور غرض سے پر ہے تم دوسرے درجے میں، الحق کہ خود حضرت مرشدنا سے بھی مجھ کو جیسی چاہیے اعتقاد و محبت نہیں۔ ایک بار خدمت میں حضرت کے بھی عرض کر دیا تھا کہ آپ کے سب خادموں سے اس بات میں کم ہوں، ہر شخص کو کسی درجہ کی آپ کی محبت ہے اور اعتقاد، مگر مجھ نالائق کو کچھ بھی نہیں اور یہ اس واسطے ذکر کیا تھا کہ نفاق اپنا خاہر کر دوں اور حقیقت الحال کو عرض کر دوں سواب دیکھو کہ جب خود اس شخص مبارک سے جس کے پاپوش (جوتے) کی بدولت دنیا میں عزت ہو رہی ہے اور یہ توجہ آپ کو ہے اس کے ساتھ اپنا یہ حال ہو تو پھر اور کوئی تو دوسرے درجہ میں ہے پس جب یہ حال خوار اپنا اپنے دوستوں کے ساتھ ہوا تو کس طرح میں ہدایا اپنے حوصلہ سے زیادہ قبول کروں، وہ کسی خیال میں اور اپنا کچھ اور حال تو اب کیا کہوں؟ نہ کہہ سکتا ہوں نہ چپ رہ سکتا ہوں۔

اس قدر پھر لکھتا ہوں کہ یہ روپیہ تمہاری غرض میں خرچ نہ ہوا تو اب ایسی حالت میں اگر قبول کر لو تو بہتر ہے، آخر ہر روز لئے جاتا ہوں اور فی الواقع یہ امر مقرر ہے کہ مجھ کو کسی محسن دوست عزیز سے آشنائی نہیں، اپنے دل میں اپنی راحت و غرض اس قدر جاگزین ہے کہ نہ کسی کے رنج سے رنج ہے نہ کسی کی فرحت سے فرحت ہر دم اپنی ہی غرض درپیش ہے، اگرچہ اس حال زار سے نادم ہوتا ہوں مگر طبعی بات کو ندامت سے سود نہیں ہوتا، شرمندہ ہوتا

ہوں اور پھر وہی طبیعت سرزد ہوتی ہے۔ تو اب اگر آپ چشم پوشی کریں تو بہتر ہے ورنہ کیا کروں حق تعالیٰ آپ کے حسن ظن سے میرے ان اخلاق نازیبا کو زائل کر دیوے اور تھوڑی سی عقیدت اپنے مرشد کی اگر دے دیوے تو پھر برادران دینی سے البتہ کچھ الفت ہو جاوے ورنہ قیامت کو میری حقیقت منکشف ہو کر اندیشہ ندامت ہے۔

اسی واسطے اب ظاہر کرتا ہوں کہ میرا اتفاق ظاہر ہو جاوے کہ دوست یوں جانتے ہیں کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور میں بالکل ان کی طرف سے غافل اپنی غرض میں مبتلا ہوں سوائے برادران دین! تم سے بھی توقع ہے کہ میرے واسطے اس امر کی دعا کرو کہ حق تعالیٰ مجھ کو اپنی حب (محبت) تو اس حب سے حب اس کے اولیاء کی ہووے اور پھر اس سے حب برادران دینی کی ہووے ورنہ جس قدر میری کوئی شکایت کرے بجا ہے، میں خود مقرر (اقرار کرنے والا) ہوں اور اپنا حال جانتا ہوں۔

اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب آدمی کو رنج ہوتا ہے تو خلاف توقع سے ہوتا ہے کہ جہاں آدمی توقع کسی امر کی رکھتا ہے اور وہ توقع برآمد نہیں ہوتی تو رنج ہوتا ہے، اسی واسطے غیروں سے رنج کم ہوتا ہے اور عزیزوں اور دوستوں سے رنج ہو جاتا ہے کہ ان سے توقع بھلائی کی رکھتا ہے جب بھلائی وقوع میں نہ آئی رنج ہوا، خلاف توقع ہونے کے سبب دل پر صدمہ ہوا۔ سو چونکہ اپنے آپ سے مجھ کو خود توقع نہیں کہ کسی سے سلوک کروں اور اپنے آپ کو قابل دوستی کے نہیں جانتا تو الحق اگر کوئی میری شکایت کرے تو مجھ کو بری نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اپنے آپ کو ایسا ہی جان رہا ہوں اور کسی کی شکایت کو بجا جانتا ہوں کیونکہ میرے افعال ظاہری پر وہ اوگ مغرور ہو کر مجھ کو اپنا دوست جان گئے پھر جب معاملہ خلاف پیش آیا تو ضرور شکایت ہونی چاہیے۔ (ص ۷۸، ۷۹)

(۱۱)۔ ”حضرت گنگوہیؒ کا اپنے نفس پر سوء ظن اور دوسروں کے حسن ظن پر پریشانی“۔

موصوف حکیم صاحب کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”بخدا اپنے علم میں بحلف کہتا ہوں کہ تمہارے واسطے ہر روز تو دعا یقیناً کرتا ہوں مگر پانچ وقت میں شاید کسی وقت ترک ہوتی ہو، لیکن آپ کے اس حسن ظن سے سخت پریشان ہوتا ہوں کہ تم کو میرے ساتھ اس قدر عقیدت بے محل ہو گئی، مجھ جیسے صد ہا عالم میں موجود اور بہتر بہت ہیں۔ ہاں اپنے مرشد کی نسبت میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ایسا شخص کم ہے۔ سو بندہ کا حال تو اس سے واضح ہو جائے گا کہ تا ابد مہم و روز آپ کے باب میں دعا کرتا ہوں اور کچھ اجابت کے آثار نہیں جس سے صاف روشن ہے کہ مثل دیگر عوام مومنین کے میں ایک ہوں۔

کوئی شخص اپنی تعریف کو برا نہیں جانتا، میں بار بار اپنا عیب و حقیقت جو ظاہر کرتا ہوں تو فقط اس سبب سے ہی کہ میرے سبب تم اپنے مقصود سے نہ رہ جاؤ، میری عقیدت تم کو مضر نہ ہو جائے، ناقص کے ساتھ ہو کر اپنا نقصان ہوتا ہے، دوسرے قیامت کو جب حال ظاہر ہوگا مجھ و دامت نہ ہو کہ خلاف توقع ظاہر ہووے گا (ص ۹۰)

مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی صاحب تذکرہ الرشید میں اس مکتوب کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”اس تحریر سے کسر نفسی و تواضع کی سچی کیفیت اور راسخ القلب حالت کا جس قدر پتہ لگ رہا ہے وہ خود ناظرین کے سامنے ہے، مجھ میں طاقت نہیں کہ لفظ لفظ کا کمال ظاہر کروں۔ مکاتیب مقدسہ میں سیکڑوں فقرات نظر آئیں گے جن سے اس صفت خاصہ کا کمال علو ظاہر ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ حضرت امام ربائی کے نزدیک مادی و ذام یکساں تھا جس قدر لوگ آپ کی خدمت میں محبت و تعظیم اور تواضع تکریم کرتے اسی قدر حق تعالیٰ کی جناب میں آپ تواضع و الحاح زیادہ کرتے اور یوں دعا مانگتے تھے کہ ”یا اللہ! میں جیسا ہوں تو جانتا ہے لیکن میرے ساتھ اُن کے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمانا“۔ (تذکرہ الرشید۔ جلد ۲ ص ۵۷)

(۱۲)۔ ”اپنا حال جو ہے لکھ نہیں سکتا، محض بیگانہ ہوں چند باتیں یاد ہیں اور بس“۔

مولانا محمد روشن خان صاحب مراد آبادی کو تحریر فرماتے ہیں:

”غرض حسب قاعدہ ہمارے حضرت (حاجی صاحب) کے آپ مجاز ہیں لہذا بطور رغبت اجازت بیعت کی عموماً دیتا ہوں کہ اپنے نام سے بیعت لیا کرو جو اہل ہووے تو بہ کرا دی، حسب لیاقت وظیفہ بتا دیا کریں فقط

مبارک ہو شکر کرو۔ بہت شکر کرو اور اس اجازت کو حضرت سلمہ کی طرف سے سمجھو۔ سچ کہتا ہوں کہ ترجمان زبان شیخ ہوں۔ اپنا حال جو ہے لکھ نہیں سکتا محض بیگانہ ہوں، چند باتیں یاد ہیں اور بس فقط والسلام“۔ (ص ۹۶)

(۱۳)۔ ”خود شرمندہ و محبوب ہوا کہ آپ کو بندہ کے ساتھ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں“۔

مولانا موصوف کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محبوب ہوا کہ آپ کو بندہ کے ساتھ یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں۔ کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں، حق تعالیٰ رحم فرمائے“۔ (ص ۹۸)

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی فنائیت:-

(حضرت تھانوی نے) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب کے زمانہ اہتمام میں ایک

طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا، حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کر دیجیے، آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔

ہمارے حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ سچ ہے۔
حریفانِ بادھا خورند و رفتند تہیٰ خمخانہ کردند و رفتند

(ارواحِ ثلاثہ ص ۳۳۷)

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (والد محترم حضرت شیخ الحدیث) کی تواضع و سادگی:-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سادی زندگی کو دیکھنے والے تو اب تک بکثرت موجود ہیں۔ ان کے لباس یا طرز معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا، کپڑے زیادہ تر میل خورہ پہنتے تھے جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب رئیس بیٹ کے یہاں میرے حضرت قدس سرہ کے کپڑے دھلا کرتے تھے اور ہر ہفتے شنبہ ان کا آدمی آ کر دھوبی گھر کے کپڑے دے جاتا تھا اور جمعہ کے اتارے ہوئے کپڑے لے جاتا تھا۔ میں اکثر خیال کیا کرتا تھا کہ دھلے ہوئے کپڑوں میں اور اتارے ہوئے کپڑوں میں سلوٹوں کے سوا کوئی فرق نہ ہوتا تھا کہ پاجامہ پر خدام کے دبانے کی وجہ سے کچھ سلوٹیں پیدا ہو جاتی تھیں، شاہ صاحب نے کئی دفعہ والد صاحب پر اصرار کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ آپ بھی اپنے کپڑے بھیج دیا کریں، انہوں نے فرما دیا کہ میرے کپڑے ایسے ہوتے ہی نہیں کہ دھوبی کے یہاں دھلیں، بہت کم یہاں دھوبی سے دھلوانے کی نوبت آتی تھی، ورنہ کوئی خادم یا میری والدہ نور اللہ مرقدہ پانی میں نکال کر سکھا دیتی تھیں، جو اگلے جمعہ کو میرے والد صاحب پہن لیتے تھے۔

میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب رحمہ اللہ کی زندگی رئیسانہ تھی وہ گرمی سردی کے کئی کئی اچکن بنوایا کرتے تھے، اور میرے والد صاحب کے کاندھلہ جانے پر ایک دو اچکن گرمی سردی کے ساتھ کر دیتے تھے، وہی میرے والد صاحب کے استعمال میں رہتے تھے، اپنے

لیے اچکن سلوانا میرے علم میں نہیں، چونکہ دونوں کا بدن ایک جیسا تھا، اس لیے وہ کرتے پا جائے بھی ایک دو ساتھ کر دیتے تھے، چونکہ بے تکلفی اور بچپن کا تعلق تھا، کاندہلہ میں بھی ساتھ پڑھے، گنگوہ میں بھی ساتھ رہے، اس لیے والد صاحب کو بھی ان کے کپڑے پہن لینے میں تکلف نہیں ہوتا تھا، گنگوہ کے قیام میں بھی اور سہارنپور کے مدرسے کے دور میں بھی کھانے کے وقت مخصوص خدام اور مخصوص احباب اپنے اپنے گھر سے کھانا لا کر شریک ہو جاتے تھے اور کھانے کے وقت سب جگہ کے سالنوں کو ایک بڑے طباق میں یکجائی ملا لیتے تھے اس میں شور با بھی ہوتا، دال بھی ہوتی، ساگ بھی ہوتا، بھوجی بھی، سردی میں ان سب کو ملا کر انگیٹھی پر رکھ کر چند منٹ گرم کر لیتے تھے اور سب مل کر اس طباق میں مشترک کھاتے تھے، میرے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر علوم بھی اکثر کھانے کے وقت اپنے گھر سے کھانا لے کر آ جاتے تھے، ناظم صاحب کے مزاج میں نفاست نزاکت بہت تھی مگر میرے والد صاحب سے تعلق بھی بہت تھا، وہ بھی اس کچوندے کو بہت رغبت سے کھاتے تھے، اور کبھی کبھی گوشت منگا کر اور طلبہ کے کھانے سے پہلے اسکو پکوا کر یہ سب سالن اس میں ملا کر جوش دیئے جاتے تھے، تو ایسا لذیذ ہو جاتا تھا کہ ویسا لذیذ پھر نہیں ملا، اس واقعہ کو تو مولانا عاشق الہی صاحب نے تذکرہ الخلیل میں بھی لکھا ہے۔

البتہ گوشت کا شوق ضرور تھا جس زمانہ میں میری والدہ سہانپور ہوئیں اس زمانہ میں تو والد صاحب کا گھر سے کھانا آ جاتا ورنہ بازار سے دو چار نفر کا جس میں ہم لوگ بھی ہوتے منگا لیا جاتا شاید آپ بیتی میں اس کا ذکر کہیں آ بھی چکا۔ اور وہ بھی اسی طشت میں ڈال دیا جاتا تھا، ”اکمال الشیم“ کے مقدمہ میں مولانا شیخ علی متقی کے حالات میں بھی اس واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت شیخ کا بھی یہی معمول تھا، مجھے یاد نہیں کہ والد صاحب نے گھر میں اپنے لیے کبھی کسی چیز کے پکانے کی فرمائش کی ہو، والدہ مرحومہ جو بھی اپنی تجویز سے پکا دیتیں وہی دسترخوان پر چلا جاتا۔

تذکرہ الرشید میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں

کہیں سے خمیری روٹی اور قورمہ آیا نوش فرما کر خانقاہ تشریف لائے اور تشریف لا کر میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے دریافت فرمایا "میاں مولوی یحییٰ تمہیں بھی کچھ بھاؤے" انہوں نے عرض کیا حضرت ایک ارہر کی دال تو بھاتی نہیں باقی جو کچھ ملے سب پسند ہے۔ آپ نے بیساختہ یہ شعر پڑھا۔

کیا کہوں جرات کہ کچھ بھاتا نہیں۔ کچھ تو بھاتا ہے جو کچھ بھایا نہیں۔

(تذکرہ الرشید ص ۷۶ آپ بیتی ص ۲۷۱ تا ۲۷۳ جلد ۲)

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب راپوری رحمہ اللہ کے واقعات (۱)۔ ”اللہ اکبر! اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے“۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کی تو پوری ہی زندگی تواضع و انکسار کی تھی۔ ہمارے جملہ اکابر میں اعلیٰ حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ ”اللہ اکبر! اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے“۔

(آپ بیتی جلد ۲ ص ۲۵۸)

(۲)۔ ”حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا“۔

علی میاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے، اور تو کچھ عرض نہیں کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔

حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے، جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے

حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سرکٹا ہوا تھا۔

(حوالہ بالا ص ۲۵۹)

(۳)۔ ”مجھ فقیر کے لیے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے۔“

حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی تذکرہ الخلیل میں اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ آخر سفر حج میں حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سو سے زائد مجمع ہو گیا تھا۔ بمبئی پہنچے تو سب رفقاء کا ٹکٹ جہاز سے ملنا مشکل تھا، صرف حضرت اور حضرت کے اہل و عیال اور مخصوص رفقاء کو مل سکتا تھا، مگر حضرت نے جملہ رفقاء کے بغیر جانا قبول نہیں فرمایا اور جن کو غلت تھی ان کو اس جہاز سے بھیج دیا اور خود پندرہ دن تک دوسرے جہاز کے انتظار میں بمبئی تشریف فرما رہے اس موقع پر بہت سے لوگوں نے حضرت قدس سرہ پر اصرار بھی کیا کہ حضرت! باقی رفقاء دوسرے جہاز سے آتے رہیں گے مگر حضرت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان ساتھیوں کو رنج ہوگا، مکہ مکرمہ پہنچ کر مکی احباب نے ایک بہت نفیس مکان حضرت اور حضرت کے رفقاء کے لیے پہلے سے کرایہ پر لے رکھا تھا اور خدام نے حضرت کے کمرہ کو بہت ہی راحت کا بنا رکھا تھا۔ بعض مکی خدام نے بہت عمدہ مسبری اور نفیس تیکے، گدے حضرت کے کمرہ کے لیے مہیا فرما رکھے تھے کہ بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحب حکیم مسعود احمد صاحب خلف الرشید حضرت قطب ارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ حج کے لیے پہنچ گئے، حکیم صاحب کے پہنچنے پر حضرت راپوری قدس سرہ نے اپنا کمرہ سجا سجا یا مع سامان راحت کے حضرت حکیم صاحب کی نذر کر دیا اور فرمایا کہ ”مجھ فقیر کے لیے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی راحت ہے، خدام کے ہوتے ہوئے حضرت حکیم صاحب کو تکلیف ہو یہ بہت ناموزوں ہے“ حتیٰ کہ میرے حضرت مرشدی سہارنپوری نے بھی جو بعد میں مکہ پہنچے تھے اس پر نکیر فرمائی کہ سارا سامان لوگوں نے آپ کی راحت کے لیے دیا تھا مگر حضرت راپوری نور اللہ مرقدہ نے یہی ارشاد فرمایا کہ ”حضرت! مجھ سے دیکھا نہ گیا کہ خادم تو ایسی

راحت میں رہے اور مخدوم زادہ معمولی جگہ قیام کرے۔“

حضرت رائپوری قدس سرہ کے لیے تو خدام نے اس کا بدل کر ہی دیا مگر حضرت رائپوری قدس سرہ کا عمل ہم نالائقوں کے لیے قابل رشک ہی ہو سکتا ہے۔ (ص ۲۶۰)

(۴)۔ ”حضرت! معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبوڑوں“

ایک مرتبہ مولوی وہاب الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے رائے پور آئے رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا، ایک طرف لیٹ کر سو گئے، ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص پائنتی بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے، اول تو سمجھے کہ حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں، یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چار پائی کے نیچے آئے کہ حضرت! یہ کیا غضب کیا؟ فرمایا ”بھائی! اس میں حرج کیا ہے؟ آپ کو تکان بہت ہو گیا ہو گا ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے۔“ انہوں نے کہا بس حضرت! معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبوڑوں۔

تواضع اور مردت گر کوئی شخص مجسم ہو تو وہ سرتاقدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

(ص ۲۶۱)

(۵)۔ ”گستاخ نہ بنو!“

حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی صاحب ہی بیان فرماتے ہیں:

حضرت مولانا رائپوری کے اس رنگ کو میں نے بارہا غور سے دیکھا کہ حضرت (سہارنپوری) کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لیے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو! پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم وافضل ہیں اور پھر مجھ سے۔ (ص ۲۶۶)

(۶)۔ ”میں نے دیکھا کہ حضرت رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہیں“۔

سفر حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلسلات اور سورہ ص کو سنا کر باقاعدہ اجازت و سند عطا فرماویں، چنانچہ حضرت نے منظور کر لیا اور کہا کہ سب لوگ اوپر چل کر بیٹھو میں آتا ہوں، چنانچہ پچیس تیس طلبہ صف باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت اوپر چڑھے تو بندہ بھی ساتھ ہو لیا کہ اجازت میں شریک ہوگا، وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت مولانا رائے پوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاذ کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔ آہ! کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب وہی آنکھیں چار سو خزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی فالسی! اللہ المشتکی۔ انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ (ص ۲۶۶)

(۷)۔ ”بھائی! تم کو اب تک اندھیرے میں رکھا اللہ کے واسطے میری خطا معاف کر دو!“۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے شیخ میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل ہو گئی تھی، اس کے باوجود ان کے انتقال کے بعد کلیر شریف حضرت خواجہ علاء الدین مخدوم صابر کے مزار پر گئے، وہاں سے ان کو محسوس ہوا کہ ہمارے سلسلے کا نور تو اب گنگوہ میں ہے۔ وہاں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ کے یہاں گنگوہ آئے اور بیعت کی درخواست کی۔

اس پر حضرت نے فرمایا آپ تو ماشا اللہ خود پیر ہیں اب کسی سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی، اس لیے جائے قیام پر واپس آئے اور جن جن کو بیعت کیا تھا ان کو کہا کہ بھائی! تم کو اندھیرے میں رکھا، اللہ کے واسطے میری خطا معاف

کر دو، کسی دوسرے مرد خدا سے بیعت کر لو۔ اس طرح ان کی بیعت کو فسخ کیا، تب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے ان کو بیعت فرمایا۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد ۱۔ حصہ پنجم ص ۴۷)
(۸)۔ ”میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں تو طلب ہے مجھ میں یہ بھی نہیں۔“

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب راپوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

آپ نے افضل گڑھ سے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ میں بیعت کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”حدیث میں آتا ہے ”المستشار المؤمن“ میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں آپ میں تو طلب ہے مجھ میں وہ بھی نہیں، آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کریں۔“

حضرت فرماتے تھے کہ میں یہ خط پڑھ کر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں۔
(سوانح مولانا عبدالقادر راپوری ص ۵۸)

حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی صاحب رحمہ اللہ آپ کے مختصر حالات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچائے دل ان کے تصور خیال سے کھلے جاتے ہیں مگر چونکہ ان کا اظہار آپ کو ناگوار ہے اور مجھ کو ممانعت کر دی گئی ہے اس لیے بجز اس کے کچھ نہیں لکھ سکتا کہ السعید من سعد فی بطن املہ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۱۵۶)
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے

واقعات

۱۔ عادات و اخلاق اور طرز زندگی:-

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اکابر دارالعلوم دیوبند کی بہت بڑی اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ حضرات علم و فضل میں یکتائے روزگار اور عبادت و ریاضت اور روحانی کمالات میں بے مثال ہونے کے باوجود تواضع اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ ہی تھے، اور اس خاص وصف میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسرے سب حضرات سے زیادہ ممتاز ہیں۔

ان کے کمالات کو تو اکابر علماء اور باکمال ہی جان سکتے تھے۔ احقر نے اپنے بچپن سے ۲۴ سال کی عمر تک جو کچھ پچشم خود دیکھا یا اپنے قریبی بزرگوں سے سنا میری گفتگو صرف اسی دائرہ میں ہے۔

میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی کہ دارالعلوم کی قدیم عمارت نودرہ کے عقب میں ایک عظیم الشان دارالحدیث تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی، اس کے لیے بڑی گہری بنیادیں نودرہ کی عمارت سے متصل کھودی گئیں، اتفاق وقت سے دیوبند میں بڑی تیز بارش ہوئی اور کافی دیر تک رہی، یہ زمین کچھ نشیب میں تھی، بارش کے پانی سے ساریں بنیادیں لبریز ہو گئیں دارالعلوم کی قدیم عمارت کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ فائر بریگیڈ یئرانجنوں کا زمانہ نہیں تھا اور ہوتا بھی تو ایک قصبہ میں کہاں؟۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس صورتحال کی اطلاع ملی تو اپنے گھر میں جتنی بالٹیاں اور ایسے برتن تھے جن سے پانی نکالا جاسکے سب جمع کر کے حضرت کے مکان پر جو طالب علم اور دوسرے مریدین جمع رہتے تھے ان کو ساتھ لیکر ان پانی سے بھری ہوئی گہری بنیادوں پر پہنچے اور بدست خود بالٹی سے پانی نکال کر باہر پھینکنا شروع کیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس معاملہ کی خبر پورے دارالعلوم میں بجلی کی طرح پھیل گئی، پھر کیا پوچھنا ہر مدرس اور ہر طالب علم اور ہر آنے جانے والا اپنے اپنے برتن لیکر اس جگہ پہنچ گئے اور بنیادوں کا پانی نکالنا شروع کیا احقر بھی اپنی قوت و حیثیت کے مطابق اس میں شریک تھا، میں نے دیکھا کہ چند گھنٹوں میں یہ سارا پانی بنیادوں سے نکل کر کچڑ رہ گیا تو اس کو بھی بالٹیوں سے صاف کیا گیا۔

اس کے بعد ایک قریبی تالاب پر تشریف لے گئے اور طلبہ سے کہا کہ اس میں غسل کریں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اول عمر سے سپاہیانہ زندگی رکھتے تھے، پانی میں تیراکی کی بڑی مشق تھی۔ حضرت کے ساتھ طلبہ بھی جو تیرنا جانتے تھے وہ درمیان میں پہنچ گئے، مجھ جیسے آدمی جو تیرنے والے نہ تھے کنارے پر کھڑے ہو کر نہانے لگے۔

یہ واقعہ تو احقر نے خود دیکھا اور سیر و شکار میں طلبہ کے ساتھ بے تکلف دوڑنا بھاگنا، تالابوں میں تیرنا یہ عام معمول زندگی تھا جس کے بہت سے واقعات دوستوں اور بزرگوں سے سنے ہیں۔

دیکھنے والے یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ ان میں کون استاد ہے اور کون شاگرد۔ (چند عظیم شخصیات ص ۱۱)

۲۔ ”لو میاں محمود صاحب! اپنی چار پائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔“

مولانا قاری محمد طیب صاحب (موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند) دامت برکاتہم کے خسر مولانا محمود صاحب رامپور کے رئیس گھرانہ کے فرد تھے۔ یہ خاندان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگان دیوبند سے وابستہ تھا۔ جب مولانا محمود صاحب کو تحصیل علم کے لیے دیوبند بھیجا گیا تو ان کا قیام حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے ایک حجرہ میں ہوا۔ دارالعلوم سے حضرت شیخ الہند کے مکان کو جانے والے راستہ دارالعلوم کے قریب ہی یہ مسجد واقع تھی۔ حسب عادت حضرت شیخ الہند دارالعلوم سے سبق پڑھا کر اپنے مکان کو تشریف لیجا رہے تھے کہ اس مسجد کے دروازہ پر مولانا محمود صاحب رامپوری کو کھڑا دیکھا تو حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ اسی مسجد کے ایک حجرہ میں قیام ہے، حجرہ کے اندر جا کر دیکھا تو زمین پر بستر بچھا ہوا تھا، خیال آیا کہ یہ رئیس زادہ ہیں، فرش پر سونے کی عادت نہ ہوگی۔ ان سے کچھ نہیں فرمایا اور اپنے گھر سے ایک چار پائی خود اٹھا کر راستے کے گلی کو چے اور بازار طے کرتے ہوئے اس مسجد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ مولانا محمود صاحب مذکورہ

دروازے سے نکل رہے ہیں۔ اب یہ خیال دامن گیر ہوا کہ مجھے بوجھ لاتے ہوئے دیکھ کر ان کو سخت شرمندگی ہوگی، تو اپنے بزرگانہ فعل کو یہ کہہ کر مٹایا کہ ”لومیاں محمود صاحب! اپنی چار پائی اٹھاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔“ (حوالہ بالا ص ۱۲)

۳۔ ”مولانا تو یہاں کوئی نہیں رہتے اور بندہ محمود تو میرا ہی نام ہے۔“

میرے ایک دوست مولانا مغیث الدین صاحب ضلع بجنور کے باشندے جو دارالعلوم میں اکثر اسباق میں میرے ہم سبق رہے تھے مگر درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے دارالعلوم کو چھوڑ کر مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے معقولات منطق فلسفہ پڑھنے کے لیے گئے تھے کیونکہ معقولات کے درس میں اس مدرسہ کی اور مولانا معین الدین صاحب کی بڑی شہرت تھی۔

ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا معین الدین صاحب کا ارادہ یہ ہوا کہ ذرا علماء دیوبند سے ملاقات کر کے دیکھیں کہ وہ کس پائے کے عالم ہیں اور کس انداز کے لوگ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے ان کا نام نامی سنے ہوئے تھے، ان کی ملاقات کے لیے دیوبند کا سفر کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں اکابر کے ناموں کے ساتھ لمبے چوڑے القاب نہ تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پورے دیوبند میں صرف ”بڑے مولوی صاحب“ کے لقب سے معروف تھے۔ مولانا معین الدین صاحب نے اسٹیشن پر اتر کر ایک تانگہ والا سے پوچھا کہ تم مولانا محمود حسن کا مکان جانتے ہو؟ تانگہ والے نے جواب دیا کہ دیوبند میں ایک بڑے مولوی صاحب ہیں ان کا مکان جانتا ہوں مگر ان کا نام مجھے معلوم نہیں، مولانا نے فرمایا کہ بس وہیں لے چلو۔ تانگہ والے نے ان کو بڑے مولوی صاحب کے مکان پر پہنچا کر چھوڑ دیا۔

یہ اندر داخل ہوئے، دیکھا کہ ایک صاحب پستہ قد، تہ بند باندھے ہوئے صرف بنیان پہنے ہوئے، چھوٹی سی دوپلی ٹوپی سر پہ پہنے ہوئے مکان کے صحن میں کھڑے ہوئے ہیں۔ مولانا نے سمجھا کہ یہ کوئی مولانا محمود حسن صاحب کے خادم ہیں۔ اپنا سامان ان کے حوالہ کیا اور کہا

کہ سامان رکھ لو اور مولانا کو اطلاع دیدو کہ مولانا معین الدین صاحب اجمیری ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ حضرت مولانا کو ان کی ناواقفیت کی وجہ سے خدمت کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ سامان اٹھا کر مکان کے اندر رکھا اور پنکھے کے نیچے جو اپنے آرام کرنے کی چارپائی تھی اس پر مولانا کو بٹھلایا، بجلی کا زمانہ نہیں تھا، فرشی پنکھا تھا جو ہاتھ سے کھینچا جاتا تھا، گرمی کی دوپہر تھی، حضرت نے پنکھا کھینچنا شروع کیا مولانا معین الدین نے فرمایا کہ میاں مولانا کو اطلاع کر دو، میں ان کی ملاقات کے لیے آیا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ابھی اطلاع ہو جائے گی، آپ گرمی میں آئے ہیں ذرا آرام کر لیں، پھر گھر میں تشریف لے گئے وہاں سے ٹھنڈا شربت لے کر آئے۔ مولانا نے پھر فرمایا کہ مولانا سے کب ملاقات ہوگی، حضرت نے فرمایا وہ بھی ہو جائے گی، آپ شربت نوش فرمائیں۔

پھر کچھ دیر گزر جانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور کھانا لا کر رکھا، اب تو مولانا معین الدین صاحب نے ذرا غصے کے لہجے میں فرمایا کہ آپ کھانا بھی لے آئے لیکن مولانا سے ملاقات نہیں ہوئی، میری واپسی کا وقت قریب آ رہا ہے، اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”مولانا تو یہاں کوئی نہیں رہتے اور بندہ محمود میرا ہی نام ہے۔“ یہ سن کر مولانا معین الدین صاحب حیران رہ گئے کہ اب کیا کریں اور بڑی شرمندگی کے ساتھ کہنے لگے کہ آپ نے پہلے کیوں نہ ظاہر فرمادیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ”آپ دربار اجمیر سے تشریف لائے ہیں، اگر میں ظاہر کر دیتا تو مجھے یہ خدمت کی سعادت کیسے ملتی؟“

مولانا معین الدین صاحب حیرت میں رہ گئے، اس معاملہ کا جو اثر ہونا چاہیے تھا وہی ہوا اور واپسی کا ارادہ ملتوی کر کے کئی روز قیام فرمایا اور عمر بھر اس مجلس سے متاثر رہے۔

یہ واقعہ مجھے میرے ہم سبق مولانا مغیث الدین صاحب نے دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانے میں سنایا تھا اس کے بعد زمانہ دراز گزر گیا۔ مولانا موصوف مختلف مقامات میں درس و تدریس کی خدمت کرنے کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ احقر دارالعلوم میں خدمت درس و تدریس میں مشغول رہا، عرصہ دراز کے بعد جو ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب

ہوئی تو مولانا مغیث الدین صاحب سے وہاں ملاقات نصیب ہوئی۔ احقر نے تصدیق و توثیق کے لیے ان سے یہ واقعہ سنا کہ کہیں میرا حافظ خطانہ کرے، انہوں نے حرم نبوی میں یہ واقعہ سنایا۔ اس طرح کے واقعات حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی میں بے شمار ہیں۔
(ص ۱۴ تا ۱۴)

(۴)۔ معاصرین کا ادب :-

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحبؒ نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ دیوبند میں کسی صاحب کے یہاں شادی کی کوئی بڑی تقریب ہوئی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف لے گئے اور دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ وغیرہ بھی۔

حضرت شیخ الہندؒ حسب معمول عام آدمیوں کی صف میں ملے جلے بیٹھے تھے، اتفاق سے اس تقریب میں کچھ منکرات سامنے آئے، دارالعلوم کے بعض اساتذہ نے آکر حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ ”حضرت! آپ صاحب خانہ کو سمجھائیں کہ وہ ان منکرات سے پرہیز کریں۔“

حضرت شیخ الہندؒ نے بے ساختہ بڑے تعجب سے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”بھلا اکابر کے ہوتے ہوئے آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں، ان کی موجودگی میں میرا کچھ کہنا بے ادبی ہے۔“

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے تقریباً معاصر تھے لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی تواضع کا جو مقام بلند عطا فرمایا تھا اس کی بناء پر وہ اپنے مقام سے واقف ہی نہ تھے اور اپنے معاصرین کو بھی اپنے سے بڑا سمجھتے تھے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۲۳)

(۵)۔ ”میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے“.....

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن حضرت تھا نویں راوی ہیں کہ ”ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا، مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہو گئے اور حدیث پڑھی فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ: ”ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔“ مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ: یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں حضرت شیخ الہند کا جوابی رد عمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان تو بین آمیز ہی نہیں، اشتعال انگیز بھی تھا، لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنئے! حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا، خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی، یعنی آپ کی شہادت۔“

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرمادیا، اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا معنی اٹھل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔ مولانا نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے ”یا تینی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علی“ (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز میں آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے (ص ۸۹ بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶)

(۶)۔ ”ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔“

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ جب کانپور میں مدرس تھے، انہوں نے

مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علماء دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لیے یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا، اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے، جلسہ میں نہیں آئے تھے، جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا، لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا، تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ کیوں بیٹھ گئے؟

شیخ الہندؒ نے جواب دیا: ”ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علیؑ کے روئے (چہرہ) مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اس وچھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی محبت کی بناء پر یہودی سے الجھا تھا، اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت

ہوتی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؑ کی یہ سنت تازہ فرمادی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی، اس لیے اسے روک دیا۔ (ص ۹۰)

(یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے سنا ہے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحبؒ نے حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے۔ محمد تقی۔)

(۷)۔ ”مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے“

مولانا محمود صاحب رامپوری (جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے، میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چار پائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنا نہ میں سے تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں، میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چار پائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے شروع کیے وہ خرائے لیکر خوب سوتا رہا مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے (ص ۱۱۴ بحوالہ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵)

(۸)۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ:-

حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا

چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے، خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر سو جاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہوگا چنانچہ میں نے دیکھا کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جوڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن میرے پاؤں دبا رہے تھے میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو، میں نے سوچا کہ دبا نے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لیے دبانے کے لیے آ گیا (اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۴۲)

(۹)۔ پہننے، اوڑھنے میں سادگی اور طالب علمانہ وضع :-

آپ کے شاگرد رشید عارف باللہ حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

سنا ہے کہ جوانی میں حضرت مولانا لباس نفیس اور مکلف پہنتے تھے لیکن چند ہی روز کے بعد نہایت سادہ بالکل طالب علمانہ ملانی وضع کا ہوتا تھا، نہ ایسا پھنسا پرانا کہ دیکھنے والے نفرت و کراہت کریں یا محتاج سمجھیں، نہ ایسا شاندار کہ امتیاز اور خصوصیت کا شاہد ہو۔ مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو تو آپ کو دیکھ لے، اتفاقاً کہیں قیمتی کپڑا میسر ہو گیا تو وہی پہن لیا، ادنیٰ سے ادنیٰ موجود ہو تو اس میں بھی عار نہیں، کبھی بیلدار چکن کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے جارہے ہیں اور کبھی معمولی دھوتر اور گزی کا پیراہن پہنے ہوئے دارالعلوم کی صدر مدرس کی مسند پر بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے ہیں، نہ اس میں افتخار نہ اس میں عار۔

مالنا کے سفر سے پہلے بھی دیسی کپڑے کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور اب آخری زمانہ میں تو

اس طرف نہایت ہی توجہ ہو گئی تھی اور دوسروں کی ترغیب و تحریض کے لیے معمولی دیسی کپڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے۔ نیچا کرتہ سینہ پر کھلا ہوا گریبان اور شرعی مغلیٰ پاجامہ ہوتا تھا دوپلی ٹوپی پہنتے یا عرب کی طرح سوزنی گول۔ عمامہ بہت کم باندھتے اور باندھتے بھی تو شملہ بمقدار علم سمجھ کر مزین مشین و شان دار نہیں بلکہ نہایت سادہ سفید یا دھاری دار اور مختصر مالٹا سے واپسی پر کبھی کبھی کرتہ پر سفید صدری بھی پہن لیتے، موسم سرما میں روئی دار نیمہ آستین یا روئی دار چونغہ (یعنی لبادہ) اور سر پر روئی دار کن ٹوپ، سبز کاہی یا کشمش رنگ کی روئی دار دلائی اکثر استعمال کرتے۔ فرماتے تھے کہ مالٹا کی سردی میں ان ہماری رزائیوں نے بڑا کام دیا۔ (حیات شیخ الہند ص ۲۱۰)

سادہ اور بے تکلف طالب علمانہ صفت کے لوگوں کی صحبت سے نشاط پاتے اور رئیسانہ ساز و سامان اور بے موقع تکلفات سے نہایت منقبض ہوتے۔ کسی تقریب سے ریاست رامپور جانے کا اتفاق ہوا اور کسی معزز شخص کے ہمراہ بطور سیر کے نواب صاحب کے مکلف سجے ہوئے کمرہ میں پہنچے انتہائی زیب و زینت تھی، جا بجا نقشے اور تصویریں لگی تھیں، مکلف قالین اور بستر لگے ہوئے تھے، خود فرماتے تھے کہ ”اس قدر انقباض ہوا کہ قریب تھا کہ دم گھٹ کر نکل جائے“ فوراً باہر آ گئے رئیسوں سے مناسبت اور لگاؤ نہ تھا، لیکن بزرگی جتلانے کے لیے اظہار نفرت یا ان کی توہین ہرگز نہ کرتے، بدرجہ مناسب تعظیم فرماتے، اخلاق سے ملتے، اگر وہ لوگ حضرت کے بزرگوں سے نسبت یا عقیدت رکھنے والے ہوتے تو حضرت اور بھی زیادہ تعظیم سے پیش آتے۔ ایک مناظرہ کے جلسہ میں ریاست رامپور میں حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور بڑے بڑے علماء بلائے گئے، حضرت کی خدمت میں تار آیا کچھ عذر فرمادیا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دوسرا تار آوے گا فرمادیا کہ پھر آوے گا تو لکھوادیں گے کہ ”آنے کے لیے تیار نہیں“ وہ خود سمجھ لیں گے کہ ایسے مولوی کو کیا بلائیں جو مناظرہ کے لیے کتابیں دیکھنے کا محتاج ہے اور اگر یہ سمجھ لیا کہ حاضری کے قابل کپڑے موجود نہیں تو اور بھی خوب ہے۔ (ص ۲۱۳)

مہمان کی خدمت خود فرماتے، کبھی کھانا زمانہ مکان سے لاکر مہمانوں کے سامنے رکھتے۔ عشاء کے بعد کھڑے ہیں اور سب کی ضروریات کو دریافت فرما رہے ہیں، خادم اور مہمان شرم سے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں حضرت مکان میں سے بستر اور لحاف اٹھا کر لارہے ہیں۔ مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت بہت ضعیف ہو گئے تھے مجمع بھی بے تعداد رہتا تھا، پھر بھی ہر شخص سے اس کی راحت و آرام و قیام کا حال کچھ نہ کچھ دریافت فرمالیتے تھے۔ رخصت ہونے والوں کے لیے ریل کے وقت سے پہلے بہت اہتمام و تاکید سے کھانا تیار کراتے تھے، ناواقف مہمان کی بے تمیزی پر صبر فرماتے تھے، بے وقت تکلیف دہی کی کبھی شکایت یا اس پر سرزنش نہ فرماتے تھے۔

ظاہر داری اور کسر نفسی سے نہیں بلکہ واقعی طور سے حضرت اپنے آپ کو نہایت حقیر اور ادنیٰ مسلمان سمجھتے تھے اور شانِ عبدیت کے غلبہ سے اپنے تمام کمالات ہیچ نظر آتے تھے، ثلیدہ حال پھٹے پرانے بوسیدہ لباس والوں سے بھی ایسی بشاشت سے ملتے تھے کہ ان کے دل باغ باغ ہو جاتے تھے۔ (ص ۲۱۴)

(۱۰)۔ ”میاں! دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے و مشورہ میں سب کا تابع ہوں۔“

مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و کمالات مختلف فیض یافتہ اور خوشہ چینوں کو نصیب ہوئے، مگر مظہر تام اپنے استاد کے کمالات کے حضرت مولانا شیخ الہند ہی تھے۔

استاد رحمۃ اللہ علیہ کا وصف خصوصی جس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خاکساری اور نیاز مندی تھا۔ یہی وصف مولانا میں ایسا نمایاں اور جلوہ گر تھا کہ نہ دلیل کی ضرورت نہ بیان کی حاجت۔ وہ اپنے آپ کو بالکل ایک ادنیٰ اور معمولی انسان سمجھتے تھے۔ علوم و کمالات نے ان کے ذہن میں اپنے لیے نہ کوئی تشخص پیدا کیا تھا نہ امتیاز، ایک واقعہ میں حضرت کا حد سے زیادہ تواضع و انکسار دوستوں کو ناگوار گزرا تو رقت آمیز لہجہ سے

فرمایا کہ ”میاں دل تو یہ چاہتا ہے کہ کوئی جوتیاں مارے اور اف تک نہ کروں لیکن رائے و مشورہ میں سب کا تابع ہوں۔“ (ص ۲۱۶)

(۱۱)۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا لباس:-

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں مدرس تھے وہاں دستار بندی کا جلسہ کرنا چاہا تو اپنے اساتذہ حضرت شیخ الہند اور مفتی عزیز الرحمن وغیرہ کو دیوبند خط لکھا اور حضرت شیخ الہند کو یہ بھی لکھا کہ حضرت! میں ایک بات عرض کرتا ہوں، ہے تو حماقت جو میں عرض کرتا ہوں مگر بڑے چھوٹوں کی بے وقوفی کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ حضرت! عرض یہ ہے کہ آپ ذرا دھلے ہوئے کپڑے پہن کر تشریف لاویں ان کے پاس ایک کرتہ، ایک پاجامہ، ایک ٹوپی، ایک لنگی تھی، دو کرتے دوپا جامے، دو لنگی دو ٹوپی نہیں تھیں، اس وقت کپڑے دھونے کی مشینیں نہیں تھیں، قسم قسم کے مسالے، قسم قسم کے صابن نہیں تھے، ہاتھ سے کپڑے دھوتے تھے اس لیے کیا صاف ہوتے، پھر کپڑا بھی کھدرا کا ہوتا۔ حضرت تھانویؒ نے اسی لیے ایسا لکھا تھا۔

حضرت شیخ الہند نے جواب بھی دیا تھا کہ تمہارے خط کی رعایت کی جائیگی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ میرے استاذ (حضرت شیخ الہند) دیوبند سے آنے والے ہیں جو اتنے اتنے کمالات کے جامع ہیں، جب ان حضرات کی آمد کی اطلاع پہنچی تو حضرت تھانویؒ ان کو لینے کے لیے اسٹیشن گئے وہاں ان کے اپنے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے تھے، ایک لنگی کندھے پر تھی اور جو وہاں کے علماء تھے وہ بڑے بڑے جتے پہنے ہوئے تھے۔ یہاں ان کو کوئی صورت سے بھی نہیں پہچانتا تھا کہ یہ کوئی چار حرف بھی جانتے ہو گئے۔ تقریر کے لیے حضرت شیخ الہند سے درخواست کی گئی تو حضرت شیخ الہند نے حضرت تھانوی سے فرمایا: ”میں اور وعظ! کیا تمہاری بھد (بے عزتی) نہیں کہ ایسے کے شاگرد ہیں جن کو بولنا بھی نہیں آتا۔ تمہارا وعظ ماشاء اللہ وعظ ہوتا ہے“ حضرت تھانویؒ نے عرض کیا کہ نہیں نہیں آپ وعظ فرمائیں، فرمایا: ”اچھی بات ہے، وعظ کہو نگا تا کہ سامعین کو معلوم ہو

جائے کہ شاگرد استاد سے بڑھا ہوا ہے۔“

وعظ شروع فرمایا جس میں فقہ کے مسائل خوب بیان فرمائے، وہاں کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ دیوبند و سہارنپور کے علماء معقولات نہیں جانتے، فقہ خوب جانتے ہیں، اسی اثناء میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی بھی آ گئے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں سوچا کہ یہی قدر کریں گی ان علوم، اس واسطے کہ یہ مفتی ہیں۔ مگر حضرت شیخ الہندؒ نے انکے آتے ہی وعظ بند فرمادیا۔ بعد میں حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! وہی تو وقت تھا وعظ فرمانے کا، مگر آپ نے ان کے آتے ہی وعظ بند فرمادیا، وہ مفتی لطف اللہ صاحب تھے قدر کرتے ان علوم کی، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ”مجھے بھی خیال آیا تھا مگر میں نے سوچا کہ اب جو کچھ وعظ ہوگا وہ ان کے واسطے ہوگا اللہ کے لیے تھوڑا ہی ہوگا، اسی لیے بند کر دیا۔“ (ملفوظات فقیہ الامت جلد ۱ حصہ پنجم ص ۴۲)

(۱۲)۔ فکر آخرت :-

حضرت شیخ الہندؒ جس وقت مالٹا میں قید تھے، ایک روز بیٹھے ہوئے رورہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا کیا گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ گھر بار یاد آ رہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا، لیکن آپ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ ”میں گھر بار یاد آنے کی وجہ سے نہیں رورہا ہوں، بلکہ اس وجہ سے رورہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں۔“ (حوالہ بالا ص ۷۶)

(۱۳)۔ ”ہاں! بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں جو مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں۔“

فرمایا: کہ تصنع تو بڑی چیز ہے اس کو تو کیا اختیار کرتے، ہمارے حضرات تو تواضع کا بھی پتہ نہ چلنے دیتے تھے، ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مراد آباد کے جلسہ میں گیا تھا، حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الہندؒ) بھی تشریف لے گئے تھے واپسی میں اسٹیشن پر سیوہارہ والوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ایک وقت کی دعوت حضرت قبول فرمائیں، حضرت نے قبول فرمائی پھر سیوہارہ والوں نے مجھ

سے بھی درخواست کی، میں نے عذر کر دیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے اس لیے میں معذور ہوں، لوگ یہ سمجھے کہ وعظ کی وجہ سے کہہ رہا ہے کہ طبیعت جو اچھی نہیں اس لیے وعظ نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم وعظ نہ کہلائیں گے، میں نے کہا کہ جہاں وعظ نہ ہو وہاں کی روٹیاں کھاتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے تو حضرت مولانا کیا فرماتے ہیں کہ ”ہاں! بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں جو مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں“۔

بس حضرت میں تو پانی پانی ہو گیا اور اس قدر شرم دامن گیر ہوئی کہ معافی کی بھی درخواست نہ کر سکا اور یہی خیال کیا کہ خاموشی ہی بہتر ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تو جواب دے سکتے تھے۔ فرمایا کہ بقاء کا ظہور تو برابر والوں کے ساتھ ہوتا ہے بڑوں کے ساتھ تو فنا ہی میں خیر ہے اور یہی اداب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت جلد ۱ ص ۳۹۲)

(۱۴)۔ حضرت شیخ الہندؒ کالملاقات میں سبقت فرمانا:-

ارشاد فرمایا کہ میں جب کبھی دیوبند گیا بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ میں حاضری میں سبقت کر سکا ہوں ورنہ خود حضرت تشریف لے آتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر طریقت میں داخل ہو کر تواضع بھی نہ ہوئی تو کچھ بھی نہیں ہوا (جلد ۲ ص ۳۷۰)

(۱۵)۔ حضرت شیخ الہندؒ کی شان فنا:-

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو بات ہمارے حضرات میں تھی وہ کسی میں بھی نہ دیکھی اپنے کو مٹائے ہوئے، فنا کئے ہوئے تھے اور جامع ہونے کی وجہ سے اس کے مصداق تھے

۔ برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق، ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن۔
حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجود شغل علم کے اور ساری عمر پڑھنے اور پڑھانے کے گو علوم تو حاصل نہیں ہوئے مگر اپنے جہل کا علم ضرور ہو گیا کہ تم کو کچھ نہیں آتا جاتا۔ (جلد ۶ ص ۲۵۲)

(۱۶)۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اپنے شاگرد رشید حکیم الامت حضرت تھانویؒ پر شفقت :-

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو اپنے حضرات کی شان اور ان کی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی۔ ایسا کسی کو بھی نہ دیکھا۔

(شیخ الہندؒ) حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تو میں بھی حضرت سے بغرض زیارت دیوبند حاضر ہوا تھا، حضرت نے بڑا ہی شفقت کا برتاؤ فرمایا، وہ باتیں اس وقت یاد آتی ہیں اور ان حضرات کو نظریں ڈھونڈتی ہیں، اس وقت جب کہ میں دیوبند ہی تھا ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ اس وقت "اشرف علی" یہاں موجود ہے حضرت اپنی زبان سے کچھ فرمادیں تاکہ مسائل حاضرہ میں یہ اختلاف کی صورت ختم ہو جائے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ "وہ میرا لحاظ کرتا ہے وہ میرے سامنے کچھ نہ بولے گا، میرے کہنے سے اس کو تنگی اور تکلیف ہوگی اور کہنے سننے اور گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی، رائے واقعات سے بدلا کرتی ہے جب وہ واقعات سمجھ لیں گے تو خود ہی رجوع کر لیں گے۔"

کیا ٹھکانہ ہے حضرت کی اس شفقت اور شان تحقیق کا۔ کہاں ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے؟ وہ حضرت کی شان ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت ہی کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے مجھ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت کے کان میں وہ الفاظ پڑ گئے، حضرت نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ "تم ایسے شخص کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جسکو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں" یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے مجھ کو حجاب ہوتا ہے، یہ الفاظ میری ذات سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہیں، محض حضرت کی شفقت اور محبت ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے یہ حضرت کا اپنے پھوٹوں کے ساتھ برتاؤ تھا، اب دعویٰ تو کرتے ہیں حضرت کے نقش قدم پر چلنے کا مگر

حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کر لیں۔ بقول مشہور

اگر چہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

فرمایا کہ حضرت کے ایک خاص معتقد اور معتمد مولوی صاحب مجھ سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ مرض الموت میں جب حضرت دہلی میں تھے، اختلافات کی خبریں کانوں میں پڑیں تو حضرت نے فرمایا کہ ”لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا“۔ سو اگر حضرت میرے اختلاف کو باطل سمجھتے اور حضرت کو ان سے ناگواری ہوتی تو اپنے مسلک اور مشرب کی نسبت یہ کیسے فرما سکتے تھے ”کہ لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں“ یہ حضرت کا فرمانا بتلا رہا ہے کہ حضرت اس اختلاف کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ایک بار حضرت نے اس کی نسبت فرمادیا تھا کہ کیا میرے پاس کوئی وحی آتی ہے؟ یہ محض میری رائے ہے اس طرح اس کی (حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ) کی بھی ایک رائے ہے۔

تو یہ حضرات تو ہر چیز کو اپنی حد پر رکھنے والے تھے۔

اب تو اتباع کا محض دعویٰ ہے اور میں تو ایک اور بات کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا کو ان لوگوں نے پہچانا ہی نہیں، اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، حضرت جیسی ہستی اب کہاں کارپا کاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند درنوشتن شیر و شیر
(جلد ۷ ص ۷۵، ۷۶)

(۱۷)۔ ”اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے۔“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری کے سبق میں اپنی رائے، بہت بیان کرتے تھے، ہم بنی ری کے طلبہ کو وہ سنایا کرتے ہیں کہ یہ ابن حجر کی رائے ہے، یہ قسطلانی کی رائے ہے ابن بطل کی رائے ہے، یہ ابن منیر کی رائے ہے اور یہ حضرت شیخ الہند کی رائے ہے اور ہمارا تو یہ وظیفہ ہے کہ ہم یہ سمجھاتے ہیں کہ وزنی رائے کس کی ہے۔ تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وزنی

رائے شیخ الہند کی ہے لیکن وہ اپنی رائے کا اظہار سبق میں اس طرح فرماتے تھے: ”اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے۔“

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تواضع کا کیا عالم ہے، علم کی گہرائی تو یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں آپ کی رائے اور توجیہ وزنی ہے اور تواضع کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں کہ ”اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے۔“ (مجالس علم و ذکر، جلد ۲ ص ۱۱۳)

(۱۸)۔ خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا!

حضرت نانوتوی کے بیٹے حافظ محمد احمد صاحب شیخ الہند کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی کے بیٹے حکیم مسعود احمد شیخ الہند کے مرید ہیں، ایک مرتبہ ان دونوں کو اپنے پاس چار پائی پر بٹھایا اور خود زمین پر تشریف فرما تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ:

”محمد احمد! آپ میرے استاد کے صاحبزادے ہیں، مسعود احمد! آپ میرے مربی کے بیٹے ہیں میں نے آپ کا حق ادا نہیں کیا، آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اگر آخرت میں آپ کے والدین پوچھیں کہ محمود نے کیا کیا؟ تو خدا کے لیے میرا خیال رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا۔“

دیکھئے! اپنے شاگردوں سے اس طرح فرما رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ دل کے اندر اللہ کی معرفت موجود تھی جس کے سامنے اپنی حیثیت کچھ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ آج ہمارے ہاں اس کا خیال نہیں، کچھ چیزیں یاد کی ہیں، زبان کی جادوگری تو موجود ہے لیکن اندرون اللہ کی معرفت سے خالی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۸۲)

(۱۹) ”سر پر گھاس کا گٹھڑ رکھ کر بازار سے گذر رہے ہیں۔“

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ گویا نفس کا کوئی تقاضا باقی ہی نہیں رہا تھا، یا اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی، یا اسے پامال کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ اس زمانے میں اکثر مساجد میں کسیر بچھائی جاتی تھی جو نرم ہوتی تھی اور گرم بھی۔ یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے، جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لئے لے

آتے ہیں، اسے دیہات کا نرم گدہ سمجھنا چاہیے۔ حضرت شیخ کی مسجد میں بھی برابری کا فرش ہوتا تھا۔

موسم سرما آنے پر ایک مرتبہ خود ہی طلبہ سے فرمایا آؤ بھائی! مسجد کے لئے کسیر لے آؤیں، چار طلبہ ساتھ ہو لیے انہیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے۔ وسط باغ میں بڑا تالاب بھی تھا۔ اور اس پر کسیر بکثرت ہوتی تھی۔ چنانچہ کسیر کاٹی گئی خود حضرت بھی درانتی سے کاٹنے میں شریک رہے۔ کاٹ کر جمع شدہ ذخیرے کے پانچ گٹھڑ بنائے۔ طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت پانچ گٹھڑ کیوں بنائے جائیں، ہم تو چار ہیں فرمایا کہ آخر میرا حصہ کہاں گیا۔ یہ کہہ کر چار بڑی گٹھڑیاں تو طلبہ کے سروں پر رکھوائیں اور ایک اپنے سر پر رکھی۔ ہر چند طلبہ بضد ہوئے کہ چار گٹھڑیاں بنائی جائیں جو صرف ہم اٹھائیں لیکن حضرت نہ مانے۔ بالآخر چار گٹھڑیاں طلبہ کے سروں پر اور ایک گٹھڑی حضرت کے سر پر رکھا یہ قافلا شہر چلا آیا، اور بازار کے ایک حصہ سے گذر ممکن ہے کہ ان طلبہ کو سر پر گھاس رکھے بازار سے گزرنے پر کوئی عار آ رہا ہو، لیکن حضرت کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ گویا اپنے آپ کو اس بوجھ اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر گذر رہے تھے۔

(مسلمان، جلد ۱ ص ۱۷۱)

(۲۰) بے نفسی اور شفقت کی انتہاء:-

حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی عادت تھی کہ ہر جمعرات کو حضرت گنگوہیؒ کے پاس حاضری کے لئے گنگوہ کا سفر پیدل کرتے تھے۔ جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے۔ (گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل کا سفر ہے) حضرت آذان عصر پر چلتے اور عشاء گنگوہ پڑھ لیتے تھے۔ جمعہ کا پورا دن حضرت گنگوہی کی خدمت میں گزارتے اور آذان عصر کے قریب واپس ہوتے اور عشاء دیوبند میں پڑھ لیتے تھے۔ برسہا یہ معمول رہا۔ سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا۔

مواوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلبہ نے اصرار کیا کہ حضرت ہم بھی

ساتھ چلیں گے فرمایا اچھا، مگر،

اس دن حضرت نے ان طلبہ کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کی بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو۔

کمہار کا ایک ٹو (گھوڑا) کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ تین طلبہ اترتے چڑھتے جائینگے۔ چنانچہ کمہار ٹو لے کر دارالعلوم کے دروازے پر آ گیا۔ حضرت معمول کے مطابق آذان عصر کے قریب درس سے اٹھے اور یہ طلبہ حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی مولوی محمود! پہلے تم سوار ہو، پھر باری باری ہم سوار ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے حضرت کے سوار ہونے پر اصرار کیا مگر حضرت نہ مانے۔ زبردستی مولوی محمود کو ٹو پر سوار کر دیا، دو طلبہ اور حضرت خود پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے، بلکہ ایک چٹھی (چھڑی) ہاتھ میں لیکر ٹو ہنکانے کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا۔ مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق (تنگی) میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں۔ مگر مجبور تھے حکم بھی یہی تھا۔ دو چار میل چل کر یہ ٹو سے اتر گئے تو حضرت نے زبردستی دوسرے طالب علم کو بٹھایا اور خود ٹو ہانکتے جارہے ہیں۔ چار پانچ میل پر تیسرے طالب علم کو چڑھالیا غرض ۳۰ میل کا سفر پورا ہو گیا مگر خود نہیں چڑھے۔ باری باری ان طلبہ کو بٹھاتے رہے۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ یہ ٹو اپنے لیے کرایہ پر نہیں بلکہ ان طلبہ کے لئے کرایہ پر شفقنا لیا گیا تھا۔

جمعہ کو واپسی ہوئی تو یہ طلبہ گھبرائے کہ اب وہی معاملہ ہوگا ٹو پر ہم سوار ہونگے اور حضرت پیدل چلیں گے۔ باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹو پر سوار کر دیں۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے کہا کہ ترکیب تو میں کر دوں گا کہ حضرت پورا راستہ ٹو سے نہ اتر سکیں مگر ایک دفعہ سوار کر دینا ہے۔ چنانچہ جب گنگوہ سے روانہ ہوئے تو حسب معمول طلبہ پر زور دیا کہ سوار ہوں مگر یہ لوگ انکار کر چکے تھے۔ عرض کیا کہ حضرت آتے ہوئے ہم سوار ہوئے ہیں اب واپسی میں یہ نہیں ہوگا۔ حضرت سوار ہوں خواہ اتر

جائیں مگر ابتدا حضرت کے سوراہونے سے ہوگی، جب یہ سب اکٹھے ہو کر بضد ہوئے تو حضرت نے آخر قبول فرمالیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔

طلبہ نے چپکے سے مولوی محمود صاحب سے کہا کہ اب تم وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیوبند تک ٹٹو سے اترنے نہ پائیں چنانچہ مولوی صاحب نے وہ نسخہ استعمال کیا۔

جب حضرت سوراہو گئے تو انہوں نے ٹٹو کے برابر میں آ کر حضرت نانوتویؒ اور حضرت حاجی امد اللہؒ اور حضرت حافظ صاحب شہید وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا تذکرہ چھیڑتے ہی اس میں ٹٹو ہو جاتے تھے اور پھر ادھر ادھر کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ ان حضرات کا ذکر چھیڑتے ہی حضرت نے ان بزرگوں کے واقعات بیان کرنا شروع کیے تو نہ حضرت کو راستے کی خبر رہی نہ طلبہ کو۔ پورے چھبیس ۲۶ میل کا سفر طے ہو گیا کہ ندی آگئی جو دیوبند سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہ! ندی آگئی، یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے فرمایا بھائی! میں نے تم سب کا حق مار لیا۔ لوجلدی سے تم سوار ہو۔ طلبہ نے ہر چند حضرت سے بیٹھنے کا اصرار کیا۔ مگر اب حضرت تہیہ کر چکے تھے، کسی کی نہیں سنی۔ باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا، شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبہ سوراہیں اور حضرت پیدل ہیں، ہاتھ میں پتلی ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں۔ جس سے طلبہ بچنا چاہتے تھے، بالآخر وہی چیز سامنے آ کر رہی۔ سبحان اللہ بے نفسی اور شفقت کی انتہاء ہے۔

حضرت اقدس کو اس بے نفسی کے عالم میں کسی بھی ایسے کام سے عار نہ تھی جو بظاہر علماء کی شان کی خلاف سمجھا جاتا ہے۔ عار تو جب آئے کہ خلاف شان کیا جائے، جو شان ہی مٹا چکا ہو اس کے خلاف شان کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا۔ (حوالہ بالا ص ۱۷۳)

مزید چند واقعات

ذیل میں اب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع و فنائیت سے متعلق حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ”آپ بیتی“ سے مزید چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے ریمسانہ زندگی۔ مگر اخیر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہو گیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا

حضرت تھانویؒ ایک جگہ ”ذکر محمود“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی اب غلبہ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی وضع اختیار فرمائی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی، جاہی، علمی حاصل ہے۔ حالانکہ آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (النور ج ۲ ص ۳۹)

(۲)۔ جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کر کے جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے۔ یہ فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب ملکر اس کو دیکھ لو۔ اگر پسند ہو تو شائع کرو۔ ورنہ رہنے دیا جائے۔ حضرت حکیم الامت اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ ”اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔“ (النور ماہ شعبان س ۳۹ ص ۳۰)

(۳)۔ حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا (شیخ الہند) نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معایہ خیال مانع آ گیا کہ اگر پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا، بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو..... بعض درشت و نادار شت مزاج طلبہ درس میں بہت ہی بے ادبی کے الفاظ کہہ ڈالتے تھے مگر حضرت مولانا کو

کبھی اس پر تغیر نہیں ہوا۔

(۴)۔ حضرت شیخ الہند و حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہما کے لیگ و کانگریس کا اختلاف دیکھنے والے تو اب تک ہزاروں موجود ہیں اور بیسیوں رسائل اس سلسلہ کے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس ناکارہ کا رسالہ ”اعتدال“ بھی اس سلسلہ کا ہے اس سے بھی اختلاف کی نوعیت معلوم ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ شوال سنہ ۳۳ھ حجاز مقدس تشریف لے گئے جس کے بعد مالٹا جانا پڑا، اس زمانہ کے دو مکتوب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ، نے ذکر محمود میں نقل فرمائے ہیں جو انور میں شائع ہوئے ہیں:-

پہلا مکتوب:-

سر ایا فضل و کمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بار بار آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض
آئندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے
رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی سنی عبد المجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو
رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا
اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت بالکل خیریت اور اطمینان
سے ہے۔ شروع رجب میں مکہ مکرمہ حاضر ہو گیا تھا اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو امید
ہے کہ فلاح و حسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے، آئندہ قیام کی
نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب، مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی
عبد اللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرمادیجیے، مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب
، مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس برفسوس ہے۔ ان اللہ۔ الخ۔ رحمہما اللہ

تعالیٰ

السلام علیکم و علی من لدیکم

”فقط: بندہ محمود غفرلہ مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ“۔

دوسرا مکتوب :-

معدن حسنات و خیرات، دام ظلمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نامہ سامی موجب مسرت و اطمینان ہوا۔ جو ہوا مکرمین و مخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے ادا م اللہ فیوضہم و برکاتہم۔ احقر اور رفقاء و متعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں، سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ فقط: بندہ محمود۔ ازدیو بندہ ہم شوال روز یکشنبہ۔

(۵)۔ تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط و ارتباط و انبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔ بعض خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی مثلاً مولانا کے کسی استاذ یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا عوام مسلمین کے نزدیک معظم ہونا، و نحو ذلک ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا جب خادم کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کر لیا جائے۔ کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی، بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

(۶)۔ مفتی محمود حسن صاحب نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہندؒ سفر حجاز کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا گئے اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ دادی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتویؒ) کی خدمت میں عرض کیا کہ اماں جی! میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی بہت شرمندہ ہوں، اب سفر میں جا رہا ہوں ذرا اپنا جوتا دیدیجیے۔ انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا حضرت شیخ الہندؒ نے اسکو لیکر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے اور کہتے رہے ”یا اللہ میری کوتاہیوں کو معاف فرمادیجیے۔“

(۷)۔ یہ دوسرا واقعہ بھی بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مفتی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا، نماز کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس سے سب

لوگ اٹھ کر چلے۔ میرے برادر خوردمولوی طاہر مرحوم ٹھہر گئے۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ، اندر زنانہ مکان سے گرم پانی لائے اور مولوی طاہر مرحوم سے فرمایا کہ وضو کر لو۔ وہ ذرا ہچکچائے کہ حضرت میرے واسطے لوٹا لائے۔ اس پر فرمایا کہ ”تم جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں میں پیر و کا غلام ہوں“ (پیر و حضرت نانوتوی کے گھر میں خادمہ تھیں)۔

(ماخوذ از ”آپ بیتی“ جلد ۲ ص ۲۵۴ تا ۲۵۸)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی فنائیت :-

حضرت قاری محمد طاہر صاحب رحیمی دامت برکاتہم ”دلکش نقش“ میں تحریر فرماتے

ہیں:

حکیم الامت مجدد الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے استاد اول جن سے آپ نے فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ وہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی ہیں جو ایک جید عالم اور اکمل درویش اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر کی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے سراپا دین اور بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور اپنے شاگردوں پر بے حد شفیق و مہربان تھے۔

حضرت مولانا فتح محمد رحمہ اللہ کو تقویٰ کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک بار حضرت

تھانوی کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

”کہ جب آدمی ایک جگہ رہتے ہیں تو ان میں کچھ تعلقات بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور ان تعلقات کی وجہ سے کچھ حقوق بھی ہو جاتے ہیں جن میں کبھی کچھ کوتاہی بھی ہو جاتی ہے۔ لہذا مجھ سے بھی ضرور کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی میں انکی معافی چاہتا ہوں“

حضرت تھانوی فوراً سمجھ گئے کہ طالب علمی کے زمانے میں میرے استاد موصوف نے جو کچھ اور کبھی شاذہ نادر مجھ کو پٹا پٹا تھا اسکی لطیف عنوان سے معافی چاہی جا رہی ہے۔ عرض کیا کہ ”حضرت! جس چیز کی معافی چاہی جا رہی ہے اس کو میں سمجھ گیا ہوں۔ تو بہ تو بہ! حضرت

! وہ تو عین شفقت و رحمت تھی اسکی معافی کیسی۔ یہ جو دو حرف آگئے ہیں یہ اس کی تو برکت ہے۔ فرمایا نہیں معاف ہی کرو۔ حضرت والا نے بہت عذر کیا۔ لیکن نہ مانے۔ بالآخر حضرت والا کو یہ کہنا بھی پڑا کہ میں نے معاف کر دیا۔ (دکشا نقش ص ۱۰۰)

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کے

واقعات

(۱)۔ عاجزی و انکساری:-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے تواضع کے قہے تو حضرت اقدس کی خدمت میں سترہ سالہ قیام میں نہ معلوم کتنے دیکھے، اس لیے کہ رجب ۲۸ھ میں سہارنپور حاضری ہوئی تھی اور ذیقعد ۱۳۵ھ میں مدینہ پاک میں حضرت نور اللہ مرقدہ سے مفارقت ہوئی۔ ہر موقع پر تواضع و انکسار، نشست و برخاست میں خوب ہی دیکھنے کے موقع ملے، اسفار میں بھی بہت دفعہ ہم رکابی رہی۔ خدام کے ساتھ سامان کے اٹھانے میں ذرہ بھی حضرت کو تامل نہ ہوتا تھا، ریل پر اترنے میں چڑھنے میں کچھ سامان حضرت نور اللہ مرقدہ بے تکلف اٹھا لیا کرتے تھے، خدام عرض کرتے ہیں ہمیں دیجیے فرماتے کہ وہ بڑا سامان رکھا ہے اٹھا لو۔ دعوتوں میں بھی حضرت کے ساتھ اکثر شرکت ہوئی، کبھی امتیازی جگہ پر داعی کی درخواست کے بغیر نہ بیٹھتے، میں نے نہیں دیکھا کیف ما اتفق تشریف رکھنے کا ارادہ کرتے مگر داعی کی درخواست پر ممتاز جگہ بیٹھنے میں بھی انکار نہ کرتے تھے۔

(۲)۔ ”بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم و فہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے۔“

ایک مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اور بعض علماء کا اختلاف ہوا تو حضرت حکیم الامت نے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کو حکم بنانے پر فریق ثانی کو راضی کر لیا جسکی تفصیل ”خوان خلیل کے جام ص ۷ میں موجود ہے اس پر حضرت حکیم الامت

نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت قابل دید ہے، وہی ہندہ: بندہ نا چیز باعتبار اپنے علم و فہم کہ اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً لامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے ”الح“ حضرت حکیم الامت نے اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ ”تواضع اور اظہار حق میں اس طرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے“ (خوان خلیل ص ۸)

(۳)۔ ”حضرت سہارنپوریؒ تواضع میں اسلاف کا نمونہ تھے۔“

حضرت حکیم الامتؒ خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں حضرات سلف کی سچی تواضع تھی کہ مسائل و اشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت سہارنپوریؒ کا اشکال اشراف نفس کے متعلق ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں: ایک تواضع جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے دقیق تقویٰ کہ اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا۔ تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا، ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کیا اس فیصلہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ (خوان خلیل ص ۱۲)

(۴)۔ ”شیخ پورہ کی دعوت کا قصہ۔“

شیخ پورہ کی دعوت کا ایک قصہ جس میں یہ ناکارہ خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامتؒ تھانوی نور اللہ مرقدہ بھی شریک تھے۔ اس کو حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مدرسہ مظاہر علوم) میں جانا ہوا جلسہ سے اگلے روز شیخ پورہ والوں نے حضرت مولانا سہارنپوریؒ اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا، چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی، مولانا نے دعوت قبول فرمائی اور شیخ پورہ چلے گئے۔ شب کو وہاں رہے صبح کے وقت

چھا جوں پانی پڑ رہا تھا، مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اترے میں بھی (حضرت حکیم الامت) ہمراہ تھا، راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے، مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں ”حضرت دعوت کا کچھ انتظام نہیں ہوا، مجھ کو واپسی کی امید نہ تھی۔“ مولانا نے فرمایا اچھا بھئی پھر سہی۔ اس نے کل صبح کا وقت معین کیا، اور تبسم سے فرمایا کہ ”ظالم نے شام کا وقت بھی نہ کہا۔“

ہمارے حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا کہ اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی، مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا، مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا میں نے عرض کیا حضرت! مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے۔ فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصے میں بھرا ہوا تھا کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقع نہ ملا، اس لیے نیچے بلایا اور اچھی طرح سے اس کے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بلا کر ایسی ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں؟ تجھے تو یہ چاہیے تھا کہ اگر مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا اس نے آئندہ کے لیے توبہ کی۔“

(ارواحِ ثلاثہ ص ۳۸۶)

از ذکر کیا: بندہ کے خیال میں تو اس قصہ میں حضرت سہارنپوریؒ سے زیادہ حضرت حکیم الامت کی تواضع ہے۔ اس غصہ اور تکدر کے باوجود حضرت سہارنپوریؒ کے کہنے پر دعوت بھی قبول کر لی اور حضرت کے سامنے کچھ ڈانٹ بھی نہیں پلائی الگ لے جا کر ڈانٹا۔

(۵)۔ ”بیعت کے عجیب الفاظ“۔

”تذکرۃ الخلیل میں حضرت سہارنپوریؒ کا معمول لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت

گنگوہیؒ کی حیات میں اول تو کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اور اگر کسی کو شدید اصرار پر

بیعت کرتے بھی تو یہ الفاظ کہلواتے تھے: ”کہو بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر“۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۷۵)

(۶)۔ ”اہل علم سے استفادہ“۔

”بذل انجھوڈ“ کی تالیف میں جب بھی کوئی اہل علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا حضرت بڑے اہتمام کے ساتھ بذل کا مسودہ اس کے حوالہ فرماتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرمادیں اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں صدر مدرس مظاہر علوم بھی ہو گئے تھے۔ ان کے ذمہ تو مستقل نظر ثانی تھی اور مولانا مرحوم بہت ہی اہتمام سے نظر ثانی کیا کرتے اور جہاں جہاں مولانا نشانات لگاتے حضرت ان کو دوبارہ بڑے غور سے ملاحظہ فرماتے اور اصلاح کی ضرورت سمجھتے تو اصلاح یا توضیح فرماتے (ماخوذ از آپ بیتی ص ۲۵۰ تا ۲۵۳)

(۷)۔ ”اختلافات میں بھی اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ“۔

بایں تفقہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فسادِ صلوة بمحاذات النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرت تو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا۔ مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا لہجہ میں تیزی آ گئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے، جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداً باسلام کی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر فرمایا ”اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا“۔ ان بندہ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔ (حالانکہ مولوی صاحب حضرت تھانوی سے بیعت تھے اور حضرت تھانوی خود حضرت سہارنپوری کا بے انتہا ادب کرتے تھے۔ بعد میں ان کا میلان اہل حدیث کی طرف کھل گیا تھا اور تھانہ بھون سے الگ کر دیئے گئے تھے۔) (تذکرہ الخلیل ص ۲۹۷)

(۸)۔ ”میں اپنے آپ کو آپکی روٹیوں پر پلنے والے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں“۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے اپنے اصلاحی بیان میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (شارح ابوداؤد) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ اور استاد ہیں۔ انہوں نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا ارادہ کیا لیکن ہمت نہ ہوئی تو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ آپ سفارش لکھ دیجیے کیونکہ استاد کے بیٹے تھے، تو مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے سفارشی خط لکھا کہ ان کو بیعت فرمالیں۔ جب حضرت سہارنپوری حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ تو پیر زادے ہیں، بڑے ہیں، آپ کو بیعت کی کیا ضرورت ہے؟“ تو حضرت سہارنپوری نے فرمایا کہ میں آپ کا غلام ہوں آپ چاہے سینے سے لگا کر بیعت فرمالیں یا دھکے دے کر نکال دیں، اور رہی بڑے ہونے کی بات تو میں اپنے آپ کو آپ کی روٹیوں پر پلنے والے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں یعنی گناہ گار سمجھتا ہوں۔

اس قدر فنائیت اور انکساری! اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہوا۔ ایک مرتبہ محب الدین ولایتی رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں معمولات پورے کر رہے تھے، اچانک کہا کہ کون آیا ہے کہ مسجد حرام انوار سے بھر گئی؟۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ طواف کے بعد سعی کے لئے جا رہے ہیں۔ ان سے ملاقات کی اور فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا کہ کون آیا۔ اب پتہ چلا کہ آپ ہیں، پھر فرمایا ”یہ شخص (مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ) پورا نور ہے۔“ (مجالس علم و ذکر جلد ۱، ص ۲۰۵)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) کے واقعات

(۱) ”بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا“:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ منصب اور عہدہ کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اکبر (گویا بعد کی اصطلاح میں صدر مفتی) تھے، تفسیر یا حدیث کا کوئی سبق بھی پڑھا دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ نقشبندی مجددی طریقہ کے صاحب ارشاد شیخ بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی

رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی علیہ الرحمۃ کی رہنمائی اور تربیت میں راہ سلوک طے کی تھی اور ان ہی کے مجاز تھے۔۔۔ وہ دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر و اساتذہ میں سب سے بڑے بلکہ سب کے بڑے تھے اور سب ہی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب میں جو کمال بہت ہی نمایاں تھا جس کو ہم جیسے صرف ظاہری آنکھیں رکھنے والے بھی دیکھتے تھے وہ ان کی انتہائی بے نفسی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کے اس بندہ کے اندر وہ چیز ہے ہی نہیں جس کا نام نفس ہے۔

یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ گھروں کے جو کام نوکروں اور نوکرانیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں حضرت مفتی صاحب عند الضرورت وہ سب کام (جیسے گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کا دھونا، مانجھنا وغیرہ) یہ سب بے تکلف بلکہ بشاشت اور خوشی کے ساتھ کر لیتے ہیں، آس پاس کے غریب گھرانوں کا پیسے پیسے، دو دو پیسے کا سودا بھی خرید کے بازار سے لا دیتے ہیں، دوسروں کے پھٹے ٹوٹے جو لے جا کر ان کی مرمت کر لیتے ہیں۔

راقم سطور شہادت دے سکتا ہے کہ بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا۔ (تحدیث نعمت: ص ۱۲۷)

(۲) ”مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں، اتنی منگائی تھی“

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے علمی مقام بلند کا اندازہ تنہا اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اس دور میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے جب کہ وہاں آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب مصروف تدریس تھے۔ لیکن تواضع اور سادگی کا عالم یہ تھا کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے جو کمالات علمی اور عملی، ظاہری اور باطنی عطا فرمائے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک شخص کے لئے ان کا ادراک بھی آسان نہ تھا۔ اور کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلہ کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔“ (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۶ ج ۱)

اور احقر نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے بارہا زبانی سنا کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی ”مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں۔ میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی“

چنانچہ یہ فرشتہ صفت بزرگ دوبارہ بازار جاتے اور اس عورت کی شکایت دور کرتے۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۶۴، ۶۵)

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے واقعات (۱)۔ ”تواضع و فنائیت کا مقام بلند“۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ ”اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزائی جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے۔“ یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامت نے فرمایا ”میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔“

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ ”جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے“ تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا:

”آپ کو چاہیے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے، فرماتے ہیں:-

”ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟“

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی:

”جج صاحب لکھیئے، میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث ”لا تجتمع امتی علی الضلالة“ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، لہذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے، نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش

کمر نے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لیکر عبارت پڑھتا ہوں۔ چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمایا مجمع پر سکتہ جاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

”جج صاحب! یہ صاحب ہمیں منعم (لا جواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں انشاء اللہ منعم نہیں ہوں زیکا۔“

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزری کے ساتھ یاد رہا، دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا، لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ تو اضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے؟ اور یہ محض لفظ ہی نہیں وہ واقعہ اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبوی کے مظہر تھے کہ
الھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی عین الناس کبیراً، (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۹۲)

(۲) ”آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے“

حضرت مولانا یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہو گیا فریقین نے حضرت شاہ صاحب کو حکم بنایا۔ حضرت شاہ صاحب نے دونوں کے دلائل غور سے سنے۔ ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

”میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے۔ لہذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں۔“

ایسے علم و فضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق

پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب اس قافلہ، رشد ہدایت کے فرد تھے جس نے ”من تواضع لله“ کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے نام کے ساتھ ”الحبر البحر“ (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے۔ حضرت شاہ صاحب نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لیکر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا:

”آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے“

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو، اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کتب کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ:

”میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔“

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

”سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مودب انداز سے بیٹھتے، گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔“

اور یہ بھی فرمایا کہ:

”میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ

بے وضو نہیں کیا۔“ (ایضاً ص ۹۷-۹۸)

(۳) ”علم کی عظمت“۔

مولانا بدر عالم راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ڈابھیل کے زمانہ قیام میں میں نے عرض کیا، آپ صاحب اہل و عیال ہیں اگر بخاری شریف کی شرح یا قرآن مجید کی تفسیر تصنیف فرمائیں تو آپ کے علوم کی حفاظت کیسا تھ آئندہ بچوں کے لئے بھی ان تصانیف سے کچھ

انتظام ممکن ہے۔ اس گزارش پر آپ کا جواب یہ تھا کہ ”عمر بھر حدیث بیچ کر گزرا اوقات کی۔ مولوی صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا علم فروخت ہوتا رہے؟“ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۸۹)

(۴)۔ ”حقیقت پسندی“۔

دیوبند سے ”مہاجر“ کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا۔ اس اخبار میں نظام حیدر آباد اور آپ کی ملاقات کی خبر اس جلی سرخی کیساتھ شائع کی جا رہی تھی۔

”بارگاہ خسروی میں علامہ جلیل مولانا انور شاہ کشمیری کی باریابی“۔

اخبار چھپا نہیں تھا کہ کسی طرح آپ کو عنوان کی اطلاع ہو گئی۔ اخبار کے منتظمین کو بلا کر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ”ہر چند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں مگر اتنا گیا گزرا ہوا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات کو برداشت کروں۔ کیسی بارگاہ خسروی؟ اور کہاں کی باریابی؟ صرف اتنا لکھیے۔“ نظام حیدر آباد سے انور شاہ کی ملاقات“۔ (حوالہ بالا)

(۵)۔ ”اساتذہ کا ادب“

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمن فاضل دیوبند کا بیان ہے کہ میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کیساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا تو آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ شیخ الہند سامنے سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت کے آنے کی اطلاع کی گئی میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحب پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی غلت کی صورت میں طاری تھا۔ تیزی کیساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کیلئے کھڑے ہو گئے۔ (ص ۹۰)

(۶) ”استاذ کی خدمت“

مولانا محمد انوری فیصل آبادی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اسی زمانے میں حضرت شیخ الہند رہائی کے بعد

دیوبند پہنچے۔ مجھے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد میرے والد مجھے لیکر آستانہ شیخ الہند پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت سے لٹکے ہوئے پکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے جن کے پرانوار چہرہ کی معصومیت و نورانیت، شکوہ علم اور جلالت علمی کی ملی جلی کیفیت دعوتِ نظارے دے رہی تھی۔ ایک صاحب نے مجھے چپکے سے کہا کہ یہ پکھا کرنے والے حضرت مولانا انور شاہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ یہ سن کر میری پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس ذات گرامی کی علمی شہرت تو اس سے عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگردوں کا اس مجلس میں ہجوم ہے کس عقیدت و احترام کیساتھ اپنے استاد کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً حکیم صفت احمد کی حاضری حضرت شیخ الہند صاحب کے یہاں ہوتی۔ حضرت اس وقت کچھ آرام فرماتے اور حکیم آپ کا بدن دباتے۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے اور حکیم صاحب حسب دستور بدن دبا رہے تھے کہ اچانک حضرت کشمیری تشریف لائے۔ آنے کو تو آگئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گزرے کہ اپنی سانس روکے رہے۔ اس طرح کہ جیسے آپ زندہ ہی نہ ہوں۔ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے

(۷) ”علامہ انور شاہ کشمیری حضرت شیخ الہند کی مجلس میں“۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فجر کے بعد مجلس لگتی اور چائے کا دور چلتا۔ مجلس میں سب لوگ تو اپنی باتوں میں مشغول رہتے لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہتے اور کسی کی باتوں میں حصہ نہ لیتے۔ جب آہستہ آہستہ لوگ چائے پی کر چلے جاتے، تب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سے فرماتے کہ شاہ صاحب! آپ کو کچھ کہنا ہے؟ تو سر اٹھاتے اور عرض کرتے کہ جی ہاں فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جواب مرحمت فرماتے، اسکے بعد شاہ صاحب واپس آتے۔

(ملفوظات فقیہ الامت جلد (۱) حصہ اول ص ۱۰۸)

(۸) ”علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند کی مفارقت کا غم“:

ارشاد فرمایا کہ جس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر میں جانے لگے جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانیکی نوبت آئی تو شاہ صاحب نے باوجود یکہ ترمذی کا سبق پڑھانے کیلئے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی، مفارقت حضرت کے غم میں کچھ نہ فرمایا بلکہ ذرا دیر تو قف فرما کر کتاب بند کر دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اس وقت چار پائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے نہایت موشی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹالیا حضرت نے تکلف سے کام نہ لیا یوں ہی رہنے دیا۔

پھر فرمایا کہ شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے اور اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی، جاؤ! خدا کے سپرد، سبق پڑھاؤ۔ (حوالہ بالا ص ۱۰۸)

(۹) ”عجز و انکساری کے حسین پیکر“:

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

خود داری اور کبر و غرور میں باہمی فاصلے اس قدر مختصر ہیں کہ انسانی زندگی کا کمال (خود داری) کبر و غرور کے نقص کے ساتھ بڑی تیزی سے مل جاتا ہے۔ وہ سعید زندگی اس بوقلموں عالم میں بہت کم نظر آئے گی جسکی خود داری تکبر و نخوت کی پرچھائیوں سے صاف اور بے داغ ہو۔ فریب نفس کے کتنے وہ مریض ہیں جو رذائل کی راہوں کے مسافر لیکن خود کو خود داری کے انسانی جوہر سے متصف گردان رہے ہیں نفس کی یہ وہی کمزوری ہے جس پر صدیوں بھی انسان کو اطلاع نہیں ہوتی۔

ع کہ خبث نفس نگر د بسا لہا معلوم۔

کہنا یہ ہے کہ مرحوم میں جہاں خودی و خود داری کا وصف تھا اسکے ساتھ تواضع و فروتنی بھی موجود تھی۔ رفتار و گفتار، نشست و برخاست میں اس وصف کا ظہور تھا۔ ”البا آپ مجھ ہی سے سن چکے ہیں کہ کھانے کے وقت میں جیسے ہی دسترخوان آپ کے سامنے آتا آپ سراپا تواضع بن جاتے۔ چال میں بھی تواضع، کتاب، اساتذہ اور حد تو یہ ہے کہ طلباء کے ساتھ بھی متواضعانہ طرز عمل تھا۔ مولانا محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ بارہا حضرت سے سنا کہ ”میں نے سات سال کی عمر کے بعد دین کی کسی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور مطالعہ کے دوران کبھی کتاب کو اپنے تابع نہیں کیا۔ اگر کتاب میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اور حاشیہ دوسری جانب ہے تو ایسی بھی نوبت نہیں آئی کہ حاشیہ کی جانب کو گھما کر اپنے سامنے کر لیا بلکہ اٹھ کر اس جانب جا بیٹھا ہوں جدھر حاشیہ ہوتا“

کتاب کے ادب اور اس کے ساتھ تواضع کی یہ برکت تھی کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا اور اپنے اساتذہ کے احترام اور ان کے روبرو تواضع و انکساری اس درجہ غالب رہتا کہ مولانا اعجاز علی صاحب فرماتے تھے کہ ”جب حضرت شیخ الہند کے روبرو شاہ صاحب ہوتے تو اس قدر جھک جاتے کہ آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا۔“

(نقش دوام ص ۹۲)

(۱۰)۔ ”غریب طالب علم کی دل شکنی کرنے پر معافی مانگنے کا حکم“۔

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند جو حیدر آباد میں پروفیسر رہے اور اب دیوبند میں ایک بڑے تجارتی کتب خانہ کے مالک ہیں آپ کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ

جس سال ہماری بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں دارالعلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم ک حیثیت سے داخل ہوئی یہ شخصیت پنجاب کی تھی میلے کپلے کپڑے، پھٹا پرانا لباس۔ یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا باقی تمام اوقات مطالعہ میں گزارتا۔ عصر تا مغرب اکثر طلباء تفریح کے لیے نکل جاتے مگر یہ کبھی تفریح کے لیے نہیں آیا۔ سختی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضرورت کے لیے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا، حد تو یہ ہے کہ دارالعلوم میں اجتماعات یا وقتی و ہنگامی جلسوں میں بھی اس کی صورت پر نظر نہ پڑتی۔ میلے کپلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتیں۔ طلباء اس کے قریب بیٹھنے یا قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اس کا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا ایک پیالہ لئے ہوئے مطبخ آتا۔ کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھا لیتا۔ اسی پیالے کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا پیالہ کنگھال کر اسی میں پانی پیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا، ایک اینٹ جس سے تکیہ کا کام لیتا۔ اس کے سوا کمرے میں کوئی چیز نہیں تھی میں اور میرے رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب نے ایک روز خلاف معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ سامنے والی نشست پر آ بیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں، اپنی کوفت سے زیادہ یہ احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تھے آپ کی تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی، ابن ہمام، بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے، بلند پایہ تحقیقات اور اس پر رد و قدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ، میں

نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے۔

نہایت ہی خفی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اتنے غلیظ ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو؟۔ میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرت کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحب کی کشادہ پیشانی پر ناگوار شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درس گاہ سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے اشارے سے بلایا جب میں قیام گاہ پر پہونچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا کہ:

”مولوی صاحب آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی یہ تو اضع کے قطعاً خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے سخت دست کہا وہ عرصہ کے بعد واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جائیے اس سے معافی مانگئے!“۔

حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے واقع کلمات کس لئے استعمال کئے۔ ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسکی زبان سے شاہ صاحب کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہیں تھی۔ (ایضاً ص ۹۴ تا ۹۶)

(۱۱)۔ ”میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زاد آ خرت سے خالی ہے“
بلکہ کبھی آپ کی یہ توضیح ایسی صورت اختیار کر لیتی کہ تلامذہ اور عقیدت مندوں کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوتا۔ جس وقت آپ نے بھاوپور کا سفر ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کیا جس کی تفصیلات انشاء اللہ پیش کی جائیں گی۔ اس سفر میں دیوبند اور پنجاب کے بعض مشہور علماء آپ کے ساتھ تھے۔ پہنچنے کے بعد قرب وجوار سے تلامذہ اور معتقدین ملاقات کے لیے بھاوپور پہنچ گئے۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں اپنی پہلی تقریر میں فرمایا کہ:

”میں ڈابھیل کے سفر کے لیے پایہ رکاب تھا، اسی دوران جامعہ عباسیہ کے شیخ کا تارملا کہ اس مقدمہ میں تیری شہادت مطلوب ہے میں نے سوچا کہ میں ایک بے عمل شخص ہوں جس کا دامن زادا آخرت سے خالی ہے، شاید مجھ کو سیاہ کی نجات کے لئے یہی چیز کارآمد ہو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دین کی حمایت کے لئے آیا ہوں اور ختم نبوت کی جانبداری میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔“

یہ الفاظ کچھ اس انداز سے آپ کی زبان پر آئے کہ مجمع پر گریہ طاری ہو گیا۔ آپ کے خصوصی شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی معاکھڑے ہو گئے بولے کہ ”لوگو! اگر حضرت شاہ صاحب کی بھی نجات نہ ہوئی تو بھرکس کی ہوگی جنکا زہد و تقویٰ، لامہیت اور ولایت ہر شبہ سے بالاتر ہے۔“

موصوف نے جب اپنی عقیدت کا اظہار ان جملوں سے کیا تو آپ نے انکو بہ جبر بٹھادیا اور مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ

”یہ صاحب ہماری تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں، حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم ختم نبوت کی حفاظت نہ کر سکیں۔“

مجمع نے ایک شیخ وقت کی زبان سے یہ متواضعانہ کلمات سنے تو آہ و بکا کی آوازیں صحن مسجد سے اٹھنے لگیں۔ (ایضاً، ص ۹۶)

قطب الاقطاب حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمہ اللہ کے واقعات (۱)۔ ”سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈویؒ کی صحبت“۔

ترک تعلیم ظاہری کے بعد آپ مستقلاً حضور سید العارفینؒ کی صحبت میں (بھرچونڈوی شریف)

رہ گئے اور اب باطنی تعلیم کی اسباق باقاعدہ پڑھے جانے لگے۔ اپنی زندگی حضور مرشد اور ان کے

لنگر پاک کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ اور خود کو اپنے شیخؒ کی شراب محبت میں اسقدر

سرشار کیا کہ دنیا و مافیہا کا ہوش باقی نہ رہا۔ گھر سے خط آتے مگر وہ بغیر پڑھے کسی جگہ رکھ دیتے۔ مرشد حکم دیتے تو کچھ دن کے لیے اپنی ماں اور بھائی بہنوں کے پاس (بُبی کورائیاں، بعد میں بستی گھوٹیاں علاقہ خان پور) چلے جاتے۔ مگر اس مدت میں حضور مرشد کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ اپنی والدہ اور بھائی بہنوں کو بھی بھرچونڈی شریف لے جاتے، ان کا تعلق بیعت بھی حضرت سید العارفین سے کرادیا تھا۔ چنانچہ اماں صاحبہ بعد میں باقاعدہ صاحب نسبت ہوئیں۔

درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف کے قیام کی مدت میں آپ نے خوب محنت کی۔ کٹھن ریاضتیں اور مجاہدات کئے۔ اس طرح النگر عالیہ کی خدمت میں بھی پیش پیش رہے اور تمام کاروبار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ النگر عالیہ کے لیے جنگل سے سرکنڈوں گٹھے لے آئے، ریش مبارک میں خس و خوشاک کے تنکے پھنس گئے تھے۔ حضور مرشد نے دیکھا تو پاس بٹھا کر اپنے مقدس ہاتھوں سے چنتے رہے اور دیر تک گریہ فرماتے رہے۔

میاں عاشق و معشوق رمزیت

کر اماں کا تبین را ہم خبر نیست

بھرچونڈی شریف کی مسجد شریف کی تعمیر شروع تھی۔ ایک دن حضرت سید العارفین نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے اور آپ کو بلا کر فرمایا۔ میاں! میری مسجد کو تو دیکھو، کعبہ شریف کو سیدھی ہے؟ یہ گویا تمام جماعت کے سامنے اپنے نو جوان طالب کی بلند استعداد، صلاحیتوں اور علو شان کا اظہار تھا۔ حضرت دین پوری نے حضرت سید العارفین کی حیات طیبہ میں تو کیا، آپ کے وصال کے بعد بھی جب کبھی درگاہ بھرچونڈی شریف میں قیام کیا، کبھی چارپائی پر نہ سوئے، نہ بیٹھے، نہ ہی بستر طلب کیا، خود کو اس درگاہ کا ایک معمولی اور ادنیٰ فقیر سمجھتے تھے۔ حضرت سید العارفین کی صحبت کے انہی ایام میں آپ نہایت عسرو مسکینی کی صورت میں رہتے تھے۔ گرمیاں اور سردیاں بس ایک چادر میں گزارتے تھے۔ کپڑے

پیوند زدہ اور پھٹے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک ٹوٹی ہوئی (کنوئیں کی) ٹنڈ میں لنگر کا بھات یا ابلے ہوئے چنے (کوبل) لیتے اور بقدر قوت لایموت کھا کر عبادات و ریاضات میں مشغول ہو جاتے۔ (بیس مردان حق جلد ۱ ص ۲۳۳)

۲۔ احترام سادات، بزرگان دین و اساتذہ:-

حضرت نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ کبھی ظاہر یا عملاً دوسروں پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جماعت کے برادری و اعلیٰ فقیر سے ہمیشہ مہربانی، خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ ہر کوئی سمجھتا تھا کہ آپ مجھ پر ہی زیادہ مہربان ہیں، لیکن سادات، بزرگان دین، علماء اور اساتذہ کے ساتھ جس قدر عقیدت و احترام کا معاملہ فرماتے تھے وہ کسی دوسرے فرد کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ انکو ہمیشہ اپنے برابر بٹھاتے، خود انکے سامنے باادب ہو کر بیٹھتے ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے، ان کے کام کرانے میں خاص دلچسپی لیتے، پھر لنگر میں انکے کھانے پینے اور رہائش کے لیے بھی خصوصی انتظام ہوتا تھا۔

اپنے مرشد گھرانہ (بھر چونڈی شریف اور سوئی شریف کے علاوہ بھی تمام پیران سلسلہ اور ان کی اولاد) سے کمال درجے کا عجز و نیاز فرماتے، نہایت ادب و احترام سے پیش آتے۔ ان کے خاندان سے بھی آپ کا خصوصی معاملہ تھا۔ اگرچہ آپ کے اساتذہ (بستی مولویاں و راجن پور سندھ) کا بیشتر خاندان آپ سے تعلق بیعت رکھتا تھا۔ لیکن انکا احترام بلکہ ان کے چھوٹوں بچوں تک کا ادب فرماتے تھے۔ آپ کی اس توجہ اور خلقِ عظیم سے اکثر ایسے مہمان پریشان ہوتے تھے اور آپ کی خدمت میں جاتے ہوئے جھجکتے تھے۔ بستی مولویاں کے مولوی صاحبان اکثر جب کبھی لنگر عالیہ میں آتے تو اکٹھے جا کر حضرت والا سے ملتے تاکہ حضرت کو ایک ایک کے ساتھ علیحدہ ادب و تواضع سے پیش آنے میں تکلیف نہ ہو۔ یہ حضرات کبھی خود دعوت کے لیے نہ کہتے تھے بلکہ کسی دوسرے ذریعے سے کہلاتے تھے۔ کیونکہ جب کبھی ان میں سے کسی نے حضرت کو دعوت کی منظوری کے لیے عرض کی آپ ہاتھ جوڑ کر فرماتے، کہ ”مولانا! میں تو باندی کا لڑکا ہوں۔ آپ کی دعوت کا کیسے انکار کر سکتا ہوں“۔ (ایضاً ۲۹۸)

(۳)۔ ”حضرت کے مرید ”ماما مٹھا“ کی تواضع و انکساری“:-

ماما مٹھا جماعت کا ایک عام فقیر تھا۔ سارا دن جنگل میں لنگر کے جانور چراتا اور قرآن پڑھتا۔ پانچوں وقت مسجد میں اذان دینا بھی اس کا فرض تھا۔ اسی ماما مٹھا کا واقعہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں پنجاب سرگودھا کے سفر میں حضرت کے ہمراہ تھا۔ اس سفر میں آپ حضرت لاہوریؒ کی دعوت پر لاہور بھی تشریف لے گئے تھے۔ جماعت کے قیام کا انتظام مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت میں کیا گیا تھا۔ قاری محمد ابراہیم صاحب نے فرمایا کہ ماما مٹھا نے مجھ سے بیت الخلاء کے متعلق پوچھا تو میں نے اسے وہ جگہ جا کر دکھا دی۔ اس نے سوال کیا یہ گندگی کہاں جاتی ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ جمعدار (چوہڑے) اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے اس دن سے کھانا کھانا بند کر دیا اور چار دن کے قیام میں کچھ بھی نہیں کھایا۔ غالباً فقیر (ماما مٹھا) نے سوچا ہوگا کہ چوہڑے بھی ہماری طرح انسان ہیں بلکہ ہم سے بہتر ہیں۔ وہ ہماری گندگی اٹھائیں لہذا ہم اس کا حساب کہاں اور کیونکر دیں گے؟ (ایضاً ص ۵۰۶)

(۴)۔ ”فنائیت پر مبنی عجیب جواب“:-

حاجی پور شریف (ڈیرہ غازی خان) کے سفر میں حضرت سید جندوڑہ شاہ صاحب، حضرت سے بیعت ہوئے تو کسی شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا سید بھی امتی کا مرید ہو سکتا ہے؟ حضرت نے جواب فرمایا کہ ”اگر کسی بادشاہ کا قیمتی ہیرا (موتی) گم ہو جائے اور وہ دوبارہ کسی چوڑھے خاکروب کے گھر سے دستیاب ہو تو کیا بادشاہ وہ اپنا گم موتی واپس نہ لے؟“ (ایضاً ص ۵۰۸)

(۵)۔ ”صحبت کا اثر“:-

آپ کے خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: حضرت دین پوری کے ہاں جماعت کے سب لوگ کھدر کے کپڑے پہنا کرتے تھے جن

کوئیکر کے چھلکوں میں رنگا جاتا تھا۔ جماعت کے سب آدمیوں کو عشاء کی نماز کے بعد ایک ایک پیالہ پھیکے بھات کا ملتا تھا۔ جس میں نہ نمک اور نہ گھی ہوتا تھا۔ رات کو ایک دو دفعہ کھل کر پیشاب آیا طبیعت صاف ہو گئی اور تہجد کے لیے اٹھ بیٹھے، دن کو روٹی یا گھنگھنیاں ملتی تھیں۔ یہ غذا کھانے والا حضرت کا ایک بوڑھا خادم ایک دفعہ مجھ سے پوچھتا ہے مولوی صاحب! کیا ہم قیامت کے دن اللہ کو دیکھیں گے؟ اس کی بڑی نعمتیں کھائی ہیں اس کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا جی ہاں! ہم اللہ کو دیکھیں گے۔

یہ صحبت کا اثر ہے، کامل کا عکس پڑا ہوا ہے۔ نعمتیں کیا کھائی ہیں؟ پھیکا بھات اور گھنگھنیاں۔ اے دنیا دار! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کیا کبھی کیک، انڈے، پلاؤ، زردے اور قورے کھا کر تمہیں بھی اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا؟ (ملفوظات طیبات ص ۱۴۳)

(۶)۔ ”شادی بیاہ میں سادگی“۔

حضرت دین پوری کو اللہ نے بیٹے بیٹیاں عطا فرما رکھی تھیں، اب تو ماشاء اللہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔ ان کے ایک پوتے مولوی سراج احمد صاحب کچھ دن ہوئے یہاں آئے ہوئے تھے۔

حضرت دین پوری نے جب کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا ہوتا تو ہماری اماں سے فرما دیتے کہ بچی کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دینا، نماز عشاء کے بعد داماد کو بلا کر نکاح پڑھا دیتے۔ کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا تھا کہ کوئی شادی ہونے والی ہے۔

اب ان کے صاحبزادے مولوی میاں عبدالہادی صاحب گدی نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے وہ ماشاء اللہ عالم ہیں یہاں سے قرآن پڑھ کر گئے ہیں ان کے ہاں بھی یہی دستور ہے، انہوں نے اپنی ایک صاحبزادی کے نکاح کے لیے مجھے لاہور سے بلایا، لیکن لڑکے کے باپ کو پتہ نہیں کہ ان کے لڑکے کی شادی ہے (مولانا عبدالقادر مرحوم کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمن مرحوم کی شادی کا موقعہ تھا۔ مصنف) وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو کس کام کے لیے بلایا ہے؟ اب انہوں نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح

ایک نو مسلم سے کیا ہے، یہ صحبت کا اثر ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۴)

(۷)۔ ”حضرت کے خادم مولوی شیر محمد صاحب مرحوم کی فنائیت“۔

علاقہ رحیم یار خان کے اسی سفر میں حضرت اور جماعت گھوڑیوں پر سوار ایک بستی کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک حضرت نے ایک جگہ اپنی گھوڑی روک لی۔ اور خاموش کھڑے ہو گئے پیچھے آنے والی جماعت بھی جمع ہو گئی۔ سب فقراء سمجھ رہے تھے کہ حضرت جماعت کو ملانے کے لیے رک گئے ہیں۔ اتنے میں مولوی شیر محمد صاحب مرحوم (بستی مولویاں) کی سواری بھی آ گئی، مولوی صاحب موصوف ایک بڑے زمیندار اور امیر آدمی تھے۔ نہایت اعلیٰ درجے کا قیمتی لباس پہنتے تھے، آتے ہی ایک دم اپنی گھوڑی سے کود پڑے۔ تھوڑی دور ایک خارش زدہ کتا کیچڑ میں لت پت، سردی سے ٹھنڈا گرموت و حیات کی کشمکش میں پڑا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کے پاس جا کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور دھوپ میں ایک خشک جگہ پر رکھ کر اپنی پگڑی سے اس کا جسم پونچھا اور پوری تسلی سے اس کی خدمت کر کے اس حال میں واپس آئے کہ ان کا تمام قیمتی لباس کیچڑ اور مٹی سے داغدار اور گیلیا ہو رہا تھا۔ حضرت اس تمام عرصے میں یہ دیکھتے رہے اور گریہ فرماتے رہے مولوی صاحب مرحوم واپس آئے تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دیر تک رو کر دعا فرماتے رہے۔ پھر مولوی صاحب کو گھوڑی پر سوار ہونے کا۔ اشارہ فرمایا اور جماعت آگے روانہ ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام فقراء ہاتھ ملتے اور افسوس کرتے تھے کہ حضرت کی منشا پہلے ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟۔ (ایضاً ص ۲۷۰)

(۸)۔ ”اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اٹھالیں فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا“

ایک دفعہ مولانا عبید اللہ سندھی دین پور شریف تشریف لائے تو حضرت اس وقت جماعت کے ہمراہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر اور ان کے گٹھے بنا کر ڈھورہ تھے۔ تمام فقراء ایک ایک گٹھا اٹھائے ہوئے تھے۔ اور حضرت کے سر پر بھی لکڑیوں کا بوجھ تھا۔ مولانا

سندھی نے بھی جا کر اپنے سر پر لکڑیاں اٹھالیں۔ مولانا مرحوم کے ہمراہ ایک مولوی صاحب بھی تھے۔ وہ بڑھ کر حضرت سے بوجھ لینے لگے۔ حضرت نے فرمایا! مولوی صاحب! بہت سی لکڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اٹھالیں۔ فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا۔ (ص ۲۷۹)

(۹)۔ ”میں خانہ رقیب کو بھی سر کے بل گیا“۔

ایک دفعہ حضرت میاں عبدالرحمن صاحب مرحوم سجادہ نشین بھر چونڈی شریف کے چھوٹے صاحبزادے میاں عبدالرحیم صاحب مرحوم اور میاں عبدالکریم صاحب دین پور شریف تشریف لائے اور سیدھے الہی بخش ہمسایہ کے گھر چلے گئے۔ کہ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت کو صاحبزادگان کی آمد کا پتہ چلا تو تیار ہو گئے کہ وہاں چل کر ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ چونکہ ہمسایہ مذکور کا جماعت کے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں تھا اس لئے جماعت نے مشورہ دیا کہ حضرت اس کے گھر نہ جائیں بلکہ یہیں انتظار فرمائیں۔ جب صاحبزادگان نماز کیلئے تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ مگر حضرت نے یہ مشورہ سختی سے ٹھکرا دیا۔ باوجود ضعف اور بیماری کے دو آدمیوں کے سہارے چل کر ہمسایہ کے گھر گئے (میں خانہ رقیب کو بھی سر کے بل گیا) اور وہاں صاحبزادگان کی قدم بوسی فرمائی اور دعوت کے لئے عرض کی۔ باوجود صاحبزادگان کے اصرار کے ان کے قریب ”گلیم“ پر نہ بیٹھے بلکہ خاک پر دو زانو بیٹھ گئے۔ یہ حضور مرشد سید العارفین اور آپ کے خاندان سے کمال عقیدت و محبت تھی کہ ان کی تیسری پشت کے بچوں کا بھی اس قدر ادب و احترام فرماتے تھے۔

(ص ۲۸۱)

(۱۰)۔ کھانے میں نہایت سادگی۔

ایک دفعہ میاں جی الہی بخش ترکھان نے دعوت کی۔ حضرت نے تاکید فرمائی کہ جماعت کے لئے خالی پانی میں پنہ (چھوٹے) ابال کر پکا لیے جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور آپ نے بھی جماعت کے ساتھ ملکر وہ چھوٹے تناول فرمائے۔

(ص ۲۸۷)

(۱۱)۔ غریب آدمی کی دلجوئی کا عجیب واقعہ:-

اسی سفر (ڈیرہ غازی خان) کا واقعہ ہے کہ صبح کو کشتی جب دریا کے پار پہنچی تو وہاں حضرت کے استقبال کے لئے علاقے کے بڑے زمیندار اور معزز اشخاص جمع تھے اور بہت سے غریب لوگ بھی منتظر کھڑے تھے۔ ایک غریب آدمی نے سوچا اتنے بڑے بڑے آدمیوں میں اس کو حضرت سے مصافحہ تو کجا، خالی دور سے سلام کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی سوچ کر وہ دور مایوس کھڑا ہوا تھا۔ حضرت کی کشتی کنارے لگی تو سب سے بڑے آدمی آگے بڑھے مگر حضرت اترتے ہی کسی سے نہ ملے اور سیدھے اس غریب آدمی کے پاس جا کر اس سے بغلگیر ہوئے۔ بعد میں دیگر لوگوں سے مصافحہ فرمایا۔

یہ واقعہ اس غریب آدمی نے خود رائے خیر صاحب ذیلدار سے بیان کیا۔ (ص ۲۸۸)

(۱۲)۔ ”تم کشتی میں جاؤ اور میں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں“:-

حضرت اسفار میں ذاتی طور پر ایک ایک فقیر اور سواری کا خیال فرماتے تھے نیز سامان اٹھانے، ڈھونڈنے وغیرہ تمام کاروبار میں جماعت کے شامل رہتے تھے، ایک دفعہ اعلیٰ حضرت میاں محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ بھر چونڈی کے ہمراہ سفر فرما رہے تھے۔ نالہ ڈالنے والے جماعت کے گزرنے کا اتفاق ہوا تو بعض سواری کے اونٹ کشتی پر سوار نہ ہوتے تھے، فقراء پریشان ہو رہے تھے۔ حضرت نے دیکھا تو اپنے برادر حقیقی میاں غلام رسول سے فرمایا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ جماعت کو تکلیف ہو رہی ہے تم کشتی میں جاؤ اور میں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں۔ چنانچہ آپ ایک ایک اونٹ کی کوڑی کے نیچے اپنا کندھادے کر ایسی چال سے زور لگاتے کہ اونٹ فوراً کشتی میں جاگرتا اور وہاں میاں غلام رسول مرحوم اس کو سنبھال لیتا تھا۔ اس طرح تمام اونٹ کشتیوں میں سوار کئے گئے۔ (ص ۲۹۰)

(۱۳)۔ ”خود پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھالیتے“:-

بعض اسفار میں قلت سواری کے باعث حضرت باری مقرر فرماتے تھے۔ خود

پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔ چنانچہ ڈیرہ غازی خان کے سفر میں ایک موقع پر جب آپ نے ایک غریب آدمی کو اپنی جگہ سوار کر کے خود پیدل چلنے لگے تو وہ شدت گریہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔
(ص ۲۹۰)

(۱۴)۔ ”اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی“۔

ملک حاجی اللہ دتہ مسن مرحوم نے ذکر کیا کہ اس کی انگلی میں پھوڑا تھا جسکی وجہ سے شدید درد تھا۔ دین پور شریف حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھ کر اسی وقت درخت نیم کے پتے منگوائے۔ اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹہنی سے علیحدہ کیا۔ اور پھر ایک دستے میں ڈال کر خود ان کو رگڑا۔ فقیروں نے یہ کام کرنے کا اصرار بھی کیا۔ مگر آپ نے بہ اس الفاظ انکار فرمایا کہ تم کو کیا خبر؟ حاجی لانگری مرحوم کو فرمایا کہ پٹی کے لئے کوئی چھوٹا سا کپڑا لے آئے۔ کپڑا لانے میں کچھ دیر ہوئی تو اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی۔ حضرت نے جو نہی مرہم پٹی فرمائی۔ اسی وقت درد کا فور ہو گیا اور ایک دو دن کے اندر پھوڑا بھی ختم ہو گیا۔
(ص ۲۹۳)

(۱۵)۔ ”اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے“۔

فقیر جمال الدین مڑیچہ نے بیان کیا کہ ملتان میں حضرت مولوی پیر بخش صاحب کی دعوت پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بیمار کتا دروازہ مکان کے باہر آ بیٹھا۔ فقراء نے چاہا کہ اس کو دھتکار کر بھگا دیں۔ مگر حضرت نے اشارے سے منع فرمایا۔ پھر صاحب دعوت کے پاس ایک آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے۔ اس نے جواب میں عرض کیا کہ آپ مالک ہیں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے دو روٹیوں کے چار ٹکڑے کر کے اس کتے کو ڈالے۔
(ص ۲۹۴)

(۱۶)۔ ”عجز و انکساری کے حسین پیکر“۔

حضرت میاں عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین بھرچونڈی شریف) حضرت

کی دعوت پر جب خانپور جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تو حضرت باوجود ضعف، بیماری اور کمزوری کے دو آمیوں کے سہارے چلکر آپ کے استقبال کے لئے آگے گئے۔ جو نبی حضرت کی نگاہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ پر پڑی جوتا مبارک اتار دیا۔ دو تین گز کا فاصلہ رہ گیا تو بیٹھ گئے اور آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر ملے۔ اور پھر آپ کے پیچھے پیچھے مکان پر تشریف لے گئے۔ (ص ۳۰۲)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے“

آپ نے حضرت قریشی کو بار بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”میں مسکین پور شریف (مظفر گڑھ) سے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ واقع موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسماعیل خان) پیدل جایا کرتا تھا۔ مختصر زادارہ کے ساتھ تقریباًڑھائی سو میل کا سفر یکہ و تنہا طے کرتا تھا۔ دوران سفر جب بھوک ستاتی تو کبھی چنے چبالتا اور کبھی گاجریں وغیرہ خرید کر کھالیتا۔ مگر خوشی سے پھولانہ سماتا کہ میں اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے مشرف ہوں گا۔

میرے پیر بھائی تو سارا دن پیر و مرشد کی مجلس میں بیٹھ کر علوم و معارف سیکھتے اور میں سارا دن اپنے شیخ کے جانور چراتا۔ جانور خود بھی چرتے اور میں بھی گاس کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالتا کہ خوب سیر ہو جائیں۔ شام کو واپس آتے ہوئے میں چارے کی ایک گھڑی بھی سر پہ اٹھالاتا۔

رات کو سوتے وقت اپنے پیر بھائیوں کے درمیان لیٹتا لیکن جب دیکھتا کہ سب سو گئے ہیں تو اٹھ کر باہر چلا جاتا اور رات اللہ اللہ اللہ کرنے میں گزار دیتا۔ کبھی کبھار جب پیر و مرشد کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملتا تو میں یہ سوچتے ہوئے پیچھے ہٹ بیٹھتا کہ میں تو اس در کا کتا ہوں اور مجھے جوتوں کے قریب بیٹھنا چاہیے۔ میرے شیخ بڑے صاحب فراست اور صاحب نظر

تھے۔ وہ حاضرین مجلس سے کہتے۔ میں تم سب کو غافل پاتا ہوں اور اس قریشی بچے کو ذاکر پاتا ہوں۔" (حیات حبیب ص 154)

(۲) "تو مجھے تصنع سکھاتا ہے؟"

جب حضرت خواجہ عبدالملک صدیقی اپنے پیرو مروشد حضرت قریشی کو لے کر دارالعلوم دیوبند کے دورے پر گئے تو سفر کی طوالت کیوجہ سے تھک گئے۔ رہائش گاہ پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ حضرت قریشی کے کپڑے کافی میلے ہو چکے تھے۔ حضرت صدیقی نے عرض کیا۔ حضرت! ابھی لوگ ملاقات کے لئے آجائیں گے اجازت ہو تو آپ کو کپڑے تبدیل کروادوں۔ حضرت قریشی نے فرمایا "تو مجھے تصنع سکھاتا ہے؟ حضرت قریشی اسی حال میں سارا دن علمائے کرام کو ملتے رہے۔ جب سب لوگ اپنے گھروں کو سدھارے تو حضرت قریشی نے فرمایا "خليفة صاحب! لاؤ آپ کی بات بھی مان لیتا ہوں مجھے کپڑے تبدیل کروا دو" سبحان اللہ جو کام بھی کرتے تھے محض رصائے الہی کے لئے کرتے تھے۔ تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۵۶)

(۳) کھانے میں سادگی:-

حضرت قریشی رحمہ اللہ کی خانقاہ پر بسا اوقات دسترخوان بچھانے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ حاضرین کو لاتن میں بیٹھا کرایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے ہاتھ میں گڑ کا ٹکڑا یا لسی کا پیالہ پکڑا دیا جاتا جسے وہ مزے لے لے کر کھاتے۔ کبھی کبھار "کری" کے پھول ابال کر ترکاری تیار ہوتی جسے بھتہ کہا جاتا۔

بعض اوقات یہ "بھتہ" گھی کے بغیر تیار ہوتا۔ سبحان اللہ اس مجاہدہ اور قربانی کے اثرات تھے کہ لوگوں پر رقت طاری رہتی تھی۔ (ایضاً ص ۱۵۷)

(۴) "پیر! توں چھپنا جا ہے تو چھپ نہیں سکدا":-

ایک دفعہ حضرت قریشی تبلیغی سفر کر رہے تھے کہ دین پور شریف کے قریب سے گزر رہا۔ جی چاہا کہ حضرت خلیفہ غلام محمدؒ کی زیارت کریں۔ لیکن مریدین کے ہمراہ شیخ بن

کر جانا سوئے ادب سمجھا۔ جماعت کے خدام سے فرمایا کہ آپ علیحدہ چلے جائیں میں علیحدہ چلا جاتا ہوں۔ حضرت خولجہ عبد الممالک بہت ذہین تھے عرض کرنے لگے۔ حضرت آپ اپنی ٹوپی صدری وغیرہ دوسروں سے تبدیل فرمالیں۔ خود درمیان میں چلیں تو ظاہری امتیاز ختم ہو جائے گا چنانچہ اسی ترکیب سے جماعت نے حضرت خلیفہ غلام محمد کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت خلیفہ صاحب استقبال کے لئے اٹھے اور سب لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف کرتے رہے اور قریشی سے معاف کیا۔ حاضرین میں سے ایک طالب صادق پر جذبہ طاری ہوا اور وہ عالم بے خودی میں بار بار کہنے لگا "پیر اتوں چھینا چاہے تو چھپ نہیں سکدا"

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

(ایضاً ص ۱۵۸)

(۵) ”جورج خارج کرنے میں اللہ کا محتاج ہو وہ بڑا بول بول سکتا ہے؟“

ایک دفعہ حضرت قریشی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جبکہ حاضرین حلقہ بنائے خدمت تھے۔ حضرت نے کچھ کہنا چاہا لیکن خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میرے پیٹ میں درد تھا اتنا شدید کہ برادشت سے باہر۔ میں گھر کے صحن میں لوٹ پوٹ ہوتا رہا حتیٰ کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جان نکل رہی ہے۔ اچانک رتخ خارج ہوئی اور رد ختم ہو گیا۔ پھر جماعت کے لوگوں سے پوچھا فقیر! جو کوئی رتخ خارج کرنے میں اللہ کا محتاج ہو اور وہ بڑا بول بول سکتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا ”نہیں“ فرمایا ”سنو مجھے خواب میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا: قریشی! جس طرح کے متبع سنت لوگوں کی جماعت آپ نے تیار کی ہے۔ من حیث الجماعت دنیا میں کہیں موجود نہیں“ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

(ایضاً ص ۱۶۱)

(۶) حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:-

جب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تبلیغی سفر سے واپس تشریف لائے تو مشورہ یہ طے پایا کہ پہلے مسکین پور شریف حاضری دی جائے پھر سفر حج شروع کیا جائے۔ چنانچہ سب حضرات مسکین پور شریف حاضر ہوئے۔ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت تپاک طریقہ سے ملے۔ دورانِ مجلس آپ کے دل میں خیال میں آیا کہ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج نہیں کیا اگر میرے پیسوں سے حج کر لیں تو یہ سعادت عظمیٰ ہے۔ چنانچہ آپ نے رقم کی گھتلی حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش فرمائی۔ آپ اصرار کرتے رہے حضرت انکار کرتے رہے حتیٰ کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ نماز عصر کے بعد حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حرم شریف حاضر ہوئے تو چودہ دن قیام فرمایا۔ لیکن اس ادب سے رہے کہ نہ کچھ ہایا نہ کچھ پیا۔ نہ پیشاب کیا پاخانہ۔ نہ تھوک پھینکی نہ ناک صاف کی یعنی نہ کچھ جسم کے اندر کیا نہ کچھ باہر نکالا۔ نہ بیت اللہ پر بے وضو نظر ڈالی۔ اس لئے کہ پیر و مرشد کے چہرے کو بے وضو نہیں دیکھا تو اب بیت اللہ شریف پر بے وضو نظر کیسے ڈالوں۔ پھر فرمایا میں بوڑھا ہوں کئی بیماریوں نے گھیر رکھا ہے اتنے ادب کا لحاظ نہیں رکھ سکتا۔ میں کا لاکتا اس پاک دسین کو ایسے ناپاک کروں یہ کہتے ہوئے حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رو پڑے۔ حاضرین پر بھی رقت طاری رہی۔ پھر فرمایا کہ میں مقروض ہی ہوں۔ شرعاً حج پر جانے کا اہل نہیں۔ میں نے یہ بد یہ قبول کر لیا۔ اب آپ اور دعائیں بھی دیں۔ حضرت قریشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ بارگاہ الوہیت میں ایسے قبول ہوئے کہ خالق ارش و عرش نے حرمین شریفین کے دروازے سے آپ پر کھول دیئے۔ (ایسا ص ۲۰۰ تا ۲۰۱)

(۷) لوٹا لیکر تمام جماعت کے ہاتھ دھوائے اور جماعت کے سامنے رختے رہے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جائدہ میں حضرت شیخ اس وقت میں کھڑے ہوئے جب کھانا آیا اور تقسیم شروع ہوئی۔ اس لئے کہ تمام جماعت کے ہاتھ دھوائے اور کھانا لاتے اور جماعت کے سامنے رکھتے رہے۔

(مقامات فضلیہ ص ۷۲ بحوالہ تجلیات ص ۷۸)

(۸) ”میں نے اس لئے تمہارے جوتے صاف کیے کہ میری عاقبت اچھی ہو تم بخل کرتے ہو اور روتے ہو۔“

ایک واقعہ فقیر پور شریف میں عجیب پیش آیا۔ دو پہر کا وقت تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آرام فرما رہے تھے۔ میں (مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی احمد پوری کے) بھی لیٹ گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باہر نکل کر جماعت کے جوتے جھاڑ جھاڑ کر رکھنے لگے۔ میرے (حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری کے) کان میں اس وقت آواز آئی جبکہ دو تین جوڑے باقی رہ گئے تھے۔ میں دوڑ کر بھاگا اس وقت میری آواز سے ایسے الفاظ نکلے کہ سب جماعت ہوشیار ہو گئی۔ جذب کی کیفیت سب پر طاری ہو گئی۔ ہر کوئی روتا تھا۔ آپ نے فرمایا ”تم اللہ اللہ کہنے والی جماعت ہو۔ میں نے اس لیے تمہارے جوتے صاف کیے کہ میری عاقبت اچھی ہو۔ تم بخل کرتے ہو اور روتے ہو۔“

(مقامات فضلیہ ص ۷۲ تا ۷۳ بحوالہ تجلیات ص ۲۸)

(۹) مجلس شیخ کا حیران کن ادب:-

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو شرط ادب سے جوتوں کے قریب مجلس کے کنارے پر بیٹھا کرتا اور اپنے آپ کو کتے کی طرح سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کیا کرتا۔ اور فرمایا کرتے کہ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہ کی مجلس میں نہ کبھی اونچی آواز سے بولا اور نہ ہنسا بلکہ سر جھکائے ادب سے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ (حیات فضلیہ) اس عاجز نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت غریب نواز قدس سرہ کے مریدوں میں جذبات و واردات و کیفیات و ترقیات کی کثرت اور آپ کے سلسلہ عالیہ کی توسیع کو دیکھ کر آپ کے پیر بھائی رشک کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قریشی صاحب کی جماعت میں بہت ترقی ہے اور ان کا سلسلہ فیض بہت جاری ہوا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

(ص ۷۴ تا ۷۵)

مجلس میں جوتیوں کے قریب بیٹھنے کی برکت ہے۔
(۱۰) ”شاباش! تم نے میری غلطی پکڑی“ :-

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ سفر ڈیرہ غازی خان وغیرہ سے اپنے مقام مسکین پور شریف واپس تشریف لائے۔ میں حاضر تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء حضرات کو جو فنیق سفر تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ سفر میں نے تمہارے ساتھ اس لئے اختیار کیا تھا کہ آپ حضرات میرے نقص سے آگاہ کریں گے۔ مگر افسوس آپ حضرات نے مجھے آگاہ نہیں کیا۔ علماء نے عرض کیا حضرت دوران سفر کوئی نقص ہم نے دیکھا نہیں۔ فرمایا۔ کیا میں معصوم ہوں، یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر تم نے دیانتداری کا ثبوت نہیں دیا۔ علماء خاموش رہے اور معذرت پیش کرتے رہے کہ حضرت ہم نے سفر میں کوئی شرعی آپ کے کسی عمل میں نہیں دیکھا۔ دوسرے دن حضرت نے وضو فرمایا اور علماء دیکھتے تھے کہ حضرت نے گردن کے مسح کے لیے نیا پانی لے کر مسح فرمایا (یعنی علماء کے امتحان کے لیے ایسا کیا) ایک عالم نے عرض کیا حضرت ہمارے مذہب میں گردن کے مسح کے لیے نیا پانی لینا نہیں ہے۔ فوراً حضرت نے ان مولوی صاحب کو دعادی اور فرمایا شاباش! تم نے میری غلطی پکڑ لی۔

بعد میں دوسری مجلسوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ کو بار بار دہراتے اور فرماتے کہ فلاں مولوی صاحب نے مجھے اس غلطی پر آگاہ کیا اللہ اس کو جزائے خیر دے اور مزید توفیق بخشے۔ اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم کا تعلق تھا کہ اپنی غلطی کو فرحت سے سنو اور اس کی تصحیح کرو۔ الحمد للہ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیم ایک عجیب طرز کی ناصح ہوتی تھی۔ (ص ۷۵ تا ۷۶ بحوالہ تجلیات ص ۶۵ تا ۶۶)

(۱۱) دوران سفر جماعت کے کمزور لوگوں کے ہاتھ، پاؤں دباتے :-

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ بارہا ایسے واقعات پیش آئے کہ سفر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جماعت کے

کمزور لوگوں کی خاطر سواری چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے۔ اثنا سفر میں جماعت کے تھکنے کی وجہ سے آرام کرتے اور کمزور لوگوں کے ہاتھ پاؤں دباتے۔ بعض اوقات وہ منع کرتے تو آپ فرماتے کہ اگر تجھے اس سے تکلیف ہے تو یہ کرنا کہ میں تجھے چا پی کرتا ہوں، تو مجھے چا پی کرنا۔ (ص ۸۲)

حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کی تواضع و فتائیت

آپ کے فرزند ارجمند مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عصر تھے وہ فرماتے تھے کہ:

”ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لیکر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لیکر دربان اور چہر اسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانہ میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔“
حضرت والد ماجد مرحوم دارالعلوم کے قرن اول کے طالب علم تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم، حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حاصل کئے، حضرت حکیم الامت سیدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم وغیرہ حضرات ہم سبق تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور گنگوہ کی حاضری کو سرمایہ سعادت سمجھا اور اکثر گنگوہ پایادہ سفر ہوتا تھا۔ اپنے شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق تھے، ہوش سنبھالتے ہی گھر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے روزانہ ہمارے کانوں میں پڑتے تھے جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت و محبت کی ختم ریزی کی، علم و فضل کے اونچے

معیار پر ہونے کے باوجود اساتذہ کے زمانہ میں کسی وقتی ضرورت کے ماتحت درجہ فارسی کی خدمت میں لگا دیا گیا تھا اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزار دی، قصبہ دیوبند کا شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جس میں ان کے شاگرد نہ ہوں، دادا سے لیکر پوتوں تک کی تعلیم ان کے ذریعہ ہوئی، دیوبند سے باہر بھی ہزاروں شاگرد ہیں، حق تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت سے ان کی تعلیم میں یہ برکت عطا فرمائی تھی کہ جس نے کچھ بھی پڑھ لیا بیکار نہیں رہا۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ طالب علم کے قلب میں ابتداء ہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزیں ہو جاتی تھی اس لئے آپ کے درس اتنے مقبول تھے کہ بعض فارغ التحصیل علماء بھی شریک درس ہوتے تھے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد یسین شیر کوئی اور حضرت مولانا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ فارسی کے علاوہ فارغ اوقات میں عربی کے اسباق بھی پڑھاتے رہے تھے اور تدریس کا یہ سلسلہ چالیس برس سے زیادہ رہا، تدریسی مصروفیات کے علاوہ کتب بینی، اور تصنیف و تالیف کا بھی کسی قدر شغل رہتا تھا اور ان کے متعدد اصلاحی و دینی مضامین رسائل میں شائع ہوئے تھے اور کئی کتب بھی کافی مقبول ہوئیں جو دارالعلوم دیوبند سمیت متعدد مدارس میں داخل نصاب رہیں۔

حضرت والد مرحوم کا ذوق عبادت اس قدر تھا کہ روزمرہ معمولات اور مشاغل میں کثرت سے ذکر اور اذکار اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت آپ کا معمول تھا، آخر عمر میں چند سال ضعف و پیرانہ سالی کے ساتھ بہت سے امراض مسلسل لگے رہتے تھے مگر جماعت کا وقت آتے ہی مسجد میں سب سے پہلے پہنچ جاتے، مرض و فوات میں دو ماہ تک ورم جگر اور کثرت اسہال کی شدید تکلیف اور بخار میں مبتلا رہے مگر لاٹھی کے سہارے مسجد میں پہنچ جاتے اور جب اس کی بھی سکت نہ رہی تو مجبوراً نمازیں گھر پر ادا کیں۔ آپ کی وفات

دیوبند میں ۹ صفر ۱۳۵۵ھ بروز جمعہ ہوئی۔ وفات سے ایک دن پہلے احقر سے فرمایا: ”محمد شفیع مرنے کے بعد بھول تو جایا کرتے ہیں مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا۔“

ان کا یہ جملہ لوح قلب پر ایسا کندہ ہو گیا کہ اب چالیس سال سے زائد ہو گئے ہیں مگر الحمد للہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی فراموش نہیں کیا اور خدا جانے والد مرحوم کا یہ جملہ کیا چیز تھی کہ آج بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت فرما رہے ہیں۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔ (چند عظیم شخصیات ص ۳۷، ۳۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات کے آئینہ میں

ذیل میں کتاب ”حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات“ (مرتبہ قاری محمد اسحاق ملتانی) سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے وہ ملفوظات نقل کئے گئے ہیں جن سے حضرت کی شان عبدیت و فنایت بالکل واضح اور نمایاں ہوتی ہے۔

(۱)۔ آپ بارہا قسم کھا فرماتے تھے کہ:-

میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جنکو لوگ فساق و فجار سمجھتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالات المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہونگے، مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہو۔ اس سے زیادہ ہوس نہیں ہوتی۔ اور اتنی ہوس بھی بربناء استحقاق نہیں، بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں بضروت اصلاح زجر و توبیخ کیا کرتا ہوں۔ تو اس وقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے، جیسے کسی شہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلا، کو حکم شاہی ہو کہ اس شہزادے کو ڈرے لگائے تو کیا اس بھنگی جلا کے دل میں ڈرے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں؟ غرض کوئی مومن کیسا ہی بد اعمال ہو میں اسکو حقیر نہیں

سمجھتا، بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منہ پر کا لک لے تو اسکو جاننے والا کا لک و برا سمجھے گا اور اس حسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا، کہ جب یہ کبھی صابون سے منہ دھو لے گا پھر اس کا وہی چاند سا منہ نکل آئیگا۔ غرض مجھے صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے، فاعل سے نفرت نہیں ہوتی۔ (ص ۷۴)

(۲) ایک ذی فضل معتقد کا یہ قول نقل کیا کہ میں آخرت میں کوئی عمل ایسا نہ پیش کر سکوں گا، جو خالص ہو۔

اسکون کر حضرت والا جو اس وقت کسی خط کا جواب لکھ رہے تھے لکھتے لکھتے بے اختیار رک گئے اور چہرہ مبارک پر سخت آثارِ خجلت و ندامت کے ظاہر ہونے لگے۔ غلبہِ عہدیت سے بیٹھے بیٹھے کسی قدر جھک بھی گئے اور پھر تھوڑی دیر تک اس بنیت سے ساکت بیٹھے رہنے کے بعد، نہایت حسرت کے لہجے میں فرمایا:-

”جی ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق کیا کوئی عمل پیش کیا جاسکتا ہے؟“۔ (ص ۷۵)

(۳)۔ ایک بار فرمایا کہ جب میں کسی کے ہمد یہ کور دکرتا ہوں گو کسی وجہ کیساتھ ہو، لیکن پھر ڈرتا ہوں، کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے، جس سے نہایت خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔

استغناء اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے۔ دونوں بہت متشابہ ہیں۔ کبھی اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل کبر ہی ہوتا ہے۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا ہر قول و فعل، حال و قال، سب ہی پر از خطرہ ہے، کوئی حالت خطرے سے خالی نہیں۔ مجھے تو اب وہ شعرا کثرا یاد آیا کرتا ہے، جو کبھی بچپن میں پڑھتا تھا۔ ع

من گنہگارم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو بر گناہم کش۔

بلکہ بر گناہم تو کیا اللہ تعالیٰ ہماری طاعات کو قبول فرمالے، اور طاعت تو خیر کیا قابلِ معافی ہوتی؟۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں جو کوتاہی ہے وہ معاف فرمائے، کیونکہ جنکو ہم طاعات

کبھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں؟۔

جس طرح کوئی بے ڈھنگے طور پر پنکھا جھل رہا ہو یا کوئی خدمت کر رہا ہو تو بعضوں کی خدمت سے سخت اذیت ہوتی ہے، لیکن محض دل شکنی کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جاتا، اس طرح ہماری طاعات میں کوئی کبھی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے گھنٹہ بھر اللہ، اللہ، کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ وہاں پوچھ گچھ تک نہیں ہوتی۔ ایسی طاعات پر میں کہتا ہوں کہ اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔

(ص ۷۵)

(۴)۔ ایک سلسلہ کلام میں نہایت پر اثر اور بہت ہی پستی اور شکستگی کے لہجہ میں فرمایا کہ نہ عمل کا اعتبار، نہ حال کا اعتبار، نہ مقام کا اعتبار، کسی شے کا اعتبار نہیں، یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی ایمان اس کے بقاء کا بھی کیا اعتبار کیونکہ قضا و قدر سب جکڑ بند ہیں، کیا معلوم کس کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے بچنا بھی اختیاری ہے، لیکن پھر اس میں مبتلا ہو جاتا ہے، اپنے اختیار سے اپنے آپ کو اس میں مبتلا کرتا ہے، آخر وہ کون ہے جو اس کو کشاں کشاں لے جا رہا ہے اور پھر دلائل سمعیہ، عقلیہ سے یہ بھی واجب ہے کہ جبر کا بھی عقیدہ نہ رکھو اور واقع میں بھی جبر نہیں، بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے، اور اپنی کیسی ہی حالت اچھی ہو ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بری حالت ہو، اس پر طعن نہ کرے۔ کیا خبر کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔

انسان کس چیز پر ناز کرے۔ جبکہ ہمارا علم، عمل، حال، مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے

ما یفتح اللہ لناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ

اللہ تعالیٰ جس رحمت کو کشادہ کرنا چاہیں کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ اور جس رحمت کو روکنا چاہیں کوئی اس کو کشادہ کرنے والا نہیں۔

غرضیکہ کوئی چیز مستقل انسان کے اختیار میں نہیں۔ اکثر گمراہ فرقوں کے عقائد و اہیہ کے تذکروں کے بعد بے اختیار ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و نیاز کے لہجہ میں عرض کرنے لگتے کہ اے اللہ! اپنے قبر سے بچاؤ! اور فرماتے کہ جب اللہ تعالیٰ کا قبر نازل ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں اور ادھام باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ (ص ۷۶)

(۵)۔ بارہا فرمایا کہ یہ جو اصلاح نفس کی سہل سہل اور نافع تدابیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیتے ہیں، یہ سب طالبین کی برکت سے ہے۔ میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہنچے۔ لہذا ایک ناکارہ سے خدمت لے رہے ہیں اور جس کو اپنے علوم و معارف پر ناز ہو طالبین سے علیحدہ ہو کر تو دیکھے واللہ جو بالکل ہی پٹ نہ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اوروں کے نفع کے لئے یہ علوم و معارف عطا فرما رہے ہیں۔

خاص لند بندہ مصلحت عام را

ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچے کو دودھ پلاتی ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہے کہ بچے کی پرورش ہو اس لئے اس نے گوشت میں بھی دودھ کو پیدا کر دیا۔ یہ دودھ چھاتیوں سے ابل رہا ہے۔ یہ بچے کے جذب ہی کی برکت ہے۔ اگر ماں بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہو جائیگا۔ اس طرح اگر کنوئیں میں ڈول نہ ڈالا جائے اور پانی نہ نکالا جائے تو نیا پانی آنا بند ہو جائے، غرضیکہ اگر شیخ القاء چھوڑ دے تو تلقی بھی بند ہو جائے۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ میرے اندر علم ہے نہ عمل اور نہ کوئی کمال ہے، لیکن الحمد للہ اپنے خلوق کا اعتقاد ہے۔ اللہ تعالیٰ بس اس پر فضل فرماوے گا۔

اس طرح جب ایک طالب علم حضرت کی تدبیر سے ایک نفسانی مرض سے شفا یاب ہوا تو اس نے عرض کیا کہ حضرت والا کی تعلیم میں کھلی ہوئی برکت ہے فرمایا کہ میری تعلیم میں کیا رکھا ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تائید ہے وہی کار ساز ہیں، میں کیا چیز ہوں، چمار کو سڑک کوٹنا نہیں آتا مگر جب انجینئر اپنا ہاتھ درمٹ پر رکھ کر اس سے درمٹ چلواتا ہے تو سڑک کٹ

جاتی ہے امر اصلاح میں نہ میرے عمل کو دخل ہے، نہ ہم کو، خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے وہ میری مدد کرتے ہیں میرا کچھ بھی کمال نہیں۔ (ص ۷۷)

(۶)۔ سب سے اعلیٰ وارفع عمل باطنی تو فنا و عبدیت کی وہ کیفیت تھی جو ہر وقت نہایت شدت کے ساتھ طاری رہتی تھی، اور جس سے متاثر ہو کر حضرت بارہا یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپکو کتوں اور سوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں، اگر کسی کو یقین نہ ہو تو میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں۔

لہذا کبر، کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا، حقیقی تواضع اس کو کہتے ہیں واقعی جس پر حق تعالیٰ کی عظمت کا انکشاف ہو چکا ہو، اسکی یہ کیفیت نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی چنانچہ ایک صاحب نے اپنے خط کے مضمون کے ضمن میں مصرعہ لکھ دیا ع
او بنازے عجبے من بنیازے عجبے۔

اس پر تحریر فرمایا کہ اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا، کیا مجھے یہ پوری غزل مل سکتی ہے؟

اسی واقعے سے اندازہ کر لیا جائے کہ حضرت اقدس پر حق تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عبدیت کا کس درجے انکشاف تھا۔ جب ہی تو اس مصرعہ نے جو دونوں کیفیتوں کا جامع ہے، حضرت پر اس درجہ اثر کیا۔ (۸۲)

(۷)۔ فرمایا کہ عام لوگوں میں سے اگر کسی کے اندر ننانونے عیب ہوں اور ایک بھلائی ہو تو میری نظر اس بھلائی پر جاتی ہے اور ان ننانونے عیبوں پر نہیں جاتی۔ اور جس نے اپنے کو تربیت کے واسطے میرے سپرد کیا ہو تو اس میں ننانونے بھلائیاں ہوں اور ایک عیب ہو تو میری نظر اس عیب پر

جاتی ہے، ان ننانونے بھلائیوں پر نہیں جاتی۔ (جامع کہتا ہے۔ سبحان لہذا اس سے حضرت والا کا

عامۃ الناس کیساتھ حسن ظن اور اپنے غلاموں کیساتھ حسن تربیت ظاہر ہوتی ہے۔ واقعی حضر

ت والا رحمت محض ہیں جیسے کوئی شفیق طبیب اپنے اندر تھوڑی سی بھی کسر گوارا نہیں کرتا۔ ایسے ہی ہمارے حضرت بھی خادموں میں کسی کو تاہی کو گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بعض ناواقف لوگ کو سخت مزاج اور سخت گیر کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکا ذوق صحیح نہیں یا حضرت والا کی کبھی صحبت میسر نہیں ہوئی۔ ورنہ ہمارے حضرت میں تو سختی کا پتہ بھی نہیں، سر اسر رحمت ہی رحمت ہیں۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف شیخ وزاھد گاہ است و گاہ نیست

(۸) فرمایا کہ ایک حکیم صاحب نے جو کہ میرے دوست ہیں مجھ کو لکھا کہ میں نے ولایت سے چالیس روپے گز کا کپڑا منگا یا ہے۔ اسے بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا کہ میں ایک طالب علم ہوں۔ میرے یہاں سب قسم کے لوگ آتے ہیں۔ امیر بھی آتے ہیں اور غریب بھی۔ ایسے شاندار کپڑے سے غریب پر رعب پڑتا ہے۔ میں خواہ مخواہ غریب لوگوں پر رعب ڈالنا نہیں چاہتا۔ البتہ آپ طبیب ہیں طبیب کو شان کی ضرورت ہے۔ اس لیے آپ کو مناسب ہے۔ آپ استعمال کریں میں قبول کر کے پھر آپ کی نذر کرتا ہوں۔

ایک صاحب ہاتھ باندھے نہایت ادب سے بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ مجھے اس تعظیم سے وحشت ہوتی ہے۔ بس آج کل رسم پرستی غالب ہو گئی ہے۔ صحابہ بھی تو حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مگر ڈھونگ نہ بناتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضور ﷺ مجلس میں تشریف لاتے تو صحابہ تعظیم کو کھڑے بھی نہ ہوتے تھے (تو کیا صحابہ سے بھی زیادہ کوئی جانثاری اور ادب کا دعویٰ کر سکتا ہے؟)۔ (جامع)

(۹) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عند اللہ مقبول ہی ہو۔ دیکھو چمار سے بیگاری جاتی ہے مگر اس سے چمار کا درجہ نہیں بڑھ جاتا۔ وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے۔

ہمارا حال بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود ہی جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں۔ درجہ تو اللہ کے نزدیک عالم باعمل کا ہی ہے۔

فرمایا کہ ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تو اضع اور فروتنی تھی (علم و عمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپکو سب سے کمتر سمجھتے تھے)

اور فرمایا کہ الحمد للہ میں کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ میں ہر فاسق میں حالاً اور ہر کافر میں مالاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ عند اللہ اس زمانے کے مشائخ و اولیاء سے افضل ہو اور بہتر ہو۔ ایک صاحب نے عید گاہ کے مجمع میں حضرت کے کسی فعل پر اعتراض کیا۔ وہ اعتراض اگرچہ بالکل بے جا اور غلط تھا۔ مگر حضرت اسکے قدموں میں گر پڑے اور فرمانے لگے کہ بیشک میں بڑا خطاوار گنہگار ہوں۔ حضرت پر اسوقت ایسی حالت کا غلبہ تھا جس میں انسان اپنے آپ کو ہر چیز سے بدتر و کمتر سمجھتا ہے۔

فرمایا کہ مجھ کو اپنی حالت پر کبھی ناز اور تکبر نہیں ہوا، صرف اس وجہ سے کہ خدا جانے قیامت میں کیا معاملہ ہوگا۔ بس یہ عصائے موسیٰ کی طرح سب کو نگل گیا۔ (ص ۹۹)

(۱۰) فرمایا کہ بعض دفعہ کبر کے علاج سے عجب پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً، ممتاز آدمی جو سیدھے کرنے کا کام کرے تو اس سے تواضع پھر اس سے عجب پیدا ہوگا اس جگہ مبصر کی ضرورت ہے کہ کسی طریق کو اختیار کرے۔ کبر کا زہر تو عقرب کا زہر ہے کہ پتہ چل جاتا ہے، عجب کا زہر سانپ کا زہر ہے کہ اندر ہی تباہ کر دیتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا۔

فرمایا کہ جب صالح انتقال کرتا ہے تو میرا خیال فوراً ادھر جاتا ہے کہ اس سے مواخذہ نہ ہوا ہو۔ اور اگر کوئی عاصی فوت ہوتا ہے تو خیال ادھر جاتا ہے کہ درگزر ہوگئی ہوگی۔ کبھی اسکا تخلف نہیں ہوتا حق تعالیٰ نے میری اصلاح فرمائی ہے

فرمایا کہ ملامت میں تو جی گھبراتا ہے مگر ایک ملامت میں لطف آتا ہے وہ یہ کہ کہتے ہیں کہ ایسے بد دماغ ہیں کہ ہم کو منہ تک نہ لگایا۔ اس ملامت میں خوب لطف ہے۔ بے غیرت ہو کر مال حاصل کرنے میں وہ لطف نہیں

فرمایا کہ انسان کو لازم ہے کہ دوسرے کی تحقیر نہ کرے اور اسکو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فی الحال تو یہ خیال کرے کہ ممکن ہے کہ امیں کوئی ایک ہی بات

ایسی عمدہ ہو کہ اسکے سب معاصی کو معاف کرادے اور ہمارے اندر کوئی ایسا گناہ ہو کہ طاعات مقبول نہ ہوتی ہوں۔ اور مآلاً یہ کہ انجام شاید اسکا ہم سے اچھا ہو جائے، بس یہ احتمال ہی کبر سے بچنے کیلئے کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ دوسرے کو یقیناً اپنے سے اچھا جانے (ص ۱۰۰)

(۱۱) فرمایا کہ جب میں کسی کو ڈانٹتا ہوں تو تحقیر نہیں کرتا اور مجھکو اپنی فضیلت کا شبہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ الحمد للہ محض یہ سمجھ کر تنبیہ کرتا ہوں کہ اس میں اس کا فائدہ ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک مثال سے واضح ہو سکتا ہے، جسکو امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شہزادے کے متعلق کسی جرم میں بادشاہ چہار کو حکم دے کہ اس شہزادے کو اتنے جوتے لگائے تو وہ چہار جوتے تو لگائے گا مگر اس کو اس بات کا وسوسہ بھی نہ ہوگا کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں۔ حضرت مجدد صاحب نے فرمایا کہ مسلمان تب تک مسلمان نہیں ہوتا جب اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے۔ فرمایا کہ یہ امر گودوقی ہے مگر استدالی بھی۔ استدلال یہ ہے کہ گو کافر حالاً اچھا نہ ہو مگر مالا اچھا ہو سکتا ہے اس کی مثال ابھی حق تعالیٰ نے قلب پر وارد فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص فطرۃ خوبصورت ہو مگر چہرے پر سیاہی لگا رکھی ہے اور دوسرا فطرۃ خوبصورت نہیں ہے مگر چہرے پر پوڈر مل رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ سیاہی کے دور ہونے کے وقت وہ زیادہ خوبصورت ہو جائیگا اور دوسرا پوڈر کے اترنے کے وقت بدصورت ہو جائیگا اسی طرح کفر کی سیاہی دور ہونے کے بعد اچھا نکلے۔ اور اعمال کا پوڈر اترنے کے بعد مسلمان نکما نکلے۔ اور ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ کسی میں ایک نیکی ایسی ہو کہ دوسرے کے سب حسنات سے اچھی ہو۔ اور دوسرے شخص میں ایک ایسا گناہ ہو جو اس کے تمام حسنات کو کھا جائے۔ اس طرح ایک شخص میں کوئی ایسی بدی ہو جو اس کے سب سینات پر غالب ہو اس کا کس کو پتہ ہے۔ جیسا حدیث بلاقہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

فرمایا کہ بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا بنے۔ پھر خود بخود اس میں اثر ہے کہ وہ بڑا بن جائیگا۔ اس واسطے سلاطین و مشائخ کی ہزاروں حکایتیں ہیں کہ انہوں نے تواضع

اختیار کی۔ اس سے ان کو بڑائی حاصل ہوئی۔ کسی نے ان کے بڑا ہونے کی حکایت نقل نہیں کی اور فرمایا کہ اس میں ذلت نہیں۔ ذلت کی حقیقت عرض حاجت ہے۔۔ ذلت بوجھ اٹھانے، گاڑھا پہننے، وغیرہ میں نہیں۔

فرمایا مجھ کو کبھی کسی فاسق کو دیکھ کر یہ خطرہ بھی نہیں ہوا کہ میں اس سے اچھا ہوں فعل کو تو برا جانتا ہوں مگر فاعل کو برا نہیں جانتا۔ اس لیے معاصی کو تو برا سمجھے عاصی کو برا نہ سمجھے۔ (ص ۱۰۱، ۱۰۲)

(۱۲) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نہ تکبر کو پسند کرتا ہوں اور نہ ایسی تواضع کو جس میں ذلت ہو۔ یہاں نہ متکبروں کا گزر ہے اور نہ ایسے متواضع کو جگہ ملتی ہے جو ذلت کا درجہ اختیار کرے۔ یا اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ جس سے بے نفس ہونے کی شہرت ہو۔ یہ بھی تکبر کا ایک شعبہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال کی ضرورت ہے۔ جس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ نہ ایسی وضع رکھے جو کبر کی شکل ہو اور نہ تواضع کی شکل تکلف سے بنائی جاوے۔ بس بے تکلف جو فطری عادت ہو اس پر عمل کرے۔ اسمیں یہ دونوں باتیں نہ ہوں، نہ کبر، نہ مصنوعی تواضع ورنہ جس صورت میں بھی تکلف ہوگا۔ اسی میں حد سے تجاوز ہو جائیگا۔ (ص ۱۰۸)

(۱۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت سے واپسی کے بعد ایک سال کے قریب میں نے وعظ نہیں کہا۔ لوگ بہت اصرار کرتے تھے مگر مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی کہ ایسے خراب شخص سے کیوں وعظ کیلئے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ بہت اصرار کیا تو میں رونے لگا۔ پھر مجبور نہیں کیا۔ ایک مولوی صاحب جو شاہ صاحب بھی کہلاتے تھے میرے ترک وعظ کا جو سنا تو انہوں نے اپنی طرف سے خوانخواہ لوگوں سے یہ کہا کہ۔ اب یہ جسوقت وعظ کہنا شروع کریگا۔ تم دیکھنا کہ سب سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر یہ انا الحق کہے گا۔ مگر الحمد للہ کہ میں نے ہمیشہ انا العبد ہی کہا الحمد للہ۔ (ص ۱۱۰)

(۱۴) ایک بار ایک صاحب سے فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی، نہ عملی۔ نہ حالی، نہ قالی۔ بلکہ مجھ میں سراسر عیوب ہی عیوب ہیں۔ میری اگر کوئی

برائی کرتا ہے تو یقین جانیے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ بھلا مجھ میں کون سی بات قابل تعریف ہے۔ جو اس کا یہ خیال ہے۔ اسکو دھوکا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اس لئے مجھ کو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں گذرتا۔ اور اگر کوئی میری تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس میب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی نے جو میرے بارے میں برا بھلا کہا ہوگا تو عدم واقفیت کی بنا پر کہا ہوگا۔ اس لیے وہ معذور ہے۔ تیسرا یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیتا ہوں۔ اے اللہ۔ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجئے گا۔ جو کچھ

میرے ساتھ کسی نے برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے تہہ دل سے معاف کیا۔ اس لئے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہئے۔ میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جسکو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو وہ کہہ سن سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہو تو مجھے کیا نفع حاصل ہو۔

(۱۱۲ ص)

(۱۵) کئی بار فرمایا کہ گو میں اعمال میں بہت کوتاہ ہوں۔ لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہمیشہ یہی ادھیر بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہئے۔ اور فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہئے۔ غرضیکہ کسی حالت قناعت نہیں۔ گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے۔ اور نواہی سے اجتناب رکھے۔ اس لئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ (۱۱۳ ص)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات (۱) ”سب سے زیادہ نکما اور نا کارہ میں ہی ہوں، یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔“

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

جن بزرگوں کی باتیں سن پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں، انکے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حد و حساب نہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ: میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال، اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔ مسلمان کو تو اس لیے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے، اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دیدے اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں جب حضرت (تھانوی) کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہیں سب مجھ سے افضل ہیں، اور میں ہی سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ ہوں۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے پھر دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی حالت کا ذکر کرتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حالت اچھی ہے یا بری ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی حالت بیان کی کہ حضرت آپ کی مجلس میں ہم دونوں کی یہ حالت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ کچھ فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنی یہ حالت بیان کر رہے ہو۔ حالانکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں بھی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں۔ یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔

یہ ہے تواضع کی حقیقت، ارے! جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے تو پھر انسان اپنے آپ کو جانوروں سے بھی کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ (اصلاحی خطبات، جلد ۵ ص ۳۰)

(۲)۔ ”حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اعلان“:-

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے، میرے ساتھ نہ چلے، جب میں تنہا نہیں جا رہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو۔ حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں، میں اسکو بالکل پسند نہیں کرتا، جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے، اسی طرح چلنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جا رہا ہوں تو کوئی شخص آ کر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے۔ مجھے اسی طرح جانے دے۔ تاکہ آدمی کی اپنی کوئی امتیازی شان نہ ہو، اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے، اس طریقے سے رہے۔ (بحوالہ بالا ص ۳۲)

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت اور فنایت اور بندگی کا ہے، شگستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہذا اپنے آپکو جتنا مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے، اتنا ہی انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ غظمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شگستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب ہماری روح نکل رہی ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمادیں کہ یا ایہا النفس المطمئننتہ ارجعی الی ربک راضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ہ (سورت الفجر ۲۹)

دیکھئے، اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام ”بندگی“ ہے۔ (ص ۳۳)

(۳): ”تواضع و فنائیت کی ایک عجیب مثال“

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب حضرت مولانا جلیل احمد شروانیؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جس زمانے میں حضرت مولانا مرحوم اپنے اہل و عیال کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم تھے آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کی وقف کردہ جائیداد کے متعلق کچھ سوالات سیدی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کئے جن کا جواب اس وقت کے مفتی خانقاہ نے تحریر فرمایا مگر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کو اس جواب پر اطمینان نہ ہوا، اور اس پر کچھ اشکالات تحریر فرما کر اپنا جواب لکھا اور ارشاد فرمایا کہ اب یہ مجموعہ محمد شفیع کے پاس دیو بند بھیجا جائے کہ وہ جواب لکھے۔ میں نے مسئلہ میں جتنا غور و فکر کیا تو مجھے حضرت رحمہ اللہ کی تحریر پر اطمینان اور شرح صدر نہ ہوا بلکہ کچھ شبہات و مشکلات پیش آئے جن کو تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں بھی بھیج دیا اور مسئلہ کے متعلق میرا جواب حضرت رحمہ اللہ کے جواب سے مختلف ہو گیا۔ اب معاملہ اور زیادہ الجھ گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حافظ جلیل احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ سے فرما دیا کہ خط و کتابت میں طول ہو گا۔ محمد شفیع کے تھانہ بھون آنے کا انتظار کرو، زبانی گفتگو سے بات چیت کی جائے گی۔

جب احقر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا اور کافی دیر تک مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث و گفتگو ہوتی رہی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ اس زبانی گفتگو میں بھی کسی ایک صورت پر رائیں متفق نہ ہوئیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مجھ بے علم و عمل کی رائے ہی کیا تھی؟ مگر حکم یہی تھا کہ جو کچھ رائے ہو اس کو پوری صفائی سے پیش کرو اس میں ادب مانع نہ ہونا چاہیے، اس لئے اظہار رائے پر مجبور تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجلس اس بات پر ختم ہوئی کہ دیر کافی ہو گئی ہے اب پھر کسی روز اس مسئلے پر غور کریں گے۔ اب حافظہ رخصت ہو چکا ہے پوری بات یاد نہیں، اتنا یاد ہے

کہ اس کے بعد پھر تحریری سلسلہ شروع ہوا، حضرت نے میرے اشکالات و شبہات کا جواب تحریر فرمادیا مگر اس جواب پر احقر کو اطمینان نہ ہوا تو مزید سوالات لکھ کر بھیجے اس طرح ایک عرصہ تک پھر زیر بحث مسئلہ ملتوی رہا اور آخر میں جب احقر تھا نہ بھون حاضر ہوا تو مزید غور و فکر کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی اس میں بھی صورت حال یہی رہی کہ نہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بدلی نہ میری،

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب کو اصول و قواعد کی رو سے غلط نہیں کہتا مگر اس پر میرا شرح صدر نہیں، اس لئے اختیار نہیں کرتا احقر نے بھی عرض کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی رائے غلط ہوگی مگر کیا عرض کروں کہ اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس آپ اپنی رائے اور فتویٰ پر رہو میں اپنی رائے اور فتویٰ پر ہوں، مستفتی کو ہم اس کی اطلاع کر دیں گے کہ اس مسئلے میں ہم اور ان میں اختلاف ہے اور ہم کسی جانب کو بہ یقین غلط بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو عمل کر لو۔

عجیب اتفاق کہ مستفتی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ خاص تھے انکو جب اختیار ملا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے تو بندہ ناچیز مفتی محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول فرمالیا۔

یہ واقعہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے چھ سال پہلے یعنی ۱۳۵۲ھ کا ہے۔
(چند عظیم شخصیات: ص ۶۱، ۶۲)

(۴) ”حضرت حکیم الامت اور حضرت مدنی کے درمیان اختلاف اور دونوں بزرگوں کی تواضع و فنائیت“

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بھی ویسے ہی اختلافات تھے جیسے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان۔ مگر مخالفین نے

کاندھلہ میں غالباً

(سنہ ۱۳۳۹ھ) میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سوال کیا۔ تو مولانا بہت ناخوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ”یہ کیا واہیات سوال ہے۔ ہم تو انکو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنے دوسرے بڑوں کو بعد ازاں معاندین نے ان اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ مولانا عبد الماجد دریابادی جیسی شخصیت بھی اس پر وپیگنڈ اسے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

(۱) ”کانوں نے بیشک یہی سنا تھا کہ انکے درمیان بے لطفی ہے نا چاتی ہے۔“

(حکیم الامت ص ۱۶)

(۲) ”دیوبند کے حالات سے اللہ جانتا ہے کہ بڑا ہی دل دکھتا ہے خصوصاً اپنے دونوں بزرگوں کے اختلاف دیکھ کر۔“

(حکیم الامت ص ۲۶۰)

لیکن جب مولانا عبد الماجد صاحب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی معیت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو عبد الماجد صاحب کیا دیکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے کہ:

”نماز ختم ہوئی سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جو نبی حضرت (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اٹھے۔ نگاہ پہلی صف میں مولانا حسین احمد صاحب پر پڑ گئی۔ ان کی طرف خود ہی بڑے تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے۔ لوگ تو کہتے تھے کہ بڑے خشک مزاج ہیں خشک مزاج ایسے ہی ہوتے ہیں؟۔ یہ نرم بشارش چہرہ۔ یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرہ کسی خشک مزاج کا ہو سکتا ہے؟۔ لوگ یہ بھی کہتے تھے۔ کہ ان کے درمیان بے لطفی ہے۔ نا چاتی ہے۔ کانوں نے بے شک یہی سنا تھا لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں دو دوست گلے مل رہے ہیں تعظیم و تکریم مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے تو خیر ہوتی تھی عادت طبعی ہونے کی بناء پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی۔ لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب و رواں سم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی۔“

(حکیم الامت ص ۱۶، ۱۷)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آداب و احترام کے بعد حضرت مدنی کا اخلاص و اکرام بھی قابل قدر ہے۔ جب مولانا مدنی صاحب کے مرید باصفا عبد الماجد صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چند دنوں کے لئے تھانہ بھون جا کر قیام فرماتے ہیں تو انھیں تھانہ بھون میں حضرت مولانا مدنی کا یہ خط موصول ہوا۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ برکاتہ۔

والا نامہ محررہ ۱۶ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہو گئے۔ خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات لا متناہیہ کرے آمین۔

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیانی بیاد آرمجان بادہ پیارا

مجھ کو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف فرما دیں گے جنکے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرضی محض اخلاص کی بناء پر کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر محمل پر عمل نہ فرمائیں گے۔ میں نے حسب الارشاد حضرت مولانا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اس وقت آپ کو بیعت کر لیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بد حالی، روسیاء ہی، ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کننا ہوں اور سخت شرمندہ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے۔ اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ واللہ الحمد اللهم زد فزدا۔

اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بھی بیعت کر لیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم آپ کو نہ ٹالیں گے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب ان کو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید کارآمد ہے اسی بناء پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔ مجھ روسیاء کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمالیا کریں نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔

(نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۲۰ جماد الاول ۱۳۳۸ھ) حکیم الامت ص ۹۰)
اس گرامی نامہ کا جواب مولانا عبد الماجد صاحب کی بجائے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے
یہ دیا:

"مخدومی و مکرمی مولانا حسین احمد صاحب دامت فیضہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مولوی عبد الماجد صاحب کے نام پر گرامی نامہ آیا۔ اس میں مشورہ تحویل بیعت کا پڑھا گواں
وجہ سے کہ میں اس کا مخاطب نہیں۔ مجھ کو جواب عرض کرنے کا استحقاق نہیں۔ لیکن چونکہ اخیر
تعلق مجھ سے ہی ہے نیز اس میں مجھ کو مخاطب بنانے کی یاد دہانی بھی ہے۔ اس لیے عرض
کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ مجھ کو تو وہی عذر ہے جو زبانی عرض کیا تھا۔ اور قدرے مفصلاً
یہ عرض ہے کہ اس میں مولوی صاحب کا ضرر یہ ہے اس لیے امید ہے کہ اس مشورہ سے
رجوع فرمائیں گے۔ وہ ضرر یہ ہے کہ میری خشونت و سوء خلق تو مشہور ہے مگر مولوی صاحب
کی یہ رعایت و دلجوئی جو صمیم قلب سے ہے وہ آپ ہی کے انتساب سے مسبب ہے، کیا
آپ کو یہ گوارہ ہے کہ وہ اس رعایت سے محروم کر دیئے جائیں دوسرے گواں کو مجھ سے مو
انت کافی ہے لیکن نفع کا مدار اعظم مناسبت ہے۔ اسکو میں پہلی ملاقات میں طے کر چکا تھا
۔ اور اسی بناء پر آپ نے میری سفارش کو قبول فرمایا۔ جس کا میں شکر گزار ہوں اور اگر ان بناؤ
ں کو آپ ضعیف خیال فرمائیں تو میں بھی انکی تقویت پر زور نہیں دیتا۔ لیکن جب اول بار میں
بر قول خود میری خاطر منظوری تھی۔ سواب بھی میری خاطر منظور فرمائی جائے اور جس طرح
کام چل رہا ہے چلنے دیا جائے کہ آپ ان کے مخدوم رہے اور مجھ کو خادم رہنے دیجئے۔ اس
جدید تبدل میں میری اور ان کی دونوں کی پریشانی ہے۔ جس کا گوارا کرنا اخلاق سامی سے
بعید اور بہت بعید ہے اور جب اس کا مجھ پر مدار ہے اور میری طرف سے محض انکار ہے تو مولو
ی صاحب کو ایسی بات کا حکم فرمانا جو ان کی قدرت سے خارج ہے تکلیف مالا یطاق ہے جو
ہر پہلو سے منفی ہے۔

والسلام ناکارہ نگ نام۔ اشرف برائے نام۔ از تھانہ بھون جمادی الاول ۱۳۴۸ھ

(حکیم الامت ص ۱۹۹۲) (ماخوذ از بیس بڑے مسلمان ص ۳۵۶ تا ۵۸۳)

(۵): ”حضرت تھانوی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دین پور شریف میں تشریف آوری“

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سندھ اور سابق ریاست بہار پور کے علاقوں میں بارہ چودہ سال جو سیاسی اور علمی کام کرتے رہے تھے اور ان علاقوں میں قادری راشدی بزرگان کے توسط سے تحریک جہاد کا علم بلند کر رکھا تھا۔ اب ضرورت ہوئی کہ اس مکتب فکر اور اس تحریک کے علاوہ اس جماعت کے قائدین کا بھی وہاں باقاعدہ تعارف کرایا جائے جسکے خود مولانا مرحوم نمائندہ تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر ۱۹۱۱ء میں خیر پور میرس، سندھ اور سابق ریاست بہار پور میں ”دارالعلوم دیوبند“ کے تعارف کی غرض سے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند (فرزند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) پر مشتمل ایک سہ رکنی وفد روانہ فرمایا۔ دیوبند کے نامور فرزند سب سے پہلے دین پور شریف تشریف لائے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے سے ان بزرگوں کی آمد کی اطلاع کر دی تھی مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مہتمم صاحب کو یہ نہیں بتایا کہ ہم پہلا قیام کہاں کریں گے؟ یا جن کے ہم مہمان ہونگے۔ وہ کس پائے کے انسان ہیں۔ مولانا مرحوم راوی ہیں کہ جس وقت ہماری گاڑی سمہ سٹہ کی حدود میں پہنچی تو مولانا تھانوی ڈبے کے باہر خلا میں بڑی توجہ سے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا، عبید اللہ! مجھے یہاں کسی اللہ والے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں خاموش رہا۔ جب خان پور کے اسٹیشن پر اترے تو بہت زیادہ مضطرب تھے۔ دوبارہ فرمایا، عبید اللہ! یہاں مجھے کسی اللہ والے کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے کہا۔ حضرت! دنیا اللہ والوں سے ابھی خالی تو نہیں ہوئی۔

ریلوے اسٹیشن پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھیجی ہوئی سواریاں موجود تھیں۔ تینوں بزرگ

گھوڑیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی پیشوائی کے لئے اپنے مستقر سے چل کر سڑک پر پہنچ گئے تھے۔ ابھی دور ہی سے سامنا ہوا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فوراً گھوڑی پر سے اتر پڑے بار بار تاسف سے فرماتے تھے ”عبید اللہ! تو نے ہمیں مار دیا“ ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہاں اس پائے کا ولی اللہ رہتا ہے۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ صاحب تو ہمارے حاجی صاحب (حضرت امداد اللہ کی کے) پایہ کے ولی کامل ہیں۔

غرض دین پور شریف میں ان بزرگوں کی آمد سے ایک نئے تعلق مودت و عقیدت کی بنیادیں ڈال دی گئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تاحیات نامہ پیام کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ایک دفعہ مولانا ابوالحسن ندوی کو لکھتے ہیں اور ”حضرت خلیفہ صاحب کے پیغام و سلام سے ان کی یاد تازہ ہو گئی

اللہ تعالیٰ ان کی برکات میں تضاعف دے“ (پرانے چراغ ص ۱۲۳)

”حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سندھ اور اس علاقے (مغربی پنجاب) کے اپنے مسٹر شذین کو حضرت دین پوری کی زیارت اور صحبت کے لئے اکثر تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت نے حضرت تھانوی کے پاس یہاں کی مشہور ”مسواکیں“ بھیجیں۔ مسواکیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دندان مبارک سے چبا کے دی تھیں۔ حضرت تھانوی نے یہ تحفہ وصول فرمایا تو دیر تک حضرت اپنی آنکھوں کو لگاتے رہے، سر پر سے دستار اتار دی اور فرستادہ سے فرمایا! کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرنا ”حضرت! اشرف علی بوڑھا ہو گیا ہے اور آپ بھی ضعیف اور سفر کے ناقابل ہیں، ظاہری ملاقات ممکن نہیں ہے، میرے سر پر غائبانہ دست شفقت رکھ دیں تا کہ قیامت میں نجات کا سامان ہو جائے۔“

حضرت دین پوری اس موقع پر کراچی تک ان بزرگوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ساتھ دیا اور اس طرح ”سندھ اور کراچی میں پہلی بار“ دارالعلوم

دیوبند، اور ولی الہی جماعت کا باقاعدہ تعارف کرایا گیا۔

(میں مردان حق، جلد ۱ ص ۴۵۶)

(۶)۔ ”حضرت حکیم الامت کی فنائیت“۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کا جو خاص امتیاز تھا وہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو مٹانا، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔ جب میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شان جلال اور ایک رعب اور وجاہت عطا فرمائی تھی، چہرہ مبارک بڑا وجیہ تھا اگر وہ اپنی وجاہت کو چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود طالب علموں اور دوسرے لوگوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے مغرب کے بعد آپ کو دیکھا کہ ایک صاحب کرتا اتارے ہوئے صرف پانچ جامہ پہنے ہوئے حوض کے پاس چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ میں ادھر ادھر گھوم رہا ہوں اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں اور پاس میں طلبہ بھی لیٹے ہوئے ہیں، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت لیٹے ہوئے ہیں۔

اس طرح ان حضرات کی خاص شان تھی، یہ چیز دنیا میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے، یہ خصوصی وصف اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو دیا تھا۔ افسوس! اب ہمارے پاس بزرگوں کی صحبت حاصل نہیں رہی، صرف مدرسے اور کتابیں رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی یہ وصف پیدا فرمادے۔ آمین!

(مجالس مفتی اعظم ص ۵۲۶)

(۷)۔ ”بھائی! میں اُن کی سی ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں؟“۔

ایک مرتبہ تھانہ بھون میں تذکرہ آیا مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ کسی مخلص نے عرض کیا کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو ایسے آدمی ہیں، حکومت کا مقابلہ کرتے ہیں، جیل میں جاتے ہیں، ڈرتے نہیں، حضرت! یہاں تو یہ بات ہے نہیں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی متانت کے ساتھ فرمایا بھائی میں ان کی سی ہمت مردانہ کہاں سے

لاؤں؟“

(ملفوظات فقیہ الامت، جلد ۱ حصہ ۲ ص ۶۶)

(۸)۔ ”اپنی اغلاط کی اصلاح کے لئے ”ترجیح الراجح“ کے سلسلہ کا قیام“۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران میں اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جا کر پوچھ آتے اور آ کر تقریر فرماتے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کر دے تاکہ مجھے اگر اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بلا اعلان رجوع کر لوں چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تاکہ جو قول جسکے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کر لے میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا (محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ) میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ایسا نہ تھا، دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا، جھٹ اپنے کسی ماتحت درس کے پاس کتاب لئے جا پہنچے۔ اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر کو دیکھیے، چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلبہ کے سامنے اس کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی،

بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی۔ ہاں جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہوگی اس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جاوے گی۔ (افاضات ۲/۹ ص ۲۰۸)

(آپ بیتی، جلد ۲ ص ۲۳۵)

(۹)۔ ”حضرت حکیم الامتؒ کے طرز تربیت کی وضاحت“:-

حضرت حکیم الامتؒ تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دور میں سیاست پر اتنا زور تھا اور حکیم الامتؒ ہونے کا تقاضہ تھا کہ مریدین مسترشدین کے اوپر تنبیہ اور امراض کی جراحت فرمادیں۔ جس کی وجہ سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی حضرت نور اللہ مرقدہ کی شان و تواضع سے ناواقف رہے۔ لیکن میرے ان سب اکابر کے درمیان میں اوصاف حسینہ و جمیلہ جس قدر کوٹ کوٹ کر بھرے گئے تھے بسا اوقات ان میں سے کسی کا ظہور نہیں ہوتا تھا یہ منظر اس ناکارہ کی نگاہ میں بھی بیسوں مرتبہ دیکھا۔ کہ معاصرین کے ساتھ نشست و برخاست اور گفتگو میں اس تواضع اور انکساری کا منظر ہوتا تھا کہ قابل دید اور قابل رشک تھا چنانچہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے طرز تربیت کے متعلق بارہا فرمایا کہ یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور مجھے بعد کو بڑی کلفت اور ندامت بھی ہوتی ہے اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اس طرح کہنے کے اس طرح بھی کہہ سکتا تھا، بجائے یوں سمجھانے کے یوں سمجھا سکتا تھا، بجائے اس تجویز کے یہ تجویز بھی کر سکتا تھا، لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں اور یہ جی بھی تک ہے جب تک کہ میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کر لی تو پھر میں انشا اللہ خوش اخلاق بھی بن کر دکھلا دوں گا۔ میرا اصل مذاق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کرو۔ اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھو۔ بقول احمد جام رحمۃ اللہ علیہ

احمد تو عاشقی بمشیت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(اشرف السوانح ۲/۶۳)

(”آپ بیتی“ ص ۲۶۹)

(۱۰)۔ ”میں اپنے برا بھلا کہنے والوں کو ہمیشہ معاف ہی کرتا رہتا ہوں“:-

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ مجھ میں حدت ہے شدت نہیں۔ بلکہ دوسروں کی جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقائق رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دور دور تک کے احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو انکی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔

(اشرف السوانح ۲/۴۶)

حضرت تھانوی کا مشہور مقولہ ہے کہ میں اپنے برا بھلا کہنے والوں کو ہمیشہ معاف ہی کرتا ہوں
(۱۴۸/۳) (آپ بیتی ص ۲۷۰)

(۱۱)۔ ”کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے؟“

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے۔ سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا۔ ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر مہتر سے کہا کہ بھائی ذرا سی دیر ملتوی کر دو تا کہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جائیں۔ حضرت مولانا نے سن لیا اور فرمایا کہ آپ کو کیا حق تھا کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے۔ کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔

اللہ اکبر عجیب عبدیت کی شان تھی۔ ایک طالب علم نے خط میں باطنی حالت اور فقہی مسائل کا استفسار دونوں جمع کر دیئے اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ جواب لکھا کہ آپ ایک خط میں فقہی مسائل کو اور احوال باطنی کو جمع نہ کیا کریں۔ اور فرمایا کہ

میں نے یہ نہیں لکھا کہ احوال باطنی کو فقہی مسائل کے ساتھ جمع نہ کریں۔ مسائل فقہیہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں ان کا ادب اسی امر کو مقتضی تھا۔

بڑوں سے ان کی سمجھ اور فہم کے اعتبار سے حق تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ نے بارش دیکھ فرمایا کہ اے اللہ! شکر ہے کہ بڑے موقع سے آپ نے بارش فرمائی۔ آواز آئی کہ او بے ادب! اور میں نے کب بے موقع بارش کی ہے۔

بقربان رابیش بود حیران: (معرفت الہیہ: ص ۳۸۰)

(۱۲)۔ ”ابھی تو میرا ایک خلق بھی درست نہیں ہوا“۔

ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا حضرت اپنے کرتے پانچامے میں تشریف لائے حاجی صاحب معمر آدمی تھے۔ بے تکلف تھے، عرض کیا کہ حضرت آپ نے عبا نہیں پہنی۔ فرمایا عبا بڑوں کا لباس ہے حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی تو بڑے ہیں۔ فرمایا کہ ”میں کیا بڑا ہوں ابھی تو میرا ایک خلق بھی درست نہیں ہوا“۔ اللہ کی کبریائی جنکے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔ (حوالہ بالا ص ۳۸۱)

مولانا بخش احمد صاحب رحمہ اللہ (مجاز صحبت حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) کی تواضع و فنائیت:-

”ہو سکتا ہے کہ میرے نام کا کوئی اور ہو جس کو خلافت نامہ بھیجا گیا ہو“:-

آپ رشد و ہدایت و تحصیل فیض باطنی کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرصہ تک حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر رہے، کچھ عرصہ بعد حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے فیض باطنی سی فیض یاب کیا۔ تھانہ بھون میں آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا کھانا حضرت کی دولت کدہ سے اپنے سر پر رکھ کر لاتے، کچھ عرصہ بعد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مولانا کو اپنا مرید بنانے سے توقف فرمایا، آپ بہ ہزار حسرت و یاس گھر تشریف لائے اور دینی تعلیم کی تدریس میں

مشغول رہے۔

تقریباً دس ۱۰ سال بعد حکیم الامت رحمہ اللہ کا پیغام نامہ خلافت غیر متوقع طور پر مولانا کو موصول ہوا جو باعث صد ہزار انبساط و مسرت ہوا، لیکن آپ نے حکیم الامت کی خدمت میں عریضہ

ارسال فرمایا کہ:

”حضرت والا! میں تو آپ کی ارادت سے بھی محروم رہا پھر خلافت کا متحمل کیسے ہو سکتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ میرے نام کا کوئی اور ہو جس کو خلافت نامہ بھیجا گیا ہو۔“
حضرت نے فرمایا:

”اگر اب تک میرے مرید نہ ہوئے تو کیا مضائقہ، اب کامل ارادت و خلافت تفویض کی جاتی ہے، خدا مبارک کرے۔“

آپ ہمیشہ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ اور لدھیانہ جوتا استعمال کرتے تھے، شکل و صورت سے بھی کوئی وجاہت نہیں پائی جاتی تھی مگر پھر بھی لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہوتے تھے۔
(بزم اشرف کے چراغ ص ۲۳۸)

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

واقعات

(۱)۔ ”تواضع و فنائیت“۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:
”مولانا اپنے کو حقیقاً کسی عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اپنے عالم، شیخ اور اتنی بڑی جماعت کے مقتدار ہونے کا احساس بالکل نہیں تھا، ایک خط میں ایک مرتبہ اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا:
”بندہ ناچیز کے بارے میں جناب مشورہ قبول فرمائیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی بے قدری ہے۔“

طبیعت کا یہ رنگ ان کے خطوط سے بے تکلف جھلکتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

صاحب عمر میں چھوٹے، رشتہ میں بھتیجے اور آپ کے شاگرد بھی ہیں، ایک خط میں ان کو تحریر فرماتے ہیں:

”گرامی نامہ موجب مسرت و عزت ہوا، آں عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے، اگر بقول آپ کے میں ”حضرت“ ہوں تو ماشا اللہ آپ ”حضرت گرامی“ ہیں، مجھے نکلے اور ناکارہ کو کون پوچھتا اگر آپ کی توجہ اور کرم نہ ہوتا۔ حضرت (مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری) رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف و اکرام فرمایا، پھر حاجی شیخ رشید احمد صاحب نے اظہار تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے۔ آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی مگر اسی امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے شاید اپنی بھی کچھ اصلاح ہو جائے۔“

ایک دوسرے خط میں موصوف کو تحریر فرماتے ہیں:

”رمضان المبارک کی دل بستگی اور اس پاک ماہ کی برکات و انوارات سے استفادہ اہل دل مبارک ہو، حق تعالیٰ شانہ آں عزیز کو مزید توفیق و کمالات رضا سے کامیاب و فائز المرام کریں اور روز افزوں ترقیات قرب سے بہرہ اندوز رکھیں، ہم جیسے ضعیفا کا کچھ حال نہ پوچھو، بس جو انان تیز رفتار کی دعا و ہمتوں سے حق تعالیٰ اس ضعیف و مسکین کا بھی بیڑہ پا رہے ہیں۔“

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمانی بیاد آ حریفان بادہ پیمارا

آپ نے آخری وقت تک اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے مجاہد اور نگرانی سے غافل نہیں ہوئے بلکہ جس قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اور احتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے، بعض اوقات اہل حق اور اہل بصیرت کو بڑی لجاجت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اور اگر کہیں عجب و کبر کا شائبہ نظر آئے تو متنبہ کریں۔

مدرسہ مظاہر علوم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیز محترم حضرت شیخ الحدیث و حضرت المحترم جناب ناظم صاحب دامت برکاتہم
السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہونگے، ایک مضمون جس کا
قبل از رمضان مجھے بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اپنی قوت بشریہ کے ضعف و ضعف ایمانی کی بناء
پر بالکل نسیا منسیا ہو گیا وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اب
اسکی روز افزوں ترقی و مقبولیت کو دیکھ کر میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ
وہ کہیں عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو جائے لہذا آپ جیسے اہل حق کی نگرانی کا میں سخت محتاج ہوں
اور اپنی نگرانی کا آپ حضرات مجھے ہر وقت محتاج خیال کرتے ہوئے اس میں کی خیر پر مجھے
جمنے کی تاکید فرمادیں اور اس میں کی شر سے مجھے جھنجلاہٹ سے منع کر دیں۔

(۲۲ رمضان ۱۴۲۲ھ ۳۲ ستمبر ۱۴۲۳ء)

مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ مولانا رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
”دکھنؤ کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے یہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت
تھی، پاس کوئی مسجد نہ تھی، ان کی کوٹھی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا، خود کھڑے ہو کر
اذان دی، اذان کے بعد مجھے ارشاد ہوا کہ نماز پڑھاؤ، میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی
، نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں، دعا
کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لیکر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے
محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ پیدا ہونے لگا ہے کہ مجھ میں حجاب نفس نہ پیدا ہو جائے
، میں بھی اپنے آپ کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے
اس ابتلا سے سلامت نکال لیں، آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں۔“

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک قالین ہدیہ کیا، مولانا کی طبیعت پر قیمتی قالین بڑا بار ہوا
، اس پر ایک بڑی لطیف تقریر فرمائی اور شہر کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کر
دیا کہ ہدیہ والے نے مجھ کو عالم سمجھ کر پیش کیا تھا، میں جس کو عالم سمجھتا ہوں اس کی خدمت

میں پیش کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں۔“

مولانا کو ”ہٹو بچو“ سے بڑی نفرت تھی، فرماتے تھے کہ ہٹو بچو فرعون و ہامان کی سنت ہے چاہتے تھے کہ بے تکلف رہیں اور چلیں پھریں، کوئی ہٹو بچو نہ کہے۔ میوات کے سفروں اور جلسوں کے موقع پر بھی جہاں ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اور مولانا ہی مرکز توجہ ہوتے تھے، اسی کا اہتمام رکھتے تھے کہ پابندی اور اہتمام نہ ہو، آخری علالت میں بھی اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کو روکا اور ہٹایا جائے۔

آخری علالت کے آخری ایام میں جبکہ زائرین کی کثرت ہوتی تھی اور حالت کی نزاکت کی وجہ سے مصافحہ سے آپ کو روک دیا گیا تھا، ایک اجنبی شخص ایک دن ملنے آئے اور حاضرین مجلس کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے مصافحہ کے لیے بڑھے، ایک میواتی خادم نے بڑھ کر ان کو ہاتھ سے روک دیا جس سے وہ بہت غضبناک ہوئے اور علماء اور مولویوں کو برا بھلا کہتے ہوئے چل دیئے، حضرت مولانا نے اس میواتی خادم کو اشارہ سے بلا کے بہت تنبیہ کی اور فرمایا کسی مسلمان کا دل دکھانا اللہ کے یہاں بہت مبغوض ہے، جاؤ اس شخص سے معافی چاہو اور اس کو راضی کر کے واپس آؤ، چنانچہ اس بے چارے نے ایسا ہی کیا اور راقم سطور نے بھی مسجد سے باہر یہ تماشا دیکھا کہ وہ صاحب بے تکان گالیاں دے رہے ہیں اور وہ بے چارہ میواتی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہے اور صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے یا تو مجھے اس کو سزا دیکر یا ویسے ہی اللہ واسطے معاف کر دیجئے۔

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۱۵-۲۱۸)

(۲)۔ ”عاجزی و انکساری“۔

آپ اتنے باریک بین اور حاضر دماغ تھے کہ ایک ہی کام میں الگ الگ نیتوں کے ذریعہ ہر شخص کی سطح کے مطابق خصوصی فائدہ اور اجر و ثواب کی راہنمائی کرتے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے ایک لطیف واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اندازہ

ہوگا:

”آخر زمانہ علالت ہی میں جب کہ حضرت اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے ایک روز دو پہر میں بستی نظام الدین پہنچا، ظہر کی نماز کے لئے بعض میواتی خدام حضرت کو وضو کرارہے تھے، اس وقت مجھ پر حضرت کی نظر پڑی، اشارہ سے بلایا اور فرمایا ”مولوی صاحب! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ حضور ﷺ کو برسوں وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی حضرات ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی دیکھا تھا وہ متعلمانہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھتے تھے۔“

حضرت کا اشارہ یہ سننے کے بعد جب اس نظر سے میں نے حضرت کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ فی الحقیقت ایسی بیماری کی حالت میں وضو کے لئے حضرت کے وضو سے ہمیں بہت کچھ سبق حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت کو جو تین چار خادم وضو کرارہے تھے، یہ سب میواتی تھے ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں، میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے مجھ سے محبت اور میری خدمت کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نماز اچھی پڑھتا ہوں، جیسی تم نہیں پڑھ سکتے، لہذا مجھے وضو اس نیت سے کرا دیا کرو کہ اے اللہ! ہمارا گمان ہے کہ تیرے اس بندہ کی نماز اچھی ہوتی ہے جیسی کہ ہماری نہیں ہوتی، اس لیے ہم وضو میں مدد دیتے ہیں تاکہ تو اس نماز کے اجر میں ہمارا بھی حصہ کر دے اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تیرے یہ سادے اور بھولے بندے میرے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں، ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما کر انہیں بھی اسی میں شریک فرما دے۔“

پھر فرمایا ”اگر میں سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان سے اچھی ہوتی ہے تو اللہ کے یہاں مردود ہو جاؤں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے ان سادہ دل بندوں ہی کو وجہ سے میری نمازوں کو رد نہ فرمائے گا۔“ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۳۶)

(۳)۔ ”آخرت کا استحضار“:

اسی قبیل کی ایک چیز یہ تھی کہ قیامت کا انتظار اور آخرت کا تصور (آنکھوں کے سامنے تصور کی طرح رہنا) ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول یاد آ جاتا تھا کما نھم رای عین کہ حجابہ لہ امر رضی اللہ عنہم کے سامنے آخرت ایسی رہتی تھی گویا آنکھوں دیکھی چیز ہے۔

ایک مرتبہ ایک میواتی سے دریافت فرمایا کہ دہلی کیوں آئے؟ سادہ دل میواتی نے جواب دیا کہ دہلی دیکھنے کیلئے۔ پھر مولانا کے انداز سے اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، فوراً کہا کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے۔ پھر بدل کر کہا کہ آپ کی زیارت کے لئے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ "دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے اور میں کیا ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے۔ سڑگل جانے والا ایک جسم"۔ پھر جنت کا جو ذکر کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ جنت سامنے ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۳۷)

رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھجروی رحمہ اللہ کے
واقعات

(۱)۔ ”حشر کے روز میرے پاس اس سوال کا جواب نہ ہوگا۔۔۔۔۔“

علوم شریعت اور سلاسل طریقت میں انتہا تک پہنچے ہوئے مقام و مرتبہ کے باوجود حضرت مولاناؒ میں سادگی اور فروتنی کا وصف بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے گھریلو کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے اور طالب علموں سے مدد لینا ان کی اہانت کرنے کے مترادف سمجھتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”حشر کے روز میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا کہ رزق اور علم تو ہمارا دیا ہوا تھا۔ پھر ہمارے مہمانوں طالب علموں سے گھریلو کام کیوں کرواتے رہے ہو؟“۔

(روایت مولانا عبدالرزاق مرحوم)

(۲)۔ ”شیخ کے انتقال کے بعد اپنے مرید اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔“۔

ان کی فردنی اور سر نفسی کا شاہکار تو وہ واقعہ ہے جسے گزشتہ صفحات میں نقل کیا جا چکا ہے کہ باوجود یہ کہ وہ اپنے شیخ و مرشد حضرت خواجہ محمد عثمان کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور حضرت خواجہ سراج الدین ان کے مرید و مجاز اور تلمیذ ارشد تھے۔ مگر انہوں نے پیرو مرشد کے انتقال کے بعد اپنے ہی مرید اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ طریقت و تصوف کی تاریخ میں یہ پہلا اور اب تک آخری واقعہ ہے۔

(۳)۔ ”طلبہ کرام کی خدمت کا عجیب واقعہ“۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان کا بیان کردہ یہ واقعہ بھی ان کی کسر نفسی کا شاہد ہے جس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

”حضرت مولانا کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت مولانا ہر روز جب کہ تمام طلباء، خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ خود ہی کوزوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلباء، جب فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تھے تو انہیں وضو کے لئے کوزے پانی سے بھرے ہوئے ملتے تھے۔ میں شروع شروع میں ”واں پھراں“ گیا تو اس بات پر سخت حیران ہوتا تھا۔ میں نے ایک طالب علم ساتھی سے تذکرہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ کام حضرت مولانا حسین علی صاحب خود ہی کرتے ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اگلی رات میں تصدیق کے لئے رات بھر جاگتا رہا۔ آخر شب جب پانی کے برتنوں کے اٹھانے اور رکھنے کی آویزیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا دیکھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب کوزوں میں پانی بھرنے میں مصروف ہیں۔“ میں نے آگے بڑھ کر یہ کام کرنا چاہا تو حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تھوڑی سی خدمت سے مجھے بھی ثواب حاصل ہو جائے۔“

(۴)۔ ”اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا ایویں پانیاں نیں۔“

اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا کی سادگی کا ایک واقعہ مولانا غلام اللہ خان اس

طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”میں نے ایک بار گرم جرابوں کا ایک جوڑا حضرت مولانا کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا کہ سردیوں میں آرام رہے گا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ جرابیں کیچڑ سے لتھڑی ہوئی ہیں اور حضرت مولانا ان سے کیچڑ صاف کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت جوتا بھی تو پہننا تھا۔ اس سادگی سے مسکرائے اور فرمایا، اللہ راضی تھیوی، میں سمجھا یوں ای پانیاں نہیں۔“ (اللہ آپ سے راضی ہو میں سمجھا کہ اسی طرح پہنتے ہیں)

(۵)۔ ”مجھے اس علم و فضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہ آیا۔“

تصنع اور بناوٹ سے پاک زندگی کا ایک واقعہ مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے

”فیوضات حسینی“ کے مقدمہ میں درج کیا ہے کہ:

”ایک بار دہلی کے ایک عالم حضرت مولانا کے علم و فضل کا شہرہ سن کر وہاں پھراں پہنچے۔ اس وقت حضرت مولانا کے مٹی کا گارہ بنا کر اپنے گھر کی دیوار درست کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے لوگوں سے حضرت مولانا کے بارے میں پوچھا۔ تو کسی نے اشارے سے ان کی رہنمائی کی۔ مگر اس حالت میں دیکھ کر انہیں یقین نہ آیا۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ ان سے مذاق نہیں کیا گیا، تو انگشت بندھا رہ گئے۔ کچھ دنوں بعد جب وہ واپس جا رہے تھے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ”مجھے اس علم و فضل کا مالک عالم باعمل ہندوستان کے مرکز دہلی میں بھی نظر نہیں آیا۔“

(۶)۔ ”اس طرح کا ایک اور واقعہ۔“

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالرزاق

صاحب مرحوم نے راقم الحروف سے عند الملاقات بیان کیا کہ:

”ایک بزرگ عالم حضرت مولانا کی شہرت سن کر بمبئی سے تشریف لائے تاکہ کچھ تفسیری

اشکالات سمجھ سکیں۔ حضرت مولانا کھیتوں میں جانوروں کے لئے چارہ کاٹ رہے تھے وہیں ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ بھائی حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملنا ہے وہ کہاں ملیں گے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ابھی بتاتا ہوں چارہ اکٹھا کر کے کنکھا بنایا اور سر پر اٹھا لیا۔ اور کہا میرے ساتھ آئیں۔ اس بزرگ عالم نے انہیں حضرت مولانا کا خادم سمجھا۔ راستہ میں حضرت مولانا نے پوچھا کہ حسین علی سے کیا کام ہے؟ انہوں نے آمد کا مقصد بتایا۔ حضرت مولانا نے چلتے چلتے راستے ہی میں ان اشکالات کا حل بیان کیا۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ حضرت مولانا خادم کا کس قدر وسیع العلم ہے تھوڑی دیر بعد جب مولانا نے مسجد میں درس دینا شروع کیا تب ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ معمولی کسان حضرت مولانا کا خادم نہیں بلکہ حضرت مولانا حسین علی صاحب ہیں۔ حضرت مولانا نے انہیں بڑے اکرام سے چند دن ٹھہرایا۔ اور قرآن پاک کا خلاصہ پڑھایا اور چند دن کے بعد انہیں گھوڑی پر بٹھا کر خود ریلوے اسٹیشن تک رخصت کرنے گئے۔ واپس ہوتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ”اگر میں حضرت مولانا سے مل کر چند دن قرآن پاک نہ سمجھ لیتا تو اپنے آپ کو جاہل ہی سمجھتا۔“ (موخوذ از سوانح مولانا حسین علی ص ۹۱ تا ۹۳)

عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کے واقعات
حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب کی تربیت میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ کا اسم گرامی بھی سرفہرست ہے۔ آپ دیوبند میں ”حضرت میاں صاحب“ کے لقب سے معروف تھے۔ اور ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قدس سرہ جو حضرت میاں صاحب کے استاذ تھے فرمایا کرتے تھے کہ وہ مادر زاد ولی ہیں، بچپن میں بھی انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بچے درس گاہ میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے لیکن میاں صاحب ان سے الگ رہتے اور کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کسی تاویل یا انکار کے بجائے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیتے تھے۔

حضرت میاں صاحب حضرت والد صاحب کے استاد بھی تھے۔ پھر کتب خانہ دارالاشاعت میں دونوں شریک تجارت بھی رہے۔ اور بچپن سے لیکر بڑھاپے تک حضرت میاں صاحب حضرت والد صاحب کے اہم گھریلو معاملات میں بھی دخیل رہے اس لیے حضرت والد صاحب ان کے ایسے نبیب و غریب واقعات سنایا کرتے تھے کہ جن کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے اور جن کا جاننے والا بھی شاید حضرت والد صاحب کے سوا کوئی نہ ہو۔

(اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۵۴)

(۱)۔ ”ایثار، ہمدردی اور اخوت کی جیتی جاگتی تصویر“۔

اعزاء و اقرباء، احباب، اہل محلہ کے حقوق و جذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد با خدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحب کا اکثر مکان کچا تھا۔ جس پر ہر سال گھگل ہونا ضروری تھی۔ اگر نہ کی جاتی مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس پر گھگل کرانے کا معمول تھا اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا۔ ”ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات فرمائی۔ میرا بھی اندازہ یہی ہے۔ پانچ سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ سے پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے۔ ہم بدھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ

”میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں۔ ایسی حالت میں میاں صاحب کیا اچھا لگتا کہ اپنا مکان پختہ بنا کر بیٹھ جاتا، پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اس وقت یہ راز کھلا کہ حضرت کس مقام بلند پر ہیں۔ ان کے اعمال و افعال کا اندازہ لگانا

دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں۔ پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحب کی فطرت بنی ہوئی تھی دوسروں کا اس طرف دھیاں جانا بھی آسان نہ تھا۔

درد نیابد حال پختہ بیج خام بس سخن کوتاہ باید والسلام
میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحب نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا تو حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے گھی کھانا ترک کر دیا۔ اور فرمایا میں اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینہ کے عوام گھی کھانے لگیں۔ یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحب ہی کی زندگی میں نظر آئی۔ (ص ۵۶)

(۲)۔ ”فنائیت کا مقام بلند“۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں:

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحب کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ بر ملا فرماتے رہے۔ لیکن اسکے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی تندی سے متنبہ فرماتے۔ اختلاف بھی ”اختلاف امتی رحمۃ“ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)، کی تشریح پر تھا۔ اختلاف کی حدود سے سر مو تجاوز ان کی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی کہ شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحب کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضروری ہے۔

چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی۔ بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لیے بھی نماز کا اعلان فرمایا۔ تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے۔ اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کے لیے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کیلئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی۔ بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعے معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی۔ لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور بھی نام و نشان نہیں تھا۔ مجبور ہو کر پورہ مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔ والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنج گانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا۔ تو فرمایا کہ ”میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر میں نہیں۔ کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بدنامی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔“

سوچئے ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا

جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے لیکن یہی اختلاف جب اسلامی ڈھانچے میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دل فریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سینکڑوں اتحاد قربان ہو سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ بحوالہ ارواحِ ثلاثہ: ۴۰۸، ۴۱۰)

حافظ العصر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت :-

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

ان کا دوسرا وصف خاکساری و تواضع تھا۔ چڑا سیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، بازار سے چیز خرید کر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لانے میں تامل نہ تھا۔ اس قسم کے کام جو لوگ اپنے لئے تو بین سمجھتے تھے اس بے تکلفی سے انجام دیتے تھے کہ چہرہ پر میل نہ آتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وہ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ ساتھ میں متعدد ماسٹر اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اور وہ چلتے ہوئے خود بازار سے کوئی مٹھائی یا کھانے کی چیز خریدتے ہیں، خود بھی کھاتے ہیں۔ اور خریدتے ہیں، خود بھی کھاتے اور ان کو بھی کھلاتے ہیں۔

فرماتے تھے میرے لئے یہ سادہ اسلامی شکل و صورت تہذیب کی بجائے عزت کا سامان بن گئی ہے۔ انگریز افسر بھی عزت کرتے ہیں۔ دیانت دار سمجھتے ہیں، ہمیشہ انہوں نے میرے کلام کو پسند کیا ہے۔ سرکار نے بے وجہ خان بہادر نہیں بنایا، ترقی پر ترقی دی اور کسی موقع پر بھی میری ڈاڑھی اور لمبا کرتا میری کسی ترقی میں حارج نہیں ہوا۔ (گفتہ مجذوب ص ۷)

”نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں؟“

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جلسہ (نشست) میں چوبیس ہزار بار ذکر اسم ذات کرتے تھے، پھر بھی فرماتے تھے ”نہ جانے ایمان بھی ہے کہ نہیں“۔ (احسن السوانح ص ۳۲۳)

فرمایا: ایک بار حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں حوض کے کنارے گھوم کر بار

بار فرما رہے تھے ”پتہ نہیں ایمان بھی ہے کہ نہیں“، ”پتہ نہیں ایمان بھی ہے کہ نہیں“۔

(ایضاً ص ۳۵۲)

حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمٹھلوی رحمہ اللہ کی بے نفسی

آپ کے فرزند ارجمند فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آج اگر کسی کو دین کی خدمت کا موقع ملتا ہے۔ تو اس کا نفس پھولتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں، لوگوں کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی، اس پر حضرت والد صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ برسہا برس لگا تا تھا نہ بھون میں مفتی رہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نگرانی میں دین کی خدمت کی، فتاویٰ وغیرہ لکھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مجاز صحبت بنایا تو اس پر بے نفسی ملاحظہ ہو کہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ”حضرت اگرچہ میں اس کا اہل نہ تھا، لیکن جس طرح آپ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے پڑھاتا ہوں، فتویٰ لکھنے کا حکم دیا لکھ دیتا ہوں، پڑھانے کا حکم دیا پڑھاتا ہوں، اسی طرح آپ کا حکم سمجھ کر بیعت بھی کر لیا کرونگا، آپ کے حکم کی تعمیل ہی سمجھوں گا۔“

یہ تھی بے نفسی ان لوگوں کی، کسی قسم کی بڑائی یا فخر نہیں کیا حالانکہ برسہا برس تک خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ (حیات ترمذی ص ۵۶۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی تاریخ:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قائد اعظم اور لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو کراچی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ ہی آپ کراچی تشریف لائے۔

شیخ الاسلام کا اپنے وطن دیوبند سے یہ سفر اچانک عمل میں آیا تھا۔ اہل وعیال اور کل سامان دیوبند میں تھا مگر اعلان پاکستان کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی نیت سے پاکستان کو اپنا وطن

بنالیا اور اس کے بعد کبھی اتفاقی صورت سے بھی وطن جانا نہیں ہوا۔ (چند عظیم شخصیات ص ۵۴)
(۲)۔ ”شیخ الاسلام کا اخلاص اور زاہدانہ زندگی“۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں سے ہندوستان منتقل ہونے والے ہندوؤں کے مکانات اور مٹروکہ جائیدادیں کراچی اور ہر شہر قصبہ میں کھلی پڑی ہوئی تھیں اور پاکستان میں آنے والے مہاجرین ان پر باجارت یا بلا اجازت قبضہ کر رہے تھے، بناء پاکستان میں حصہ لینے والے اکثر حضرات کو بھی بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے اس طرح ہاتھ آئے۔ مگر شیخ الاسلام اس وقت بھی اپنے مختلف دوستوں کے مکانات میں عاریتاً رہتے رہے۔ اس طرح مختلف مکانات بدلے اور آخر عمر تک زندگی یوں ہی گزاری کہ وفات کے وقت بھی ایک صاحب کے مکان کے ایک حصے میں مقیم تھے جس کے دو کمرے انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کو عاریتاً دے رکھے تھے۔ اپنے لئے نہ مکان لیا نہ بنایا۔ شب و روز پاکستان کی صلاح و فلاح کی فکروں اور کوششوں میں ہمہ تن مصروف رہتے اور عسرت کے ساتھ متوکلانہ زندگی گزارتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ نہ کوئی مکان نہ دوکان نہ بینک بیلنس نہ ساز و سامان۔
(چند عظیم شخصیات ص ۵۴)

(۳) ”غریب کی دلجوئی“۔

محترم منشی عبدالرحمن خان مرحوم حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک جلسہ کے اختتام کے بعد جب وہ واپس ہونے لگے تو اچانک سامنے ایک شخص ”عبدالستار“ نامی آ گیا اور اس نے آپ کو دیر دینہ وعدہ یاد دلایا، کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب ملتان آؤنگا تو تمہارے پاس ضرور چائے نوش کروں گا آپ کے چند ہمراہیوں نے انہیں یہ دعوت ٹالنے کے لیے کہا۔ کیونکہ ہ بیچارہ ایک مسکین سا آدمی تھا، جسے کوئی خاطر میں نہ لارہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ اس لیے میں اس کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا۔ وہاں سے وہ اسکے ساتھ موٹر میں روانہ ہو پڑے، میں ساتھ تھا،

اس غریب مسکین سے جو کچھ ہو سکا اسے آپ نے بڑی محبت سے نوش فرمایا اور واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے کہ ”ہمارے جانے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا مگر اس کا جو دل خوش ہو اے۔ کیا یہ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔“ یہ انکے علم و فضل کی ایک معمولی سی جھلک تھی جو اتنا بھی برداشت نہ کر سکے کہ جیسے محض غربت اور مسکینی اور پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھا جا رہا ہے اس کی دل شکنی کی جائے۔

(ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام شمارہ ۶۲)

مولانا عبدالمجید صاحب پچھراٹوی (خلیفہ مجاز حکیم الامت رحمہ اللہ) کی تواضع و فنائیت :-

پروفیسر احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں :

مولانا عبدالمجید صاحب نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت تھانوی سے تعلق قائم کیا اور راہ سلوک میں خوب محنت مشقت کی، آپ کو کشف بہت ہونے لگا تھا یہاں تک کہ معمولی جڑی بوٹی بھی بولتی تھی کہ میں فلاں بیماری کا علاج ہوں۔ آپ نے ایک کاپی لیکر اس میں اپنے کشف اور جو بات ذہن میں آتی جمع کر فرمائی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کی اطلاع ہوئی تو ایک روز مجلس میں گول مول الفاظ میں سب کے سامنے کہا کہ یہ بڑا بٹے اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض بہت برا ہے، اگر کوئی ایسا مریض میری مجلس میں ہے تو یہاں سے چلا جائے یہ بھی دراصل آپ کا بہت بڑا امتحان تھا کہ آیا خود اپنی غلطی کو مانتے ہیں یا نہیں، آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھ میں یہ مرض ہے، حضرت نے فرمایا فوراً خانقاہ سے نکل جاؤ اور اہل خانقاہ سے فرمایا کہ ان سے کوئی بات نہ کرے، آپ نے وہ کاپی جلادی اور سارا دن حجرے میں پرے رہتے صرف نماز کے لئے باہر نکلتے، دعا و استغفار کرتے رہتے کہ ایک روز حضرت قدس سرہ نے خود کہا ابھیجا کہ مجھے خوش کرنا ہے تو آج نماز پڑھاؤ، آپ نے حسب حکم نماز پڑھائی اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے صحابہ نے حضور ﷺ کے حکم سے بولنا بند کر دیا تھا اور پھر ان

کی برات پر جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ نماز میں پڑھیں، نماز کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اعلان فرمایا کہ اب ان سے بولنے کی اجازت ہے اور اس واقعہ سے اگر کوئی ان کی تذلیل کرے گا تو اس کے اعمالِ خط (ضائع) ہو جائیں گے، مولانا کے پاس جو رقم تھی وہ حضرت قدس سرہ کو پیش کی کہ بدیہ قبول فرمائیں وہ قبول فرمایا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمائے گئے:

”میں نے ایسا مسہل آپ کو دیا ہے جو پہلے کسی کو نہیں دیا تھا، الحمد للہ آپ کامیاب ہوئے اور مجھے یہی امید تھی کہ آپ اسے برداشت کریں گے۔“

(بزم اشرف کے چراغ ص ۶۳)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے واقعات :-
(۱) ”اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا“ :-

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریر میں فرماتے ہیں:

”یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی علمی عظمت کا پوری طرح قائل ہونے کے باوجود ان کے دوسرے قسم کے کمالات سے ہمیشہ زیادہ متاثر رہا ان کے جس کمال کا نقش میرے دل پر سب سے زیادہ گہرا ہے وہ انکی بے انتہا تواضع اور بے نفسی ہے۔ اس بارے میں اس عاجز کا جو تاثر اور احساس ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ نے ان کو جتنی بلندیاں عطا فرمائی تھیں وہ اتنے متواضع اور بے نفس تھے۔ ان سے ملنے والے ان کے کسی نیاز مند نے بھی کبھی محسوس نہ کیا ہوگا کہ وہ اپنے کو کچھ بھی سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے بہت چھوٹوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے اور ایسا معاملہ کرتے کہ انہیں شرم آتی اس عاجز نے اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا۔ اور دوسری خاص بات جس سے عاجز بہت متاثر ہے یہ ہے کہ بعض روایتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ ”کان بخدم

نفسہ“ (آپ خود ہی اپنے خادم تھے، اپنے گھر اور اپنی ذات کے معمولی معمولی کام خود کرتے تھے۔) حضرت مفتی صاحب اس اسوۂ نبی کے خاص نمونہ تھے۔ اس بلند مقامی کے باوجود اپنے گھر کے بچوں کے بہت سے ایسے معمولی اور حقیر کام خود کیا کرتے تھے۔ جن کے کرنے میں ایک معمولی آدمی بھی اپنی توہین سمجھے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی ان سیرتی خصوصیات سے اتنا متاثر ہے کہ ان کے ہاتھ پر کھل کر امتیں دیکھتا تو غالباً اس سے زیادہ متاثر نہ ہوتا۔“

(ماہنامہ القاسم ”مفتی اعظم نمبر“ ص ۱۴)

(۲) ”سب سے بڑا متکبر وہ ہے جو اپنی خدمت کو اپنے لیے عار سمجھے۔“

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”ان کے خضائص میں تھا کہ دوسروں سے خدمت نہ لو بلکہ انکی خدمت کرو اور اپنی خدمت خود کرو۔ چنانچہ جب آپ ملتان جیل سے واپس آئے تو اس وقت بچہ بچہ آپ کی عظمت سے واقف ہو چکا تھا۔ میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ بازار سے دودھ خرید کر دیکھی ہاتھ میں لئے ہوئے جارہے ہیں۔ میں نے لپک کر دیکھی ہاتھ میں لینی چاہی تو پیچھے پھر کر مجھ کو دیکھا اور دیکھی ہاتھ میں دیدی میں نے عرض کیا کہ گھر میں اور کوئی نہ تھا جو اس خدمت کو انجام دیتا تو فرمایا کہ ”سب سے بڑا متکبر وہ ہے جو اپنی خدمت کو اپنے لیے عار سمجھے۔“ (بحوالہ بالا ص ۵۴)

(۳) ”اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے۔“

مولانا ضیاء الحق صاحب دہلوی (مدرس مدرسہ مینہ دہلی) رقمطراز ہیں:

”گھر کی صفائی کرنے اور برتن مانجھ لینے میں آپ عار کو محسوس نہ کرتے تھے۔ بازار سے دو پیسوں کا سودا بھی خود ہی خرید لاتے تھے آپ کو کوئی اجنبی تنکوں کی ٹوپی

اور اُسے، کھڑاویں پہنچے سادہ لباس میں پھرتے دیکھ کر کبھی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دنیا کی اتنی مقبول اور برگزیدہ ہستی ہے۔ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادی تھے۔ اس لئے کسی کا کیا ہوا کام مشکل سے پسند آتا تھا۔“ (ص ۱۰۴)

مخدوم المملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے واقعات
(۱)۔ ”تمام تصوف کا حاصل خود کو مٹا دینا ہے۔“

حضرت حکیم محمد اختر صاحب ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

فرمایا کہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ سے جب پہلی ملاقات کی اور اس وقت میں بھی حاضر تھا تو سید صاحب نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمادیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے فاضل کو کیا نصیحت کروں؟ لیکن اپنے بزرگوں سے جو سنا ہے اسی کا تکرار کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تمام تصوف کا حاصل اپنے کو مٹا دینا ہے بس سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے اسی وقت یہ شعر کہا۔
بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر راز ضبطِ غم دو آنسو کہہ گئے لیکن شکستِ دل کا افسانہ (عارفی)

اس کے بعد یہ اشعار سنائے۔

نہ چھوڑا شانہ تک دل میں احساسِ دو عالم کا

معاذ اللہ محبت کا یہ اندازِ حریفانہ

خبر کیا تھی بنائے گی محبت ایسا دیوانہ

مجھے بننا پڑے گا خود محبت ہی کا افسانہ (عارفی)

پھر سید صاحب تھانہ بھون گئے۔ تین دن مجلس میں شریک ہوئے تیسرے دن کھڑے ہو کر سہ دری پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔ فرمایا تمام عمر جس کو علم سمجھا تھا اب معلوم ہوا کہ سب جہل تھا علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے اور سید صاحب نے فرمایا۔

جانے کس انداز سے تقریر کی پھر نہ پیدا شبہ باطل ہوا
 آج ہی پایا مزار قرآن میں جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
 (البلاغ حضرت عارفی نمبر ص ۳۱۹)

(۲)۔ ”بھائی! ہمارے طریق میں تو اول و آخر اپنے آپ کو منادینا ہے۔“

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے علم و فضل کا طوطی بول رہا تھا، اور
 ڈنکانج رہا تھا، وہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ جب میں نے ”سیرت النبی ﷺ“ چھ جلدوں
 میں مکمل کر لی، تو بار بار دل میں یہ خلش ہوتی تھی کہ جس ذات گرامی کی یہ سیرت لکھی ہے ان
 کی سیرت کا کوئی عکس یا کوئی جھلک میری زندگی میں بھی آئی یا نہیں؟ اگر نہیں آئی تو کس
 طرح آئے؟ اس مقصد کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش ہوئی، اور یہ سن رکھا تھا کہ حضرت
 مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تھانہ بھون کی خانقاہ میں مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا
 فیض پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانے کا ارادہ کر لیا، سفر کر کے تھانہ بھون پہنچ
 گئے اور حضرت مولانا سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور کئی روز وہاں مقیم رہے۔ جب واپس رخصت
 ہونے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! کوئی نصیحت فرما دیجئے
 ، حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بڑے علامہ کو کیا نصیحت
 کروں؟ ہم فضل کے اعتبار سے پوری دنیا میں ان کی شہرت ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ
 سے دعا کی یا اللہ! میرے دل میں ایسی بات ڈال دیجئے جو ان کے حق میں بھی فائدہ مند ہو
 اور میرے حق میں بھی فائدہ مند ہو۔ اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت
 سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”بھائی! ہمارے طریق میں تو اول و آخر اپنے آپ کو منادینا ہے۔“

حضرت سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی نے یہ الفاظ کہتے وقت
 اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جا کر نیچے کی طرف ایسا جھکا دیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے

دل پر جھٹکا لگ گیا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر (عبدالحی عارفی) صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو ایسا منایا کہ اس کی نظیر مانی مشکل ہے۔ ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندوی مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں۔

یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

(اصلاحی خطبات: جلد ۵ ص ۳۷)

(۳)۔ ”حضرت سید صاحب کی علامہ بنوری سے عاجزانہ درخواست“

مولانا محمد یوسف لدھیانوی علامہ بنوری کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالت قدر اور علوم مرتبت سے

کون ناواقف ہے؟

علامہ اقبال کے الفاظ میں ”علوم اسلامی کی جوئے شیر کافرباؤ جس کے سامنے بڑے بڑے جہال علم ”مورنا توں“ نظر آتے تھے ان کی بے نفسی و تواضع، خلوص و للہیت اور مجاہد آخرت کی فکر دیکھئے کہ وہ آخری عمر میں حضرت بنوری سے فرماتے تھے:

”مجھ سے ابتدائی دور میں بعض قلبی لغزشیں ہوئی ہیں ان میں کچھ چیزوں پر تو مجھے تنبیہ ہوا اور میں نے ان کی اصلاح کر لی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ (حضرت بنوری) جیسے حضرات میری کتابیں غور سے پڑھیں اور ان میں کوئی لغزش نظر آئے تو مجھے متنبہ فرمائیں تاکہ میں ان سے رجوع کر لوں۔“

حضرت سید صاحب کا یہ ارشاد راقم الحروف نے حضرت بنوری سے سنا تھا۔

(بینات، علامہ بنوری نمبر ص ۳۳۲)

(۴) ”میں ان کی تواضع و سادگی کو دیکھ کر تو مسحور ہی ہو گیا۔“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جو سید صاحب کے پیر و مرشد اور شیخ طریقت بھی تھے سید صاحب کے زور قلم اور استخراج مطالب کے قائل تھے۔ ان کی منور خانہ خدمات کا اعتراف انہوں نے اپنی مجلسوں اور تصانیف میں بار بار کیا ہے۔ بزم اشرف کے چراغ کے حوالے سے یہ بات نقل کی جا رہی ہے کہ مولانا تھانوی نے ایک بار فرمایا:

”مولانا سیدمان ندوی صاحب دفعۃ تشریف لائے میں مکان پر تھا، سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل و عریض تھا۔ ملا تو معتدل الخلق پا کر قلب کو بہت انس ہوا پھر ملاقات و مکالمات سے ان کی تواضع و سادگی، رعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا۔“

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے سید صاحب نے ۱۹۳۸ء میں اصلاح کا تعلق پیدا کیا مرید و مرشد میں اتنی مناسبت تھی کہ بہت جلد سید صاحب سلوک کے مدارج طے کر گئے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو مولانا اشرف علی تھانوی نے سید صاحب کو خلافت دے کر فرمایا:

”الحمد للہ مجھے اب کچھ فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔“

(بیس علمائے حق ص ۱۱۹)

(۵) ”درخواست نصیحت“:-

غرض لکھنؤ کی مذکورہ حاضری کے بعد حضرت والا کی طبیعت اب پوری قوت کیساتھ اپنے شیخ عالی مرتبت سے اخذ فیض کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ذوق و شوق نے بار بار تھانہ بھون کی حاضری پر مجبور کر دیا اور شیخ کے خصوصی الطاف سے برسوں کے مراحل ممنوں میں طے ہونے لگے۔ ڈاکٹر صاحب مدظلہ، نے فرمایا کہ ”ایک مرتبہ حضرت سید صاحب خانقاہ تھانہ بھون تشریف لائے محفل خاص آراستہ تھی سید صاحب حضرت مولانا تھانوی سے متصل بیٹھے ہوئے تھے، چپکے سے سید صاحب نے کوئی بات حضرت شیخ کے گوش گزار فرمائی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ نے سید صاحب کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا ہم لوگ اس عرض و ارشاد کو سن نہ سکے، مگر دیکھا یہ کہ دفعۃً سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا، یہاں

تک کہ سسکیاں بندھ گئیں، پھر سید صاحب رخصت ہو گئے، ساری محفلِ محو حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا تھا لیکن بارگاہِ اشرفیہ میں استفسار کی کس کو مجال ہو سکتی تھی۔ ایک عرصہ بعد حضرت خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب) نے جرأت کر کے وہ بات پوچھی تو حضرت حکیم امت نے اس کا اظہار فرمایا اور خواجہ صاحب نے اس واقعہ کو بلا اظہار نام کے اشرف السوانح میں بھی درج فرمایا۔ وہ یہ ہے:

شیخ عالی مقام کی اس نصیحت کا باخلاص مرید کے قلب نے ایسا اثر قبول کیا کہ پھر صاحب نظر حضرات اس بات پر متفق ہو گئے کہ ”حضرت سید صاحب نے فنائیت میں جو کمال حاصل کیا اس کو کوئی نہ پاسکا۔“ (”تذکرہ سلیمان“ ص ۱۲۳)

(۶) ”خلافت سے سرفرازی“:-

اگست ۱۹۳۸ء کو حضرت سید سلیمان نے راہ سلوک میں قدم رکھا اور اب اکتوبر ۱۹۴۲ء آ پہنچا تھا، مسافر نے عشق و معرفت کی اتنی منزلیں طے کر لی تھیں کہ اب وہ مجدد وقت حضرت تھانوی کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے پوری طرح

استخارہ واستشارہ:- حکیم الامت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا، استخارہ سے تائید وتقویت پائی، پھر حضرت والا کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا عنوان تھا کہ۔۔۔۔۔۔ ”استشارہ بعد از استخارہ“۔۔۔۔۔۔ اس میں لکھا تھا کہ ”میراجی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں، میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کر لیا ہے، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟“

”آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا“

عطاءِ خلافت:

بس اس کے بعد سید والا مرتبت کو سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمادی اور مسند ارشاد پر ان کو متمکن فرمادیا۔ پھر خود اپنی حیات میں بعض اپنے زیر تربیت افراد کو بھی اپنے خلیفہ مجاز

کے سپرد فرما دیا، یہ واقعہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کا ہے۔
 شیخ الشیوخ کا تاثر:-

اس بات کے راوی حافظ عثمان صاحب دہلوی ہیں (جو خود بھی حکیم الامت کے فدائی اور خلیفہ مجاز تھے) کہ:-

”حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت والا (حکیم الامت) اس درجہ مسرور و مطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ ”الحمد للہ مجھے اب کچھ فکر نہیں، میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں“

مرشد اور وہ بھی مرشد تھانوی جیسے شیخ محقق کی نگاہ تحقیق میں یہ اعتبار کوئی معمولی امتیاز ہے؟
 خلیفہ مجاز کا حال:

بہر حال شیخ کا تاثر تو وہ تھا، خود خلیفہ مجاز کی کیفیت بھی قابل دید ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس عطاء خلافت کے ساتھ ہی حضرت والا پر نیستی اور فنایت بدرجہ اتم چھا گئی، وہ غرق عبدیت ہو گئے، اس اثر میں ڈوب کر حضرت نے جو غزل کہی ہے وہ ان کے نزول پر شاہد ہے یہ غزل جس طرح حضرت والا کی قلمی بیاض میں درج ہیا سی طرح یہاں نقل کی جاتی ہے:

ابھی تو مشق فغاں کنج میں ہزار کرے	اثر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے
جو آج لذت درد نہاں کا جو یا ہے	وہ پہلے سوز سے دل لو تو داغدار کرے
انھیں کے دینے سے ملتا ہے، جس کو ملتا ہے	وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے
ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو	مجال ہے جو کوئی ان کو ہمکنار کرے
سنا تو دے انھیں افسانہ غم، ہجران	وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے
وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو	وہ طرز نالہ ہو جوان کو یہ قرار کرے
تری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا	تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے
تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں	وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے

(ماخوذ از "تذکرہ سلیمان" ص ۱۴۰ تا ۱۴۲)

(۷) ”مدح و ذم ایک“ :-

مقامات سلوک میں ”تواضع“ عہدیت کا ایک اعلیٰ مقام ہے مگر خود اس مقام میں بھی رسوخ کے اعتبار سے ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق پیدا ہو جاتا ہے، ”کامل متواضع“ وہ ہے جو نفس کے انفعالات سے بلند و بالا ہو جائے، اسی کو حدیث شریف میں ”ہجرت نفس“ سے تعبیر فرمایا گیا اور ”اصل ہجرت“ قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ”مہاجر الی اللہ“ یا کامل انسان کی شناخت یہ ہے کہ اس کے لئے اپنی مدح و ذم ایک سی ہو جاتی ہے، نہ واہ واہ سے وہ پھولتا ہے اور نہ ملامت سے مرجھاتا ہے۔ خال خال ہستیوں کو اس مقام تک رسوخ میسر آتا ہے، مگر اللہ کی دین کہ سلیمان عالی نے آن کی آن میں اس مقام کو بھی فتح کر لیا۔

ڈاکٹریت کے اعزاز خاص پر آپ نے دیکھا کہ سلیمانی نفس نے اپنے اندر اتنا تغیر بھی محسوس نہیں کیا جتنا ایک نیا کپڑا پہننے پر کسی میں پیدا ہو جاتا ہے اور شیخ الشیوخ حضرت تھانویؒ نے اسکی تصدیق بھی فرمادی کہ بیشک وہ اس انفعال سے برتر و بالا ہو چکے تھے،۔۔۔۔۔ اب ایک واقعہ تنقیص کی بے اثری اور عرفان نفس کا بھی ملاحظہ ہو۔

ایک روز راقم کی موجودگی میں دو منکرین حدیث حضرت والا کی خدمت میں آئے اور اپنے مسلک کی گفتگو آغاز (شروع) کی عوی یہ کیا کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہت آسان بھی ہے اور تائید میں یہ آیت پڑھ دی کہ ”وَلَقَدْ يَسْرِنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ فَهَلْ مِنْ مَّدْكَرٍ“ حضرت والا مخاطب کی لیاقت کو تاڑ گئے، دریافت فرمایا کہ آیا عربی سے واقفیت ہے؟ جواب اثبات میں ملا تو فرمایا اسی آیت کا ترجمہ کر دیجئے۔ مخاطب نے مفہوم بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو ترجمہ پوچھا تھا، پھر فرمایا کہ خیر یہی بتا دیجئے کہ یہ لفظ مدکر کیا ہے؟ اور اس کا مادہ کیا ہے، مسئلہ نے فوراً کہا کہ یہ لفظ ”دکر“ سے بنا ہے اور اس کے معنی سمجھے کے ہیں! حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو ٹھیک اسی جواب کی توقع تھی، یہ تو آپ حضرات کی عربی دانی ہے، اور اس پر قرآن فہمی کا دعوے! پھر ان دونوں کو حضرت نے

نہایت شفقت سے سمجھایا کہ یہ لفظ ”ذکر“ سے مشتق ہے اور فلاں قاعدہ کے تحت ”ذ“ ”ذ“ سے بدل گئی وغیرہ، اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ پہلے عربی زبان، پھر متعلقہ علوم قرآنی کے حصول کی طرف توجہ کی جائے اور پھر قرآن پاک میں غور و فکر کریں! _____ اس گفتگو سے بظاہر وہ دونوں حضرات متاثر اور پشیمان بلکہ ممنون ہو کر گئے۔ مگر یہاں سے جا کر اپنے مرشد جناب پرویز کونا معلوم کیا روئیداد سنائی کہ تازہ ”طلوع اسلام“ میں پرویز نے حضرت والا کے اخلاق پر حملہ کرتے ہوئے نہایت سخت بازاری لب و لہجہ میں ایک نوٹ لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ ہمارے دو آدمی ان سے بات کرنے گئے تو وہ نہایت بداخلاقی سے پیش آئے، اصل گفتگو بالکل قلم انداز کر دی۔

اس شذرہ کو پڑھ کر حضرت والا کے سب ہی جاننے اور ماننے والوں کے دل کو جرحت پہنچی، مگر صاحبزادہ سلمان سے رہا نہیں گیا، انہوں نے حضرت والا سے عرض کی کہ اس غلط بیانی اور اتہام کا جواب ضرور دیا جانا چاہیے۔ حضرت اقدس نے نہایت ناگواری کے لہجہ میں فرمایا:

”کیوں دیا جانا چاہیے، کسی ایک شخص نے کبھی کوئی بات خلاف لکھ دی تو اس پر اتنا غصہ! جب لوگ تعریف کے پل باندھتے ہیں تو اس وقت بھی کبھی خیال آتا ہے کہ یہ لکھ دیں کہ ہمارے ابا جان میں اتنے اوصاف نہیں ہیں،؟ اللہ اکبر! کس مقام ارفع سے فرما رہے تھے۔ غرض اس جواب کو سن کر صاحبزادہ سلمہ، خاموش ہو رہے اور گھر میں چلے گئے، پھر اس راقم حقیر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا:-

”لڑکپن ہے، اس لئے اس قسم کے خیالات ہیں، ہم بھی اپنی نو عمری میں بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ایک مضمون ایسا لکھ دیں گے کہ مخالف کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی، یہ سب طفلانہ باتیں ہیں۔ اب تو بحمد اللہ نہ کسی کی واہ واکا کچھ اثر ہے نہ کسی کے طنز و تشنیع کا مخلوق کی مدح و قدح سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیے کہ خالق و مالک ہم سے راضی ہے یا نہیں؟“

بات بظاہر آئی گئے ہوگی مگر دو ہی تین ہفتے گزرے ہوں گے ملتان سے ماہنامہ صدیق الصدیق کا نیا شمارہ جو آیا تو مدیر فاضل کی طرف سے اس میں پرویز صاحب کا ترقی بہ ترقی جواب بھی تھا اور حضرت والا کے اخلاق کریمانہ کی تو صیف بھی۔ مرشد عارف کی نظر اس پر پڑی تو صاحبزادہ کو طالب فرمایا اور ہنستے ہوئے بہ کمال بلاغت ارشاد ہوا:-

”لیجئے لیجئے سلمان میاں جدی دیکھینے!، اس رسالہ میں طلوع اسلام کا جواب چھپا ہے اور آپ کے ابا کی برات اور بڑی تعریف چھپی ہے اب تو آپ کے ابا اچھے ہو گئے اور آپ کی تمنا پوری ہو گئی۔“ اللہ! اللہ عارف کی نگاہ میں خلق کی تعریف یا مذمت کس درجہ مضحکہ کہ خیز ہوتی ہے ہم ہیں کہ فانی مخلوق کو پیمانہ عزت و ذلت بنائے ہوئے، اور ایک عارف ہے کہ ہر فانی کو ”لا احب“ سے قطع کر کے صرف محبوب پر ٹٹکی لگائے رہتا ہے۔

بہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجیا

(ماخوذ از ”تذکرہ سلیمان“ ص ۳۱۴ تا ۳۱۷)

(۸) ”اب تلافی مافات میں مصروف ہوں“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فیض صحبت سے سید صاحب کی زندگی میں اس قدر واضح انقلاب رونما ہوا کہ وہ ایک طرف دنیائے علم سے دنیائے معرفت کی طرف آ گئے۔ اس زمانے کی کیفیات کا اندازہ سید صاحب کے اپنے مکاتیب وغیرہ سے بھی ہوتا ہے۔

مولانا عبد الباری ندوی کے نام وہ ایک خط میں رقم طراز ہیں:

”دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھی وہ عملاً سمجھ میں آ گئی اور اب تلافی مافات میں مصروف ہوں۔“

اسی طرح مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک مکتوب میں لکھا ہے:

”واہ واہ کاہزہ بہت اٹھا چکا اور اب یہ رنگ اتر چکا۔ اب تو آہ آہ کا دور ہے، اور اپنی کچھلی تباہی پر ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے۔“

(مکاتیب سلیمان مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی مکتوب ۱۱۹)

شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات
(۱)۔ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام:

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:
حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ذکر فرمایا کہ حضرت شیخ الادب صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کی یہ ادا سارے مدرسے میں مشہور تھی کہ وہ ہر کس و نا کس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا
اہتمام فرماتے تھے۔ اور کوئی دوسرا شخص عام طور سے انہیں سلام کرنے کی ابتداء نہیں کر پاتا
تھا۔ بعض اوقات طلباء پہلے سے طے کر کے کوشش کرتے کہ آج ہم مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو
پہلے سلام کریں گے لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص ۷۳)
(۲)۔ ”میں امیر ہوں، میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے“۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا اعزاز علی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ میں بھی انکے ساتھ تھا۔ سفر کے
آغاز میں حضرت مولانا نے فرمایا۔ ”اپنے میں سے کسی کو امیر سفر بنا لو!“ ہم نے عرض
کیا! ”حضرت! امیر تو متعین ہیں“۔ فرمانے لگے ”اگر مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو پھر میری
مکمل اطاعت کرنی ہوگی“ ہم نے کہا ”انشاء اللہ ضرور“۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب
سامان اٹھانے کا مرحلہ آتا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود آگے بڑھ کر نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا
بھی سامان اٹھا لیتے۔ ہم لوگ سامان اٹھانے پر اصرار کرتے تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ”میں امیر ہوں“ میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے“۔

اس کے بعد سارے سفر میں یہی معمول رہا۔ کہ جب کوئی مشقت کا کام ہوتا تو مولانا رحمۃ
اللہ علیہ آگے بڑھتے اور ہم مداخلت کرتے تو اطاعت امیر کا حکم سنا کر خاموش کر دیتے۔

(ایضاً ص ۷۳، ۷۴)

رئیس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے واقعات ۔

(۱) ”مولانا گیلانی کی صاف دلی“:

عرض یہ کرنا ہے کہ مولانا گیلانی کے ذہن و فکر کی دور رس اور مطالعہ و معلومات کی وسعت اور اسی کے ساتھ نتائج اخذ کرنے کی جو مجتہدانہ صلاحیت تھی، آپ کے ہم عصر علماء اور تلامذہ دونوں ہی اس کے قائل ہیں۔

اس کے ساتھ مولانا کا دل اس قدر صاف اور بے غل و غش تھا کہ کبھی اپنی بڑائی اور استعداد پر کبر و غرور کا شائبہ بھی نہیں پایا گیا، بلکہ سراپا تواضع بنے رہتے، اپنے چھوٹوں کو خوب ابھارتے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے، حتیٰ کہ کبھی کبھی اگر وہ نا سمجھ ہوتا تو بے جا تعلیٰ میں مبتلا ہو جاتا۔

مولانا ندویؒ نے لکھا ہے:-

”ملنے جلنے خط و کتابت وغیرہ کسی چیز میں اپنی دینی و دنیوی، علمی و ذہنی برتری یا دوسروں کو ان کی کمتری محسوس نہیں کراتے بلکہ خردوں، شاگردوں کو اتنا بڑھاتے کہ بزرگوں، بڑوں کے لئے زبان و لغت جواب دے جاتے، حضرت حالی کی طرح حضرت گیلانی نے بھی کہنا چاہیے اپنی ”خاکساری“ کا مستقل کام ہی یہ بنا رکھا تھا کہ ہر حال و قال سے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ بناتے رہیں۔“

خاکساری اپنی کام آئی بہت

ہم نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا“

(حیات مولانا گیلانی ص ۱۶۷)

(۲) ”نفس پر قابو“:

مولانا گیلانی کا نفس مسلمان ہو چکا تھا، وہ تابع رہتا، کبھی اپنے اوپر اس کو غلبہ کا قطعاً موقع نہیں دیتے، طبیعت میں نہ ضد تھی اور نہ ہی تعلیٰ و ترفع، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ سے جب شکوک و شبہات کی شکایت تھی اور شیخ الہند نے فرمایا تھا

جاؤ اب کوئی اس طرح کی بات نہیں ہوگی، ایسا معلوم ہوتا ہے اسی دن سے مولانا کا قلب اور دماغ مومن کامل ہو گیا تھا، جس کا مولانا نے خود اعتراف بھی کیا ہے، اور جو پہلے نقل بھی کیا جا چکا ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی جو حکیم الامتہ تھانوی کے مسترشد تھے، اور بہت سنبھلی ہوئی طبیعت کے مالک اور کتاب و سنت کے باب میں شدت رکھتے تھے، اور برہابرس حضرت گیلانی کے ساتھ حیدرآباد میں ان کا رہنا سہنا ہوا، انہوں نے لکھا ہے۔

”سالہا سال روزمرہ ہر طرح کے نجی سے نجی اور قریبی سے قریبی تعلقات و معاملات کا سابقہ رہا

ایک بات بھی یاد نہیں جس میں بات کی چیچ یا نفس و نفسیات کی ضد اور ہٹ کا کوئی نام و نشان ملا ہو۔ بلکہ دوسروں کی سخن پروری و خودرائی کے سامنے خود ہی سپردال دیتے۔ مزاحمت و مقابلہ طبیعت میں تھا ہی نہیں، فنا ہی فنا کا غلبہ رہتا، اس فنائیت کی قدر پوری طرح جب ہوتی ہے کہ علم و قلم، دین دنیا کی کوئی بڑائی رکھنے والا خصوصاً ان کی ہم عصروں کے رنگ و روش کا اس پہلو سے مقابلہ پڑتا ہے، اس لحاظ سے مولانا کو اپنے ہم چشموں میں فرید ہی پایا۔“

(ایضاً ص ۱۶۹)

(۳) ”مرشد بننے سے گریز“:

گیلانی کی ایک حاضری کے موقع سے ایک دن بیٹھے ہوئے حیدرآباد کے کچھ واقعات سنائے گئے۔ اس موقع سے اور باتوں کے ساتھ یہ بھی سنایا کہ ایک زمانہ میں میری تقریر حیدرآباد میں بڑی مقبول تھی، اور میری تقریر میں بڑا مجمع ہوا کرتا تھا، مسجد میں جمعہ کے دن مجمع کی کرویدگی کا عالم عجیب ہوا کرتا تھا، لوگ عقیدت سے نئے پڑتے تھے، بہت سارے لوگ آئے، اور خواہش کی بلکہ اصرار کیا کہ میں انہیں بیعت کر لوں، اس میں عیب ہی کیا ہے مگر رات میں جب ہوتی تو سوچتا کہ پتہ نہیں کہ قیامت میں اپنا معاملہ ہی کیسے طے پائے گا۔ اور کیا پیش آئے گا دوسروں کا بوجھ کیوں اپنی گردن پر ڈالنے کا ارادہ کروں، پھر بیعت کرنے کے خیال کو غلط و سوسہ قرار دے کر علیحدہ ہو جاتا۔ چنانچہ آپ نے کبھی بیعت

وارشاد کے رمی طریقہ کو اختیار نہیں فرمایا، ہمیشہ اس پیری مریدی کے قصوں سے علیحدہ رہے۔ (ص ۲۵۱)

(۴) ”مولانا کا اپنا حال“:

پھر اپنا حال اس طرح ذکر میں آیا، جس میں تواضع اور اخفاء حال ہے:

”گودمت ہوئی اس راہ سے دور ہو چکا ہوں، لیکن اب تک وہ حلاوتیں دل ناکام کو یاد ہیں، جو کسی زمانہ میں میسر آتی تھیں، آپ لوگوں کی انقلابی زندگی خیر کی طرف اور میرا انقلاب شر کی طرف باعث عبرت ہے۔“ (ایضاً)

آگے لکھا:

”یقیناً آپ (مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ) بہت بلند ہو چکے ہیں یوں ہی بلندی کیا کم تھی، اور اب تو ماشاء اللہ حکیم الامتہ مدظلہ العالی کی نیابت و خلافت کی دولت سرفراز ہیں۔“ (ایضاً) (ص ۲۵۸)

(۵) ”اپنے کو مٹانے کا جذبہ“:

مولانا میں اپنے کو چھپانے کا بڑا جذبہ تھا، لوگ اپنے کو ابھارتے ہیں، مولانا اس کے برعکس اپنے کو مٹانے کی سعی کرتے تھے، اگر کوئی حسن عقیدت کا اظہار کرتا تو اس کو یقین دلاتے کہ میں ایسا نہیں ہوں، جیسا تمہارا حسن ظن ہے۔

میرے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”آپ نے اپنے اس کارڈ میں جو اس سے پہلے آیا تھا اس فقیر کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قطعی استحقاق نہ تھا، اسی قسم کے حسن ظن کو اس جہول و ظلم کے ساتھ قائم فرمالیا ہے، اکبر مرحوم کا ایک شعر ہے

اکبر کی حقیقت اصلی کو پوچھو اس کے محلہ والوں سے

ہاں شعر تو اچھا کہتا ہے، دیوان تو ان کا دیکھا ہے

اچھا شعر اور صاحب دیوان ہونا دوسری بات ہے اور محلہ والوں کے سامنے آدمی کیا سمجھا جاتا

ہے اس کی اصل حقیقت وہی ہوتی ہے۔

آپ جیسے صادق الایمان والدین کے حسن ظن کو دیکھ کر اس کی امید قائم کر لیتا ہوں کہ شاید معاملہ کرنے والا حسن ظن کی رعایت فرمائے، تجربہ سے زیادہ اسی کی تائید ہوتی رہتی ہے۔
(مکتوب ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء) (ص ۲۵۹)

(۶) ”باوقار اور سادہ زندگی“:

حیدر آباد کے قیام کے دوران مولانا گیلانی نے احباب کے مشورہ سے مجبور ہو کر ایک دفعہ کار خرید لی تھی۔ کچھ دنوں اس سے کام لیتے رہے مگر اس زحمت کو نباہ نہیں سکے اور کار فروخت کر دی، اور وہی مولویانہ طریقہ رکھا جو پہلے تھا۔
مولانا ندویؒ نے لکھا ہے:-

”یاد رہے کہ دینی جاہ و جلال اور مال میں ان کا سر اللہ تعالیٰ نے اونچے ہمسروں سے نیچا نہیں رکھا تھا۔ لیکن نمونہ دنیا کی زندگی میں اللھم احینا مسکینا و امتنا مسلماً کا ہی بنے رہے۔ طالب علمی سے جامعہ عثمانیہ کے شعبہ وینیات کی صدارت تک اس مسکنیت میں ذرہ برابر فرق کسی دیکھنے والے نے نہ دیکھا ہوگا۔ بنگلہ میں رہ کر اور موٹر میں چل کر بھی وہ دیوبند کے حجرہ میں رہنے والے اور اس کی گلیوں میں چلنے والے مسکین طالب علم ہی معلوم ہوتے رہے۔“

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ خستہ حال لوگوں کی طرح رہن سہن تھا، بلکہ منشا یہ ہے کہ دل میں کبر و نخوت کا کبھی شائبہ تک نہیں آیا، ورنہ لباس وضع قطع اور رہن سہن کے اعتبار سے ایک بارعب و

جیہ و شکیل پروفیسر اور علم و عمل کے لحاظ سے ایک عالم ربانی نظر آتے تھے۔ (ص ۲۸۸)

(۷) ”سادگی کا ایک واقعہ“:-

صبح الدین عبدالرحمن صاحب نے مولانا گیلانی کا ایک واقعہ اپنے مضمون میں درج کیا ہے۔

کہتے ہیں :-

”مولانا دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مجلس انتظامیہ کے رکن تو عرصہ سے تھے۔ پنشن پانے کے بعد مجلس عامہ کے بھی رکن بنائے گئے۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا ایک اہم جلسہ تھا اس میں شرکت کے لیے وہ گیلانی سے اعظم گڈز تشریف لائے۔ میری مسرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے میری قیامت گاہ میں قیام فرمایا۔ اس جلسہ میں مولانا کے علاوہ ڈاکٹر سید محمود مولانا دریابادی، عمران خان بھی تشریف لائے، جب ہم لوگ ان حضرات کی پیشوائی کے لئے اسٹیشن گئے تو مولانا کی سادگی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کے ساتھ صرف ایک درمی، ایک چادر ایک تکیہ۔ المونیم کا ایک لوٹا اور ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ایک دو جوڑے تھے (معارف اپریل ۱۹۵۷ء)

جب مولانا گیلانی کو دارالمصنفین کی رکنیت کی اطلاع پہنچی تو آپ نے سید صاحب کو لکھا :-
”یہ دارالمصنفین کی رکنیت کا کیا قصہ ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ کس خصوصیت کو میرے اس انتخاب میں دخل ہے، نظر عنایت نگاہ کرم کے سوا اور کس چیز کا تصور کروں؟“

(مکتوب ۳ مارچ ۱۹۴۳ء، شائع شدہ معارف مارچ ۱۹۶۳ء) (ص ۲۹۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے واقعات
مکارم اخلاق

حضرت مدنی کی زندگی کا یہ باب بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے فضائل و محاسن کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ حضرت نے لمبی عمر پائی اور اتنے لمبے عرصہ میں کروڑوں انسانوں سے ملاقات ہوئی۔ ہر کوئی آپ کے حسن اخلاق کا مداح نظر آتا ہے اور ہر کوئی حضرت کی تواضع، انکساری اور حسن خلق کا نیا قصہ سناتا ہے اور اگر ان تمام واقعات کو جمع کیا جائے جو مختلف لوگ بیان کرتے ہیں تو صرف ان کو قلم بند کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے:

اس سلسلے میں مولانا عبد الماجد دریابادی کا تاثر ملاحظہ فرمائیے:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے فضل و کمال مرتبہ و مقام پر گفتگو تو وہ کرے جو خود بھی کچھ ہو۔ مجھے ذاتی تجربہ اور یعنی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمت خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانہ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں۔ بہترین رفیق سفر ہیں۔ مہمان ہو تو آپ کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرضدار ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے۔ خدا نخواستہ بیمار پڑ جائیے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے نوکری کی ضرورت پیش آئے کوئی مقدمہ کھڑا ہو، کسی امتحان میں بیٹھ جائیے تو سفارش ناموں میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا۔ جس طرح بھی ہو گا۔ آپ کا کام نکالنے پر تل جائیں گے۔

اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں۔ اپنے خردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں حالی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں۔ ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا۔ _____ خاکساری اپنی کام آئی۔

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود الحسن شیخ الہند دیوبندی کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہنچتا۔ فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی آتی۔ اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے۔

(بیس بڑے مسلمان ص ۴۸۷) سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔
(۱) ”درویشی اور ولایت“ :-

مدنی درویش سفروں میں جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر کسی کونہ میں مصلیٰ پر کھڑے ہو کر تہجد میں مشغول ہے خدام گزارش کرتے کہ ویٹنگ روم میں کیوں نہ

کھڑے ہو گئے؟ تو جواب ملتا ہے لوگوں کی نیند خراب ہوتی۔ مجھ جیسے شیخی خورے اور روسیہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے۔

۱۲ بجے رات کو بخاری شریف کا درس دیکر فارغ ہوتے ہیں سیدھے مہمان خانے میں میں تشریف لاتے ہیں۔ مہمانوں کے بستر اور تکیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ایک دیہاتی مہمان کو تکلیف میں پاتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص حقہ کا عادی ہے۔ فوراً چلم لے کر جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اسے حقہ بھر کے پلاتے ہیں۔ حق کی طرف توجہ کا یہ حال کہ ایک قدم شریعت و سنت کی خلاف نہیں اٹھتا۔ منہ پر اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو کھڑے ہو کر اسے روک دیتے ہیں۔ مجال نہیں کہ سٹیج پر کوئی شاعر شیخ کی مدح میں کوئی قصیدہ پڑھے۔ جہاں کسی نے تعریف میں زبان کھولی اور جمالی درویش کا جلال بھڑک اٹھا۔ بندگی کا اتنا گہرا رنگ کہ اگر کوئی عقیدت کے جوش میں ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکے تو ہاتھ کھینچ لیں کسی کو پیردبانے کی اجازت نہ دیں اور خود رات کو سوتے ہیں اپنے مہمانوں کو ہمیشہ دباتے رہیں۔

(ایضاً ص ۴۸۶)

(۲) ”تواضع اور انکساری“:-

انسان کی انسانیت اور برتری و سر بلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت و سر بلندی عطا فرماتے ہیں: یہی تواضع و انکساری اصل شان عبدیت ہے جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبر و غرور سے بالکل مبرا ہوگا جو عبدیت کے بالکل منافی و متضاد ہے۔

حضرت مدنیؒ کے متعلق گذشتہ سطور میں مولانا عبد الماجد دریا بادی کی تحریر گزر چکی ہے کہ خادم کو مخدوم بنا کر چھوڑتے تھے۔ واقعہ حضرت مدنیؒ تواضع انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے۔

براہیک چھوٹے بڑے کو ”آپ“ کے لفظ سے خطاب فرماتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے

گفتگو فرماتے تھے کہ گویا چھوٹا اپنے بڑے سے گفتگو کر رہا ہے اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا ان کی نظروں میں سب بزرگ تھے اور یہ خورد۔

ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت و مشقت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے۔ غایت تواضع و انکساری کی وجہ سے اپنے؟ مخالفین و معاندین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور کسی کو برے لفظ سے یاد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جسکی عداوت و نفرت آپ کی فطرت بن چکی تھی۔ اس کو بھی ہمیشہ ہماری مہربان گورنمنٹ فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس لفظ مہربان گورنمنٹ میں پورا طنز ہوتا تھا اور بعد کی تقریر میں گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز فاش ہوتا تھا۔ حضرت مدنی کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو آپ کا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا اور آپ ہر ایک کے سردار و سر تاج بنے ہوئے تھے۔ (ایضاً ص ۴۹۴)

(۳) ”وہ بریلی سے رام پور تک دباتے رہے۔“

میں نے مولانا کا شاگرد ہوں، نہ مرید، نہ پیر بھائی ان کے مجاہدانہ کارناموں سے مجھے ان سے محبت و عقیدت ہو گئی تھی۔

میں ایک مرتبہ لکھنؤ سے میری طبیعت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا بخار تھا اعضا شکنی تھی۔ اس لئے کراہتا بھی تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کون سا اسٹیشن آیا اور کون مسافر سوار ہوا۔

بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے میرے پاؤں اور کمر دبانا شروع کی۔ بہت راحت ہوئی چپکالیٹا رہا اور وہ دباتا رہا۔ مجھے پیاس لگی پانی مانگا تو اس نے اپنے صراحی سے گلاس پانی دیا اور کہا لیجئے۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو مولانا مدنی تھے۔ مجھے ندامت ہوئی اور معذرت کی لیکن انہوں نے اس درجہ مجبور کیا کہ میں پھر لیٹ گیا اور وہ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے

رہے پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ (قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی) (ایضاً ص ۵۱۴)

(۴) ”حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے؟“

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یوپی ایک جگہ میری تقریر تھی۔ رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا بین البیظۃ والنوم مجھ کو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ لوگ اس طرح دباتے رہتے ہیں کوئی مخلص ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہو جا رہی ہے۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مدنی ہیں۔ فوراً پھڑک کر چار پائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا۔ حضرت کیا ہم نے اپنے لیے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں شیخ نے جواباً فرمایا آپ نے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا میں نے خیال کیا۔ آپ کی نماز نہ چلی جائے تو بتائیے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے

سچ فرمایا گیا ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شور۔

(ایضاً ص ۵۱۵)

(۵)۔ ”عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے“۔

مولانا عبد اللہ فاروقی حضرت رائے پوری سے بیعت تھے لاہور دہلی مسلم ہوٹل میں برہنہ بر سر خطیب رہے۔ انکا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مولانا مدنی کے قیام کیا۔ ایک روز جب مولانا کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے مولانا کا جوتا اٹھالیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے۔

دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ تو مولانا نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا میں پیچھے بھاگا۔ مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں۔

نہیں لینے دیا میں نے کہا خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھیے۔ فرمایا کہ عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کر لیا۔ تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔ (ایضاً ص ۵۱۶)

(۶)۔ ”خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟“

نشتیہ اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ سب اوقات نماز میں جب آیات عذاب کی قراءت فرماتے تھے تو بے اختیار رونے لگتے تھے۔ وفات سے ایک روز قبل مولانا سید فخر الدین احمد (حال صدر مدرس دارالعلوم)

کو بلایا اور فرمایا کہ چند روز نماز بیٹھ کر ترمیم سے پڑھ رہا ہوں۔ بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ خداوند تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا یہ فرما کر بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور اس قدر روئے کہ اس سے پیشتر کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (ص ۵۱)

(۷)۔ ”آپ اطمینان سے اچھی طرح کھائیے:“

چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست کے مصداق آپ کا خوان کرم اپنے پرانے ہر ایک کے لئے کشادہ رہتا تھا۔ مہمانوں کا ہمیشہ جھمگھا رہتا تھا۔ اور لطف یہ کہ چھوٹا بڑا۔ امیر غریب حاکم محکوم بلا امتیاز بندہ و آقا سب ایک دسترخوان پر حلقہ کی شکل میں بیٹھے ساتھ ساتھ کھاتے نظر آتے تھے۔ حضرت کی عجب شان ہوتی تھی سنت کے مطابق نماز کی سی شکل میں بیٹھے بیٹھے کھانا تناول فرماتے رہتے تھے۔ اور زگاہیں چاروں طرف گھومتی رہتی تھیں۔ جس مہمان کے سامنے روٹی ختم ہونے لگتی تھی۔ فوراً اپنے پاس سے گرم روٹی اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیتے تھے۔

مہمان نوازی کے سنت کے مطابق اور اس خیال سے کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہ جائے کھانا آخر تک کھاتے رہتے تھے۔ حالانکہ سب سے کم کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ کھانے کے موقع پر ایک صاحب جو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس بیٹھے تھے۔

دوسرے حضرات کے سفید پوش اور معزز ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر کھانے کے حلقے کے سے پیچھے بیٹھ گئے حضرت نے دیکھا تو ساتھ کھانے کے لئے فرمایا۔ اتفاق سے وہ ایسے صاحب پاس آ بیٹھے جو بہت معزز اور سفید پوش تھے۔ اور انکے ساتھ بیٹھنے سے کچھ کبیدہ سے معلوم ہوتے تھے۔ اول الذکر اس چیز کو محسوس کر کے کچھ پریشانی کے ساتھ مرعوب ہو کر

کھاتے رہے۔ حضرت نے اس کو بھانپ لیا واران سے فرمایا کہ آپ اٹھیے وہ نہ اٹھے۔ تو دوبارہ فرمایا اٹھیے آپ اٹھیے۔ اب وہ اٹھے تو حضرت نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور فرمایا۔ آپ اطمینان سے اچھی طرح کھائیے۔ پھر فرمایا کسی کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان بوسیدہ حال لوگوں کا کتنا اونچا درجہ ہوگا۔ سفید پوشوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا نہایت شرمندہ ہوئے اور بعد میں ان صاحب سے معاف مانگی۔ (ص ۵۱۸)

(۸) ”ساری رات عباوڑھ کر گزاری“:

استاد العرب والجم کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا فیض اللہ، حضرت مرحوم لائین دکھانے پر مامور تھے ان کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک خستہ حال بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چار پائی پر بیٹھے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ کیوں بیٹھے ہیں۔ اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دسترخوان سے اٹھا دیا اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔ حضرت پر بڑا اثر پڑا بار بار انکا نام پوچھا۔ مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لیکر خود باہر تشریف لائے جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اور اس کو بچھا دیا اور خود ساری رات عباوڑھ کر گزار دی مولانا فیض اللہ جو حضرت کے شاگرد ہیں کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں۔

(ص ۵۱۹)

مگر اس پیکر سنت نے گوار نہ کیا۔

(۹) ”مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا“۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ”نقوش و تائخرات“

میں کیا خوب لکھا ہے: ”مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس کا منصب آمر ہونے کو تھا۔ وہ فخر

وسرے اپنی ماموریت میں محسوس کر رہا تھا۔ دیوبند جائے تو مولانا اسٹیشن پر پیش وائی کے لئے موجود، چلنے لگے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ۔ کھانا کھانے کے لئے تو وہ لوٹا لے ہاتھ دھلانے کو کھڑے، پانی مانگئے تو گلاس لیے حاضر سفر میں ساتھ ہو تو تانگہ کا کرایہ اپنے پاس سے دے دیں۔ ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کرنے آئیں ہوٹل کھائیں تو بل وہ خود ادا کریں۔

آپکا ہاتھ اپنی جیب میں ٹٹولتا ہی رہ جائے۔ بستر بھی وہ کھول کر بچھا دیں غرض یہ کہ مالی و بدنی چھوٹی و بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی تھیں

ان سب میں آپ کو پیش پیش دیکھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے شعر کہا تو تھا
اپنے شیخ مولانا عبد ربہاری صاحب فرنگی محلی کے حق میں مگر صادق مولانا دیوبندی پر لفظ بہ لفظ آ رہا تھا۔

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یہاں۔ کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی!
آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں۔ آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں۔
تین دن قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں۔ اور ”شہیدہ دیدہ“ میں تبدیل ہو گئیں
تکلفات اور خاطر میں، مہمان نوازیوں کھانے پر کھانے چائے پر چائے۔
دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو مولانا کو دوسروں کا کام کرنے میں آتا تھا۔

(ص ۵۲۱)

ایک مرتبہ ایک بنگالی طالب علم صاحب کو ایک ضرورت سے احقر نے ڈاکٹر حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرت جلسہ میں جا رہے تھے۔ وہ راستہ میں ملا۔ فرمایا آپ گھر چلیں میں جلسہ سے ہو کر آؤں گا وہ طالب علم گھر نہ پہنچ سکے کسی مسجد میں سو رہے۔ حضرت نے بہت تلاش کروائے جلسہ سے واپسی پر مگر وہ نہ ملے۔ جب صبح حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے بہت افسوس ظاہر فرمایا اور معذرت کی۔ دوسرے دن طالب علم واپس ہوئے اور ساتھ ہی ڈاک سے حضرت کا گرامی نامہ پہنچا کہ ان بنگالی طالب علم کو تکلیف پہنچی۔ آپ میری طرف سے معافی چاہ لیں (مولانا شمس الدین صاحب نائب ناظم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور)

(ص ۵۲۱)

(۱۰) ”حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری“:-

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت مولانا کا جو مقام ہوگا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جو لوگ ان کے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانے میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی با عظمت دینی درس گاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے۔ ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے بہتوں کے خاصے وسیع و عریض حلقے ہیں) ان کے شاگرد اور فدائی، ہندوستان کے طول و عرض میں لاکھوں مریدین، پھر ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہل حکومت و سیاست کی نگاہ میں بھی ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے سے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع پر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقم سطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرت کا اتنا تواضع شاید دوسروں کیلئے مضر ہو اس سلسلہ میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے:

(۱) (۱۳۳ھ): کی بات ہے میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا۔ ہمارے وطن سنہل

کے ”مدرسۃ الشرع“ کی طرف سے خاصے بڑے پیمانے پر ایک جلسہ ہوا اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء (مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی) نے شرکت

فرمائی تھی حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جلسے کے منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے وقت کھانے کا انتظام میرے والد ماجد نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ اور ان حضرات کی قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا اس لیے سب مہمانوں کو سواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے۔ لیکن حضرت مولانا مدنی نے یہ کیا کہ سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیا زمند کو بطور راہ نما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے۔ حالانکہ موسم گرما تھا اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

(۲)۔ سنبھل کے اسی سفر میں ہمارے یہاں کے ایک صاحب نے جو بیچارے علمی دینی دنیوی کوئی بھی خاص حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضرت مولانا سے ان کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا۔ حضرت مولانا مدنی سے درخواست کی کہ میرے گھر چل کر چائے پیجئے، مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ بات سب کو کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، لیکن مولانا نے بغیر کسی عذر و معذرت کے قبول فرمالیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر پر جا کر بالکل بے وقت چائے اور صرف چائے پی لی۔

(۳)۔ ایک عجیب واقعہ اور سنیے۔ حضرت کے ایک شاگرد نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ حضرت ریل سے سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرت کے ساتھ تھے انھیں استحقاقاً تقاضا ہوا بیت الخلا کا دروازہ کھولا تو اسکو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آ گئے اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور بیت الخلا میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا، چند منٹ کے بعد تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہا دیا اور اس کو صاف کر دیا تو باہر تشریف لائے۔ اور اپنے ان خادم سے کہا کہ اب چلے جاؤ۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ان کی واپسی کیوجہ محسوس کر کے بیت الخلا صاف کرنے ہی کے لئے اندر تشریف

لائے۔ کچھ حد ہے اس تواضع و بے نفسی کی؟

(۴)۔ کئی سال پہلے کی بات ہے حضرت کے ضعف پیری اور بعض دوسری اہم مصلحتوں کی بنا پر حضرت کے چند نیاز مندوں نے (جن میں عاجز بھی شامل تھا) باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اب صرف وہ سفر فرمایا کریں جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگ معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے حضرت کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور حضرت قبول فرمالیتے ہیں۔ (اور اسی طرح ہر ہفتے میں جمعہ کے ایک دن کا سفر تو ضروری ہوتا ہے) یہ سلسلہ اب بند فرمادیا جائے، حضرت نے فرمایا میں کیا کروں لوگ آجاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، عرض کیا گیا کہ اگر حضرت طے فرمائیں کہ اس سلسلے کو بند کرنا ہے، تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہو گا کہ لوگ آئیں گے اور حضرت کے انکار فرمادینے پر مایوس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت نے اب یہ فیصلہ فرمالیا ہے تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے۔ فرمایا مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جمار ہوں عرض کیا گیا کہ حضرت کی صحت اور حضرت کا وقت بہت قیمتی ہے اس کو صرف ضرورت اور موقع ہی پر صرف ہونا چاہیے۔ حضرت نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے۔ یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لے لینا چاہیے۔ (ماخوذ از ”تحدیثِ نعمت“ ص ۲۴۹ تا ۲۵۳)

(۱۱)۔ ”اپنے سر پر پانی کا مٹکار رکھ کر اپنے شیخ کے گھریلوجار ہے تھے“۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند کے ان جانثار رفقاء میں سے تھے جنہوں نے اپنے شیخ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ان کے مقصد زندگی کو پورا کرنے کے

لئے جان کو جان نہیں سمجھا۔

احقر کے والد ماجد ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب شیخ العرب والعجم بن چکے تھے تو حضرت شیخ الہند کے گھر میں نکاح کی کوئی تقریب تھی اس موقع پر میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حضرت مدنی خود اپنے سر پر پانی کا مٹکا رکھ کر اپنے شیخ کے گھر لے جا رہے تھے۔ (جہان

دیدہ ص ۵۰۲)

(۱۲) ”سادگی و بے تکلفی“:-

حضرت مدنی سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنماء کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی آ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا حضرت مدنی سنت نبوی ﷺ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت بھی ہوتے تھے اور ساتھ ملکر کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا یہی حضرت کا اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۹۸)

(۱۳) ”اخلاق حمیدہ“:-

ہندوستان کے مشہور کیمونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف حضرت مدنی کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ میں کیمونسٹ پارٹی کو مسلمانوں کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں رپورٹ

پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے لئے دیوبند حاضر ہوا خلوت میں مطالعہ کتب کا بھی موقع ملا۔ مولانا کے یہاں تقریباً بھی لوگ قیام اللیل کے عادی تھے۔ ایک دن تو میں رات کو بمشکل ایک گھنٹہ سویا تو فجر کے وقت تکبیر بالجہر سے اٹھ بیٹھا۔ دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی تو حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت تو درست ہونہ ہو میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو جائے گا حضرت نے تبسم فرمایا اور علیحدہ کمرہ میں بندوبست کروادیا۔ دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھارات کے دس بج چکے تھے گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا دروازہ کھلا رہتا تھا مجھے کچھ غنودگی سی ہوئی کہ میں نے ایک ہاتھ گھٹنے پر محسوس کیا پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ میں چونکا ہوا گیا۔

دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میں نے جلدی سے پاؤں سکیر لیے اور بڑے ادب و لجاجت سے حضرت کو روکا مولانا نے حسرت سے فرمایا کہ آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔

یہ ان کے اخلاق اور فراخ دلی کا ادنیٰ سا نمونہ تھا۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۹۹)

(۱۴) مخلوق خدا کی خدمت:

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنی آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف جو کہ ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کا فراغت کو تقاضہ ہوا وہ رفع حاجت کے لئے بیت الخلا میں گئے اور الٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس

ہوئے۔ حضرت مدنی سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لیکر لیٹرین میں گئے۔ اچھی طرح صاف کیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے۔ لیڈین بالکل صاف ہے وہ بڑا متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو مجھ سے باہر ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر اسی ڈبہ میں موجود خولجہ نظام الدین تو نسوی نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں خولجہ صاحب نے اس وقت بے اختیار ہو کر حضرت مدنی کے پاؤں کو چھو لیا اور پاؤں سے لپٹ کر رونے لگے۔ حضرت نے جلدی سے پاؤں چھڑا لئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خولجہ صاحب نے کہا سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔ حضرت نے فرمایا میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھورے ہیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۰۱) (۱۵) ”مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے؟“۔

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مدنی کے یہاں سالن دو برتنوں میں آگیا عامتہ چونکہ ایک سالن بڑے برتن میں آیا کرتا تھا اسی کے چاروں طرف سب بیٹھ کر کھایا کرتے تھے اس دفعہ کوئی صاحب بیمار تھے ان کے واسطے سالن علیحدہ آگیا تو انہیں حافظ محمد حسین صاحب نے کہا کہ حضرت اب سالن دو دو طرح کا کھایا جایا کریگا کہیں حدیث میں دو سالن کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟ اس پر حضرت مدنی نے ابو داؤد شریف کی روایت بیان نہیں فرمائی جس میں دو سالن کا تذکرہ ہے بلکہ یہ فرمایا مجھ سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے میں تو پیٹ کا کتا ہوں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۲/۹۱)

(۱۶) ”میرے مکتوبات قابل مطالعہ کہاں ہیں؟“۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اعظم گڑھ ضلع کے ایک مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لے گئے میں بھی وہاں حاضر ہوا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہا ہوں تو ارشاد فرمایا کہ میرے مکتوبات مطالعہ کے قابل کہاں ہیں؟ کچھ جیل کے لکھے ہوئے ہیں کچھ ریل کے لکھے ہوئے ہیں میں نے عرض کیا پھر کس کے مکتوبات دیکھوں؟ تو فرمایا کہ مجدد الف ثانی کے مکتوبات دیکھئے حضرت گنگو ہی کے مکتوبات دیکھئے۔ (حوالہ بالا ص ۹۱)

(۱۷) ”معلوم نہیں وہ کیوں روئے“:-

ارشاد فرمایا کہ حضرت مدنی ایک مرتبہ کہیں تقریر کیلئے تشریف لے گئے وہاں فرمایا کہ بھائی تم لوگ کھیتی کرتے ہو اور جب بیل بوڑھا ہو جاتا ہے تو تم لوگ اسے چھوڑ دیتے ہو اس لئے مجھ کو بوڑھا بیل سمجھ کر ہی چھوڑ دیتے۔ چار پانچ منٹ کے بعد سب لوگ رونے لگے پھر (حضرت زاد مجدہم نے) ارشاد فرمایا کہ معلوم نہیں وہ کیوں روئے؟ کیا بات سمجھی انہوں نے؟ (ملفوظات فقیہ الامت جلد دوم قسط سابع ص ۸۸)

(۱۸) ”شیخ الاسلام حضرت مدنی کا حضرت علامہ بنوری کے نام ایک مکتوب“:-

شیخ الاسلام حضرت بنوری نے حضرت مدنی کے نام ایک عریضہ تحریر فرمایا جس میں حضرت سے بیعت کرنے کی درخواست تھی حضرت مدنی نے اس کا جواب تحریر فرمایا وہ ذیل میں بحسنہ نقل کیا جاتا ہے:

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو الانامے باعث سرفرازی ہوئے میرا عرض کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مثل مشہور ہے ”خاک ہم از تو بزرگ بگیر“ اور یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے حضرت تھانوی مدظلہم کا عظیم الشان مرتبہ تصوف اور علوم میں معلوم ہے ان کی موجودگی میں ہم جیسے پٹو نجیوں کی طرف رجو

ع کرنا سخت غیر موزوں امر ہے آپ جب کہ مولانا کی بارگاہ میں رسوخ رکھتے ہیں تو کیوں نہ وہاں سے ہی اعتراف فرمائیں۔ مولانا محمد شفیع الدین صاحب (مرحوم) کے پاس سے آئے ہوئے جناب کو عرصہ گزر گیا اور غالباً اس کے بعد دو تین دفعہ زیارت کی بھی نوبت آئی ہے مگر کبھی تذکرہ تک نہ آیا تھا۔ بہر حال اگر جناب کو مجھ نالائق اور ننگ اسلاف سے حسن ظن ہے اگرچہ وہ غیر واقعی ہی ہے میں اپنی استطاعت اور لنگڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کو حضرت سید آدم بنوری قدس اللہ سرہ العزیز سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور سلوک میں انہی کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اگرچہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار و اعمال کو زیادہ تر مفید فرماتے تھے۔ مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کو پسندیدہ تھا بہر حال عمدہ صورت یہ ہوتی کہ آجناں سے بالمشافہ گفتگو ہوتی مگر اب اس وقت اس کا موقع نہیں ہے۔ آپ روزانہ ذکر قلبی اسم ذات کا پانچ ہزار کر لیا کریں، یعنی قلب کی طرف جو بائیں پستان سے چار انگلیں نیچے ہے توجہ فرما کر یہ خیال باندھیں کہ قلب سے لفظ اللہ نکلتا ہے اور حسب قاعدہ من احب شیناً اکثر ذکرہ قلب نہایت بے چینی سے اور محبت سے اوس محبوب حقیقی کا نام لیتا ہے یہ ذکر با وضو قبلہ رو ہونا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ مقدار ایک ہی مجلس میں ہو جس طرح آسانی ہو، خواہ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں کریں۔ اگر آخر شب میں ہو تو بہت بہتر ہے مگر لازم نہیں ہے جس وقت بھی آسانی سے ہو سکے، البتہ اس وقت معدہ پر نہ ہونا چاہیے اور یہ مقدار روزانہ پوری ہونی چاہیے اور اس سے زائد جس قدر بھی آپ چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے با وضو کر سکیں اس میں کمی نہ کیجئے۔ اس قدر تو غل کیجئے کہ طبیعت ثانیہ ہو جائے با وضو ہمیشہ رہنا اس کے لئے مفید تر ہے۔ آئندہ بوقت ملاقات

عرض کروں گا، اگر خواب وغیرہ کوئی چیز معلوم ہو تو لوگوں سے تذکرہ نہ کریں دعوات صالحہ سے اس رو سیاہ کو فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۳۰ شعبان ۱۳۵۹ھ

(۱۹) ”اپنی تعریف کی بات سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے“:

حضرت مولانا مدنی کی سیوہارہ کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد تقریر تھی۔ تقریر سے قبل ایک صاحب نے آپ کی شان میں نظم شروع کی۔ ابھی چند ہی اشعار ہوئے تھے کہ حضرت یکنخت کھڑے ہو گئے اور ان صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا اور تقریر شروع فرمادی تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی یہ تقریر آیات و احادیث کی روشنی میں خود ستائی شخصیت پرستی اور منہ پر تعریف کی مذمت میں تھی۔ لطف کی بات یہ کہ تقریر کے پہلو میں اخلاق و عمل، اتباع اسوہ نبی ﷺ اور جہاد کی تلقین شامل تھی، اسی تقریر میں آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:-

میں کسی سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے کہ لوگ اسوہ نبی ﷺ اور سیرت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھول گئے۔

وہاں نیت میں خلوص تھا یہاں تعریف ہے، وہاں عمل تھا یہاں صرف قول اور مدح و ستائش ہے حضرت مولانا کی اس بات کا عوام پر زبردست اثر پڑا تھا،

(روایت سید ساجد حسین صاحب سیوہاری)

(شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے حیرت انگیز واقعات ص ۷۵)

(۲۰) ”دوستوں سے بے تکلفی اور تواضع و انکساری“:-

تمام فضائل اور کمالات کے باوجود تواضع و انکساری اور دوستوں سے بے تکلفی آپ کی طبیعت کا جزو لاینفک تھی، یہ محسوس نہ ہونے دیتے تھے کہ آپ امتیازی شخصیت کے مالک ہیں

راقم الحروف کے والد جناب حافظ زاہد حسین صاحب امروہی سے اسی قسم کے مراسم تھے والد صاحب چونکہ حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کی خدمت و صحبت میں عرصہ دراز تک رہے تھے، اس لئے حضرت کو ان سے گہرا تعلق تھا

۱۹۲۹ء میں امروہ میں جمعیت علما کا اجلاس ہوا اور وہ آموں کا موسم تھا، ہمارے یہاں

حضرت کی دعوت کی گئی، حضرت کے ساتھ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ بھی تھے گھر میں جب حضرت تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی۔

حضرت نے ازراہ خوش طبعی براہ راست ہانڈی سے شوربا پینا شروع کر دیا یہ دلچسپ منظر دیکھ کر حملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ (حوالہ بالا ص ۱۲۸۔ روایت مولانا سید طاہر حسن صاحب)

(۲۱) ”امتیاز پسند نہ فرمانا“:-

حضرت ایک تقریب میں نکھرا یوں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا اسعد میاں صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ میزبان صاحب نے ایک خاص کمرے میں حضرت کے کھانے کا انتظام کیا۔ اور اصرار کیا کہ حضرت وہیں تشریف لے چلیں۔ چونکہ دالان میں اہل قصبہ کھا رہے تھے۔ اس لئے حضرت نے اس امتیازی شان کو قطعاً پسند نہ فرمایا۔ اور جب زیادہ اصرار کیا گیا تو فرمایا کہ قضائے حاجت کے لئے بھی انسان وہیں جاتا ہے جہاں سب جاتے ہیں۔ الغرض آپ مجمع میں تشریف لائے اور سب کے ساتھ اسی عام دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔

(حوالہ بالا ص ۱۲۸ روایت محمد یعقوب نکھرا یوں)

(۲۲) ”مخملی قالین پر بیٹھنے سے انکار“:-

کئی سال کی بات ہے حضرت شیخ سنبھل تشریف لائے۔ حضرت کے میزبان کی جانب سے اس بات کی اجازت نہ تھی کہ کوئی دوسرے صاحب حضرت کی دعوت کریں۔ البتہ چائے کے سلسلے میں ان کی جانب سے عام اجازت تھی چنانچہ میں نے حضرت کو چائے پر مدعو کیا اور آپ نے میری درخواست منظور فرمائی اور آپ نے نماز جمعہ کے بعد کا وقت مقرر فرمایا۔ میں نے حضرت کی نشست کے لئے جازم پر مخملی قالین بچھا دیا۔ وقت مقررہ پر جب حضرت تشریف لائے اور جازم پر مخملی قالین بچھا ہوا دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قالین کو اٹھا کر ایک کنارے کر دیا۔ میں نے بہت اصرار

کیا اور کہا کہ حضرت کم از کم دری ہی بچھانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن حضرت نے فرمایا کوئی ضرورت یوں ہی ٹھیک بیٹھا ہوا ہوں

(حوالہ بالا ص ۲۷ روایت قاری محمد سلطان الدین صاحب)

(۲۳) ”خود جا کر پانی پلایا“:-

ایک مرتبہ ایک خستہ حال شخص جو کہ قوم میں گندھیلا (غیر مسلم) تھا۔ دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ مجھے پانی پلا دو! حضرت کے گرد و پیش بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ مگر اتفاق سے کسی کو خیال نہ آیا۔ حضرت اس کی آواز سن چکے تھے۔ خود اٹھے اور جا کر نل سے لوٹے میں پانی بھرنا شروع کر دیا۔ اب تو ہر شخص کو تنبہ ہوا اور ہر شخص نے آپ سے لوٹا لینا چاہا مگر حضرت نے کسی کو نہ دیا اور خود جا کر اس شخص کو پانی پلایا۔

(حوالہ بالا ص ۲۸ روایت مولانا فضل الکریم صاحب حسینی)

(۲۴) ”اپنی تعظیم پسند نہیں فرماتے تھے“:-

کسی شخص کو دست بوسی یا قدم بوسی کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے آپ کے قدموں کو چھونا چاہا تو آپ اس طرح تڑپ کر ہٹ گئے جیسے قدموں تلے سانپ آ گیا ہو۔

آپ چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے قدم بوسی کرنی چاہی تو آپ اس طرح چونکے کہ وہ شخص گر پڑا۔ اگر کوئی شخص مصافحہ کر کے اٹے قدموں پیچھے ہٹتا تو آپ تنبیہ فرماتے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی موقعہ پر فرمایا کہ:- آدمیوں کی طرح چلو!۔

(حوالہ بالا ص ۲۹ روایت مولانا فضل الکریم خان حسینی)

(۲۵) ”دست مبارک سے نالی صاف کی“:-

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے استاد محترم شیخ الہند نے پاخانہ کی نالی صاف کرنے کے لئے بھنگی طلب فرمایا اتفاق سے اس وقت بھنگی نہ ملا تو حضرت شیخ الاسلام نے

اپنے دست مبارک سے خود ہی نالی کو صاف کر دیا۔ (حوالہ بالا ص ۱۲۹)
(۲۶) ”شاگرد کی خدمت“:-

اسارت کراچی کے زمانے میں مشہور لیڈر مولانا محمد علی صاحب، حضرت شیخ سے تفسیر قرآن کریم پڑھتے تھے۔ اور حضرت کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ اسکے باوجود حضرت شیخ میں خدمت خلق کا جو بے پناہ جذبہ تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔
مولانا محمد علی صاحب کو کثرت بول کا عارضہ تھا۔ جسکی بنا پر آپ نے پیشاب کے لئے برتن اپنے کمرہ میں ہی رکھوا لیا تھا۔ یہ برتن اکثر و بیشتر پیشاب سے بھر رہا ہوتا تھا۔ لیکن مولانا محمد علی صاحب جب علی الصبح بیدار ہوتے تو وہ برتن پیشاب سے خالی اور دھلا ہوا صاف ستھرا نظر آتا۔ کافی عرصہ تک یہ معما ان کی سمجھ نہ آیا۔ اتفاق سے ایک رات میں اس وقت آنکھ کھل گئی۔ جب کہ حضرت شیخ اس برتن کو صاف کرنے کی غرض سے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں خادم بنے ہوئے ہیں۔ (حوالہ بالا ص ۱۲۹)
(۲۷) ”مخدوم لیکن خادم“:-

مولانا نصر اللہ خان عزیز ایڈیٹر ایشیاء لاہور تحریر فرماتے ہیں۔
مولانا ایک عظیم المرتبت عالم محدث اور فقیہ ہونے کے باوجود ایسے رفیق سفر ہیں جو خدمت لینے کے بجائے خدمت کرتے ہیں۔ ریل کے سفر میں وہ شدید سردی کے موسم میں بھی خود وضو کرتے ہیں اور پھر اسٹیشنوں پر اتر کر رفقاء کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتے ہیں اور پاؤں دبا کر بیدار کرتے ہیں۔ پھر وضو کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔
عام طور پر علماء اپنے مزاج کی یوسٹ اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۳۱)
(۲۸) ”ایک روپیہ قبول فرمالیا“:-

ہدایا کے سلسلے میں حضرت کا معمول تھا کہ بڑی رقمیں پیش کرنے والوں سے فرما دیا کرتے تھے کہ بھائی کسی غریب آدمی کو دیدیجئے۔ میں تو پانچ سو روپے تنخواہ پاتا ہوں۔

لیکن آپ کی انکساری ملاحظہ فرمائیے! کہ جب مراد آباد میں ایک مجذوب مولانا شمس الدین صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک روپیہ پیش کیا تو حضرت نے اسے بے چون و چرا فوراً قبول فرمالیا۔ (حوالہ بالا ص ۱۳۱)

(۲۹) ”تعویذ کے لئے خود درخواست“:-

ایک مرتبہ حضرت کے یہاں فیض آباد سے ایک بزرگ حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی تشریف لائے تو حضرت کی اہلیہ محترمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ حاجی صاحب سے بچوں کے لئے تعویذ لادیتے! ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے آستانے سے روزانہ تعویذ تقسیم ہوتے ہوں۔ وہ خود دوسروں سے تعویذ کا سوال کر رہے ہیں۔ اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ مہمان خانہ معتقدین سے بھرا ہوا ہے۔ (ایضاً)

(۳۰) ”دیکھا گیا دسترخوان بچھا رہے ہیں“:-

قیام آسام کا واقعہ ہے کہ ایک دن تراویح سے فارغ ہو کر آپ کمرے میں تشریف لے گئے ہم لوگوں کو پہنچنے میں کچھ دیر ہو چکی تھی۔ جب ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت دسترخوان بچھا رہے ہیں۔ (حوالہ بالا ص ۱۳۲)

(۳۱) ”مزدور کے مکان پر تشریف لے گئے اور معذرت کی“:-

دیوبند کا واقعہ ہے میدو پلے دار نے ایک مرتبہ حضرت کی دعوت کی اور وقت پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ حضرت کھانا تیار ہے تشریف لے چلے۔ حضرت کے یہاں اس وقت مہمانوں کا کافی ہجوم تھا اور حضرت کسی کام میں مصروف تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ: میرا اس وقت جانا نہیں ہو سکتا تم کھانا یہیں بھیج دو! چنانچہ میدو دیگ لے کر حاضر ہو گیا۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد خلاف توقع اور اچانک میدو کے مکان پر پہنچ گئے اور کنڈی جا کھٹکھٹائی۔

میدو نے دروازہ کھولا تو دیکھتا ہے کہ حضرت بذات خود دروازے پر کھڑے ہیں وہ بیچارہ کچھ مسرت اور کچھ شدت تاثر سے رونے لگا۔ آپ کو مکان میں لے گیا حضرت نے فرمایا

بھائی! تم غریب آدمی ہو۔ میں نے کل تمہارے یہاں آنے سے اسلئے انکار کر دیا تھا کہ تم
خواجواہ زیر بار ہوتے (ایضاً)

(۳۲) ”ہم تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں۔“ :-

جب حضرت مہتمم صاحب پاکستان جا کر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے اس
سلسلے میں حضرت نے کافی جدوجہد فرمائی تو موصوف کی آمد کے سلسلے میں ایک جلسہ
ہوا۔ حضرت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہم تو آپ کے نوکر ہیں اور آپ ہمارے آقا
ہیں، آپ ہمیں حکم دیں ہم تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ ایک عظیم مجمع میں اس قدر تواضع آپ
ہی کا حصہ تھا۔ (ایضاً)

(۳۳) ”معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا۔“ :-

مولانا عبدالصمد سورتی (مجاز حضرت شیخ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو اپنی
حالت کے بارے میں پرچہ دیا۔ حضرت نے فرمایا:-
کہ میں آپ کو ذکر جبری بتاؤ گا۔ اس کے بعد حضرت بھول گئے۔ جب آسام پہنچے تو ایک
دن مولانا عبدالصمد کو دیکھ کر فرمایا:-

”معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا۔ آپ نے بھی یاد نہیں دلایا۔“

اتفاق سے حضرت کو جس وقت بات یاد آئی اس وقت آپ کے پاس چند افسران بھی بیٹھے
تھے۔ انہی کے سامنے حضرت نے ایک خادم اور مرید سے معافی مانگی

(حوالہ بالا۔ ص ۱۳۲)

(۳۴) ”امتیازی برتاؤ سے انقباض۔“ :-

ایک مرتبہ حضرت بہار کے دورہ پر تشریف لانے والے تھے تو میں
نے مولانا منت اللہ صاحب رحمائی سے درخواست کی کہ پروگرام میں مقام سانحہ (ضلع
مونگیر) کو بھی شامل کر لیجئے تاکہ دارالعلوم معینیہ کی سنگ بنیاد حضرت اپنے دست مبارک

سے رکھیں۔ مولانا نے ازراہ شفقت میری درخواست منظور فرمائی۔

برسات کا زمانہ تھا۔ برسات کیوجہ سے آدھ میل تک کچی سڑک سخت ناہموار تھی۔ آتے ہوئے کار کے ڈرائیور نے ہمت کی۔ اور کسی طرح گاڑی مسجد تک لے آیا۔ مگر اب بھی کم و بیش قیام گاہ تک ایک فرلانگ کا فاصلہ باقی تھا۔ حضرت اتر پڑے اور جائے قیام تک پیدل ہی تشریف لائے۔ اور جس جگہ میں قیام کا انتظام تھا۔ وہ کافی اونچائی پر واقع تھا۔ حضرت چھڑی کے سہارے بمشکل وہاں تک پہنچے لیکن کسی کا سہارا لینا پسند نہیں فرمایا کمرے میں جا کر بیٹھ گئے تو وہاں کافی جھوم ہو گیا سخت گرمی تھی۔ اس لئے پنکھا جھکنے کے لئے آدمی کھڑا ہوا لیکن آپ نے اسے سختی سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ یہاں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں کیا انہیں گرمی نہیں لگتی۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔

(روایت مولانا خلف الدین صاحب رکن دارالافتاء دیوبند۔ ص ۱۳۳)

(۳۵) ”ایشاروا نکسار“:-

ترک مہد حکومت کی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں علاوہ احناف دیگر مسلک کے مفتیان کرام بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مفتی احناف بہت ضعیف اور کمزور تھے اس لئے ان سے کما حقہ محنت کیساتھ تحقیق و تدقیق مسائل کا کام انجام نہیں ہو پاتا تھا۔

اس لئے ان کے فتاویٰ ویسے مدلل اور محققانہ نہیں ہوتے تھے جیسے مفتی شوافع وغیرہ کے حضرت کا قیام اس وقت مدینہ منورہ ہی میں تھا۔ آپ سے احناف کی یہ سب دیکھی نہ گئی اور ایک دن مفتی احناف سے فرمایا کہ آپ چونکہ بہت ضعیف ہیں اس لئے اگر مناسب سمجھیں تو میں فتویٰ لکھ دیا کروں۔ اور آپ اس پر دستخط فرما دیا کریں اس کی اشاعت ہوگی آپ ہی کی جانب سے مفتی صاحب نے یہ بات بخوشی منظور کر لی۔ مدتوں یہ سلسلہ جاری رہا کہ فتویٰ حضرت لکھ دیا کرتے اور دستخط مفتی صاحب کر دیا کرتے لطف یہ کہ کسی کو اس زمانے میں اس بات کی خبر تک نہ ہوئی۔

اس طرح حضرت نے دوسرے شہرت و وقار کی بحالی کے لئے گناہم رہتے ہوئے مسلسل

صاحب نے اسے پیچھے ہٹنے کے لئے اشارہ کیا۔ تو حضرت وہیں کھڑے ہو گئے اور ان کو روکنے والے صاحب پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ! کیا اسکو حق نہیں ہے؟ پھر اسے کیوں روکا گیا؟ (روایت مولانا جمیل الرحمن سیوہاروی ص ۱۳۵)

”مکتوبات شیخ الاسلام“ سے چند اقتباسات:-

(۱) ”اصلاح نفس کا خیال ایک نفس پرور سے؟ یا للعجب!“

”مجھ کو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار، زمانہ کی گرمی اور سردی سے واقف

صاحب علم و شعور ایسی صریح غلطی میں پڑے جو کہ الفاظ ذیل سے نمودار ہو رہی ہے:

”عرصہ سے اصلاح نفس کی غرض سے خدمت والا میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں“

میرے محترم! اصلاح نفس کے لیے کسی سگ دنیا، نفس پرست، ناکارہ و نالائق کے پاس آنا

کیا معنی رکھتا ہے۔ پیاسا دریا کا قصد کرتا ہے، آتش (آگ) کا قصد نہیں کرتا۔ میں حلفیہ

کہتا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیاہ کاری سے خود شرمندہ ہوں اور بسا اوقات روتا ہوں۔

محترم اگر اس وقت کمال کے اعلام و اکابر نہ بھی موجود ہوتے تب بھی مجھ جیسے سگ دنیا کی

طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا، پھر خیال اصلاح نفس ایک پرور سے؟ یا للعجب!۔ اس سے یہ

مقصد نہیں کہ آپ کو تشریف ارزانی سے روکا جائے۔ حاشا وکلا، بلکہ اپنی حالت کو ظاہر کر دینا

ضروری ہے۔ بعض حضرات کو دھوکہ اس بات سے ہو رہا ہے کہ مجھ کو چند مقدس ہستیوں کی

خدمت میں ایک زمانہ تک باریابی کی نوبت رہی ہے، اس لیے ضرور بالضرور لائق ہوگا۔

مقدمہ اولیٰ بیشک صحیح ہے مگر مقدمہ ثانیہ غیر لازمی ہے۔

تہیٰ داستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیوان تشنہ ہی آور سکندر

(مکتوبات شیخ الاسلام، سلوک و طریقت ص ۱۵)

(۲) ”عمر ۷۰ سے تجاوز کر گئی مگر توشنہ آخرت کچھ نہیں“:-

”ابتدا سے نہایت نفس پرست اور اعمال میں کامل واقع ہوا ہوں، تمام عمر

گناہوں اور دنیا پرستی و نفسیات میں گزری ہے۔ اب عمر ستر ۷۰ برس تجاوز کر گئی ہے مگر توشہ آخرت کچھ نہیں ہے۔ ظاہری اسباب پر نظر کرتے ہوئے مغفرت کی کوئی امید نہیں ہے لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں کچھ ہوں۔ کلا واللہ اہل اللہ کے اوصاف جمیلہ اور احوال جلیہ سے بالکل عاری اور خالی ہوں“ (سلوک طریقت ص ۲۷)

(۳) ”توجہ الی اللہ اور! صلاح نفس کی مجھ کو فرصت کہاں؟“

”میں مختلف امور میں مبتلا ہوں، سیاسیات میں میرا شہناک ظاہر و باہر ہے۔ علوم ظاہرہ کا اشتغال الگ ہے، اسفار، لوگوں سے مخالطت اور خط و کتابت وغیرہ کی اس قدر کثرت ہے کہ جس کی وجہ سے توجہ الی اللہ اور! صلاح نفس کی فرصت ہی نہیں ملتی، تقریباً پانچ سو روپے ماہوراً تنخواہ لیکر احادیث نبویہ کی تعلیم دیتا ہوں اور اس میں بھی کس قدر کوتاہیاں ہوتی ہیں، اگر رحمت خداوندی نے دستگیری نہ فرمائی تو چھٹکارا ممکن نہیں ایسے نفس پرور کو بیعت و ارشاد کب مناسب ہے۔ میں تو صرف حضرات اکابر کے حکم پر بیعت کرتا ہوں، ہرگز ہرگز اس لائق نہیں۔“ (ص ۳۰)

(۴) ”محرومیت نے دامن نہ چھوڑا“:-

”ہم جب حضرت حاجی امد اللہ صاحب مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تقریباً ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا، مگر شعائر حج کی مشغولی کی بناء پر اس مدت قلیلہ میں بھی حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ حاضری نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ڈھائی مہینہ سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت الاستاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا۔“ (ص ۳۰)

(۵) ”آپ کا مجھ سے بیعت کرنا سخت غلطی تھی“:-

”مولانا وصی اللہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ) منقطع الی

اللہ ہیں، ساری جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف باطنی اشغال میں منہمک ہیں۔ ان کی بارگاہ میں ہزاروں کو فیض حاصل ہو رہا ہے، اس لئے موقع مت گنلو ایسے، ان سے استفادہ کیجئے، وہ آپ کے قریب ہیں، ہر بات ان سے دریافت کر سکتے ہیں، روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، میں اتنا دور ہوں کہ نہ پہونچنا آسان ہے اور نہ مجھ سے جواب حاصل کرنا آسان ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آپ انھیں کی طرف رجوع کریں“۔ (ص ۳۰) (۶) ”جانشین شیخ الہند“ لکھنے پر اظہار ناراضگی:-

”آپ حضرات آئے اور گئے۔ دوسری ملاقات میں پہلی ملاقات کو بھی ناقص چھوڑا، میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون دوسری ملاقات سے مایوس تھا، مگر آپ نے اعتبار نہ کیا، خیر کوئی ضرورت بھی ایسی نہ تھی۔

مجھے آپ کے لائے ہوئے رسالوں کو دیکھ کر سخت افسوس ہوا، حالانکہ خوش ہونا چاہیے تھا۔ ان رسالوں کے ٹائٹل پر ”خلیفہ“ اور ”جانشین خاص“ کا لفظ میرے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ کس قدر ظلم، کذب اور افتراء ہے جس کو آپ حضرت خود سمجھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے خلیفہ ہونا بغیر تخیف کے ممکن نہیں ہے۔ پھر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے کب اور کس وقت مجھ کو اپنا خلیفہ بنایا، میں تو حضرت سے بیعت بھی نہیں، اگرچہ انہوں نے اپنے کرم و عنایت سے میری مکمل ظاہری و باطنی تربیت فرمائی جس کی وجہ سے مجھ کو بے حد فائدہ حاصل ہوئے۔ مالٹا کی اسیری کے زمانہ میں میری باطنی اصلاح کے لئے مخفی طریقے پر توجہ مبذول رکھی اور کیوں نہ رکھتے، میں ان کا ہی تھا اور ہوں، اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کا سد نہ ہوتی بیشک آج میں آدمی ہوتا اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ نظر آتا، مگر بد قسمتی کا علاج کیا ہے۔

نہ شگوفہ ام نہ برگے، نہ ثمر، نہ سایہ دارم

در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا۔

جیسے کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جائے اس کا روشن ہونا اور اس کا روشن کرنا دونوں ممتنع

ہے، اسی طرح مجھ جیسے نالائق و ناکارہ کی حالت واقع ہوئی ہے۔

۔ کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا

زمزم بھی پیار نہ بجھی آگ جگر کی۔

مہربانی کر کے اس کے انسداد کی فکر کیجئے، جتنے ٹائٹل ہیں انکو جلا دیتے اور دوسرا ٹائٹل چھپوائیے جس میں ”خادم“ یا ”شاگرد شیخ الہند“ تحریر فرمائیے۔

(مکتوبات شیخ الاسلام، جلد ۱ ص ۳۳۷)

(۷) ”اگر آپ حضرات کا یہی معاملہ رہا تو بہت جلد مجھکو ہندوستان چھوڑنا پڑے گا“:-

”اگر آپ حضرات مجھ کو اپنے میں سے شمار کرتے ہیں تو خیر، ورنہ میں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کروں گا، میں خود اپنی نفسی افکار میں مبتلا ہوں، مجھ کو عند اللہ اپنی خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں متحیر ہوں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے کس بناء پر میرے ساتھ یہ (یعنی خلافت کا) معاملہ فرمایا، اور لوگوں میں کیوں اس کی اشاعت ہوئی۔ کاش! مولوی عاشق الہی صاحب وغیرہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر دھبہ آتا ہے، ان کی وقعت نظروں سے گر جاتی ہے۔

خدا نے تین ایسے برگزیدہ بندے جو کہ حقیقی نائب ختم الرسل ﷺ تھے، مجھ کو دکھلائے اور کم و بیش ان کی صحبت عطا ہوئی مگر محرومی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ لگی۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے اور اس قسم کی تشبیہوں سے عالم کو گمراہ نہ کیجئے“:-
(بحوالہ بالا ص ۳۳۸)

(۸) ”نہ میں محمودی ہوں، نہ رشیدی ہوں، نہ قاسمی ہوں، نہ امدادی“:-

”آپ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے بہت سی باتیں تکلفات کی لکھ رہے

ہیں، مگر میں ان سے دھوکہ میں نہیں آ سکتا، مجھ میں کوئی قابلیت کسی بزرگ کی جانشینی کی نہیں ہے، بلکہ بخلاف اس کے اپنے لوگوں سے انتساب میں بھی مجھ کو سخت ندامت کا سامنا

ہوتا ہے۔ میں بجائے اس کے کہ ان کے آثار قدم کا تتبع ہوتا، عملی حالت کو اس کے خلاف پاتا ہوں، اس لئے بجز اس کے کہ "نگ اکابر" کہوں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھ کو نہ اپنے کو محمودی لقب بھاتا ہے، نہ رشیدی، نہ قاسمی، نہ امدادی اور نہ اس پر کبھی جرات ہوئی۔ ہاں! اگر خداوند کریم ان بزرگوں کے کاسۂ معرفت و اخلاص اور عمل و تقویٰ میں سے کچھ نصیب فرمادیں تو اس وقت میں کوئی مضائقہ نہیں، میں ان بزرگوں کو بدنام کرنے والا ہوں، نیک نام کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(مکتوبات شیخ السلام ص ۴۴)

(۹) ”مادحانہ کلمات لکھنے سے اجتناب کیجئے!“۔

”مجھ کو اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ مادحانہ کلمات لکھتے ہیں اور اس سے تغافل برت رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مادحین کے لئے کس قدر سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اس لئے آپ کو بہت زیادہ اجتناب چاہیے اور سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ اطراء، مدح کرتے ہوئے ناجائز کلمات مثل ”خیر الاخیار“ ذات نور علی نور“ قبلہ و کعبہ حاجات“ وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں، کس قدر غضب کی بات ہے کہ جس چیز کو ہم دوسروں کے لئے ناجائز بتائیں اور ان کو روکیں اسی کو خود عمل میں لائیں اتا مروون الناس بالبر وتنسون انفسکم ایسی باتوں سے سخت گریز کیجئے ہوا علم بکم ان النشاکم من الارض واذ انتم اجنتہ فی بطون امہاتکم فلا تزکو! انفسکم ہوا علم بمن اتقی الحذر الحذر خاتمہ کا حال معلوم نہیں، جب تک خاتمہ علی الایمان نہ ہو جائے اس وقت تک اشرف المخلوقات ہونا بھی صحیح نہیں۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳ ص ۱۱۵)

(۱۰) ”آپ جھوٹی مدح سرائی چھوڑ دیں!“۔

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احتسبوا

افسی فمہ انمار حین التراب (بہت تعریف اور مدح سرائی کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو) ایک شخص نے دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسرت ظہر اخیک (تو نے اپنے بھائی کی پشت اور کمر توڑ دی) آپ ہر تحریر میں ایسی جھوٹی تعریف کرتے رہتے ہیں، اس خط میں لکھتے ہیں: ”علامۃ المحققین“ امام المحققین ”حکیم الامتین“ کیا یہ سب جھوٹ نہیں ہے؟ آپ کو کیا معلوم کہ میں کیا ہوں، آپ کو ”مولوی“ لکھ دینا چاہیے

اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت ہوگئی تو کیا جواب دیں گے؟ اگر میرا نفس امارہ ان الفاظ کی وجہ سے تکبر اور غرور میں مبتلا ہو گیا تو میری تباہی تو یقینی ہے اور پھر آپ بھی اس گناہ میں شریک ہونگے۔ میرے محترم؟ یہ طریقہ غلط ہے، ہم لوگ بے سوچے سمجھے اس غلط طریقے پر چلے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم میں غرور اور تکبر کا مہلک مرض اور افزوں ہوتا جاتا ہے۔“ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۴ ص ۵۶)

مخدوم الملتہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے واقعات

تواضع سے متعلق حضرت مفتی صاحب کے ملفوظات:

(۱)۔ فرمایا:

پستی (تواضع) بڑی دولت ہے، مگر پستی کو اس لئے اختیار نہ کرے کہ بلندی ملے، پھر وہ پستی نہیں وہ تدبیر ہے بلند بننے کی۔

(۲) فرمایا:

تواضع کرنے کو اپنا حق اور منصب سمجھے اور تواضع سے بے خبر ہو کر تواضع کرے۔ متواضع اگر اپنی تواضع سے خبردار رہے گا تو وہ صورت تواضع ہوگی حقیقی تواضع نہ رہے گی جیسے نیند والا اگر اپنی حالت نیند سے خبردار رہے تو وہ صبح نیند نہ کہلائے گی۔

(۳) فرمایا:

حضرت والا (حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ

اس طریق میں اول قدم بھی پستی ہے اور آخر بھی پستی ہے۔ بغیر اس کے اور ادو وظائف کچھ بھی فائدہ مند نہیں اور عاجزی اور انکساری کی عینک ہی سے بندہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کر سکے گا۔ (احسن السوانح ص ۲۳۷)

(۴)۔ آپ کے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ”اگر میرے عیوب کی کسی کو اطلاع ہو جائے تو کوئی میرے اوپر تھو کے بھی نہیں۔“ جب ہمارے اکابر کا یہ حال ہے تو ہم جیسوں کو بھی اپنا مقام سوچ لینا چاہیے۔ (اصلاحی مضامین ص ۲۵۳)

(۵)۔ جناب شورش کا شمیری مرحوم بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے ایک دفعہ فرمایا: ”میاں ہم لوگ تو دین کی روٹی کھاتے ہیں، اصل دیندار تو وہ لوگ ہیں جنہیں دین کی حیا اور دین کا پاس ہے۔“ (چٹان ۶۱-۶۲-۱۲)

(۶)۔ مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی (مؤلف تذکرہ حسن) فرماتے ہیں کہ جب کبھی احقر کے والد محترم حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شیروانی (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی) حضرت کی مجلس میں تشریف لیجاتے تو اکثر فرماتے کہ:

”مولانا! آپ کے سامنے تو بوتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے، معاف فرمائیے! آپ نے تو حضرت (تھانوی) کو خوب دیکھا ہے۔“

(حضرت مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشابہیر تلامذہ و خلفاء ص ۹۳)

(۷)۔ آپ کے خلیفہ، مجاز شیخ الحدیث حضرت اقدس صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

تواضع پیدا کرنے کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بارہا قولاً تربیت فرماتے تھے عملاً بھی تربیت فرماتے تھے مثلاً ”حضرت“ کہنے کے متعلق بعض دفعہ فرماتے یہ کیا ”ادرک، ادرک“ کہتے رہتے ہیں یعنی جب مجھے حضرت کہا جاتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے مذاق کیا جا رہا ہے اور ”ادرک، ادرک“ کہا جا رہا ہے۔ انتہائی حضرت رحمۃ اللہ

علیہ میں تواضع کی۔ بعض دفعہ فرمایا کہ ”لوگ جو مجھے“ مفتی صاحب، مفتی صاحب“ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب (بخاری رحمہ اللہ) کا میں استاد ہوں، ان کی عزت کرتے ہوئے مجھے ”مفتی صاحب مفتی صاحب“ کہہ دیتے ہیں“ (فیوض الاکابر ص ۲۹)

واقعات:

(۱) ”میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال۔“

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: تھانہ بھون میں خانقاہ شریف کے جس حجرے میں میرا قیام تھا وہاں ایک روز خواجہ صاحب (حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب محذوب رحمۃ اللہ علیہ) تشریف لائے اور دروازے کی چوکھٹ میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں باہیں پھیلا کر دونوں طرف ہاتھ رکھ لئے۔ میں نے کہا خواجہ صاحب یہ شعر تو گویا آپ نے میرے لئے کہا ہے۔

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال۔ بدعمل، بد نفس، بد خو، بد خصال۔
خواجہ صاحب نے فرمایا: کہا تو میں نے اپنے لئے ہے، یوں کوئی اپنے اوپر چپکا تا پھرے تو اور بات ہے۔

(۲) ”آپ حضرات سے تعلق میری اپنی نجات کا ذریعہ بنے گا۔“

اپنے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر محمد اختر صاحب مدظلہم کے ایک عریضہ کے جواب میں حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں: ”آپ کے محبت نامہ سے دل خوش ہوا، آپ حضرات سے تعلق

میری اپنی نجات کا ذریعہ بنے گا اور بننے کی امید ہے، احقر کے لئے حسن خاتمہ کی دعا اور مغفرت کی دعا فرما کر احسان فرماتے رہیں۔“ (۳۰۲)

(۳) ”میرے پاس کیا ہے، کچھ نہیں، لیکن لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں دنیدار ہو“۔

مولانا وکیل احمد صاحب فرماتے ہیں: احقر نے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے جناب حافظ ولی اللہ صاحب سلمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا نے مجھ سے بطور سوال یہ فرمایا: ”تم دیکھتے ہو کہ میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، آنیوالوں کے اندر امیر، غریب، اعلیٰ افسر، علماء، غرضیکہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر یہ اتنے سارے لوگ کیوں آتے ہیں: صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ میں خاموش ہو گیا، حالانکہ میرے پاس اس کا جواب موجود تھا کہ لوگ آپ جیسی مقدس و بزرگ ہستی کی زیارت کے لئے آتے ہیں، جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت والا نے خود ہی فرمایا: میرے پاس کیا ہے۔ کچھ نہیں لیکن لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں دنیادار ہوں، تو گویا یہ لوگ دین کی وجہ سے میرے پاس آتے ہیں، اس سے اندازہ کر لو کہ دین میں کتنی عظمت پوشیدہ ہے، دین کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے، دین اللہ کی رحمت و برکت کا سرچشمہ ہے دو لت کوئی چیز نہیں، وہ ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جاتی ہے۔

(۴) ”توبہ توبہ! آپ نے بھی آخرت کے لئے کس ناکارہ شخص کا قرب تلاش کیا۔“

حضرت اقدس ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہم و درحاکم فرماتے ہیں؟“ ایک روز حضرت والا نے انتہائی شفقت کے ساتھ احقر کو اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہا، قریب بیٹھا تو مزید قریب ہونے کے لئے ارشاد فرمایا، قدرے اور قریب ہو گیا، اس دوران دل پر جو کچھ گزری تھی وہ بات زبان پہ آ گئی، عرض کیا حضرت آخرت میں بھی اسی طرح اپنا قرب عطا فرمائیں، حضرت والا مفتی صاحب علیہ الرحمۃ یہ سن کر اس طرح اچھل پڑے گویا کوئی بہت ہی عجیب بات کہہ دی گئی ہو، فرمانے لگے: توبہ توبہ! آپ نے بھی آخرت کے لئے کس ناکارہ شخص کا قرب تلاش کیا۔ (۲۸۴)

(۵) ”حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کمال تواضع۔“

ایک دفعہ دو عورتیں بے پردگی کی حالت میں حضرت والا کی خدمت اقدس میں

ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں، حضرت والا نے اپنے صاحبزادہ صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ پردہ کر کے آئیں۔ انہوں نے جواباً کہہ دیا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے پردہ کیا جاسکے۔ اس پر ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اپنے چہرہ مبارک پر رومال ڈال لیا اور فرمایا، ان سے کہو آجائیں۔ جب آکر بیٹھ گئیں تو حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔ ایک نے عرض کیا یہ میرے ساتھ میری چھوٹی ہم شیرہ ہے اس کا شوہر نہ تو اس کو آباد کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو چھوڑتا ہے اور اس کو تنگ کر رکھا ہے اس کے چھٹکارے کی شرعاً کیا صورت ہے۔ فرمایا: اس سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ طلاق ہے، تم اس سے کسی طرح طلاق حاصل کر لو، بس اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ مکرر دریافت کرنے پر کہ رہائی کی کوئی صورت نکالی جائے، حضرت والا نے ارشاد فرمایا: میں مسئلہ بتاتا ہوں بنانا نہیں، اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں، جب وہ اٹھ کر چلی گئیں تو حضرت والا نے اس وقت تک اپنے چہرہ مبارک سے رومال نہیں اتارا جب تک کہ سیڑھیوں سے ان عورتوں کے اترنے کی آواز کونہ سن لیا۔ پھر فرمایا: دیکھو ان عورتوں کا ظاہر تو ایسا ہے جو قابل نفرت ہے مگر ان کے دل میں دین کی محبت و عظمت ہے، اگر دین سے محبت و تعلق نہ ہوتا تو میرے پاس مسئلہ پوچھنے نہ آتیں۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا اپنی کمال تواضع کی بناء پر کسی کو ذلیل اور کمتر نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کی خوبیوں کا زبان مبارک سے اظہار فرمایا کرتے۔ (۲۸۶)

(۶) ”لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں درس قرآن“۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پاکستان بننے کے بعد مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے زمانے میں میرے کراچی آنے سے پہلے آپ لاہور میں آکر مقیم ہو چکے تھے اور مدرسہ کے لئے شہر کی ایک

عمارت نیلا گنبد کے متصل حاصل کر چکے تھے، اور درس نظامی کے مکمل انتظام کے ساتھ خود درس قرآن دینے کا مشغلہ جاری تھا، مگر حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی اور للہیت کا ایک خاص انداز تھا کہ جب کبھی احقر یا کوئی دوسرے اہل علم لاہور آتے تو اس درس قرآن کے لئے ان کو بڑے ذوق و شوق سے دعوت دیتے اور خود درس میں شریک ہو کر ایک ایک جملہ پر داد و تحسان دیتے تھے، دنیا میں کوئی پیر و مرشد یا عالم اپنے معتقدین، مریدین دوسروں کی اتنی تعظیم و تکریم نہیں کیا کرتا جس سے معتقدین کو یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو ہمارے بزرگ سے زیادہ بزرگ ہیں، مگر یہاں تو اپنی عزت و جاہ کو اللہ کے لئے قربان کئے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی کشادہ دلی سے ہر اہل علم کے ساتھ یہی معاملہ فرماتے تھے، بارہا ایسی نوبت بھی آئی کہ احقر سے مدرسہ کی عمارت میں درس قرآن دلویا اس میں جو تقریر ہوئی اس کو نہ صرف مقامی طور پر استحسان فرمایا بلکہ اس کا انتظام کیا کہ یہ تقریر بڑے مجمع کے سامنے نیلا گنبد کی جامع مسجد میں دوبارہ کی جائے۔ ایک مرتبہ اشتراکیت کی تردید میں ایک تقریر ہو گئی تھی تو جامع مسجد نیلا گنبد میں باقاعدہ اعلانات کے ساتھ رات میں جلسہ کا انتظام کیا اور شارٹ ہینڈ والے بلائے کہ میری اس تقریر کو منضبط کر لیں، اس کے مطابق بڑے اجتماع میں دوبارہ یہ تقریر ہوئی اور شارٹ ہینڈ والوں نے اس کو منضبط بھی کر لیا۔ (چند عظیم شخصیات ۷۲)

(۷) ”بیٹا مجھے معاف کر دو، میری خدمت کی وجہ سے تمہیں بے آرام ہونا پڑا۔“

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی زید مجدہم فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم آجکل جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ اس عاجز کو بتایا کہ اباجی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ گھر میں سوئے ہوئے، گرمی کا موسم تھا، بوند اباندی شروع ہو گئی، اماں جی اٹھیں اور انہوں نے اپنی چارپائی کو برآمدے میں رکھ لیا اور اباجی چونکہ پاؤں سے معذور

تھے، چل پھر نہیں سکتے تھے، لہذا مجھے والدہ صاحبہ نے جگایا، میں ہی بڑا بیٹا تھا اور میں ہی جو ان العمر تھا، مجھے جگا کر کہا کہ بیٹا اٹھو اور اباجی کو صحن کی بجائے برآمدے میں لا کر لٹا دو۔ تم انہیں اٹھانا اور میں چار پائی برآمدے میں لا کر اوپر بستر کر دوں گی۔ میں نے اٹھ کر اباجی کو اٹھایا جبکہ والدہ صاحبہ نے چار پائی برآمدے میں پہنچائی، میں نے جب اباجی کو آ کر بستر پر لٹا یا تو اباجی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مجھے فرمانے لگے: بیٹا مجھے معاف کر دو، بیٹا مجھے معاف کر دو، میری خدمت کی وجہ سے آپکے آرام میں خلل آیا ہے، میرے آرام کی خاطر تمہیں بے آرام ہونا پڑا۔ سبحان اللہ یہ ہوتی ہے بے نفسی۔ (خطبات فقیر ج ۳۔ ص ۱۴۴)

(۸) ”حضرت مفتی صاحب اور حضرت لاہوری کی ایک یادگار ملاقات“۔
حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب

تحریر

فرماتے ہیں: حضرت مفتی صاحب اور حضرت لاہوری کے باہمی تعلقات اور محبت کا نقشہ جن

آنکھوں نے دیکھا ہے، اسے الفاظ اور زبان ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ جب بھی کوئی دینی مسئلہ یا کوئی اہم بات منظر عام پر آتی تو یہ حضرات شیخین سر جوڑ کر بیٹھتے اور اس وقت کے اکابر کو ایک جگہ پر اکٹھا کر لیتے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کیونکہ ایک ٹانگ سے معذور تھے اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے اس عذر کی بناء پر مجھے میرے گھر کے اندر آپ حضرات کی میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور آپ حضرات میرے اس عذر کی بناء پر شفقت فرماتے ہوئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لے آتے ہیں۔

قلت وقت کی بناء پر ایک واقعہ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں ۱۹۶۱ء میں اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ پہلی مرتبہ حرمین شریفین میں حج کے لئے گیا ہوا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ہمارے استقبال کے لئے لاہور سے کر

اچی آنے کے لئے اپنے آخری سفر کا ارادہ فرما چکے تھے۔ حضرت مفتی صاحب جب لاہور والوں کو آخری سلام پیش کر رہے تھے تو انہوں نے لاہور شہر میں اپنے

احباب اور بزرگوں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جس میں سرفہرست حضرت لاہوری کی تاریخی ملاقات تھی جو ان شیخین نے شیرانوالہ گیٹ میں کی۔ حضرت مفتی صاحب نے حضرت لاہوری کو پیغام بھجوایا کہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں، جواب میں حضرت لاہوری نے یہ کہلا بھیجا کہ آپ تشریف نہ لائیں، میں خود آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد آ جاتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ قلبی خواہش ہے کہ کراچی جانے سے پہلے خود شیرانوالہ گیٹ حاضر ہوں، حضرت لاہوری نے یہ اصرار دیکھا تو کہلا بھیجا کہ ضرور تشریف لائیں، ہمارے لئے آپ کی آمد باعث خیر و برکت ہوگی۔ چنانچہ بانی جامعہ اشرفیہ حضرت لاہوری سے آخری ملاقات کے لئے شیرانوالہ گیٹ تشریف لے گئے۔ آج وہ آنکھیں زندہ ہونگی جنہوں نے اس ملاقات کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب یہ حضرات شیخین آپس میں مصافحہ اور معانقہ کے بعد بیٹھے ہیں تو دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ دونوں بزرگوں پر خاموشی کی ایک عجیب کیفیت کافی دیر تک جاری رہی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بے زبان، بغیر الفاظ، بغیر بات چیت کے ساری باتیں آپس میں طے فرما رہے ہیں۔

مولانا روم نے شاید اسی موقع کے لئے فرمایا ہے:

اے لقائے تو جواب ہر سوال، مشکل حل شود بے قال و قال۔

ملاقات کا اختتام ان کلمات پر ہوا: بانی جامعہ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ میرے یہاں آنے کا سبب جہاں آپ کی ملاقات اور زیارت مقصود تھی وہاں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آپ سے اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعا کا کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ جل شانہ میرا خاتمہ ایمان پر نصیب کریں۔“

حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”حضرت! اللہ جل شانہ نے آپ

سے اس ملک پاکستان، لاہور اور اس کی وجہ سے ساری دنیا کے اندر جو اسلام کی خدمت لی ہے، یہ حضرت کی کامیابی کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگی، اور پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تعلق جوڑا ہے ایسا مثالی تعلق کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔“

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کر دوں جس سے شاید حضرت لاہوریؒ اور حضرت مفتی صاحب کے درمیان محبت اور عظمت کا اندازہ ہو سکے۔ متعدد حضرات نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ مدرسہ شیرانوالہ قدیمی مدرسہ ہے یہاں دورہ حدیث اور درس نظامی کا نصاب شروع کر دیں تاکہ دور سے آنے والے طلبہ اپنی پیاس بجھا سکیں۔

حضرت لاہوریؒ نے جواب میں فرمایا کہ ”جب سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں بنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ علماء نے طلبہ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے ایک علمی مرکز بنا دیا ہے۔“

(بیس علمائے حق ص ۱۴۶)

(۹)۔ ”میرا اک کھیل خلقت نے بنایا“:

آپ کے خادم خاص جناب محمد اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس عاجز نابکار سے فرمایا کہ معلوم ہے حضرت گنگوہی قدس سرہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا یہ شعر کیوں گنگناتے تھے

میرا اک کھیل خلقت نے بنایا تماشا کو مرے پھر بھی تو نہ آیا

میں نے عرض کیا حضرت فرمائیں۔

فرمایا: ”حضرت گنگوہی قدس سرہ کی بینائی جاتی رہی تھی اور ان کی پاکی کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہم اللہ اٹھاتے تھے اور چونکہ حضرت گنگوہی رحمہم اللہ اپنے مریدین و مجازین عظام کے درجات کو پہچانتے تھے اور شیخ خود تو اپنا معتقد ہونہیں ہو سکتا اور عالم بھر میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھتا ہے اس لئے فرماتے تھے کہ اتنے بڑے لوگ میرا تماشا بنا رہے ہیں۔“

بندہ کو تو یہی باور کیا گیا یا یقین ہے کہ اس طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی حالت کا اظہار فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بندہ نے عرض کیا حضرت! آپ بندہ کے مکان پر تشریف نہیں لاتے۔ فرمایا کہ تم کچھ کچھ سمجھ سکو گے تم باور نہیں کر سکتے کہ جب میں ایک مسلمان کے کندھوں پر سوار ہوتا ہوں میرا کیا حال ہوتا ہے۔ (کمالات حسن ص ۳۲)

(۱۰) ”اگر میری تعریف میں ہے تو سنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔“

مولانا غلام محمد صاحب مدظلہ خادم خاص حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پرچہ بندہ کو لکھ کر دیا جس کی عبارت درج ذیل ہے:

۱۹۵۲ء کا ذکر ہے، (حضرت مفتی صاحب) کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور حاجی محمد شفیع امرتسری کے گھر پر قیام تھا۔ ایک روز درس مثنوی میں مظہریت صفات باری تعالیٰ کے مسئلہ کی تشریح قالاً و حالاً ایسی فرمائی کہ ساری مجلس پر ایک کیفیت طاری ہو گئی، جب درس ختم ہوا راقم الحروف کی زبان سے بے ساختہ یہ رباعی ہو گئی جو شدت تاثر اور فور فیضان کا اثر تھا

تو واقف سرور مزرعی ہستی

وزیادہ عرفان الہی مستی

جرعے زمے قدیم ارزانی کن

اے تو کہ خیالم بہ فلک پیوستی

یہ حضرت کی توجہ باطنی کا کرشمہ تھا، مگر اسی کے ساتھ حضرت کی فنائیت تامہ کا مشاہدہ بھی اس سلسلہ میں یوں حاصل ہوا کہ احقر کو تو خود اپنی رباعی پیش کرنے کی جرأت اس وقت نہ ہو سکی تھی، بعد میں حضرت کے مرید رشید و خلیفہ مجاز حاجی نور محمد بٹ صاحب مرحوم جب لاہور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مولوی غلام محمد صاحب نے حضرت کی شان میں بڑی ہی اچھی رباعی کہی ہے جو پیش کرنا چاہتا ہوں تو معاً فرمایا اور حکما ارشاد ہوا:

”اگر میری تعریف میں ہے تو سنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔“

یہ شان تھی فنایت کی ورنہ اور شیوخ تو اس قسم کی چیزوں کو خود فروغ دیتے ہیں۔

(ایضاً ص ۳۵)

(۱۱) ”اس مجلس میں سب سے زیادہ حقیر میں ہوں“ :-

کوئی مجلس نہ ہوتی تھی جس میں پستی کا ذکر نہ ہوتا اور اہل طریق کی ہدایت کے لئے یہ شعرا کثر بالقصد پڑھا کرتے تھے۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود، ہر کجا دردے شفا آنجا رود۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”خانقاہ میں بیٹھے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس مجلس میں

(ایضاً ص ۳۶)

سب سے زیادہ حقیر میں ہوں“۔

(۱۲) ”میں کیا ہوں جو میرے ملفوظات لکھتے ہو مت لکھو!“ :-

جناب حفیظ الرحمن صاحب رحمہ اللہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے مجازین میں سے تھے اور آخری دو سال جب حضرت اقدس رحمہ اللہ معذور تھے ان کی طرف سے خطوط کے جوابات بھی لکھتے تھے۔ ایک صاحب کی درخواست پر حفیظ الرحمن صاحب نے حضرت سے اجازت چاہی کہ حضرت کے ارشادات بعنوان ”ملفوظات“ نقل کر لیا کروں۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ”میرے ملفوظ؟“ پھر فرمایا ”میرے ملفوظ؟“ فرمایا ”ملفوظات تو حضرت مرشدی تھا نوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں میں تو وہی نقل کرتا ہوں، میں کیا ہوں جو میرے ملفوظات لکھتے ہو مت لکھو!“ (ایضاً ص ۳۷)

(۱۳) ”حضرت مفتی صاحب نے اپنی فقیری کو اس طرح چھپایا ہے جیسے

مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے“۔

حضرت مفتی صاحب کی سادگی ہی شان عبدیت و فنایت اور تسلیم و رضا کا نمونہ

تھی اور حضرت کے پاؤں کے تلوے میں پھوڑا ۱۹۳۴ء سے تھا اور ۱۹۵۱ء میں ٹانگ کٹوائی

گویا ۱۷-۱۸ سال اس شدت تکلیف میں صبر و استقلال پر ذرا بھر آنچ بھی نہیں آنے دی اور ہمیشہ ہشاش بشاش رہے اور جس روز ٹانگ کائی گئی اسے یوم عید کہتے تھے۔ اتنا بڑا آپریشن اور بیہوش کرنے کی اجازت نہ دینا، آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں سرمو فرق نہ آنا جس ہشاش کے ساتھ آپریشن کے کمرے میں داخل ہوئے تھے اسی طرح واپس آنا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، یہ واقعہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے استفسار پر کہ یہ استقامت جو ٹانگ کٹنے کے وقت تھی اس کا کیا راز تھا؟ فرمایا:

”میں اس وقت تکلیف کے اجز جزیل میں جو مشکل ہو کر سامنے آ گیا تھا ایسا محو ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے۔“

گویا یہ مقام عین الیقین تھا کہ تکلیف کا احساس تک نہ ہوا اور یہ راز صرف اور صرف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کو ان کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ ورنہ بقول احقر کی والدہ صاحبہ نور اللہ مرقدہا حضرت مفتی صاحب نے اپنی فقیری کو اس طرح چھپایا ہے جیسے مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے۔ حضرت والدہ صاحبہ وایہ تھیں اور ۴ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ شب جمعرات انتقال فرمایا۔ ۹ حج فرمائے اس کے بعد دو مستقل عمرے کیے تھے۔ فرماتی تھیں جس وقت میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا سلام ان کی زندگی میں موابہ شریف کے سامنے پیش کرتی تھی مجھے حضور اقدس ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بھی۔ عجیب ایک کیفیت و حال ہوتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۸)

(۱۴) ”یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ ہم کلامی کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔“

(۱)۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے دعا کے لئے عرض کیا، تھوڑی بعد پھر عرض کیا، تھوڑی دیر بعد پھر عرض کیا۔ پھر کہا کہ حضرت! آپ کو دعا کے لئے

بار بار تکلیف دیتا ہوں، فرمایا کہ ”کیا کہا، ارے بھائی! تمہارے کہنے سے مجھے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ ہم کلامی کی سعادت مل جاتی ہے۔“

(۲)۔ حضرت کو ذیابیطیس کی تکلیف کی وجہ سے بار بار استنجا کے لئے جانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بیت الخلاء جاؤ تو پڑھ لیا کرو
بسم اللہ اللہم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث اور فارغ ہونے کے بعد
غفرانک الحمد للہ الذی اذهب غنی الاذی و عافانی۔

اس طرح یہ تکلیف بھی میرے لئے رحمت بن گئی کہ ہر دفعہ دو مرتبہ (مسنون دعاؤں کے ذریعہ) حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہو جاتا ہے۔

دیکھئے! عبدیت و فنایت، رضاء و تسلیم کس درجہ تھا؟ (ایضاً ص ۳۹)

(۱۵) ”بھائی! معاف کر دینا! میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔“

چونکہ حضرت مفتی صاحب ایک زمانہ سے چلنے پھرنے سے لاچار ہو گئے تھے، ایک صاحب جن کا شمار رندوں میں ہوتا ہے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں کبھی غرور، تکبر، نخوت اور خشونت نہیں پائی وہ صحیح معنوں میں قرون اولیٰ کے ان رفیقان رسول کا عکس تھے، جن میں صحب رسالت مآب کی خوشہ چینی کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے آپ کے جلیل القدر صاحبزادے انہیں کاندھوں پر اٹھا کر چارپائی وغیرہ بدلواتے اور حوائج ضروریہ سے فراغت میں معاون ہوتے تھے۔ مگر آپ کی یہ حالت تھی کہ صاحبزادگان سے قدم قدم پر معافی کے خواستگار ہوتے۔ فرماتے ”بھائی! معاف کر دینا میں نے تمہیں بہت تکلیف دی ہے۔“

(حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اور ان کے مشاہیر تلامذہ و خلفاء ص ۹۳)

(۱۶)۔ ”میری کیا بساط ہے کہ دین کی خدمت کا کوئی اونچا عوی کر سکوں؟“

ایک روز ایک اخبار کا نامہ نگار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

جامعہ اشرفیہ کے متعلق ایک مضمون لکھنے کا ارادہ ہے، کچھ مواد درکار ہے۔ حضرت مفتی صاحب مسکرائے اور پوچھا ”کیا آپ نے فیروز پور روڈ پر جامعہ اشرفیہ کی نئی عمارت دیکھی ہے؟“

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو فرمانے لگے ”بس مواد تو وہیں ملے گا، طالبعلموں کے درمیان تھوڑا سا وقت بسر کیجئے ان کے اساتذہ سے ملیے پھر آپ جو مناسب سمجھیں لکھیے!“ انہوں نے کہا کہ جامعہ کے رئیس (یعنی آپ) سے ملاقات کا بھی ایک مقصد ہے۔ آپ نے جواب دیا:

”بھائی! میں تو خاموش گوشہ میں پڑا ہوں، ذات باری کے احسانات سے گردن جھکی ہوئی ہے، اس کی عنایتوں کا شمار ہی نہیں، میری کیا بساط ہے کہ دین کی خدمت کا کوئی اونچا دعویٰ کر سکوں، بس ایک چراغ جلا رکھا ہے کیونکہ زندگی محض مادی ضروریات کے لئے تگ و دو ہی کا نام نہیں، اس کا روحانی پہلو بھی ہے، جب تک اس خاکی جسم میں سانس ہے میں ان شاء اللہ یہ خدمت انجام دیتا رہوں گا۔

ذات کبریا کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ ہمیں دینی کاموں کے لئے سرمایہ کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس سے وافر حق تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں اور یہ رقم ایسے لوگوں کے ہاتھ سے آتی ہے جن میں نام و نمود کی کوئی آرزو نہیں، اسی تائید ایزادی کا نتیجہ ہے کہ گرانی کے اس دور میں بھی جامعہ اشرفیہ کی عمارتیں سراونچا کر رہی ہیں۔“ (ایضاً ۹۳، ۹۴)

(۱۷) ”حضرت مفتی صاحب کی شان تو اضع“۔

آپ کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

ایک نمایاں چیز جو شیخ طریقت، ہادی، امت، سراپا رحمت حضرت مفتی صاحب

رحمتہ اللہ علیہ میں احقر عاجز نے محسوس کی، وہ تواضع تھی اور فناء فی الشیخ کا یہ لازمی اثر تھا، کیونکہ فناء فی الشیخ ہونے سے شیخ کے کمالات طالب میں آتے ہیں ”خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے“۔

حضرت تھانویؒ کی تواضع لامحالہ حسرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آنی تھی اور آئی۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ”حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں چونکہ بہت تواضع تھی تو سب اہل مجلس میں تواضع آ گئی تھی اور حضرت تھانویؒ کی مجلس میں ہر شخص اپنے آپ کو سب سے حقیر شمار کرتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں اتنی تواضع تھی کہ اگر آسمان سے آواز آتی کہ دنیا میں سب سے حقیر کون ہے؟

..... تو سب سے پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میں ہوں“ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”بعض لوگ جب دو چار نفل پڑھ لیتے ہیں تو (ٹوپی ماتھے پر رکھ کر فرمایا کہ) ٹوپی یوں رکھ لیتے ہیں، یعنی متکبرانہ طریق سے رکھ لیتے ہیں۔

غالباً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کہ ”مجھے تکبر سے ایسی ہی نفرت ہے جیسی کفر سے نفرت ہے“۔

یاد پڑتا ہے کہ بعض دفعہ اپنی طرف سے یا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”ہم اگر حق تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں پوچھیں تو یہ ایسا ہے جیسے پانی کے قطرہ میں باریک جراثیم ہوتے ہیں، ان میں سے ایک سراٹھا کر یہ کہے کہ انسان کے فلاں کام میں کیا حکمت ہے؟“ یعنی جیسے پانی کے قطرہ کے باریک جراثیم کی انسان کے سامنے وقعت نہیں ایسے ہی انسان کی حق تعالیٰ کے سامنے کچھ وقعت نہیں کہ حق تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کر سکے۔ (فیوض الاکا بر ص ۱۶، ۱۷)

(۱۸) ”سبحان اللہ! خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی“:- ایک مرتبہ جبکہ احقر (حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم) خیر المدرس میں پڑھتا تھا تو

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے فرمایا کہ ”طلبا، سے الگ رہا کرو اور یہ خیال کرنا کہ جیسے بھنگی دوسرے لوگوں سے الگ رہتا ہے کہ اس کی گندگی سے اوروں کو تکلیف نہ پہنچے اسی طرح تم بھی الگ رہنا۔“ سبحان اللہ خلوت کی بھی تعلیم فرمائی اور تکبر سے بچنے کی بھی تدبیر سکھلا دی۔ (ایضاً ص ۱۷)

(۱۹) ”جب سقاوہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بد نے میں کیا آویگا؟“

ایک دفعہ خیر المدارس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تشریف لے گئے احقر چائے کے برتن دسترخوان پر رکھ رہا تھا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ نے احقر کو کچھ تنبیہ فرمائی اور ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ”دیکھئے!۔۔۔۔۔ آپ کے مرید ایسے ہیں۔“ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب لہجہ میں فرمایا کہ ”جب سقاوہ میں ہی کچھ نہ ہو تو بد نے میں کیا آویگا؟۔ یعنی جس مشک میں سے لوٹے میں پانی ڈالنا ہے جب اس مشک میں کچھ نہ ہوگا تو لوٹے میں کیا آوے گا۔“

عجیب عنوان سے اپنی عاجزی کا اظہار فرمایا۔ سبحان اللہ۔۔۔ اولیاء اللہ میں جتنی حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی چلی جاتی ہے تو اضع بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس راستہ میں اول قدم بھی فناء ہے اور آخری کمال بھی فناء ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ”جس سالک نے تواضع حاصل نہ کی، کچھ بھی حاصل نہ کیا۔“ (ایضاً ص ۱۷)

(۲۰) ”میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت“۔

ایک دفعہ ایک طالب کو کسی کوتاہی پر ڈانٹا اور فرمایا ”تو نے خبیثوں جیسا کام کیا“ یہ بھی نہ فرمایا کہ تو خبیث ہے، پھر شاید یہ خیال فرمایا کہ اس کا قصور نہ تھا، تو اگلے دن بلا کر فرمایا کہ ”میں تمہیں ڈانٹ کر پچھتایا بہت“ عجیب تواضع تھی کسی شیخ کو مرید سے معافی مانگتے بھی بلا کسی نے سنا ہوگا۔ آپ نے اپنے آپ کو بالکل مٹا دیا تھا اور شاید حضرت کی شان فناء اور تنہائی پسندی ہی کی خواہش حق تعالیٰ نے یوں پوری فرمائی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال

کراچی میں ہوا اور بہت جلد نہایت سادگی سے عامۃ المسلمین کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔
عز میں کھا گئی آساں کیسے کیسے (ایضاً ص ۱۷)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے واقعات:
(۱) ”عسرت اور سادگی“۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ہم لوگوں کو خوب اندازہ تھا کہ مولانا کے یہاں عسرت اور نہایت سادگی کیساتھ گزران ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ اخفاء حال اور تکلیف سے بچانے کے لئے مولانا اپنے عزیز مہمانوں کے کھانے کا انتظام باہر کرتے اور انجمن کے کسی خادم یا مسجد کے کسی منتظم کو کچھ نقد عنایت فرما دیتے، جس سے ان مہمانوں کی میزبانی ہوتی رہتی۔ مجھے ایک مرتبہ اچانک اس کا اندازہ اور علم ہوا کہ مولانا کے گھر میں عام طور پر کیسی گزران اور کیا معیار زندگی ہے۔ رمضان المبارک میں غریب مسلمانوں کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ اہتمام اور تکلف ہوتا ہے لیکن مولانا کے یہاں میں نے اتنا بھی اہتمام نہیں پایا،

واقعہ یہ پیش آیا کہ رمضان مبارک میں مولانا کی خدمت میں مقیم تھا، مولانا نے ایک روز فرمایا کہ آج کھانا میرے ساتھ کھائیے گا افطار ہم لوگوں نے پنجاب کے رواج کے مطابق مسجد میں پانی یا چھوہارے سے کر لیا نماز مغرب کے بعد مولانا نوافل میں مشغول ہو گئے، فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب میں گھر میں اطلاع دینا بھول گیا کہ آج آپ ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ فرمایا کھانا آیا تو صرف روٹی اور دال کا پیالہ تھا جو غالباً ماش کی تھی۔ اسی وقت دہی کا میری وجہ سے اضافہ کیا گیا۔ مولانا نے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن صاحب! (مولانا مجھے اکثر اسی طرح یاد فرماتے تھے) ہم سے تو یہ دال اچھی ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی تھی اس کو اس نے پورا کر دیا مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا۔ اس کے بعد بغیر کسی معذرت کے کھانے میں شریک ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ آج کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

(حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے خلفاء صفحہ ۱۱۲)

(۲) ”حد درجہ تواضع اور انکساری“ :-

مولانا جہاں دنیا اور اہل دل کے سامنے بڑے خوددار اور غیور واقع ہوئے تھے۔ اہل دین اور خصوصیت کیساتھ ان حضرات کے سامنے جنکو اپنے مشائخ اور اکابر کی صف میں شمار کرتے تھے حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، علمائے حق سے نہایت جھک کر اور فروتنی کیساتھ ملتے تھے اور ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے، دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ان کو اپنے اساتذہ کے صف میں سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کے سامنے ایک طالب علم سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔

معاصر علماء و مشائخ میں سے ان کو دو شخصیتوں سے بحد عقیدت تھی اور وہ ان کے ساتھ اپنے مشائخ کا معاملہ کرتے تھے، ایک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ اور ایک ہمارے

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ۔ دیکھنے والوں نے بار بار دیکھا ہے کہ مولانا حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کیساتھ دوزانو اس طرح مراقب ہو کر بیٹھ گئے ہیں جیسے کوئی مرید رشید شیخ کے سامنے۔ اگر حضرت نے کوئی بات پوچھی تو نہایت ادب کیساتھ مختصر اور بقدر ضرورت جواب دیا، پھر خاموش ہو گئے مجھے یاد نہیں کہ ابتداء کوئی سوال کیا ہو، یا کسی گفتگو میں حصہ لیا ہو۔ (حوالہ بالا ص ۱۱۵)

(۳) ”کمال سادگی“ :-

آپ سفر میں نہایت ہی سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ نواب بہاول پور کی دعوت پر بہاولپور تشریف لے گئے نواب صاحب کی طرف سے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر وزیراعظم صاحب اور دوسرے خدام حاضر ہوئے۔ حضرت جب پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے۔ تو آپ کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک مصلیٰ تھا جس کے ساتھ ایک جیب سی لگی ہوئی تھی اس میں بعض ضروری اشیاء رکھ لیا کرتے تھے۔ وزیر صاحب

نے حضرت رحمہ اللہ علیہ سے معلوم کیا کہ سامان اور خدام کس ڈبے میں ہیں؟ حضرت رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”میرا سامان صرف یہی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ خادم وغیرہ کوئی ساتھ نہیں

چنانچہ

اس سادگی میں تشریف لے گئے۔“ (مرد مومن ص ۱۸۰)

(۴) ”ایک اسٹیشن پہلے اتر کر پیدل جلسہ گاہ پہنچے۔“

ایک دفعہ ضلع سیالکوٹ کے قصبہ (نوشہر کے زیاں) میں حضرت کا وعظ تھا، سینکڑوں لوگ گاڑی کے وقت اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے مگر حضرت کونہ پایا اور لوٹ آئے۔ آخر کار جلسہ شروع کر دیا گیا، قرآن پاک کی تلاوت ہوئی نظمیں اور نعتیں پڑھی گئیں مولانا بشیر احمد پسروی رحمہ اللہ علیہ نے تقریر شروع کر دی تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ حضرت لاہوریؒ تنہا تشریف لے آئے ہیں احباب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کسی نے عرض کیا حضرت ہم تو اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے تھے اور مایوس لوٹ آئے حضرت نے فرمایا میں اسی لئے تو قلعہ سو بھا سنگھ اتر گیا تھا اب وہاں سے یہاں تک پہنچا ہوں، میرے استقبال کی کیا ضرورت تھی، ان باتوں سے طبیعت کو مناسبت ہی نہیں۔

(ہفتہ روزہ ختم نبوت..... جلد ۸ شمارہ ۱۸)

(۵) ”اکابر سے عقیدت..... مشائخ کا ادب۔“

اکرام قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر راپوری رحمہ اللہ علیہ تعالیٰ:-

(۱)۔ جناب جمیل احمد میواتی مجاز حضرت شیخ المشائخ سید العارفین قطب الارشاد مولانا شاہ

عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ علیہ کے جملہ متعلقین میں یہ بات بہت مشہور تھی کہ مشائخ کا ادب جسکو سیکھنا ہو وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے سیکھ لے

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ لاہور میں جمعیت العلمائے اسلام کی کانفرنس ہو رہی تھی

جس کے دوران روئداد کے پمفلٹ تقسیم کئے گئے تھے۔ میں نے بھی خاصی تعداد ساتھ لی تاکہ حضرت اقدس رائے پوری کے یہاں جا کر پڑھے لکھے لوگوں میں تقسیم کروں۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ حضرت لاہوری بھی وہاں پہنچ گئے، دل میں خیال آیا کہ تقسیم سے پہلے حضرت لاہوری سے مشورہ کر لوں چنانچہ میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا حضرت لاہوری نے فرمایا نہ بھائی نہ، حضرت مولانا کے سامنے تقسیم نہ کرنا۔ آگے پیچھے تقسیم کر دینا یہ کہہ کر گھبراتے ہوئے اپنے جوتوں کو اتار اور جلدی سے عصار کھتے ہوئے حضرت کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح ایک شاگرد اپنے استاذ کے سامنے اور مرید اپنے پیر کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ سلام کیا اور گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔

(حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۳۹)

(۲)۔ سید امیر اعلیٰ قریشی مدنی فرماتے ہیں کہ لاہور میں ایک مرتبہ مال روڈ پر واقع حاجی عبدالمتمین صاحب کے بنگلے میں حضرت اقدس قطب عالم شاہ عبدالقادر رانی پوری رحمہ اللہ علیہ قیام فرما رہے تھے کہ ایک دن شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری تشریف لائے اس وقت تقریباً ایک سو عقیدت مندوں کا مجمع حاضر خدمت تھا، بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے حضرت اقدس رانی پوری رحمہ اللہ علیہ جا رہے تھے پر محو استراحت تھے اور ارادتمند چارپائی کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اُن میں عامۃ الناس تو برائے نام تھے اصلاً یہ مجمع اصحاب علم و فضل اور معرفت و روحانیت کے بادہ نوشوں کا تھا مگر جب حضرت شیخ التفسیر تشریف لائے تو ان کے لئے حضرت نے کرسی منگوا کر اپنی چارپائی کے بالکل قریب رکھوائی اور اپنے وقت کے یہ دونوں بزرگ اولیاء کرام ایک دوسرے کی اس طرح رو برو بیٹھے کہ ان کے سینے آمنے سامنے تھے، دونوں بزرگ سلام دعا اور خیر خیریت پوچھنے کے بعد خاموش ہو گئے اور مجلس پر بھی سناٹا چھایا ہوا تھا کہ جیسے کوئی یہاں بیٹھا ہی نہیں ہے۔ دونوں بزرگوں نے بظاہر کسی موضوع پر کوئی گفتگو نہیں فرمائی لیکن بقول سلطان الاولیا حضرت سلطان باہور رحمہ اللہ علیہ

دل دریا، سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہو

یعنی اہل حق اور اصحاب صدق و صفا کے قلوب کی گہرائی دریاؤں اور سمندروں کی گہرائیوں سے بھی برہ کر ہے ان کے دلوں کی گہرائی کی تہہ میں کیا کچھ ہے؟ عام لوگ کیسے جان سکتے ہیں، دل کے آئینے میں بار کی تصویر رکھنے والے دو صاف شفاف دل آئینے سامنے تھے، انہوں نے باہم کیا کیا دیکھا، کیا کیا دکھایا اور کہا یا سنایا کوئی کیا جانے، دیکھنے والے تو ظاہر کی آنکھوں سے صرف یہی دیکھ رہے تھے کہ اقلیم رشید و ہدایت کے دونوں آفتاب و ماہتاب نظریں نیچے کئے سر جھکائے بیٹھے رہے اور کچھ ہی دیر بعد پہلے حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ نے سر اوپر اٹھایا اور بس یہ فرمایا ”حضرت! اب اجازت چاہتا ہوں“۔ (حوالہ بالا ص ۲۴۰)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت

(۱)۔ حضرت اقدس شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے روحانی کمالات کی وجہ سے بے انتہاء انس و عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ غالباً آپ کے اکثر خدام و متوسلین نے بارہا سنا ہوگا کہ میں بارہا مکہ معظمہ گیا ہوں وہاں اہل اللہ کے جھنڈ کے جھنڈ ہوتے ہیں مگر میں نے حضرت مدنی کے انوار و مرتبہ کا کوئی ولی نہیں دیکھا“ اس سے خود حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کے بھی انوار و مرتبہ کا مقام سمجھ میں آتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ علیہ کس بلند و بالا مقام پر فائز ہیں کہ اولیاء کرام کے مقام و مراتب کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴۱)

(۲) ”نشست گاہ کا بھی اکرام“۔

ایک دفعہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ چند گھنٹے کے لئے جمعیت العلمائے اسلام کے ایک جلسہ میں شرکت کے لیے کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے واپسی کا ارادہ فرما رہے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا عبد الکریم صاحب نے عربی المدارس نے ایک حجرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ نے اس کمرہ میں ایک گھنٹہ تخلیہ فرمایا اور پھر بیعت کا سلسلہ بھی یہیں شروع فرمادیا تھا اتنا سننا تھا

کہ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ بے اختیار اس کمرے کی طرف لپکے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف گاہ معلوم فرما کر غلٹ سے وہیں تشریف فرما ہوئے اور فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھادیے، پھر معمولی درخواست پر خواہشمندوں کو بھی بیعت فرمالیا۔

۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۵۸ء کی پہلی سہ ماہی میں جب مدرسہ ہذا کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لئے حضرت شیخ التفسیر کلاچی تشریف لائے تو جلسہ میں تعزیتی قرارداد پیش کرنے کے لئے عرض کیا گیا۔ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”میں تو وصال کے الفاظ زبان پر لانے سے قاصر ہوں تم قرارداد پڑھ دو میں دعا کروں گا۔“ (ص ۲۴۲، ۲۴۳)

(۳) ”حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھنے کا اہتمام“۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ سے ایک مخصوص قلبی تعلق تھا جس کا آپ رحمہ اللہ علیہ اکثر اظہار فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ رفیق محترم مولانا عبداللطیف جہلمی اور راقم الحروف حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب دکھایا جو قیام پاکستان کے بعد دیوبند سے بھیجا تھا غالباً حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کے اس گرامی نامہ کو قیامت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت اقدس لاہوریؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں بعض دفعہ جمعیت العلمائے ہند کے اجلاس میں تین تین چار چار گھنٹے بیٹھنا پڑا ہے میں ہمیشہ دوزانو ہی بیٹھتا تھا۔ (ص ۲۴۴)

(۴) ”تواضع وانکساری“۔

حضرت مولانا حامد میاں رحمہ اللہ علیہ امیر جامعہ مدینہ لاہور نے فرمایا:

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے کہ میں ایسے ہی نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ جیسی کوئی دوسری جامع و بلند پایہ شخصیت موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کے سامنے گھٹنوں بھی اگر بیٹھنا پڑا تو ہمیشہ دوزانو بیٹھتا اور میں نے یہ خواہش کی کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی مبارک جوتیوں میں سی دیئے جائیں۔ اس سے جہاں حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی بلندی مقام ظاہر ہوتی ہے وہاں حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ کی غایت درجہ تواضع و انکساری بھی ظاہر ہوتی ہے جبکہ حضور اقدس جناب رسول ﷺ کا یہ فرمان عالی شان ہے کہ جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ نصیب فرماتا ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس عظمت و رفعت کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی جزا میں نصیب فرمائی کہ پاکستان میں پاکستانی مشائخ طریقت میں سے کسی سے اتنا فیض نہیں ہوا جتنا حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ سے پھیلا اور آپ سرکردہ علماء قرار پائے۔ (ص ۲۴۵)

(۵) ”درس تو حید کی وجہ سے چھوٹوں کا اکرام و تعظیم“۔

پروفیسر محمد یوسف چشتی صاحب شارح اقبالیات فرماتے ہیں کہ انجن حمایت الاسلام لاہور نے کالج کے قیام کا فیصلہ کیا۔ تو ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کو کالج کا سرپرست یا مربی اور مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کو صدر با اختیار منتخب کیا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے ایماء پر پرنسپل کی اسامی کے لئے میں نے بھی درخواست دی۔ باقی دو درخواست گزار اور تھے لیکن قرعہ فال میرے نام نکلا چنانچہ نومبر ۱۹۲۹ء میں نے اپنے عہدے کا چارج لیا میرے فرائض منصبی میں یہ بھی تھا کہ روزانہ دس سے گیارہ بجے کے دوران میں حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کالج کے متعلق ہدایات حاصل کروں اس وقت حضرت اقدس رحمہ اللہ علیہ کبھی کوئی ذاتی گفتگو یا نصیحت نہیں فرماتے تھے لیکن جب بعد نماز عصر ذاتی ملاقات یا شام کو مجلس ذکر میں ہوتا تو حضرت کا طرز عمل بالکل مختلف ہوتا

آپ رحمہ اللہ علیہ بالعموم اس عاجز گناہ گار بلکہ سیاہ کار ذرہ بے مقدار کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے، مصافحہ کے بعد اکثر معافقہ بھی فرماتے ذرہ نوازی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۰ء میں جب یہ عاجز مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ علیہ کی دعوت پر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شریک تھا تو دوسرے دن حضرت اقدس مولانا لاہوری نور اللہ مرقدہ بھی تشریف فرما ہوئے، جب مجھے معلوم ہوا تو میں حاضر خدمت ہوا، میں کمرہ میں داخل ہوا تو آپ حسب معمول اس سیاہ کار کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہی علماء کرام کا سارا مجمع کھڑا ہو گیا مجھے بڑی ندامت ہوئی میں ضبط نہیں کر سکا جسارت کر کے دریافت ہی کر بیٹھا کہ حضرت اس ننگ خلافت کی اس قدر سرفرازی اور عزت افزائی کا باعث کیا ہے؟ یہ سنکر حضرت اقدس رحمہ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر محبت آمیز لہجے میں فرمایا ”میں تمہاری تعظیم نہیں کرتا اس شے کی تعظیم کرتا ہوں جو تمہارے سینے میں ہے۔ وہ شے تو حید ہے، میں نے پوچھا حضرت آپ کو کیسے معلوم ہوا فرمایا کہ آپ مسجد چراغ شاہ میں درس قرآن دیتے ہیں اس درس کے شرکاء مجھے بتاتے ہیں کہ اثبات تو حید اور ابطال شرک و بدعات میں آپ بھی وہی کچھ فرماتے ہیں جو میں کہتا ہوں جب میں ان لوگوں کی گواہی سنتا ہوں تو تمہارے حق میں بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اللہ اپنے فضل سے اس عقیدہ تو حید کو تمہارا حال بنا دے۔ آمین۔ (ص ۲۵۲)

(۶) ”اکرام مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ“:-

ڈاکٹر لال دین اخگر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کمترین حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ کی میعت میں ”تاندلیا نوالہ“ سے ”وار برٹن“ واپس آ رہا تھا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ علیہ بھی شریک سفر تھے، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا لوٹا پکڑ کر ٹٹی (بیت الخلاء) کی طرف جانے لگے تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے دروازہ بند کر لیا تو ہمارے حضرت اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جب حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ علیہ نے دروازہ کھولا تو ہمارے

حضرت رحمہ اللہ علیہ پھر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک مولانا موصوف بیٹھ نہ گئے۔ اس سے پہلے حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے نماز پڑھنے کے لئے اپنا مصلی گاڑی کے سیٹ پر بچھالیا تھا مگر جب مولانا خیر محمد رحمہ اللہ علیہ نے اپنا مصلی نیچے جوتوں کی جگہ بچھالیا تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے بھی فوراً آپ کے اقتداء میں اپنا مصلی نیچے بچھالیا۔ (مقام ولایت، حصہ دوم ص ۲۳۳)

(۷) ”رواداری اور احترام مسلک کا عجیب منظر“:-

معروف اہل حدیث عالم حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اطلاع بھجوائی کہ فلاں روز وہ اپنے رفقاء کے ساتھ شیرنوالہ تشریف لائیں گے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین تلامذہ اور عقیدت مندوں کو حکم فرمایا کہ مولانا سید داؤد غزنوی صاحب اور ان کے ساتھی جس نماز میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو آپ سب لوگ ان کے مسلک کے احترام میں رفع یدین کریں اور آمین بالجہر کہیں تاکہ ہمارے مہمانوں کو یہاں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔ جبکہ مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو تاکید فرما چکے تھے کہ شیرنوالہ میں میرے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نہ آپ رفع یدین کریں نہ اونچی آواز سے آمین کہیں کیونکہ مولانا احمد علی صاحب خفی مسلک ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس رواداری اور احترام مسلک کا یہ عجیب منظر دیکھا گیا کہ خفی مسلک کے نمازی رفع یدین کر رہے ہیں اور آمین بلند آواز سے کہہ رہے ہیں جبکہ اہل حدیث مہمانوں نے اپنے میزبان کے اکرام میں نہ رفع یدین کیا نہ آمین بالجہر پڑھی۔

(ماخوذ از خدام الدین ۲۴ مئی ۹۶، ص ۱۳)

(۸) ”طلبہ کا سامان اٹھا کر مسجد لیجانا“:-

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی میعت میں سہارن پور سے کیمبل پور آ رہے تھے، ان کے

ساتھ کچھ طلباء بھی تھے جو دورہ تفسیر میں شرکت کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔

اتفاقاً حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن وہ لوگ متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل ناواقف تھے۔

اسی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ ان طلباء کو شیرانوالہ کی مسجد میں پہنچا دیں۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا کسی پس و پیش کے ان طلباء کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طالب علموں کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو بہت شرمندہ ہوئے۔

(خدام الدین لاہور ص ۱۶-۲۶ جون ۱۹۶۲ء، امام الاولیاء نمبر 359)

(۹) ”انسانی ہمدردی“:-

ماسٹر سراج الدین صاحب لاہوری راوی ہیں کہ سن ۱۹۳۲ کا ذکر ہے۔ میں تانگے میں اپنے دوستوں کے ہمراہ اپنے مکان واقع فاروق گنج (لاہور) جا رہا تھا، ہر کلر روڈ اور فاروق گنج کے درمیان ریلوے لائن کے نیچے ایک تنگ پل ہے جس میں سے تانگہ نہیں گزر سکتا، ہمارے پاس اتنا سامان تھا کہ ہم تینوں اٹھا بھی لیتے تو کچھ باقی بچ رہتا۔ سامان تانگے سے اتارا گیا اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایک آدمی اور مل جائے تو سامان لے جانے میں آسانی ہو جائے گی۔

یہ ایک میری نگاہیں اٹھیں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کے ساتھ تشریف لارہے ہیں۔ آتے ہی سلام میں سبقت فرمائی پھر فرمایا ”سامان زیادہ ہے اور آپ کی تعداد کم ہے اس لئے لائے کچھ سامان ہم اٹھا لیتے ہیں“ (مرد مومن ص ۱۷۷)

(۱۰) ”تقاریر میں کوسنے والے سے بغل گیر ہو گئے“:-

سید امین گیلانی لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے ایک روز اتحاد بین المسلمین اور اخلاقیات کے موضوع پر باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اپنی تقاریر میں ہمیشہ مجھے کوستے تھے۔ طعن و طنز، تشنیع اور دشنام کا نشانہ بناتے تھے۔ میں نے کبھی ان کی باتوں کا جواب نہ دیا نہ برا منایا۔ ایک روز اتفاق سے سر راہ ان کا آنا سامنا ہو گیا انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً ایک دوسرے بازار کا رخ کر لیا میں بھی ادھر ہی مڑ گیا وہ ایک مسجد کے استنجا خانے میں چلے گئے میں مسجد کے باہر انتظار کرتا رہا جب وہ باہر آئے تو السلام علیکم کہہ کر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور کہا کہ مولوی صاحب آپ مجھے جتنا جی چاہے برا بھلا کہہ لیا کریں مجھے گوارہ ہے مگر یہ گوارہ نہیں کہ باہم سلام دعا تک نہ رہے ایسا تو بے علم کرتے ہیں علماء کا یہ کردار عوام پر کیا اثر چھوڑے گا؟۔ اگر آپ دیانت داری سے میرے عقیدے کو خلاف شریعت سمجھ کر مجھے برا بھلا کہتے ہیں تو آپ اجر کے مستحق ہیں، اگر خدا نہ کرے دانستہ تعصب سے ایسا کرتے ہیں تو خدا گواہ! میں نے آپ کو معاف کیا۔ یہ الفاظ سن کر وہ بہت نادام ہوئے اور کہا مولوی صاحب! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف کچھ نہ کہوں گا، بغل گیر ہوئے اور ہم دونوں اپنی اپنی راہ چل پڑے۔ پھر واقعی انہوں نے کبھی مجھے برا نہ کہا۔ (دو بزرگ صفحہ ۴۴)

(۱۱)۔ اصاغر نوازی کی عجیب مثال:-

ڈاکٹر لال دین انگر لکھتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ چھوٹی مسجد میں جمعہ کے دن مستورات آنی شروع ہو جاتی ہیں لیکن پردے کا انتظام پہلے کی نسبت دیر سے ہوتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آج میں خود دیکھوں گا آپ رحمہ اللہ علیہ نے جب دیکھا تو شکایت صحیح تھی۔ آپ نے خادم مسجد بابا فضل دین کو تنبیہا کچھ فرمایا اور اپنے حجرے میں چلے گئے، نماز عصر کے بعد بابا فضل دین کو پھر بلایا، کچھ دیر بعد بابا حجرے سے باہر آئے تو ایک دو دوستوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا بات تھی؟ پہلے تو وہ لیت و لعل سے کام لیتے رہے اور ٹالتے رہے، جب زیادہ اصرار کیا تو بتایا کہ حضرت رحمہ اللہ علیہ نے

دو پہر کے پردے والے واقعہ پر نہایت شفقت سے معافی مانگی ہے۔
حقیقتاً حضرت لاہوری رحمہ اللہ علیہ تواضع و انکساری شفقت و مروت کا ایک بے بدل مجسمہ
تھے۔ (خدام الدین ۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء ص ۱۲)

عارف باللہ حضرت مولانا حماد اللہ ہالچوی رحمہ اللہ کے واقعات

حضرت مولانا عجاز احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔
سالمک راہ طریقت جس کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت و کبر پائی منکشف ہوتی ہے جسکو ہمہ
وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوت مستحضر رہتی ہے اسکی نگاہ میں ساری دنیا بے بس اور محتاج
نظر آتی ہے اور سب سے بڑھ کر اسے اپنا نفس اور اپنی ذات ذلیل و خوار محسوس ہوتی ہے۔
اللہ کی بڑائی کے سامنے وہ اپنی ذات میں کسی طرح کی کوئی بڑائی اور خوبی نہیں پاتا۔ بلکہ کسی
خوبی و کمال کی اسکی جانب نسبت کی جاتی ہے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا ہے اور واقعہ بھی
یہی ہے کہ مولیٰ کے سامنے غلام کیا حیثیت ہے لیکن چونکہ غلاموں کو بسا اوقات اپنے مولیٰ کی
معرفت نہیں حاصل ہوتی اس لئے وہ غلط بینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن جو غلام اپنے آقا کی
معرفت رکھتا ہے وہ تمام خیر و کمال کو مولیٰ کا سرمایہ سمجھتا ہے اور خود کو بالکل تہی دامن اور تہی
مایہ پاتا ہے۔

حضرت اقدس عارف کامل تھے، حق تعالیٰ کی محبت و معرفت بدرجہ کمال رکھتے تھے اس لئے
تواضع و انکسار ان کے قلب کی گہرائی میں راسخ تھا۔

فرماتے تھے کہ:-

”انسان کس بات پر تکبر و خود بینی کرے، درانحالیکہ اندر پاخانہ و پیشاب بھرا ہوا ہے، ناک
اور دماغ بلغم سے پر ہے۔“

مر اور ار سد کبریا و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

(بڑائی اور خودی کا حق صرف اس ذات کو ہے جس کی حکومت قدیم ہے اور اسکی ذات غنی

(تجلیات شیخ ہالچوی ص ۵۷)

(ہے۔)

اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک شخص ایک پیر کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اپنے مریدوں میں داخل کر لیجئے۔ پیر نے کہا پہلے جاؤ اور دنیا میں پھر واپس اپنے سے ذلیل ترین شے میرے پاس لے کر آؤ پھر بیعت کروں گا۔

شخص مذکور اس ارادہ سے نکلا اس کی نظر ایک نہایت کمزور کتے پر پڑی جو نہایت خراب و خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کتے کو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیے۔ جو نہی کتے کو ہاتھ لگایا، کتے سے آواز آئی کہ میں تم سے بہتر ہوں اسلئے کہ میں حیوان ہوں، اللہ تعالیٰ کے یہاں مجھ سے کوئی سوال نہیں ہوگا اور تیرے اعمال کی باز پرس قیامت میں ہونے والی ہے پھر میں کس طرح سے تجھ سے ذلیل ہوں۔ اس شخص نے سمجھ لیا کہ کتا ٹھیک کہتا ہے پھر اس نے دیکھا کہ ایک بھنگی نجاست اٹھارہا ہے اس نے خیال کیا کہ یہ نجاست مجھ سے ذلیل ہے۔ اسکو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیے۔ نجاست سے آواز آئی کہ میں تم سے کمتر کیونکر ہوں۔ اسلئے کہ میں غلہ تھا، میوہ تھا، جب تم نے کھایا اور تیرے پیٹ میں پہنچا تو تیرے باطن نے مجھے نجس کر دیا۔ پس تیرا پیٹ مجھ سے بدتر ہے کہ مجھ جیسے پاک صاف میوے کو نجس اور پلید کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے پیر کے پاس لوٹا۔ پیر نے سوال کیا کہ اپنے سے کمتر کوئی چیز لائے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے سے بدتر اور کمتر میں کسی چیز کو نہیں پاتا پیر نے کہا اب تجھے بیعت کرتا ہوں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ خود کو سب سے کمتر اور حقیر سمجھے۔

(”تذکرہ الشیخ ہالجوی“ ص ۱۵۲ تا ۱۵۶)

(۱) ”میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے۔“

بعض دوستوں نے نقل کیا کہ ایک مرتبہ کوئی عالم پنجاب سے تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت والا سے اجازت لے کر تقریر کی اور تقریر میں حضرت والا کی بے حد تعریف و توصیف فرمائی۔ جب وہ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو چونکہ حضرت والا کو روبرو تعریف

کرنی بہت ناپسند تھی اس لئے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے اس قدر تعریف کی، مگر میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے۔

”من آثم کہ من دانم“

اور آپ نے اس گدھے کے مالک کا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک شخص کے پاس نہایت خراب اور بے کار گدھا تھا کہ اگر اس کے اوپر سواری کریں تو سورا کو زمین پر گرا دیتا۔ اگر سامان لادیں تو اس کو بھی زمین پر پھینک دیتا۔ وہ شخص اس گدھے سے تنگ آچکا تھا۔ اس نے سوچا کہ شہر میں لے جا کر اس کو فروخت کر دے۔

راستے میں جانوروں کی خرید و فروخت کرانے والا ایک دلال ملا اس نے پوچھا کہ اس گدھے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فروخت کرنے کے لئے۔ دلال نے کہا مجھے دلالی دو میں فروخت کرا دیتا ہوں۔ اس شخص نے منظور کر لیا۔ دلال گدھے کو بازار میں لے گیا اور اس گدھے کی بہت تعریف کرنے لگا کہ سواری میں نہایت تیز رفتار اور نہایت عمدہ بار بردار ہے اور ایسا اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے اس گدھے کا مالک دلال کی تعریف سن کر ایسا مغرور ہوا کہ دلال سے کہنے لگا کہ ایسا گدھا میں کیوں بیچوں میں اس کو نہیں بیچتا۔ دلال نے کہا میاں تمہارا گدھا تو وہی ہے جو زمین پر گرا دیا کرتا تھا۔ میں نے تو بیچنے کے لئے اس طرح تعریف کی اور تم اتنے احمق ہو کہ اس کی تعریف سن کر اترانے لگے اور بیچنے سے انکار کر دیا۔

(ایضاً ص ۱۵۶)

(۲) ”میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا جاتا۔“

حضرت والا کے ہر عمل سے تواضع و کسر و نفسی ٹپکتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی فیاض نور صاحب (جو کہ حضرت والا کے مریدوں میں تھے اور حضرت کے ہم عصر بھی تھے) نے حضرت والا سے کہا کہ کوئی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ”میں اللہ تعالیٰ کی زمین پر چل رہا ہوں اور اسکی دی ہوئی روزی کھا رہا ہوں اس سے بہتر کرامت کیا ہو سکتی ہے ورنہ میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا

جاتا۔“

(ص ۱۵۷)

(۳) ”میں کون اور میری رائے کیا؟ جو علماء حضرات فیصلہ فرمائیں میں ان کا متبع ہوں۔“

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس میں موجود تھا۔ مسئلہ حیات النبی کے بارے میں ملک کے اندر علماء بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت والا اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ”حضرت نے فرمایا کہ میں کون اور میری رائے کیا؟ جو علماء حضرات فیصلہ فرمائیں میں ان کا متبع ہوں۔“ (ص ۱۵۷)

(۴) ”سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں، صرف ایک میں گنہگار شخص ہوں۔“

مولوی محمد زکریا بلوچ نے بیان کیا کہ جس سال حضرت والا نے حج کیا، میں بھی حضرت والا کے ساتھ تھا۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت والا جب جدہ میں تشریف فرما تھے مولوی محمد اسماعیل صاحب شکار پوری بھی جدہ میں آئے۔ مولوی صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اس سفر میں اللہ کچھ خاص بندوں کو دیکھا؟ حضرت والا نے فرمایا کہ:

”مولوی صاحب! جو لوگ بھی حج میں یہاں آئے تھے سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں، صرف ایک میں گنہگار شخص ہوں۔“ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے آپ کی کسر نفسی سے کچھ کام نہیں ہے آپ میرے سوال کا جواب دیجیے۔

حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے چند ذاکر بندوں کو دیکھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ذاکر کس کو کہتے ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا تعلق ہر وقت اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستر ہو رہے ہوں۔

مولوی زکریا نے کہا حضرت والا میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مدینہ منورہ میں جو شخص

سفیر ریش میرے ساتھ بیٹھتے تھے حکیم بھی تھے اور اللہ کے ذاکر بندے تھے۔

(ص ۱۵۸ بحوالہ تجلیات ص ۵۷ تا ۶۰)

(۵) ”حضرت اقدس کی پوری زندگی تواضع و فنایت کا عملی نمونہ تھی“

تواضع و انکساری کی تعلیم ہر شیخ اپنے مریدوں کو دیتا ہے، مرید اپنی استعداد کی بقدر اسے حاصل کرتا ہے۔ حضرت اقدس کی پوری زندگی تواضع و فنایت کا عملی نمونہ تھی۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امرؤٹی علیہ الرحمۃ نے ایک عجیب عنوان سے اسکی تعلیم اپنے صاحب کمال مرید کو مخاطب کر کے دی تھی۔ حضرت اقدس ہی کی زبان سے سنئے !، اصلاح و تعلیم کے لئے یہ ارشاد ایک کان بے بہا ہے۔

فرماتے ہیں:-

”میں اپنے حضرت کے ساتھ تھا، ان کی خدمت میں سکھر سے آگے منگرائی کا شہر ہے۔ وہاں حضرت صاحب گئے وہ لوگ حضرت کے خصوصی معتقد تھے۔ وہاں ایک ایسا آدمی تھا جو کیمیا کی تلاش میں دن رات سرگرداں رہتا تھا۔ اس نے بڑے سفر کئے تھے۔ پہاڑ، صحرا، جنگل میں بوٹیاں تلاش کیں اور لوگوں سے ملتا رہا اور پوچھتا رہا کہ کہیں سے کیمیا ہاتھ لگ جائے۔ حضرت صاحب ان سے پوچھتے رہے کہ کہاں کہاں کے سفر کئے ہیں اور وہ بتاتا رہا۔ آخر میں حضرت والا نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ”حماد اللہ بیٹے! کیمیا گر کافر ہے کیونکہ یہ شخص خدا کی ذات میں شریک بننا چاہتا ہے۔ صمد صرف اس کی ذات ہے، وہی بے نیاز ہستی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب مخلوق اس کی محتاج ہے، بندوں کو حکم ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج رہیں۔ اور اسی سے مانگیں۔ اس کیمیا گر کا خیال ہے کہ مجھے ایسی چیز ہاتھ لگے کہ میں پھر کسی کا محتاج نہ رہوں اور لوگ میرے محتاج ہو جائیں۔ تو گویا وہ اللہ کی صفت صمدیت میں شریک بننا چاہتا ہے۔ بندے کو حکم ہے کہ وہ نیچا پن اختیار کرے یہ فاسد خیال اسکے دل میں نہ آئے کہ لوگ میرے تابع ہو جائیں۔ اتنی دنیا میرے پاس ہو کہ لوگ میرے محتاج بن جائیں۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔

جو بڑی ہستی ہوتی ہے اس کو سب سے بڑی خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے آگے آدمی اپنے آپ کو کمتر اور عاجز سمجھیں، جتنا بندہ اپنے آپ کو خداوند قدوس کے سامنے کمتر سمجھتا ہے اور عاجز و حقیر جانتا ہے، اسی قدر اسکی طرف خدا کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ مطیع و فرمانبردار ہونا بھی اس ہستی کی قدر دانی ہے۔ بندہ کبھی نافرمانی نہ کرے اور ہر وقت مطیع رہے۔ یہ ہے معرفت الہی۔ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے جو کچھ ہو رہا ہے سب اس کی طرف سے ہو رہا ہے انسان میں یہ خصلت پیدا ہو جائے کہ وہ خدا کے آگے محتاج اور متضرع ہو، اسی پر تکیہ کرے سب کام میں اسی پر سہارا کرتا رہے۔ یہ خصلت بندہ کی خدا کو بہت پسند ہے۔“
(ص ۱۵۹، ۱۶۰ بحوالہ تجلیات ص ۳۷ ادوسر ایڈیشن)

مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی فنائیت :-

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ (مولانا محمد یعقوب مجددی) صاحب رحمۃ اللہ مولانا لکھنوی کی بے نفسی کے واقعات بھی سناتے تھے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے کہنے پر جمعہ کی نماز پڑھائی سورۃ ”والہین“ کے آخر میں بجائے فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ”کے لَهُمْ أَجْرٌ مَمْنُونٍ“ پڑھ دیا۔ مقتدیوں میں ایک صاحب بڑے سادہ لوح اور جلد باز تھے۔ پوری طرح سے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ پکار کر کہا ”صاحبو! ٹھہر جاؤ نماز دوبارہ ہوگی“۔ مولانا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا ”دوبارہ نماز پڑھاؤں؟“ میں نے کہا کہ آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں یہ بڑے بھولے آدمی ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ایسے جلیل القدر عالم اور علم الفقہ کے مصنف تھے لیکن بے بسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ یہ نہیں فرمایا کہ بھائی میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں نماز ہوگئی۔“
(پرانے چراغ ج: ۲ ص ۲۲۲)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے واقعات
(۱) ”بے نفسی و بلند ہمتی“۔

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے راہ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہیں کیا وہ اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہو گیا اور کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجہ کا مکان ہی الاٹ ہو جائے حالانکہ اسکے گرد و پیش بارہ تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامہ پیار ہا۔

وہ غیر معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرط عقیدت سے اس کے لیے برابر تڑپتے رہے۔ ارباب حل و عقد میں بھی اسکے شناساؤں، بلکہ عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی مگر اس نے اپنے لیے زندگی کا جو سانچہ تجویز کر لیا تھا اس میں ایسی باتوں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق اپنی ہر متاع اہل علم کی فلاح و بہبود کے لیے لٹاتے رہتے ہیں۔ مگر خود کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ علیہ کیلئے عزیز ترین متاع اسکی درویشی تھی۔ وہ اسی متاع پر اس طرح قانع اور مطمئن رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بیٹھ کر بھی کبھی وہ اطمینان شاید ہی نصیب ہوا ہو۔ اسی مقام کے باب میں عرض کیا گیا ہے

گردولت اس بود کہ بہ درویش مے دھند
یاید گریستن جم و کے را بہ تحت خویش

(مولانا غلام رسول مہر)

توحید کی پر جوش اشاعت اور سنت کی ترویج میں جس والہانہ انداز سے انہوں نے حصہ لیا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عشق رسول کی نزاکتوں اور توحید کے اسرار و رموز کو اسکا میاں بی سے بیان کرتے تھے جو صرف انہی کا حصہ تھا۔ اردو بولتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ۔

غالب، ذوق اور داغ نے شاعری کو چھوڑ کر خطابت اختیار کر لی ہے اور پنجابی میں تقریر کرتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ:-

چناب اور راوی نے اپنی روانیاں انہیں بخش دی ہیں۔

آہ! آج ہم ایسی جامع صفات شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ (جناب محمد حنیف ندوی) شاہ جی بعض اوقات بڑے بڑے علمی و دینی مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے شعر و شاعری سے ایسا کام لیا کرتے تھے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی۔ مثلاً ایک مرتبہ حج کے بارے میں تفصیلات بیان کر رہے تھے کہ اچانک مزاج کا دھاراشعر و سخن کی طرف پھر گیا کہنے لگے۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور جو دور دور سے میخوار آ کے پیتے ہیں یہ فیض مکیدہ دیکھو کہ چار ہی دن میں ہم ایسے رند بھی پینا بتا کے پیتے ہیں۔ شاد عظیم آبادی کے یہ اشعار شاہ جی کے نفیس لب و لہجہ میں سن کر حاضرین بے ساختہ جھوم اٹھے۔

میں نے شاہ جی کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کے چراغ گل ہوتے دیکھے ہیں۔ ایک جلسے میں شاہ جی کے علاوہ مولانا محمد علی اور دیگر زعماء نے بھی تقریریں کیں۔ لیکن شاہ جی کی تقریر کا رنگ و روغن ہی کچھ ایسا تھا کہ ان کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریریں بھی عوام کو متاثر نہ کر سکیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے شاہ جی سے کہا: ”بخاری! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب قورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ محمد علی کی روکھی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں۔“

اس پر شاہ جی فوراً بولے:-

”حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے“ سپاہی کی شہرت تو دراصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔“

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے یکسر

چپ سادھ لی۔

بخاری جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے جادو بیاں مقرر نے اپنے اخبار ”ہمدرد“ میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا کہ:-

”یہ شخص مقرر نہیں، ساحر ہے۔“ (بیس بڑے مسلمان ص ۸۸۶)

(۲) ”اپنے سر مبارک کا رومال اتر کر حضرت لاہوری کے قدموں میں بچھا دیا“:-

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ پر دل و جان سے عاشق تھے۔ ایک دفعہ منبر پر کھڑے کھڑے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ شاہ جی مرحوم مسجد میں بغیر صف کے بیٹھے ہیں تو آپ نے منبر سے اتر کر اپنا جانماز لے جا کر شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا۔ لیکن شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ تیزی سے محراب میں پہنچے اور اپنے سر مبارک کا رومال اتار کر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں بچھا دیا۔

(حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۳۸۷)

(۳) ”میرے گناہوں پر میرے مالک نے پردہ ڈال دیا ہے۔“

حافظ صفوان محمد آکے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

شاہ جی دوسروں کی عیوب کی پردہ پوشی فرماتے تھے۔ کسی کی دل آزاری ان کا شیوہ نہ تھا، صلح کل ان کا مسلک تھا، ان کے منہ سے کسی نے جھوٹی بات نہیں سنی، وہ اس بات یا اس روایت کو ہرگز بیان نہ کرتے جس کی صحت میں انہیں ذرہ برابر بھی شک ہوتا۔ بے حد منکسر المزاج تھے، آخری ایام میں ایک بار فرما رہے تھے:

”میری زندگی ہی کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ نہ نبی ہوں نہ ولی، خدا کی مخلوق میں سب سے برا اور عاجز، میرے گناہوں پر میرے مالک نے پردہ ڈال دیا، ورنہ عطاء اللہ جیسے کروڑوں مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے قرآن کی کچھ خدمت مجھ سے لے لی اور اس پر بھی کوئی دعویٰ نہیں۔ استغفر اللہ! پوری زندگی میں کہا

ہوا کوئی ایک حرف بھی قبول ہو گیا تو نجات ہو جائے گی، ان شاء اللہ نجات کی امید ضرور رکھتا ہوں، کیونکہ اتنا مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے سوا کسی کو خدا نہیں مانا اور میاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو ان کا حریف بننے دیکھنا میں برداشت نہیں کر سکتا، اور کوئی عمل میرے پلے نہیں، بس اسی کے فضل و کرم کے سہارے جی رہا ہوں۔"

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت شریعت نمبر ص ۴۶۰)

(۴) "شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے۔"

آپ کے رفیق خاص شاعر اسلام جناب محمد امین گیلانی صاحب مرحوم تحریر فرماتے

ہیں:

راقم الحروف نے یہ واقعہ خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا کہ مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان بھنگی کو دیکھا، شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آؤ بھی کھانا کھالو، اس نے عرض کیا جی! میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جی نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا: "انسان تو ہو، اور بھوک تو لگتی ہے" یہ کہہ کر خود اٹھے، اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھا لیا، وہ بے چارہ تھر تھرا کا نپتا تھا اور کہتا جا رہا تھا کہ جی! میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لقمہ توڑا، شور بے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا، اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا، اس نے جب آدھا آلودانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھا لیا، اس طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔

وقت گزر گیا، وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا۔ اس پر رقت طاری تھی وہ خوب

رویہ، اس کی کیفیت ہی بدل گئی۔ عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا

ساتھ لیکر آیا اور کہا شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے اور میاں بیوی

اسلام لے آئے۔ (بخاری رحمہ اللہ کی باتیں ص ۲۹، ۳۰)

مولانا سید حسین صاحب رحمہ اللہ (مجاز صحبت حکیم الامت حضرت تھانوی

رحمہ اللہ علیہ کی تواضع و انکساری

حضرت تھانوی قدس سرہ، کی تعلیمات میں معاملات اور حقوق العباد کی ادائیگی سرفہر ت ہیں، مولانا سید حسین بھی حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرماتے۔ آپ میں تواضع و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے ساتھ کسی کوتاہی پر اپنے بوڑھے خاںساں (باورچی) کو ڈانٹ دیا اور اس سے معافی منگوائی، آپ کو یہ بات ناگوار گزری چنانچہ جب وہ بوڑھا خاںساں باورچی خانے میں گیا تو آپ نے اس کے پیچھے جا کر خود اس سے معافی مانگی (بزم اشرف کے چراغ ص ۹۱)

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ علیہ کے واقعات

۱۔ "ان کا درجہ بہت اونچا ہے، اللہ کے ایسے بندوں کو بیعت کرنے سے شرم آتی ہے۔"

آپ کے مسٹر شد خاص حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ علیہ آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اللہ کے مقبول بندوں کے الوان مختلف ہوتے ہیں ہر گلے رارنگ و بوئے دیگر است، کسی پر حزن و شکستگی کا غلبہ ہوتا ہے، کسی پر احساس نعمت اور انبساط کا، کسی پر جلال کے آثار زیادہ ہوتے ہیں کسی پر جمال کے، کسی پر کسی حال کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر کسی دوسری کیفیت کا، مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہ پر۔ جہاں اس بے بصر اور بے بصیرت کا اندازہ ہے۔ "فنائیت" اور "انا کی نفی" کا غلبہ تھا، انہی آنکھوں نے اس باب میں جو حال حضرت کا دیکھا اس سے آگے درجہ اور مقام کے تصور سے بھی کم از کم اس ناچیز کا ذہن تو عاجز ہے۔

بارہا اس کا اظہار فرمایا کہ "ہر آنے والے کو میں اس خیال سے بیعت کر لیتا ہوں کہ شاید یہی اللہ کا بندہ میری مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔"

بٹ ہاؤس (سہارنپور) کے آخری قیام کے زمانہ میں میرے ایک عزیز مولوی تحسین احمد سنبھلی جو حضرت سے بیعت تھے سنبھل سے حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے اپنے والد

ماجد (ایک رشتہ کے میرے بڑے بھائی منشی بشیر احمد صاحب) کا یہ پیغام مجھے پہنچایا کہ بینائی سے محرومی کے باعث میں خود سفر کر کے حضرت کی خدمت میں حاضری سے معذور ہوں، تم حضرت کی خدمت میں میری معذوری کا حال عرض کر کے درخواست کرو کہ میری بیعت غائبانہ قبول فرما کر مجھے بھی حضرت اپنے خدام میں شامل فرمالیں! _____ میں نے ایک مناسب وقت پا کر حضرت کی خدمت میں ان کا حال عرض کیا کہ "وہ حکمہ تعلیم میں ملازم ایک مڈل اسکول ہیڈ ماسٹر تھے، اللہ کی توفیق سے اس زمانہ میں بھی بہت دیندار اور خوش اوقات تھے، ایک رات اچانک بغیر کسی خاص تکلیف کیان کی بینائی چلی گئی اور صبح معلوم ہوا کہ کالا پانی اتر آیا ہے جو لا علاج سمجھا جاتا ہے۔ لکھنؤ سے سنبھل میرا جانا ہوا اور میں عیادت و تعزیت کی نیت سے ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر دل سے راضی ہیں بلکہ ان کو ایک درجہ میں اس کو خوشی ہے کہ اب میرے مالک نے مجھے ایسا کر دیا کہ ہر طرف سے یکسو ہو کے بس اسی میں مشغول رہوں۔" پھر ان کے جو قابل رشک دینی حالات اور معمولات میرے علم میں آتے تھے وہ بھی میں نے حضرت سے ذکر کئے اور آخر میں عرض کیا کہ نابینائی کی مجبوری کی وجہ سے چونکہ حاضری سے معذور ہیں اس لیے حضرت سے غائبانہ بیعت کی درخواست کرتے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ان کا حال سن کر رقت طاری ہو گئی اور گلوگیر آواز میں فرمایا ان کا درجہ بہت اونچا ہے اللہ کے ایسے بندوں کو بیعت کرنے سے شرم آتی ہے انھیں اس کی ضرورت بھی نہیں، آپ یہی جواب انکو لکھ دیں۔"

حضرت نے اس وقت یہ بات کچھ اس طرح فرمائی کہ میں اس کے بعد کچھ عرض نہیں کر سکا اور خاموش ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد حضرت نے خود مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "وہ اللہ تعالیٰ کے بہت ہی اچھے بندے ہیں، شاید انہی کا تعلق میری مغفرت کا ذریعہ ہو جائے، آپ انھیں لکھ دیں کہ میں نے ان کا تعلق قبول کر لیا۔"

الحمد للہ ہمیں حضرت رحمہ اللہ علیہ کے کشف و کرامات کا بھی بارہا تجربہ ہوا، لیکن بخدا ہزاروں

کھلی کراہتیں اس نعمت عظمیٰ "فنائیت" اور ان کی نفی "کے برابر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ علیہ کے قلب و باطن کو جاہ کے جذبہ سے بالکل ہی پاک کر دیا تھا۔ وہی "جاہ" جس کے متعلق ائمہ معرفت کا ارشاد ہے کہ "آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ" (یعنی طالبین و سالکین ہی نہیں بلکہ صدیقین کے قلوب سے جو روحانی بیماری سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ کا جذبہ ہے۔

(تحدیث نعمت ص ۲۰۵، ۲۰۶)

۲۔ بے نفسی و فنائیت کے عجیب واقعات :-

آپ کے دوسرے مسترشد خاص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب رحمہ اللہ علیہ آپ کے مفصل تذکرہ میں رقمطراز ہیں :

"حضرت رحمہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ علیہ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ و تاثر جو کچھ بیان فرمایا، حضرت کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تاثر حضرت کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو، حب جاہ کا یہاں سرکٹا ہوا تھا، اس خادم کو ۱۳۶۹ھ کے آخری سفر حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینے شب و روز ساتھ رہنا ہوا، بعض خدام نے اپنے ادراک و الطاف الہی کے واقعات بھی سنائے، پورے سفر میں حضرت نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے حضرت کے علم و مرتبہ یا کسی کشف و ادراک کا احساس ہو، حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصد انہیں فرمائی، جس میں لوگوں کو عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بزرگی کا احساس ہو خدام نے جب سنا، اپنی نفی اپنا انکار اپنی بے حسی اور غباوت کا اظہار سنا شیخت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت کے ہاں دستور ہی نہ تھا مسئلہ علماء سے پوچھتے۔ تصوف کی کوئی بات پوچھتا ہو۔ شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ علیہ) یا کوئی دوسرا صاحب علم و صاحب نظر قریب ہوتا تو اسکی طرف محول فرما دیتے، اگر اصرار کیا جاتا اور بات

ضروری ہوتی تو نہایت بے تکی لفظوں میں مغز کی بات فرما دیتے، ایسی بات سے مرید
گرتے جس سے آپ کی شرف نگاہی، بریبت میں کا اندازہ ہو سکے اس حقیقت سمجھ جاتے
کہ۔

غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

کسی بھی بھری مجلس میں خواہ اس میں کیسے ہی سنے سنے اور سر بر آورد ہو وہ اشخاص کیوں نہ
ہوں، اپنی اعلیٰ اور اپنے عامی ہونے کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا اس کا اثر حاضرین
مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو۔

۱۔ راولپنڈی میں ایک مرتبہ قریشی صاحب کی کوٹھی پر چمن میں عصر کے بعد بڑی وسیع مجلس
تھی، بعض اعلیٰ عہدہ دار اور عمائد شہر جمع تھے، پروفیسر عبدالغنی صاحب جے پوری نے (غالباً
اس خیال سے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اور لوگ مستفید ہوں) سوال کیا کہ حضرت صبر کی
حقیقت کیا ہے؟ حضرت نے بڑی بے تکلفی سے راقم کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے تو معلوم
نہیں ان سے پوچھو! میں نے اپنے نزدیک بڑی کہ نفسی اور تواضع سے کام لیتے ہوئے
عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو اس لغوی معنی کے سوا کچھ معلوم نہیں، نہایت سادگی اور اطمینان
سے فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں! مجلس پر سناٹا چھا گیا، حضرت کو اس کا احساس نہیں معلوم
ہوتا تھا کہ مجلس کے خواص حضرت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے، جن کو علماء، عمائد کے
ایک بڑے گروہ نے اپنا شیخ و مربی تسلیم کر رکھا ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ لائل پور کے دوران قیام میں اس بارے میں خدام و احباب کے درمیان
بڑی کشاکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں، لائل پور کے اہل تعلق لائل پور کے لیے کو
شاں تھے، لاہور کے احباب لاہور کے لئے مصر تھے اور قریشی صاحب وغیرہ راولپنڈی کے
لئے عرض کرتے تھے، حضرت نے ایک روز حور کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص
اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی دیکھو میں ایک غریب کا شکار کا لڑکا ہوں، میرے گھر میں
ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا کہ میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گے ہوں

کی روئی کا انتظام کس طرح کریں؟ غبی بھی ہوں، اول تو کچھ زیادہ پڑھا نہیں، پھر جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا، اب تم جو مجھے کھینچتے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا، تم خود اخلاص کے ساتھ چند روز اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے کہ خود مطلوب بن جاؤ،

یہ تقریر کچھ ایسی سادگی اور اثر کے ساتھ فرمائی کہ بعض حضرات کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
۳۔ لکھنؤ سے بریلی جاتے ہوئے سفر میں مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگ اہل علم ہیں، آخر آپ نے مجھے کیوں آگے کر دیا اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں، ایک مستر شد خادم کو جو اپنی حقیقت اور احتیاج سے کسے قدر واقف تھے، اس کا جو جواب دینا چاہیے تھا وہ عرض کیا گیا۔
۴۔ ایک مرتبہ آزاد صاحب نے حضرت کو مخاطب کر کے ایک غزل کہی جس کا مقطع تھا۔
یہ کیا تم ہے کہ آزاد تیرے ہوتے ہوئے ہے میکدہ میں بھی اور تشنہ کام ہے

ساقی

یہ شعر سن کر فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو پانی بھی نہیں، یہ شعر تو شیخ الحدیث کو سنانا یہ دراصل حضرت کا حال تھا جس میں کسی تصنع یا مصلحت بنی کا دخل نہیں تھا، بداہتہ اور وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزار کرامتوں اور ہزار علوم و معارف سے ارفع ہے۔

۵۔ بے نفسی اور فنائیت کا ایک واقعہ جو میرے نزدیک سیکڑوں مجاہدات اور صد ہا کرامات سے بھی بلند اور بیش قیمت ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے، اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی طبیعت وقتی تاثرات و جذبات سے کس قدر غیر متاثر واقع ہوئی تھی اور آپ کامر کی نفس بے نفسی اور فنائیت کے کس درجہ پر پہنچ گیا تھا اور آپ کی طبیعت میں کس درجہ وضعداری، نباہ کی قوت اور حق شناسی تھی۔

وفات سے تین چار ماہ قبل کا واقعہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خادم جو ساری عمر خانقاہ کے کھانے وغیرہ کے ذمہ دار رہے، بوجہ اپنی علالت کے ان کی بیوی نے اپنے لڑکے کے

ذریعہ معذوری ظاہر کر دی جس پر حضرت کے کچھ فرمائے بغیر مولانا حبیب الرحمن صاحب نے اپنے گھر میں کھانے کا انتظام کیا، حضرت نے بالکل سکوت فرمایا، اس کے بعد منتظمین نے ان کے خلاف بہت شکایات کیں، کھانا اچھا نہیں ہوتا، روٹی کچی ہوتی ہے، کبھی نمک غائب، مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے غرض کہ اس طرح کی بہت سی باتیں انہوں نے کہیں، گویا وہ چاہتے تھے کہ بہت اچھا ہوا کہ انہوں نے استعفیٰ دیدیا۔

حضرت سے انہوں نے کہا کہ یہ منجانب اللہ ہوا ہے ہم چاہتے بھی یہی تھے، لیکن ان سب کے کان بھرنے کے باوجود حضرت نے سکوت اختیار فرمایا کبھی ایک لفظ بھی نہیں کیا کرے، صرف ایک مرتبہ ان شکایات کے جواب میں ایک عام بات یہ فرمائی کہ "بھائی اصل میں ایک کام جب بہت دن تک کیا جاتا ہے تو اس میں اتنا اہتمام نہیں رہتا اور ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

بہر حال دوسرے دن حضرت نے ان کو دوسری کوٹھی سے بلوایا، مگر وہ آئے نہیں، کئی گھنٹے کے بعد پھر بلوایا پھر بھی تشریف نہیں لائے، ظہر کے بعد پھر وہ شکایات کا سلسلہ جاری ہوا، اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آدمی بھیجا اب کی وہ تھوڑی دیر کے بعد آ گئے، کمرہ خالی کروایا گیا، چارپائی کی پشت پر حضرت کے بھائی مولانا عبدالوحید صاحب تشریف رکھتے تھے، حضرت استغراق میں تھے جب وہ آئے تو حضرت نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ظفر الدین، فرمایا آ گئے؟ انہوں نے اپنا حال بتایا اور ڈاکٹر کے دکھانے کا ذکر کیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا مجھے تمہاری بیماری کی بہت فکر ہے اللہ تعالیٰ تمہیں صحت عطا فرمائے میں بہت معذور ہوں، چل نہیں سکتا ورنہ دن میں کئی مرتبہ تمہاری خدمت میں آتا، اگر تکلیف کی وجہ سے نہیں آ سکتے ہو تو اپنے لڑکے بشیر احمد کے ذریعہ اپنی خیریت کہلوادیا کرو، دوا بھی تو تم نے خریدی ہوگی؟ جب ڈاکٹر کے پاس گئے تو کچھ پیسے تو لے جاتے، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! دس روپے لے گیا تھا اور دوا اتنے ہی میں آئی اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میری واسکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالو (اس میں اس وقت

۳-۴ روپیہ تھے) اور فرمایا کہ یہ رکھ لو دو انی وغیرہ میں کام آئیں گے اس کے بعد فرمایا کہ دوسری جیب بھی تو دیکھو اس میں بہت بڑی رقم تھی اور فرمایا کہ یہ بھی رکھ لو انہوں نے کچھ تکلف کیا حضرت نے فرمایا کہ اور بھی بہت خرچ ہیں اس کو رکھ لو، اللہ کا شکر کیا کرو، وہ یہ محض میرے مالک کا فضل ہے جب وہ رقم لیکر واپس جانے لگے تو حضرت نے پھر آواز دی اور ارشاد فرمایا کہ تم نے ہمارا کھانا پکانا کیوں چھوڑ دیا؟ تین چار مہینہ کی بات تھی میں تو چاہتا تھا کہ تمہارے ہی ہاتھ سے کھاتے انہوں نے اپنی اپنی اہلیہ کا ذکر کیا حضرت فرمایا تمہاری تین بچیاں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ وہ چھوٹی بچیاں ہیں، حضرت نے فرمایا ہم تو چاہتے ہیں کہ تمہارے ہاں کھائیں چاہے جیسا بھی ہو چاہے ہو یا پکا ہو بے نمک ہو یا جس طرح کا بھی ہو اگر تم اور تمہارے گھر والے نہ کر سکیں تو ایک۔۔۔۔۔ ملازمہ رکھ لو ان کا خرچ ان شاء اللہ میں دوزگا، اس کو مجھ سے لے لیا کرو کسی کو خبر نہ ہو لیکن پکے تمہاری ہی نگرانی میں، انہوں نے کہا کام کرنے والی عورت کوئی اچھی ملتی نہیں، حضرت نے فرمایا کہ تمہیں اچھی نہیں ملتی تو میں بھائی فضل الرحمن سے ہی کہتا ہوں وہ انتظام کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ سوچ کر بتاؤں گا اسی درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ تمہارے پاس چاول کی بوریاں بھی تو آئی تھیں اس میں سے ایک بوری چاول علی میاں کے لیے ہمیں چاہیے اس کے بعد وہ چلے گئے اس کے بعد حضرت نے کچھ نہیں لیا۔

دوسرے تیسرے روز بہت بڑی تعداد میں بدایا و تحائف اور رقمیں آئیں، حضرت کی جیبیں تو روپیہ سے بھر ہی چکی تھیں پوری چار پائی بھی نوٹوں سے اٹ گئی، اپنے بڑے رومال میں ان سب روپیوں کو اکٹھا کر کے باندھ لیا اسکے بعد حاجی ظفر الدین صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ "اس کو خوب مضبوطی سے اور کس کر باندھتا کہ زیادہ بڑی نہ معلوم ہو اور یہاں" کھانے کے سلسلہ کی کوئی بات نہیں فرمائی (روایت مولانا عبد الوحید صاحب) (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پور ص ۲۴۶ تا ۲۵۱)

۳۔ مزید چند سبق آموز واقعات :-

ذیل میں اب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع و فنائیت سے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "آپ جنتی" سے مزید چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں :

۱:- حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کے دیکھنے والے تو ابھی تک ہزاروں ہیں۔ تواضع میں اپنے شیخ قدس سرہ کا نمونہ تھے، اس غایت تواضع ہی کا ثمرہ تھا کہ ابتداء بیعت میں باوجود اہلی حضرت رائے پوری کے مشورہ کے کہ گنگوہ میں حضرت قطب عالم سے بیعت ہوں۔ حضرت رائے پوری نے یہ فیصلہ کیا کہ اتنی اونچی دربار کے قابل نہیں۔ اس کی تفصیل سوانح حضرت رائے پوری میں ذکر کی گئی ہے جس میں اہلی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے مشورہ پر جو جواب حضرت رائے پوری نے دیا وہ یہ تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا حضرت گنگوہی سے ملا مگر میرا حجام آپ کی طرف ہے۔ میری طرف سے اگر مہمانداری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں ہیں، میں اپنے طعام کا خود ذمہ دار ہوں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں کو یہ خط دکھایا اور فرمایا "دیکھو! یہ ہیں طالب"۔

۲:- مجاہدات کے بیان میں حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے بہت سے حالات گذر چکے، کچی پکی جلی ہوئی روٹی جو ملتی اس کو نہایت ہی صبر و شکر کے ساتھ نوش فرماتے، وہاں کے قیام میں پتے بھی چاہے اور کبھی مہتمم باورچی خانہ کو بھی ایک دفعہ کے سوا اس وجہ سے نہیں ٹوکا کہ اگر اس نے حضرت سے شکایت کر دی اور حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میاں! اچھا کھانا ہے تو کہیں اور جاؤ تو کیا ہوگا۔

یہ واقعہ بھی لکھواچکا ہوں کہ حضرت رائے پوری ایک دفعہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامتہ نے فرمایا کہ میں تو رائے پور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ مجھے یاد نہیں، فرمایا حضرت! میں آپ کو کیا درہ سکتا تھا، میری وہاں کوئی حیثیت

اور امتیاز نہیں تھا شاید آپ کو یاد ہو کہ حضرت کی خدمت میں ایک خادم بار بار آتا تھا بدن پر ایک کمری ہوتی تھی اور تہبند باندھے ہوئے فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے۔ فرمایا میں وہی ہوں 3:- حضرت اپنی انتہائی تواضع کی ہی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہوں میں بڑھتے چلے گئے اور ساری خصوصی خدمات اعلیٰ حضرت کی حضرت رائے پوری کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی، یہ واقعہ تو پہلے بھی گذر چکا کہ اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے آخر عمر میں اپنے کپڑے بھی حضرت رائے پوری ثانی کو ہبہ کر دیئے تھے کہ اپنی ملک میں کچھ نہ رہے لیکن غایت تواضع سے حضرت اپنے شیخ کے کپڑوں کو استعمال نہیں کرتے تھے اور چونکہ امامت بھی حضرت ہی کے سپرد تھی، اس کا ایک قصہ خود بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ نہر پر کپڑے دھونے گیا ایک ہی جوڑا کپڑوں کا تھا اسی کو دھو سکھا کر پہن لیتا، اس دن سو کھنے میں ذرا دیر ہو گئی، جمعہ کا وقت ہو گیا، جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا حضرت میرے انتظار میں تھے جب حاضر ہوا فرمایا مولانا! کہاں رہ گئے تھے، میں نے سکوت کیا، دوبارہ پھر دریافت فرمایا، میں نے سکوت کیا، بار بار اصرار سے پھر دریافت فرمایا تو عرض کیا حضرت کپڑے نہیں سوکھے تھے اس لیے حاضری میں دیر ہو گئی، حضرت نے غصہ سے فرمایا آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں ہیں انکو کیوں نہیں استعمال کرتے، کیا انکو آگ لگانا ہے، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے باوجود کبھی حضرت کے کپڑے پہننے کی جرات نہ ہوئی۔

۴:- اعلیٰ حضرت رائے پوری نے قولاً فعلاً اشارۃً حضرت رائے پوری ثانی کو جانشین بنا رکھا تھا، لیکن اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد کئی سال تک حضرت رائے پوری ثانی نے رائے پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، زیادہ پنجاب کے اسفار اور مکان پر رہتے اور جب رائے پور کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوتا تو بیٹ جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب مرحوم کے مکان پر چند روز قیام کرتے اور شاہ صاحب کی گاڑی میں اور کبھی پیدل روزانہ جاتے اور واپس آ جاتے کہ کسی کو یہ واہمہ نہ ہو کہ مولانا اپنے کو گدی نشین سمجھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے وصال کے قریب چودھری صدیق صاحب کو انکی زمین میں

جو خانقاہ کے متصل تھی ایک مکان بنادینے کو فرمایا تھا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب چودھری صاحب نے حسب وصیت مکان بنانے کا ارادہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ میرے لیے مکان کی ضرورت نہیں، میرے لیے تو صرف ایک چھپرا ڈال دیجئے۔ مگر چودھری صاحب کو اعلیٰ حضرت کی وصیت تھی، اس لیے مولانا کے ایک سفر کو غنیمت سمجھ کر ایک پختیہ دلاں بنادیا۔ ایک سردری، اس کی اندر ایک کوٹھا اور دونوں جانب ایک ایک حجرہ تعمیر کرا دیا جواب تک حضرات رائے پوری ثانی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔

۵:- ۱۲۵ھ کے سفر حج میں جب کہ اعلیٰ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا قیام بھی مدنیہ پاک میں تھا حضرت رائے پوری قدس سرہ کا باوجود شیخ المشائخ ہونے کے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں دوزانوں، موؤدبانہ، خادمانہ بیٹھنا تو مجھے بھی خوب یاد ہے۔ ہم خدام سے اتنا ادب نہیں ہوتا جتنا حضرت رائے پوری کیا کرتے تھے جسکو دیکھ کر رشک آتا تھا، اور حضرت رائے پوری کو یہ قلق رہتا تھا کہ ان کے متعلقین حضرت سہارنپوری کی خدمت میں اس وقت اہتمام سے کیوں نہیں حاضر ہوتے۔

۶:- ایک دفعہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے حضرت کی تعریف اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے، اور تو کچھ نہیں عرض کرتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا، اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔

۷:- حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خصوصیت جو بہت ہی نمایاں تھی کہ معاصرا کا بر میں بھی جس کسی کا تذکرہ حضرت کے ہاں ہوتا تو ناواقف یا نوواردیوں سمجھنا کہ ایک مرید اپنے شیخ کا تذکرہ کر رہے ہیں اور اگر ان بزرگوں میں سے کسی کے یہاں آپ کا ذکر خیر ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کسی شیخ وقت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ایک مرتبہ کوئی شخص تھا نہ بھون سے ناراض ہو کر آئے تھے اور حضرت کے سامنے بے ادبی

کے ساتھ وہاں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی میرے بھی شیخ ہیں اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ محبت و عقیدت، احترام و اعتماد کا جو غیر معمولی معاملہ تھا وہ دنیا پر روشن ہے۔ جس مجلس میں مولانا کا کوئی ناقد یا مخالف ہوتا وہاں اور زیادہ جوش کے ساتھ ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے اور ان کے خلوص و مقبولیت کا اعلان فرماتے۔ ایک مرتبہ بعض آنے والوں نے مولانا کے سیاسی مسلک اور ان کے سیاسی انہماک پر کچھ اعتراض کیا تو فرمایا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ان کے سفروں میں خادم کی طرح ان کے ساتھ رہتا اور ان کی ادنیٰ ادنیٰ خدمتیں انجام دیتا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ کے حضرت بہت معتقد تھے کبھی "حضرت دہلوی" کے سوا اور طرح کا نام نہیں لیا۔ اپنے خدام کو بہت تاکید و اہتمام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے اور خود بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نظام الدین تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے۔ (آپ ہفتی جلد ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۹) ۴۔ "چھپر کا مکان ہوتا تو اور بھی جی خوش ہوتا"

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس الاحرار نے ایک مکان تیار کیا اور اس پر ایک کمرہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب راپوری رحمہ اللہ کے لئے تیار کرایا اور حضرت کو لکھا کہ حضرت کے لیے میں نے کمرہ تیار کرایا ہے جب تشریف لائیں گے یہاں نہریں گے۔ تو حضرت نے جواب میں لکھا کہ جی خوش ہوا اور اگر چھپر کا مکان ہوتا تو اور بھی جی خوش ہوتا کہ برسات میں ایک کونہ میں چکا تو دوسرے کونے میں جاتے اسی طرح رات گزار دیتے یہ اچھا تھا۔

5۔ "یہ شخص ہر آن اپنی نفی میں مشغول ہے"۔

ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے ان کے کسی بے تکلف دوست نے کہا وہ بھی صاحب نسبت تھے کہ تم کسی سے بیعت نہیں؟ فرمایا ہاں میں حضرت راپوری

سے بیعت ہوں۔ ان کے دوست حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی مجلس میں گئے، عصر سے مغرب تک بیٹھے، اٹھ کر کہنے لگے لا حول ولا قوۃ الا باللہ، کس سے مرید ہوئے ہو وہ تو خالی ہیں، بالکل کورے، کچھ بھی نہیں، ان کے پاس مولانا چپ رہے کچھ بھی نہ بولے، اگلے روز پھر گئے مجلس میں بیٹھے، پھر اٹھے اور کہا انا للہ وان الیہ راجعون میں کس غلطی میں مبتلا تھا، یہ شخص ہر آن اپنی نفی میں مشغول ہے کہ میں کچھ نہیں میں کچھ نہیں، حتیٰ کہ پاس بیٹھنے والے پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۲ حصہ 10 ص 89)

6:- حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت رائے پوریؒ کی خانقاہ تھانہ بھون میں حاضری:-

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ سہارنپور تشریف لائے، مجلس میں ذکر آگیا حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درمیان سیاسی اختلاف کا، اس پر مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں یعنی فیض کی نہ تھا بھون میں کمی نہ دیوبند میں کمی، معترض یہاں سے بھی محروم۔

اس کے بعد حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارا تو بہت جی چاہتا ہے کہ تھانہ بھون حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن ہم لوگ بے سلیقہ اور بے شعور ہیں بزرگوں سے ماننا، ان کے پاس جانا، بیٹھنا ہمیں آتا نہیں اور حضرت کی طبیعت تو اور نازک ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے سلیقہ پن سے حضرت کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچ جائے اس لئے وہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ایک طالب علم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والا اس مجلس میں موجود تھا، اس نے یہ سن کر جلدی تھانہ بھون کا سفر کیا اور حضرت رائے پوریؒ کا سفر کیا اور حضرت رائے پوریؒ کا یہ مقولہ وہاں نقل کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا "افسوس! میں نے سفر ترک کر دیا ورنہ میں خود رائے پور حاضر ہوتا"

حضرت کا یہ مقولہ یہاں سہارنپور پہنچا اس وقت تک دونوں حضرات! اب تو بس چلیں گے، ہم سے تکلیف پہنچ جائے پڑی پہنچ جائے ہم تکلیف پہنچانے نہیں جا رہے ہیں، آخر بچوں کو بڑے گود میں لیتے ہیں تو وہ ان پر پیشاب بھی کر دیتے ہیں، ہم حضرت کے بچے ہیں۔" چنانچہ تھانہ بھون میں گئے، جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ فلاں فلاں آ رہے ہیں تو مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی اپنی جگہ نہ اٹھے سب اپنی جگہ بیٹھے رہیں، میرا اٹھنا سب کا اٹھنا شمار ہوگا، چنانچہ حضرت اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے، ملاقات کی، معافہ کیا اور ساتھ لیجا کر اپنی مسند پر بیٹھایا، کچھ دیر تو سکوت رہا کوئی کچھ نہیں بولا، آخر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ابتدا فرمائی کہ بڑے حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رحمہما اللہ کے زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو اپنا بزرگ تصور کرتے ہوئے ایک مرتبہ راپور حاضر ہوا، اس کے بعد وہاں جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی، وہاں آپ کو دیکھنا یا دیکھنا نہیں پڑتا، حضرت راپوری رحمہ اللہ نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات پیش آ گئی تھی جس کے باعث پھر راپور تشریف نہیں لے گئے، فرمایا انہوں نے میرے ساتھ معاملہ میری حیثیت سے بہت اونچا کیا، مجھے برداشت کرنا مشکل ہو گیا، تاہم رات کو مجھے لٹا دیا گیا، کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی، میں نے دیکھا کہ کوئی صاحب میری چارپائی کے قریب ٹہل رہے ہیں، معلوم ہوا کہ مولانا عبد الرحیم صاحب ہیں، میں گبھرا کر اٹھا کہ حضرت کیا بات ہے؟

فرمایا کہ یہاں کے لوگ ایسے ہی بے سلیقہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چلے اور پر کی آہٹ سے آپ کی نیند اچاٹ ہو جائے، میں نے کہا کہ حضرت! میرا آنا تو بس ختم ہوا، اس کے بعد نہیں گیا، مگر اس وقت وہاں آپ کو دیکھنا یا دیکھنا نہیں پڑتا۔ حضرت راپوری رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس وقت کیا پہنچاتے، شاید آپ کو خیال ہو کہ ایک شخص آدھی آستین کی کمری اور گھنٹوں تک پانچامہ پہنے ہوئے مہمانوں کے لیے چارپائی بچھاتا تھا، بستر بچھاتا تھا، ہاتھ دھلاتا تھا، دسترخوان بچھاتا اور کھانا لاتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے غور کر کے فرمایا

کہ ہاں! اس حلیہ کا ایک آدمی پنجابی شکل کا تھا تو سہی، عرض کیا حضرت! وہ یہی خادم تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا

ہر کہ خدمت کردا و مخدوم باشد

پھر جب وہاں سے چلنے لگے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اپنی جگہ سے اٹھنے لگے مگر ضعف کی وجہ سے اٹھنا ذرا مشکل ہو رہا تھا، حضرت رائے پوریؒ نے بغل میں ہاتھ ڈال کر اٹھا دیا، اس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑا عجیب و غریب جملہ فرمایا کہ "آگے بھی خیال رکھنا بھول نہ جانا"۔ (ملفوظات فقیہ الامت جلد 1 حصہ رابع ص 72، 74)

(اس واقعہ میں اعلیٰ حضرت رائے پوری، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ چاروں بزرگوں کی بے نفسی و فنائیت واضح ہے۔ مرتبہ)

عارف باللہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمہ اللہ کے واقعات

1۔ حضرت والا کی سادگی :-

آپ کے خادم خاص حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب آپ کے مختصر حالات تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت والا پھولپوریؒ کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ صاحب علیہ کا مطبوعہ ملفوظ یہاں نقل کرتا ہوں:

نقل ملفوظ مطبوعہ ملفوظات حسن العزیز ص 83:

فرمایا (یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) مولوی عبدالغنی صاحب ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں۔ پہلوان آدمی ہیں پھر علمی کمال جدا مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں یہ ذکر کا اثر ہے، ذکر عجیب چیز ہے۔

سب اصلاحیں اس سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔

مولوی سیسی صاحب بہت خوش پوشاک ہیں کہنے بھی لگے ترمین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے اللہ جمیل محب الجمال میں سنتا رہا بعد میں میں نے کہا۔ مولوی صاحب یہ سب اسی وقت تک ہے۔ جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جاوے گی۔ تو اللہ جمیل محب الجمال سے استدلال رکھا رہ جاوے گا۔ صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آ جاوے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون میں رہے اب ان کی حالت دیکھنے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے۔ غریبوں کی سی وضع ہو گئی۔ (معرفت الہیہ ص 31)

2: ہندو استاد کی خدمت کا عجیب واقعہ:-

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے نبوٹ ہندو استاد سے سیکھا۔ ہندوؤں کو مارنے کے لیے ہندو استاد سے ہی کمال حاصل کیا، وہ ہندو اس فن میں بہت ماہر تھا۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ جب اس کے پاس نبوٹ سیکھنے جاتے تو علی الصبح فجر کی نماز سے پہلے جا کر اس کی بھینس کے نیچے سے گوبر صاف کرتے تھے۔ زمین خوب اچھی طرح صاف کر کے خشک مٹی ڈال کر زمین کو خشک کرتے تھے۔ پھر بھینس کے لیے سانی بناتے، سانی کھلی اور بنولے کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ ہندو استاد اور پھر اس سے صحیح بخاری کا سبق نہیں پڑھتے تھے نبوٹ سیکھتے تھے۔

استاد کی عزت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبوٹ میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس ہندو کے بڑے بڑے پرانے شاگرد وہ کمال حاصل نہیں کر سکے۔

(جواہر الرشید حصہ دوم ص 39)

امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی رحمہ اللہ کے واقعات

1:- مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کے نام ایک خط

مولانا کے اندر باوجود علم و فضل زہد و تقویٰ کے حد درجہ تواضع اور خاکساری تھی۔ اپنے بڑوں

کے ساتھ بڑے سے بڑا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کیساتھ برابر والوں کا سا معاملہ کرتے۔ اہل علم کے علم کا اعتراف کرتے ان کی قدر کرتے ان کو اپنے سر بیٹھانے کی کوشش کرتے۔ اور بڑے عزت و احترام کا معاملہ کرتے۔ خصوصاً ان لوگوں کے ساتھ جن کا تعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ سے رہا ہو۔ اور دینی تحریک سے دیرینہ ربط رہا ہو۔ اس کے علاوہ ہر نئے آنے والے کے ساتھ وہ جس درجہ کا آدمی ہوتا اس سے اونچا معاملہ فرماتے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو ایک خط میں لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مخدوم و محترم و مکرم و معظم جناب حضرت سید الاستاد ادام اللہ مجدکم و متعنوا و المسلمین بفیوضکم اسلام و علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، حضرت عالی کا والا نامہ شرف صدور ہو کر باعث صد مسرت و منت ہوا۔ حق تعالیٰ شانہ، آں محترم کو اپنی بے نہایت مرضیات سے علامال فرمائیں اور ہم ضعفا کے لئے آپ کے ان انوارات و اوصاف و کیفیات سے جو بارگاہ رسالت سے آپ میں ودیعت ہیں۔ اور حضرت سید صاحب شبید رحمہ اللہ کے تعلق نے ان کو جلا دیکر پھر ہمارے جیسے خوبیوں کے گہرائیوں کے سمندروں کے موتیوں کے ادراک نہ کرنے والوں کے لئے قابل ادراک فرمادیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق اور آپ کی انکے ساتھ قابل رشک محبتوں نے ان کو روز روشن کی طرح کھول دیا اب بھی ہم جیسے کورانکا احساس نہ کریں تو جناب عالی کے لئے تو حقیقتاً کوئی نقصان نہیں اللہ رب العزت نے آپ کو بہت نعمتوں سے مالا مال فرمادیا۔

جن کا شکر آپ پر واجب ہے بہت شکر کریں۔

البتہ نقصان صرف ہمارا ہے کہ نہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے انکی قدردانی کر کے فائدہ اٹھایا۔ نہ ان ہستیوں سے جنکو وہ قدر کر کے بہت قابل قدر بنا گئے۔ آپ نے تو انکے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی حد سے زیادہ اس عاجز پر بار بار حد سے زائد احسانات فرمائے جس کا حق

تعالیٰ شانہ، حد سے زیادہ آپ کو صلہ مرحمت فرمائیں۔ البتہ یہ ضعیف و نا کارہ بہت ہی قابل توجہ اور دعا ہے خصوصاً ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے ذیل میں (جن میں بہت اہم آپ کی ہستی ہے) جنکی اس کام کے اشتغال سے اس نے فروغ کی صورت اختیار کی اور حضرت مرحوم انکودل سے چاہتے تھے۔ آپ کا بہت ہی احسان ہوگا اگر آپ اپنے مخصوص اوقات میں میرے لئے رو کر اس بارے میں اللہ رب العزت سے گڑ گڑا کر مل جاتی ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ میرے لئے حق شناسی و مرحوم شناسی کے دروازے کھول دے اور اصولوں میں بصیرت و عمل کی توفیق بخشیں جسمیں اہل ہنر و خیر سے اس کام میں پوری طرح متفع ہو سکوں اور ان کی توجہات سے یہ کام سرسبز ہو اور میری گندگیوں کے نذر ہو کر یہ کام ضائع یافتہ نہ ہو جائے۔ آپ کا خط بارہا لیکر بیٹھا کچھ لکھنے کی ہمت نہ پڑی۔ دوبارہ پرچھوڑ دیا۔ آپ کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں کوتاہی حجاب بنی آنے کیلئے درخواست بھی کس منہ سے کروں۔ سوائے بولنے کے تو کچھ سیکھا نہیں اور اس سے کچھ ہوتا نہیں۔ فتن نے اپنے پردوں کو چاک کر دیا۔ مصائب کیڑوں کی طرح امنڈ پڑے۔ علاج پر اہل بصیرت اور اہل فہم و رائے مطلع نہ ہوئے اور جو مطلع ہوئے تو ان کا اختلاط اور اجتماع ٹوٹا واللہ خیر حافظاً وھوارحم الراحمین حضرت عالی ہی اسمیں مشعل راہ ہو سکتے ہیں جناب عالی کی تشریف آوری کے خیال سے بھی بڑی مسرت ہو لی اہل دل تو اپنا کام دل سے کریں ہم جیسے بے دل کیا کریں محبت آپ کی اپنے دل میں نہ رکھیں تو پھر مرنے کے بعد کے سہارے کے لیے کیا چیز ہے۔ آپ کے دل میں اپنی محبت کو بہت ہی مبارک دسمجھتا ہوں حق تعالیٰ شانہ جانہین کے لئے ترقیات کا دروازہ کھولیں۔

بندہ محمد یوسف

2: کسی سے استفادہ کرنے میں کبھی حجاب نہیں ہوا:-

مولانا کو کسی عالم سے باوجود اپنے علم و فضل کے استفادہ کرنے میں حجاب نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب "حیۃ الصحابہ" لکھنی شروع کی تو اسمیں بھی کبھی پس و پیش نہ کیا کہ کسی اہل علم کے سامنے اس کتاب کو پیش کریں اور اسمیں اصلاح کے طالب ہوں یہ وہی

شخص کر سکتا ہے جس کے فنائیت حد سے بڑھ کر ہو اور "انا" کا نام و نشان بھی نہ ہو ورنہ بڑے سے بڑا عالم۔ "بچو من دیگرے نیست" کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں

ایک مرتبہ فرمایا:

ہم ایک کتاب صحابہؓ کے حالات پر لکھ رہے ہیں آپ نے اسکو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا۔ جس سے اپنی ناقابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندہ گی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر دے گا۔

3: "منشی جی! ہمارے لیے اور ہمارے گھر والوں کے لیے دعا کرنا!"۔

ایک رفیق خاص اپنا چشم دیدہ واقعہ لکھتے ہیں:

منشی اللہ دتہ صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ جب مرکز سے باہر نکلے تو حضرت مولانا بھی ننگے پاؤں سڑک تک آ گئے۔ اور جب منشی جی رخصت ہونے لگے تو حضرت مولانا نے بڑے عاجز از اور مودبانہ طور پر منشی جی سے فرمایا "منشی جی! ہمارے لیے اور ہمارے گھر والوں کے لیے دعا کرنا"۔

4: "مجھے تو ابھی تک چھ نمبر نہیں آئے"۔

ایک مرتبہ مدارس کی جماعت سہارنپور کے علاقہ میں چلا گزرا کر آئی رات کا کھانا مولانا نے اپنے ساتھ کھلایا یا مولانا نے کھانے کے درمیان میں فرمایا "بھائی تمہارا سفر کیسے گزرا" جماعت نے کہا حضرت! بہت اچھا گزرا مگر بدن پر گرمی کے سبب چھالے پڑ گئے ہیں۔ مولانا مسکرائے اور فرمایا تمہیں چھ نمبر بھی آ گئے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت الحمد للہ ہم سب کو چھ نمبر آ گئے۔ مولانا نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہوا لم پر مجھے تو ابھی تک نہیں آتے۔

5: "اس بالٹی کے اٹھانے کا لطف و مزہ اب تک پارہا ہوں"۔

یہ تو ان لوگوں کیساتھ معاملہ تھا جو اہل علم تھے یا جماعت سے تعلق رکھتے تھے مولانا کا معاملہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کیساتھ بھی تواضع اور انکساری کا تھا۔ خواہ وہ اپنا ہو یا یاغیر ہو۔ مولانا جو جماعتوں کو رخصت کرتے تو فرماتے جماعت والو! اپنی خدمت، ساتھیوں کی خدمت، امیر کی خدمت اور راستہ پر جو مل جائے بلا تفریق مذہب اسکی خدمت کرو اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا:

"ایک مرتبہ بستی حضرت نظام الدین کی رہنے والی چھوٹی سی بچی بالٹی میں پانی بانپتے لے جا رہی تھی میں نے دیکھا اور لپک کر اسکے گھر تک پہنچا آیا۔ اس بالٹی کے اٹھانے کا مزہ و لطف اب تک پارہا ہوں"۔

6: کئی دنوں تک مہمانوں اور گھر والوں کی نجاست اٹھا کر جنگل میں پھینکتے رہے۔

خدمت خلق اور اکرام ضعیف کا جذبہ مولانا کے اندر بے پایاں تھا۔ اس سلسلہ میں وہ ادنیٰ سی ادنیٰ خدمت کرتے بچکاتے نہ تھے بعض خدمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی اس کو کرتے بچکاتا ہے اور اپنے مقام سے کم تر سمجھتا ہے۔ لیکن مولانا کو کم سے کم درجہ کا کام کرتے ہوئے بھی باک نہ ہوتا۔
مولانا اظہار الحسن کا ندھلوی بیان کرتے ہیں:

"ایک بار بستی نظام الدین میں مہتروں نے پڑتال کر دی مہمان مرد تو جنگلوں میں جا کر فراغت حاصل کر لیتے۔ لیکن عورتوں کا مسئلہ سخت بن گیا تھا۔ یا ان مردوں کا جو بیمار یا بوڑھے تھے اس سے گندگی پھیلنے لگی مولانا نے کئی دن تک مہمانوں اور بھر والوں کی نجاست اٹھا کر جنگل میں جا کر پھینکی مگر کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔"

(از سوانح مولانا محمد یوسف صاحب حصہ 280 تا 284)

عارف باللہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ کے واقعات

1: اکوڑہ خٹک تشریف آوری :-

آپ کا وطن قیام فرمانا ہی تھا کہ ارد گرد کے علاقہ میں جتنے بڑے بڑے مدارس تھے سب نے تشریف آوری پر اصرار کیا۔ آپ ارباب مدارس کی بدانتظامی اور پھر اپنے ضعف کی وجہ سے برابر انکار کرتے رہے۔ صوبہ سرحد میں بھی تقسیم کے بعد کافی مدارس قائم ہو گئے تھے جو بڑی کامیابی سے ترقی کے راستے پر گامزن تھے۔

جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولانا بادشاہ گال صاحب اور دیگر منتظمین نے آپ پر بے حد اصرار کیا۔ حضرت مولانا نے ضعف اور کمزوری کا عذر کیا مگر یہ حضرات ہر قیمت پر حضرت مولانا کو بے جانے پر تلے ہوئے تھے۔ مختلف علماء کی سفارش بھی لاتے رہے۔ بالآخر ایک سال کے لیا اکوڑہ تشریف کے گئے۔ دوسرے سال کے آغاز میں پھر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ کے سفارش و اصرار پر آپ نے جانا منظور فرمایا۔ کل 4 سال آپ نے اکوڑہ خٹک میں قیام فرمایا۔ (یہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک مولانا عبدالحق والا نہیں جامعہ اسلامیہ اس سے کچھ پہلے آتا ہے۔)

اس علاقہ میں آپ کا رہنا صوبہ سرحد، افغانستان اور قبائلی علاقہ کے طلبہ کے لئے بڑی برکت کا باعث ہوا، اور بولے طالبین علوم حدیث سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ 1958ء سے آپ نے اپنے گھر میں قیام کا ارادہ فرمایا، کہ ظاہری علوم کی خدمت کرتے کرتے ساری عمر گزرنی۔ اب اصلاح و رشد کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے اور حضرت حکیم الامت کی امانت کا حق ادا کرنے لگے۔ ان ایام میں زہد کا بہت غلبہ ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا نے قریباً ان ایام میں اپنے چچا زاد بھائی مولانا (عبدالقدیم صاحب کے نام ایک خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے جن سے حضرت کی اندرونی کیفیت، انجذاب الی اللہ، زہد تقویٰ اور دینی علائق سے انقطاع کے جذبات کے انقطاع کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے فرماتے ہیں :- "دل میرا بہت پریشان ہے۔ سب حیات سفر میں گزر گئی۔ کوئی کام دین کا نہ کر سکا دل چاہتا ہے کہ سب کام دنیا کے چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤں۔ موت

کا وقت میرا بہت قریب ہے زندگی ختم ہونے والی ہے آخرت کا کوئی توشہ پاس نہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی مرقیات میں مشغول کر دے اور دنیا کی سب پریشانیوں سے نجات دیدے اور بقیہ چند روزہ زندگی آرام اور اطمینان اور اپنی مرقیات میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

اللہ اللہ! حضرت کا یہ اونچا مقام اور یہ مسلسل دینی خدمات اور پھر تہی دامنہ کا یہ اعتراف (بیس مردان حق، جلد 1 ص 963)

2: طلبہ پر شفقت:- مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا طلبہ سے باب کی طرح شفقت فرماتے ان کی ضروریات و حوائج کا خیال رکھتے طلبہ کے ساتھ بہت تواضع اور انکسار پیش آتے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت کی زندگی میں وہ تواضع اور طلبہ سے شفقت دیکھی جو اور کہیں بہت کم دیکھی۔ ایک دفعہ حضرت کے پاس مدرسہ (جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے چھوٹے نابالغ طالب علم آئے۔ وہ مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس کوئی درخواست لے جا رہے تھے اور حضرت مولانا نے اس پر کوئی سفارش لینا چاہتے تھے۔ جب یہ بچے کمرہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ سامنے چار پائی خالی تھی۔ حضرت کو طالب علموں نے سلام کیا۔ حضرت نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے خالی چار پائی پر بیٹھے کو کہا مگر وہ نہیں بیٹھے تو حضرت بھی چار پا سے اتر کر نیچے بورے کے فرش پر تشریف فرما ہوئے پھر طلبہ سے شفقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے کہ کیا خدمت ہے۔ یہ حضرت کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان کے پاس آتا، تو حضرت اگر چار پائی پر ہوتے تو نیچے اتر جاتے اور آنے والوں سے گفتگو فرماتے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت ٹیک لگائے ہوئے کسی سے گفتگو فرماتے ہوں۔ یا کوئی نیچے بیٹھا ہوا اور حضرت اوپر چار پائی پر بیٹھے ہوں۔"

(بحوالہ بالا ص 966)

۳: شان تواضع :-

آپ عالمانہ علو کے باوجود تکلف و تضع سے دور اور نادمود سے نفور تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تحریر فرماتے ہیں :

علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع، خاموشی اور کم گوئی مولانا کی ایک فطری کرامت تھی۔

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قصیر تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت مولانا سطلی اور خود فروش انسانوں کی طرح اپنے کمالات کی تجارے نہیں کیا کرتے تھے اور نہ معرفت الہی، یقین کامل اور نور باطن کی جو دولت انہیں ملی تھی اس کی وہ شہرت پسند فرماتے تھے غرضیکہ اس طبقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا جو!

"کسی کی زلف پریشان کسی کا دامن چاک جنوں کو لوگ تماشا بنائے پھرتے ہیں"

حضرت مولانا کی طبعی تواضع میں تضع و تکلف نہ تھا اس لئے علو منصب یہ کبھی اس طبعی و فطری تواضع میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ جس وقت حضرت مولانا مظاہر العلوم کے عہد صدارت پر فائز تھے اس وقت کے دو سبق آموز واقعات کا سبق یہاں ہے :-

1۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عید الاضحیٰ کے موقع پر حسب معمول حضرت اقدس استاد الاساتذہ مولانا سید عبداللطیف صاحب اقدس سرہ، ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور قربانی کے انتظام میں مشغول تھے ایک ضرورت کی بنا پر مجھے حضرت اقدس ناظم صاحب حضرت الاستاد اقدس سرہ کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ میں حضرت اقدس سرہ حجرہ میں داخل ہوا۔ میری آنکھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ناظم صاحب کے پاؤں دبار ہے ہیں اللہ اللہ! جامعہ کے صدر مدرس ہونے کے باوجود اور ہر دارالطلبہ میں کثیر تعداد شاگردوں و طلبہ کے ہوتے ہوئے حضرت الاستاد اقدس سرہ نے اپنے استاد محترم حضرت ناظم صاحب پاؤں دبانے میں ہی اپنی سعادت سمجھی۔ جب میں حجرہ میں داخل ہوا تو یہ خیال ہوا کہ اب

حضرت اس خدمت سے رک جائیں گے مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت الاستاد جامعہ الاستاد کے صدر مدرس نہیں ہیں بلکہ ہماری طرح ایک طالب ہیں۔

2:- دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت الاستاد قدس سرہ نے جامعہ دارالعلوم دیوبند میں بھی دورہ حدیث کا درس لیا تھا۔ حضرت راس المحدثین علامہ شیخ الہند قدس سرہ بخاری شریف اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی قدس سرہ سے بھی ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ میری طالب علمی کے زمانے میں جب حضرت راس المحدثین علامہ شیخ الہند قدس سرہ سے بخاری شریف کا درس حاصل فرمایا اسی زمانہ میں حضرت الاستاد نے حضرت عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی قدس سرہ سے بھی ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ میری طالب علمی کے زمانے میں جب حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ، مظاہر العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سہارنپور تشریف لائے تو بعض مرتبہ غریب کانہ پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت الاستاد قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا کہ شیخ! حضرت میاں صاحب تمہارے مکان پر قیام فرمایا کرتے ہیں کبھی موقع ہوا اور حضرت تشریف لائیں تو ایک مرتبہ سخت گرمی کا موسم تھا حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ، سہارنپور تشریف لائے اور میرے یہاں قیام فرمایا۔ میں نے حسب حکم حضرت الاستاد کو اطلاع کر دی۔ دو پہر وقت تنہائی کا تھا اس کی خبر کر دی۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ چلپلااری دھوپ میں سر پر رومال ڈالے غریب خانہ پر پہنچے اور جس کمرہ میں حضرت میاں صاحب آرام فرما رہے تھے اس کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے باہر سے دروازہ بھینر دیا۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ شروع میں کیا باتیں ہوئی البتہ میں نے کچھ دیر کے بعد آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹا دیا اور دروازہ سے یہ دیکھا کہ حضرت اقدس میاں صاحب قدس سرہ چارپائی پر استراحت فرما رہے ہیں اور حضرت الاستاد صدر مدرس مظاہر العلوم پاؤں دہار رہے ہیں تقریباً گھنٹہ بھر پاؤں دہار رہے بعد میں حضرت الاستاد قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تکلف کیوں فرمایا ہم خدام خدمت کے لئے کافی ہیں۔ فرمانے لگے کہ شیخ! میاں صاحب میرے اساتذہ کرام کی برکت سے لکھ پڑھ لیتا

ہوں۔ یہ دونوں واقعات الاستاذ قدس سرہ کے کمالات میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل

ہیں۔ (ص ۹۷ تا ۹۸)

4۔ بے نفسی و فنایت۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے

تیری ہستی کی رنگ و بوند رہے

حضرت مولانا سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ کبھی ایسا نقطہ نہیں سا گیا جس سے اپنی تعریف کی بو آتی ہو۔ جب جاہ کا یہاں سرکٹا ہوا تھا اور یہ جب جاہ اولیا، علماء کے قلوب سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پورنی کا ارشاد ہے۔

"جب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیا، اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک صد سالک صد یقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔"

حضرت مولانا نے مسلسل مجاہدات و ریاضیات اور مرتب معالجات حضرت حکیم الامت تھانوی سے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ بغیر تضع و تکلف کے بے نفسی و فنایت طاری رہتی۔ حضرت مولانا کبھی کوئی ایسی بات نہ فرماتے جس سے آپ کے علوم مرتبہ یا کشف و ادراک کا احساس ہوتا مولانا محمد علی صاحب استاد دارالعلوم حقانیہ فرماتے ہیں۔

"مظاہر علوم میں ترمذی شریف کے درس میں ایک بار کشف کی بخت آ گئی۔ ایک طالب علم نے شدت عقیدت سے عرض کیا کہ حضرت آپ تو سب کچھ مکشوف ہوتا ہوگا حضرت کو جلال آیا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ آپ جیسے صوفیوں کو کشف ہوتا ہوگا میں تو خدا کا ایک عاجز بندہ ہوں مجھے تو ظاہری شریعت کی پابندی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا"

مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا کے سفر کراچی کے موقع پر عجیب کوائف دیکھنے میں آئے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے حضرات کے ملاقات کے لئے اوقات مقرر فرما

دیے تھے عصر کے بعد مجمع قابل دید ہوتا۔ حضرت حسب عادت خاموش رہتے اور مجمع پر بھی رحمتوں کی بارش ہوتی نظر آتی۔ کوئی صاحب اگر کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر بات کے بعد پھر خاموشی طاری رہتی۔ گاہ بگاہ واردین میں دریافت کی جرات نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی کا تسلسل رہتا۔ جس پر مولانا عبد الجلیل صاحب مجھے کہتے کہ تم کچھ گفتگو شروع کرو تاکہ سامعین کچھ سن سکیں۔ الغرض کافی دنوں تک یہ یہی حالت رہی۔ اگر حضرت کی جگہ کوئی اور ہوتے تو تقریریں جھاری جاتیں۔ نکات و رموز کا اظہار ہوتا مگر یہاں تو اس خاموشی اور سکینے میں وہ اثرات و برکات تھے جو لمبی چوڑی تقریروں میں نظر نہ آتے۔ مجمع دن بدن بڑھتا چلا جاتا اور واردین کا تانتا بدھا رہتا۔ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق قدم بھر کر لے جاتے۔ اس سفر کراچی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے حضرت مولانا کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام فرمایا۔ دارالعلوم کراچی میں جب حضرت نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ حضرت یہ سب آپ کے مواعظ سننے کے مشتاق ہیں۔ حضرت نے صاف انکار فرمادیا کہ میں تقریر نہیں کر سکتا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے حضرت مولانا کے کمال اور رفعت شان کا اعتراف اور حضرت مولانا کو خراج تحسین پیش فرمایا کہ:-

"حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا۔ زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر حضرت مولانا کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔"

حضرت مفتی صاحب کے ان توصیفی کلمات کو سن کر حضرت مولانا کے چہرہ پر رنج و الم اور اضطراب کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ با اشارہ حضرت مفتی صاحب کھڑے ہوئے کھڑے ہونے سے قبل حضرت مولانا کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت میں کیا عرض کروں۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ مفتی صاحب نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کی تردید کریں۔ مگر حضرت بنوری نے کھڑے ہو کر حضرت کے وہ اوصاف بیان فرمائے جو ہم نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔ منجملہ ان کے یہ بھی

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے قبل از بیعت ہی حضرت مولانا کو خلافت عطا فرمادی تھی۔ اس تقریب کے دوران حضرت کے چہرہ پر آثار رنج و غم صاف نظر آ رہے تھے۔ جب حضرت بنوریؒ بیٹھ گئے تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو میں نے تردید کے لئے کہا تھا، آپ نے بجائے تردید کے تائید شروع کر دی یہ تھا حضرت کا کمال انکسار

مگر ان کمالات کو اپنے اظہار، ہناؤ، ریاکاری اور نمائش کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ مظاہر علوم سہارنپور جیسے وسیع اسلامی مدرسہ کے صدر مدرس حضرت تھانویؒ سے مجاز خلیفہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد اور سیکڑوں علماء کے استاد ہونے کے باوجود مولانا کی زندگی سجدہ سادہ ان کی جائے رہائش بہت معمولی اور ان کی پوری زندگی اسباب و اموال سے خالی تھی۔ چٹائی، اٹھنا بیٹھنا۔ معمولی برتنوں میں کھانا پینا اور توکل و سادگی گزارنا مولانا لا معمول تھا مولانا کے نزدیک یہ زندگی ایک قیام گاہ اور ایک منزل نہیں تھی بلکہ ایک راستہ اور رہگذر تھی اور ان کے انداز و اطوار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ اس راستہ اور شاہراہ سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ بہبود کی عید گاہ میں نماز پڑھنے کا قصہ درپیش ہوا۔ ہماری بستی بہبودی میں عید کی نماز مساجد میں ہوتی تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ لوگوں کو فرمادیں تو عید گاہ میں ایک جگہ نماز ادا کیا کریں گے۔ فرمایا کہ میری بات کون مانتا ہے۔ میں نے کہا حضرت کو اپنی شان معلوم نہیں بہت اصرار پر فرمایا کہ بہت اچھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور حضرات کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ عبید الرحمن بھی مؤند بنے۔ وعدہ فرمالیا کہ میں کوشش کروں گا۔ چنانچہ مسئلہ حل ہوگا۔ حضرت کا فرمانا تھا کہ سب نے مان لیا اس کے بعد عید گاہ میں امامت کا مسئلہ تھا، کیونکہ ائمہ میں ہر ایک امامت کا خواہاں ہوتا ہے اس مسئلہ کا میں نے حل پیش کیا کہ حضرت عید کی نماز پڑھائیں مگر انکار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے امامت نہیں ہوتی میں نے عرض کیا کہ بغیر آپ کی ذات کے اور کسی پر اتفاق ہو

نہیں سکتا۔

اس لئے جناب یہ درخواست منظور فرمائیں۔ بہت اصرار کے بعد حضرت نے درخواست منظور فرمائی۔ جو عید کا زمانہ قریب ہوتا تو حضرت فرماتے کہ تم خود عید کی نماز پڑھاؤ۔ میں معذور ہوں۔ میں عرض کرتا کہ بغیر آپ کے لوگ کسی پر متفق نہیں ہیں۔ حضرت کی آخری عید الاضحیٰ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ لوگ میری امامت پر ناراض ہیں۔ میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگوں سے حضرت کے سامنے عید گاہ میں دریافت کرونگا۔ عید گاہ میں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا جانتے ہو؟ سب نے کہا کہ یہ ہمارے لیے فخر کا سبب ہے۔ الغرض آپ کی زندگی میں کسر نفسی فنائیت اور امتیازی شان سے احتراز کی عجیب شان تھی۔

اس طبعی افتادہ کی وجہ سے آپ نے چاہ کنعان میں لاکھ چھنے کی کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو نکال کر منصفہ شہود پر پیش کر دیا تھا۔ آپ دانہ ختم کی طرح لاکھ مٹے۔ مگر کشت زار ہو کر مخلوق کے افادہ کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ (ص 980 تا 982)

5:- اصلاح میں کسر نفسی:-

حضرت مولانا کی اس طبعی تواضع اور انکساری کا یہ اثر تھا کہ جب آپ کی طرف کوئی سالک اصلاح نفس کے لئے رجوع کرتا تو آپ بغیر تکلف و تضع کے اپنی بے بضاعتی کا اظہار فرما کر کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے طالب کے بار بار اصرار پر آپ اس کو اتکارہ کا ارشاد فرماتے۔ لوگوں کو بیعت کے لئے دعوت دینا یا بلانا تو درکنار خود رجوع کرنے والوں سے انکار فرماتے کہ وہ اور کسی طرف چلے جائیں۔ آپ کے دیرینہ خادم اور سفر حج کے رفیق مولانا محمود صاحب رنگونی (مفتی اعظم برما) نے جب بیعت اور اصلاح کے لئے درخواست پیش کی تو جواب میں یہ تحریر فرمایا غور سے پڑھئے۔ کہ کس انداز سے اپنی نے بضاعتی اور کوتاہی کا اظہار کیا جا رہا ہے فرماتے ہیں:

"آپ نے اصلاح کے متعلق اس ناکارہ کی طرف رجوع رجوع کرے تو فرمایا

ہے۔ آپ ایک عرصہ دراز تک سہارنپور قیام فرما چکے ہیں اور اس طویل مدت اقامت میں آپ مجھ ناکارہ کے اطوار اور ناکارگی اور اقوال و اعمال کی کوتاہیوں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اسکے باوجود بھی آپ جیسا عقل مند اصلاح کے لئے مجھ جیسے ناکارہ آوارہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ بھید تعجب انگیز ہے۔ اصلاح کے لئے دب سے اول شرط مصلح کا اہل ہونا اور پابند شریعت ہونا لازم اور ضروری ہے۔ جس سے میں واقعی بے بہرہ ہوں اور یہ تضرع اور تواضع نہیں بلکہ خالص اور صاف اظہار واضح ہے۔ اسلئے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کام کے لئے کسی اہل اور بھلے آدمی کی طرف رجوع فرماویں، جن سے آپ کو دین کا نفع ہو۔ احقر کی طرف سے یہ مشورہ آپ کو بہت خلوص اور ہمدردی کا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرما کر اس کی وجہ سے مجھے دعائیں دیں گے، اور اگر باوجود میری آوارگی اور نزارگی اور کوتاہیوں کے آپ میری ہی طرف رجوع فرمانا چاہیں تو احقر کو کچھ عذر نہیں

استخارہ مسنونہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیجیے۔ مجھ سے جو کچھ خدمت ہو سکے گی اس میں انشاء اللہ تعالیٰ دریغ نہ کروں گا۔ (تحریر مکتوب مورخہ ۲۳، ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ)

اللہ اللہ اندازہ لگائیے، کس قدر وضاحت سے اپنے بارے میں یہ الفاظ فرمائے جا رہے ہیں۔ اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد پھر استخارہ اصرار کے بعد آمادگی کا اظہار بھی کہ حضرت حکیم الامت کی اس امانت عظمیٰ کو اوروں تک پہنچانا بھی ہے۔

ایک صاحب (مولانا منظور احمد چنیولی رحمہ اللہ علیہ نے اصلاح کے لئے درخواست پیش کی۔ جواب میں تحریر فرمایا:۔

"اپنی اصلاح کی فکر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے الھم زد فزد میں تو خود ہی بہت بد اعمال، بد افعال ہوں۔ اس کام کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی دیندار باکمال انسان کی طرف رجوع کریں۔ اس معاملہ کے لئے آپ پہلے استخارہ کر لیں"

"جب سے آنحضرت سے جدا ہوا ہوں اس وقت سے لیکر اب تک دب بدن حالت میں تنزل ہی آتا جا رہا ہے اور حضرت اب اپنے اندر انتہائی تنزل بنسبت پہلی خجالت کے معلوم

کرتا ہوں۔ اپنی اصلاح آنحضرت ہی کی خدمت بابرکت میں رہنے میں منحصر معلوم ہوتی ہے۔ دل تو حضرت اب تک یہی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ آنحضرت کی خدمت اقدس میں گزار دوں تاکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت کی محبت میں رہنے کی برکت سے احقر کی اصلاح فرمادیں۔"

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا:

"یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ورنہ میں تو ایک بدکار ناشائستہ انسان ہوں بلکہ انسان کہلائے کے بھی لائق نہیں ہوں"

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیر ستانی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت کو میں نے خط لکھا کہ اپنے نفس امارہ کی اصلاح آپ سے کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ کچھ روحانی امراض بھی لکھ دیئے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ مجھ جیسے گنہگار سے کسی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ تم کسی تبع سنت کی طرف رجوع کرو" لیکن میرے اصرار پر اصلاح کے تعلق کو قبول فرمالیا۔

اپنے اسلاف میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علیہ کی بھی یہی شان تھی۔ مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ علیہ تذکرہ الرشید میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے

ہیں:

کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر برکت و سکون سے حاصل ہوتا ہے بایں وجہ

بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا۔ مگر جو ہر کو کتنا ہی گودز میں دبائیے۔ اور مشک کو کیسا ہی

کپڑوں میں چھپائیے، کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا۔ (ع 983-984)

حضرت مفتی سعید احمد صاحب (مفتی مظاہر علوم سہارنپور) کی تواضع و فنائیت۔

جامع الکملات ہونے کے باوجود اپنے شاگرد سے بیعت ہوئے۔

آپ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے، اپنے علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے، بہت بڑے فقیہ و محدث تھے، ہر فن میں کمال حاصل تھا، اس کے باوجود آپ تواضع و انکسار کا پیکر تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے ہی تلمیذ رشید حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی رحمہ اللہ (خلیفہ، مجاز حکیم الامت رحمہ اللہ) سے رجوع کیا اور مجاز بیعت قرار پائے۔

ساری زندگی درس و تدریس اور فقہ و حدیث کی خدمت میں مصروف رہے اور آخر دم تک جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد (انڈیا) کے شیخ الحدیث رہے، ہزاروں طالبان علم حدیث و فقہ نے آپ سے کسب فیض کیا اور سینکڑوں سالکان طریقت نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔

مفتی رشید احمد صاحب میواتی اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی رحمہ اللہ مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی و شیخ الحدیث جامع مفتاح العلوم جلال آباد انڈیا سے راقم الحروف کو شرف تلمذ اور خصوصی طور پر خدمت اقدس میں رہنے کی سعادت حاصل کی ہے، آپ میرے شیخ حضرت والا مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے، انہوں نے کئی سال تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا اور مشکوٰۃ تشریف تک غالباً مدرسہ ہذا ہی میں اپنے وطن میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کتب پڑھیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ذہانت و ذکاوت، حلم و وقار، اخلاق و اوصاف حمیدہ میں اپنے اکابر کا نمونہ تھے، انتہاء درجہ منکسر المزاج تھے، باوجود اس کے کہ حضرت والا

(مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ) کے استاذ تھے مگر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد آپ نے حضرت والا رحمہ اللہ سے رجوع فرمایا حالانکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طرف سے آپ مجاز صحبت ہو چکے تھے۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں "آمین۔"

(کاروان تھانوی ۱۶۳، ۱۶۴)

حضرت مولانا فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی تواضع و فنائیت۔

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ کے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سناتے تھے کہ مولانا فخر الدین شاہ صاحب گھونکی کے علاقہ کے زمیندار تھے اور سید ہونے کی وجہ سے عوام میں پیر مشہور تھے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور حضرت کے ہاں آمد و رفت ہوئی، حضرت نے انکے اصلاح کی طرف توجہ دی، جب سلوک کی منزلیں طے کر لیں اور اجازت و خلافت کا وقت قریب آیا تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ حضرت فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کو آخری گھائی سے بہت سہولت سے پار لے گئے، وہ اس طرح کہ حضرت نے فرمایا کہ ”میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کو مرید کرتے ہیں حالانکہ آپ کی ابھی اصلاح نہیں ہوئی ہے؟“ جواب دیا کہ میں تو کسی کو بیعت نہیں کرتا اور نہ ان کو مرید سمجھتا ہوں، لیکن خاندان کے اکابر سے نسبت کی وجہ سے لوگ مجھ کو اپنا پیر سمجھتے ہیں اور عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: تم ان سب کو لکھ دو کہ میری اصلاح نہیں ہوئی، میں پیر بننے کے قابل نہیں، لہذا تم اپنا اصلاحی تعلق کسی اور سے قائم کر لو۔ حضرت نے پوچھا کیا ایسا کرو گے؟ عرض کیا ضرور کروں گا۔

چنانچہ کافی تعداد میں کارڈ منگوائے اور کارڈ پر حضرت کا فرمایا ہوا مضمون لکھنا شروع کر دیا، کوئی آٹھ ۸ دس ۱۰ کارڈ لکھے ہوں گے کہ حضرت نے ایک خادم کو بھیجا کہ جا کر دیکھ آؤ کیا کر رہے ہیں، انہوں نے دیکھ کر بتایا کہ خطوط لکھ رہے ہیں۔ حضرت نے بلایا اور سب خطوط لے لئے اور کارڈوں کی قیمت دیدی اور فرمایا: ”امتحان لینا تھا، تذلیل مقصود نہ تھی، یہ ایک اہم امتحان تھا جس سے جب جاہ کی جڑ کٹ گئی۔“

پھر حضرت فخر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ حضرت کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

(ماہنامہ محاسن اسلام حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی ص ۲۹-۳۰)
حضرت مولانا شیر محمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی) کی تواضع و
سادگی۔

سادگی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ مولانا منظور نعمانی نے اس ضمن میں لکھا کہ ”جب
الفرقان بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تو اس کے ابتدائی دور میں گھونکی سکھر سے سالانہ چندہ
کا ایک منی آرڈر آیا۔ مرسل کا نام صرف ”شیر محمد“ لکھا ہوا تھا اور تحریر کی سادگی سے اس کا شبہ
بھی نہیں ہوا کہ یہ کوئی طالب علم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں صرف شیر محمد
لکھ دیا۔ عرصہ کے بعد الفرقان میں ایک مضمون کے بارے میں ان صاحب کا خط آیا جس
میں امداد الفتاویٰ کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی کی ایک خاص تحقیق کا
ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالم دین ہیں۔ جب مولانا کے
پاس الفرقان کا شمارہ پہنچا جس میں ان کا نام مولانا شیر محمد لکھا ہوا تھا تو مدوح نے مجھے لکھا
”میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں۔ اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے ان سے کچھ باتیں معلوم
ہو گئی ہیں۔ اس لئے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے۔“

(”بزم اشرف کے چراغ“ ص ۵۹)

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت حکیم
الامت رحمہ اللہ) کی فنائیت۔

مولانا عبدالقدوس رومی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جس سال احقر مدرسہ مظاہر علوم میں دورہ حدیث میں شریک تھا، اخیر سال ماہ
شعبان میں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ نے تھانہ بھون کا سفر فرمایا تھا اور واپسی میں
مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے مکان کتب خانہ امداد الغرباء میں قیام ہوا۔ اس
موقع پر مدرسہ مظاہر علوم میں ہم لوگوں کا درس بخاری شریف ختم ہو رہا تھا، احقر (چونکہ اس
وقت بھی حضرت ہی سے وابستہ تھا) حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں بخاری

شریف ختم ہو رہی ہے۔ اگر جناب بھی شرکت فرمائیں تو خوشی ہوگی، حضرت اپنی خمول (گمنامی) پسندی کی بناء پر لوگوں سے میل ملاقات کا مزاج ہی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے ال مدرسہ میں سے کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کی طرف سے کوئی دعوت بھی نہ تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ اس وقت واقعہ ختم بخاری تھا، آج کل کی طرح اس کی نمائش اور تشہیر کہاں ہوئی تھی۔ ہم میکدے سے نکلے کے دنیا بدل گئی

احقر کی درخواست پر حضرت نے بے تامل شرکت پر آمادگی ظاہر فرمادی، مگر دوسرے ہی لمحہ یہ سوال بھی فرمایا کہ ”جہاں بیٹھ جاؤ نگاہاں سے اٹھا کر کہیں اور بیٹھنے کو تو نہ کہا جائیگا؟“ احقر نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکے گا وہ لوگ جناب کی شایان شان جگہ پر تو ضرور بٹھانا چاہیں گے۔ یہ سن کر انکار فرمادیا کہ پھر تو میں نہ جاؤنگا۔ (حالات مصلح الامت، جلد ۱، ص ۱۶) جامع المنقول والمعقول علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ کی فنائیت۔

استاذ، شاگرد کے حلقہء ارادت میں:

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ کل جن اساتذہ کرام کے سامنے آپ نے طالب علمانہ زانوئے تلمذتہ کیا تھا، ایک دن وہ آیا کہ انہیں میں سے ایک نہایت جلیل القدر استاذ، استاذ الاساتذہ، جامع معقول و منقول بزرگ، دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرّسین حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہ اپنے اس عظیم المرتبت شاگرد کی خدمت میں مسترشدانہ حاضر ہوئے۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں نایاب نہیں تو کیا ضرور ہیں۔ تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ علامہ طیبی نے اپنے شاگرد عمر خطیب تبریزی سے مشکوٰۃ تشریف تالیف کرا کے خود اس کی شرح لکھی۔ ماضی قریب میں حضرت مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی، جنہوں

نے مثنوی مولانا روم کا تکرار فرمایا، زبردست عالم و فاضل، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص اور مرید تھے۔ لیکن بعد میں اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے شاگرد جناب حاجی کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

تاریخ نے پھر ایک باریکی داستان دہرائی۔ جو لوگ حضرت علامہ بلیاوی رحمہ اللہ سے واقف نہیں انہیں کچھ بتانے کی حاجت نہیں۔ لیکن جو لوگ ناواقف ہیں ان کی خدمت میں مختصر تعارف ضروری ہے۔ تاکہ واقعہ کی اہمیت ان کے ذہن میں آ سکے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کے مخصوص تلامذہ میں تھے۔ جملہ علوم و فنون بالخصوص معقولات میں امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ اساتذہ اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے بیشتر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ درس حدیث میں خاص امتیاز کے مالک تھے۔ آپ کا درس مختصر مگر نہایت محققانہ ہوتا تھا۔ مدرسہ فتح پور دہلی، مدرسہ امدادیہ در بھنگہ، مدرسہ ہاٹ ہزاری چانگام اور چند ماہ مدرسہ دارالعلوم منو میں صدارت تدریس کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے اساتذہ نے بالآخر آپ کو دارالعلوم دیوبند کے لئے منتخب فرمایا۔

۱۳۱۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرّسین، ناظم تعلیمات اور شوریٰ کے ممبر بنائے گئے اور تادم حیات ان عہدوں پر متمکن رہے۔

ماہ و تاریخ تو محفوظ نہیں تاہم یہ معلوم ہے کہ حضرت علامہ الہ آباد حضرت مصلح الامّت کے در اقدس پر ۱۳۸۳ھ میں تشریف لائے تھے۔ مہینہ غالباً ذیقعدہ کا تھا کیونکہ حضرت علامہ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت مصلح الامّت نے پہلا خط کیم ذی الحجہ کو آپ کے نام تحریر فرمایا ہے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات اور باہم مکاتبت میں ایک عجیب کیف محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف حضرت علامہ بایں جلالتِ شان اپنے کو حضرت والا کے سامنے مستر شدانہ اور مستفیدانہ پیش کرتے ہیں۔ اور ادب و احترام کی وہی نگہداشت ملحوظ

رکھتے ہیں جو ایک مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ ملحوظ رکھنی چاہے اور دوسری طرف حضرت مصلح الامت بالکل ایک تلمیذ رشید اور شاگرد کی صف میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں جیسا کہ استاذ کا حق ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اپنی دونوں حیثیتیں مکاحقہ نباہ دی ہیں۔

ان مکاتبت سے استاذ شاگرد اور مراد و مرید کے باہمی روابط و تعلقات کا جیسا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اگر تاریخ میں اس کی مثال آپ ڈھونڈنا چاہیں تو شاید مشکل سے دو ایک دیتا ہوں گی۔ حضرت علامہ کا یہ کمال ہے کہ استاذ ہونے کے باوجود مستر شدانہ حیثیت ہی سامنے رکھتے ہیں۔ اور کمال بالائے کمال حضرت والا رحمہ اللہ کا ہے کہ باوجود یکہ شیخ و مصلح ہیں، مگر اپنی تلمیذانہ حیثیت کو کہیں فراموش نہیں فرماتے۔ ایسا ادب و احترام کو دل تڑپ اٹھاتا ہے۔

حضرت والا کے ساتھ حضرت علامہ کو جو عشق و تعلق تھا، دیکھنے والوں نے اس کے آثار اس وقت نمایاں طور پر دیکھے جب حضرت والا کے وصال کی خبر دیوبند پہنچی، حضرت علامہ اس وقت وضو کر رہے تھے۔ جو نہی یہ خبر صاعقہ اثر گوش زد ہوئی۔ لوٹا بے اختیار ہاتھوں سے چھوٹ گیا اور اسی وقت فرش علالت پر جو گرے ہیں تو ایک ماہ بھی دنیاۓ فانی میں قیام نہیں فرمایا اور بہت جلد عالم برزخ میں اپنے شاگرد و شیخ سے جا ملے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ بقول مجذوب رحمہ اللہ

کوئی مزا مزائیں، کوئی خوشی خوشی نہیں تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(حکیم الامت رحمہ اللہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۶۵۷)

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور مدنی کے واقعات

(۱) ”حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں“

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ مسکین پور شریف میں دور دراز سے سالکین آکر قیام کرتے اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی محنت کرتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات جب فجر کے وقت قضائے حاجت کیلئے بستی سے باہر ویرانے میں جاتے تو واپسی پر کچھ خشک لکڑیاں بھی

اٹھا کر لے آتے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عادت شریفہ تھی کہ لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑا سر اٹھا کر لاتے اتنا بڑا گٹھڑا پر دیکھ کر حیران ہوتے اور آپس میں طنز و مزاح کرتے۔ یہ باتیں کسی ذریعہ سے حضرت قریشیؒ کو پہنچیں تو حضرت نے حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کو بلا کر فرمایا، مولانا! آپ اتنا بڑا گٹھڑا سر پر نہ لایا کریں، بس تھوڑی سی لکڑیاں بھی لے آئیں گے تو کار خیر میں شرکت ہو جائے گی۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے عرض کیا، حضرت! مجھے اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، میں اپنے شوق سے لے آتا ہوں۔ حضرت قریشیؒ نے فرمایا، مولانا! یہاں کے مقامی لوگ جاہل ہیں، یہ لوگ آپ کی قدر نہیں جانتے لہذا آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت مولانا تو پوچھا، حضرت آخر کیا باتیں کرتے ہیں فرمایا کہ مولانا! جب آپ اتنا بڑا گٹھڑا سر پر لا رہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں، دیکھو پیر قریشیؒ نے خراسان سے گدھا منگوا یا ہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے فوراً کہا، حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں۔ سبحان اللہ، تواضع کا کیا عالم تھا۔ (حیات حبیب ص ۱۵۶)

(۲) ”اگر ان حضرات کی ترابِ نعلین ہو جاؤں تو میرے لئے یہی فخر ہے۔“

دارالعلوم کورنگی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو مد رسہ آنے کی دعوت دی۔ ایک مخلوق تھی جو وہاں آئی ہوئی تھی، میلے کا سماں تھا۔ مسجد میں بیان ہوا اور حضرت کے بیان سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔ ”شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب“ حضرت کی تعریفیں کیں وہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی تاثرات تھے جو زبان سے فرما رہے تھے اس کے بعد حضرت سے بیان کی درخواست کی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: ”نہ میں شیخ ہوں، نہ میں شیخ المشائخ ہوں، نہ مولانا ہوں، نہ مولوی اگر ان حضرات کی ترابِ نعلین ہو جاؤں تو میرے لئے“

یہی فخر ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے جو کچھ فرمایا یہ ان کی محبت ہے میں کچھ بھی نہیں“ (حیات ادریس ۷۰۷)

(۳) ہاتھ چومنے والوں کو تنبیہ۔

جو لوگ فرط عقیدت سے ہاتھ چومتے یا پاؤں پڑتے تو انہیں فرماتے:

”چاہیے تو یہ کہ اپنے پیر کو جنت میں پہنچاؤ، خدا کے بندو! اس کو جہنم میں تو نہ پہنچاؤ، ہاتھ چومنا اگرچہ جائز ہے مگر اس طرح کہ ہاتھوں کو لب لگیں پیشانی نہ ہی لگے، پیشانی صرف اللہ کے آگے جھکاؤ۔“

(تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی مدنی ص ۲۹)

(۴) ”مجھے اس بیان سے سخت تکلیف پہنچی ہے۔“

مولانا غلام محمد صاحب نے ایک تعریفی شعر پڑھ کر آپ کے بارے میں آپ کی موجودگی میں کہا کہ ”مولانا عبدالغفور صاحب اولیاء میں سے ہیں، عالم ربانی ہیں، مجدد ہیں۔“

نماز کے بعد آپ نے فرمایا:

”مجھے اس بیان سے سخت تکلیف پہنچی ہے، میں نہ مجدد ہوں، نہ عالم ربانی، میں تجدید کی کوئی باتیں کرتا ہوں جو مجھے مجدد کہا گیا ہے، میں تو شریعت کی باتیں بتلاتا ہوں اور شریعت کی تبلیغ کرتا ہوں، الحمد للہ یہاں کے سب علماء ربانی ہیں، میں تو اگر اولیاء کی جوتیوں کی خاک بھی بن جاؤں تو ہزار بار شکر کروں، آئندہ کوئی شخص میری نسبت ایسی باتیں نہ کیا کرے“ (حوالہ عبالا ص ۳۰)

خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) کمال تواضع:

جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درسگاہیں مدعوین علماء کرام کیلئے خالی کر دی جاتی ہیں۔ حضرت والا دارالافتاء خالی فرمادیتے، نہ ہی اپنے لئے کوئی

خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت و آرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ کوئی لیٹنے کی جگہ ہے؟ آپ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اس کا اہتمام کرتے کہ آپ کیلئے کوئی کمرہ خالی رہے۔

ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا کہ کوئی جگہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ کوئی جگہ خالی نہیں تمام کمروں میں مہمان آرام فرما ہیں۔ رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی، حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔ چنانچہ وہیں لیٹ گئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے (بیس مردان حق جلد ۲ ص ۳۲)

(۲) ادب و تواضع:

حضرت میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحاب معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سلیمان ندوی جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے برآمدہ میں چار پائی پر آرام فرماتے تھے، حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحب کے پاؤں دابے رہے۔ یہ خدام کو ادب و تواضع اور اکرام ضیف کا عملی درس تھا۔ (بحوالہ بالا ص ۳۴)

3 ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال وارد ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کوئی ہمارے جیسا ہو تو وہ ویسے ہی گول کر جاتا۔ پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلباء کو کیا پتہ، وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ یا نہ بتائے۔ مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلباء کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت نہیں ہوتی تھی

- چنانچہ آپ نے طلباء کو برملا بتا دیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے مگر اس کا حل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کافی دیر تک طلباء بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے۔ آپ بار بار اس کو پڑھ رہے ہیں۔ کبھی صفحہ الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں مگر اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو بات سمجھ نہیں آ رہی، چلیں میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں۔ یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورہ حدیث کر چکے تھے۔ وہ حضرت کے شاگرد تھے۔ اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذرا ان سے پوچھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ اٹھنے لگے۔ اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اور اس نے جا کر مولانا کو بتا دیا کہ حضرت آپ کے پاس اس مقصد کیلئے آ رہے ہیں۔ مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے پاس پہنچے۔ حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت آپ نے یاد فرمایا ہے۔ فرمایا ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے۔ انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے مگر بات یوں کی، حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دے دیا۔ اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔ نہ۔ نہ وہ صحبت یافتہ تھے، تربیت یافتہ تھے۔ اسکو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے مٹنا۔ (خطبات فقیر، جلد (۳) ص ۱۴۱)

4 اتباع شریعت و سنت:

بجاء اللہ حضرت حکیم الامتؒ کے تمام متوسلین و مسترشدین ہی اتباع شریعت و سنت میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان میں حضرات خلفاء و مجازین کی شان کچھ اور بھی نمایاں ہے۔ یہی رنگ ہمارے حضرتؒ میں جھلکتا تھا، کذب و غیبت سے قطعاً نا آشنا تھے، علم و عمل کا مجسمہ اور خدا ترسی کا نمونہ تھے۔ تواضع و انکسار آپکی طبیعت بن چکی تھی۔ کبھی کسی شخص سے درشتگی اور ترش روئی سے پیش نہ آتے۔ آپ کی اس نرمی خوش خلقی اور تواضع کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص وقار اور رعب عطا فرمایا تھا۔ خود سرائی اور خود نمائی کی عادات بد

حضرت کو چھو کر بھی نہ گزری تھیں، کالمین کی سنت کے مطابق طبیعت پر ہمیشہ تواضع اور سادگی کی ایک خاص کیفیت طاری رہتی، گفتار، رفتار لباس خوراک وغیرہ میں ہرگز توقع نہ تھا۔ آپ نسبت اشرفیہ کے ایک بلند پایہ شیخ تھے مگر ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا ملپوری خلیفہ مجاز حکیم الامت کی موجودگی میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے جوش میں فرمایا:

”حضرت (حکیم الامت تھانوی) کے اقوال سننے ہیں تو ہم سے سن لو، اور افعال و عمل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرحمن صاحب کو دیکھ لو۔“

یہ الفاظ حضرت کے کمال انکسار و تواضع کو ظاہر کر رہے ہیں۔

(بیس ۲۰ علماء حق ص ۱۷۹)

حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جو دھیوری رحمۃ اللہ کے واقعات۔
(۱)۔ بے نفسی:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی صاحب کی زندگی میں جو ایمانی صفت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہے وہ ان کی بے نفسی ہے، اگر ان کو کسی ایسے کام میں جو عرف عام میں بہت ہی پست اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور جس کے کرنے سے لوگوں کی نظروں میں آدمی بے وقعت ہو جاتا ہو اجرا خروی اور دینی نفع کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ اس کو بڑی بے تکلفی بلکہ ذوق و شوق سے کرتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا کہے گا۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ جس سے مجھے بڑا سبق ملا اور جس کا میرے دل پر آج

تک اثر ہے یہاں بھی ذکر کرتا ہوں:

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ حاجی صاحب نے خیر کے جو مختلف سلسلے قائم کر رکھے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مفید دینی اور اصلاحی کتابیں کافی مقدار میں کتب خانوں سے

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا تو اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کو وہ کتاب بلا قیمت ہدیہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کو خریدنے کی ترغیب دیکر اس اصل قیمت پر دے دیتے ہیں جس پر وہ کتب خانہ سے آئی ہوتی ہے اور کبھی مزید نقصان برداشت کر کے اس سے بھی کم قیمت پر دے دیتے ہیں، یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں غالباً ۳۰-۴۰ سال سے قائم ہے۔

میرے نزدیک تو یہی بڑی بے نفسی کی بات ہے کہ کسی شخص کو کتاب خریدنے کی ترغیب دیکر خود ہی اس کے ہاتھ کتاب فروخت کی جائے، لیکن اس سلسلہ میں اب سے تین ۳ سال پہلے مجھے ایک بڑا ہی حیرت انگیز اور بہت ہی سبق آموز تجربہ ہوا۔

حاجی صاحب نے مجھے جودھپور آنے کے لئے لکھا، میں نے ارادہ کر لیا اور اُن ہی کے مشورہ سے سفر کا پروگرام اس طرح بنا کہ پہلے میں ”پی پاڑ“ اتروں اور دو دن وہاں قیام کر کے جودھپور جاؤں، حاجی صاحب نے مجھے لکھا کہ میں ان کے لیے ڈیڑھ دو ۲۰۰ روپے تک کی مفید اور عام فہم دینی اور اصلاحی کتابیں بھی کتب خانہ ”الفرقان“ سے لیتا آؤں، چنانچہ میں نے یہ کتابیں ساتھ لے لیں، پروگرام کے مطابق میں ”پی پاڑ“ پہنچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب وہیں تشریف فرما ہیں، انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا کتابیں ساتھ آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لایا ہوں، فرمایا تو مجھے ابھی دیدیجئے! میں نے عرض کیا کہ کتابیں جودھپور ہی تو جانی ہیں اس طرح میرے بکس میں چلی جائیں گی، فرمایا نہیں مجھے یہاں ہی دیدیجئے، میں نے ساری کتابیں حوالہ کر دیں۔ فرمایا جو کمیشن دیا گیا ہو وہ رمنہا کر کے ہر کتاب کی قیمت مجھے بتا دی جائے۔ میرے ایک رفیق سفر نے حساب لگا کر ہر ایک کتاب کی قیمت بعد منہائی کمیشن لکھ دی، یہ جمعہ کا دن تھا، اس کے بعد جب میں جمعہ کی نماز کے لیے مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے پکھی ہوئی چادر پر وہی کتابیں اس طرح لگی ہوئی ہیں جس طرح بعض غریب کتب فروش زمین پر چادر بچھا کر اپنا کتب خانہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، میں نے سمجھا کہ حاجی صاحب نے یہ کتابیں کسی صاحب

کے سپرد کردی ہیں اور وہ بیچارے اس طرح ان کو فروخت کر رہے ہیں۔

اگلے دن حاجی صاحب نے دریافت فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ساتھ ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جی بس یہی تھیں، فرمایا وہ تو یہیں ختم ہو گئیں، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دوکان حاجی صاحب نے خود ہی لگائی تھی اور خود ہی بیٹھ کتب فروشی، فرمائی اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر پڑھے لکھے شخص کو خود بلاتے اور ایک دو کتابیں اس کو دیکر فرماتے کہ ان کو دیکھو، جی چاہے گھر لے جاؤ، اگر مفید سمجھو اور خرید سکو تو قیمت ادا کرینا اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور رکھنا چاہو تو یوں ہی رکھا لینا، مگر مجھے آکر بنا جانا۔

جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی کہ حاجی صاحب نے خود ہی بیٹھ کے کتب فروشی کی ہے اور اس طرح کی ہے تو میری طبیعت پر ایک تو اس کا بوجھ پڑا کہ میری کتابوں کی وجہ سے انھوں نے اتنی زیر باری اٹھائی اور دوسرا دوسرے دل میں یہ آیا کہ شاید بہت سے لوگوں نے سمجھا ہو کہ بیچنے کے لئے میں اپنی کتابیں سفروں میں بھی ساتھ لیے پھرتا ہوں اور یہاں میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ بیجا کام لیا ہے۔

اب مجھے یاد نہیں کہ اس بار میں نے حاجی صاحب سے کچھ عرض کیا اور موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا یا از خود مجھ سے فرمایا۔ کہ ”حضرت! میرے پاس اتنا علم تو ہے نہیں کہ میں ایسی کتابیں لکھ کر اللہ کے بندوں کو نفع پہنچا سکوں اور اس کا ثواب حاصل کر سکوں، لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ان کی اشاعت میں اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں تک ان کے پہنچانے میں کوشش کروں اور اس طرح اس ثواب میں شریک ہو جاؤں، میں بس اس لالچ میں ایسا کرتا ہوں۔“

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حاجی صاحب نے جس ”پی پاڑ“ میں اس شان سے ”کتب فروشی“ کا عمل کیا، وہاں کے لوگ عموماً حضرت موصوف کو ایک شیخ و مرشد اور جودھ پور کی ایک معزز اور باوقار شخصیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں، دراصل ایسا نفس و کش عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس بالکل کٹ چکا ہو اور جس کی نظر ہر طرف سے ہٹ کر

بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجرِ آخرت پر جم گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دولت کا کچھ حصہ اس ناچیز کو بھی عطا فرمائے۔ (تحدیثِ نعمت ۳۳)

۲۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت:

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ بالکل اچانک حضرت کا والا نامہ آیا جس میں تلقین بلا بیعت کی اجازت دی گئی تھی۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خلافِ عادت چیخ نکلی گئی، پھر میں نے حضرت کو لکھوایا کہ ”میں پڑھا لکھا کچھ نہیں ہوں، میں نے ذکر و شغل بھی نہیں کیا ہے پھر میں ایک چھوٹی ذات کا آدمی ہوں یعنی تیلی، البتہ ظاہرِ صوم و صلوٰۃ کی پابندی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے، ریا، عجب، کبر، حسد وغیرہ کے بارہ میں بھی کچھ موٹی موٹی معلومات ہیں۔ ایسی حالت میں اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“

حضرت نے حسبِ معمول اسی پر جواب دیا، پڑھا لکھا نہ ہونے کے بارہ میں اور ذکر و شغل نہ کرنے کے بارہ میں میں نے جو لکھا تھا اس کے متعلق حضرت نے کچھ تحریر نہیں فرمایا، اور اپنے تیلی ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر تحریر فرمایا ”کیا حرج ہے، بعضے تیل گھی سے بھی زیادہ قیمت کے ہوتے ہیں“ ظاہرِ صوم و صلوٰۃ کی پابندی نصیب ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ کیا یہ تھوڑی نعمت ہے، ریا اور عجب وغیرہ کے بارہ میں جو میں نے لکھا تھا کہ اس کے متعلق بھی موٹی موٹی معلومات ہیں، اس پر تحریر فرمایا ”پھر تو نور علی نور“۔

اور آخر میں جو میں نے لکھا تھا کہ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ ”ہاں ضرور ان شاء اللہ برکت ہوگی“ (تحدیثِ نعمت ص ۳۳۶)

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تواضع و فنائیت:

جناب ظفر اللہ بیگ صاحب نیکچرار جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ نے ان کے گاؤں ”پیرو“ (ضلع جھنگ) میں ایک جلسہ سے

خطاب کرنے تشریف لانا تھا۔ ان کے والد مولانا احمد یار صاحب (فاضل دیوبند) نے ملازم کو گھوڑی دیکر بھیجا کہ آپ کو ریلوے اسٹیشن سے لے کر آئے۔ ملازم نے ریل گاڑی کی ایک ایک سواری کو بغور دیکھا، اس کا اندازہ تھا کہ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ امیر مجلس تحفظ ختم نبوت رواجی قسم کے امیر ہونگے۔ عالمانہ قیمتی لباس، محبوبانہ وضع قطع، خطیبانہ چال ڈھال، بھاری بھر کم شخصیت ہوں گے جن کے ساتھ ایک ملازم نما طالب علم ہو گا جو ان کا بریف کیس اٹھائے آتا ہو گا، خصوصیت رنگدار قیمتی عینک انہوں نے لگا رکھی ہو گی، ان کے جسم سے تازہ تازہ چہرے کے بوئے پاؤڈر کی خوشبو آ رہی ہو گی جو انہوں نے گاڑی سے اترنے سے ذرا پہلے گاڑی کے حمام میں جا کر چہرہ کا ہو گا اور وہ دور ہی سے گھوڑی والے ملازم پر ریر سنا شروع کر دیں گے کہ انہیں اس تک پہنچے میں زحمت اٹھانا پڑی۔ وہ خود انہیں لینے اندر اسٹیشن تک کیوں نہیں آیا۔

سواری والے ملازم کو جب کوئی ایسی مافوق البشر شخصیت نظر نہ آئی تو وہ پریشان کھڑا رہا۔ مولانا نے علامات سے پہچان لیا کہ وہ لینے تو انہیں ہی آیا ہے، مگر اس سے یہ کہا جائے کہ آپ ہی مولانا محمد علی جالندھری ہیں تو وہ مانے گا نہیں اگرچہ آپ اس پر سچی قسم بھی کھائیں، کیونکہ کئی روز کے مسلسل تبلیغی سفر کی بدولت آپ کے پاس ایک ہی کپڑوں کا جوڑا تھا جو میاں ہو چکا تھا بلکہ کڑیہ تو پھٹ کر بوسیدہ ہو چکا تھا۔

آپ اس کے قریب گئے سلام کیا اور فرمایا: ”بھائی تم کہاں سے آئے ہو، کسے لینے آئے ہو؟“ اس نے کہا ”مولانا محمد علی جالندھری کو لینے آیا ہوں، انہوں نے ہمارے گاؤں پیروں تقریر کرنی ہے۔ آپ نے کہا ”دیکھو مولانا تو آئے نہیں، تم مجھے لے چلو، تمہیں ثواب ملے گا“ میں نے بھی تقریر سننے تمہارے گاؤں جانا ہے۔“ وہ کبھی آپ کے من موہنے چہرہ کو دیکھتا، کبھی آپ کی فقیرانہ وضع قطع کو۔

آخر کار وہ آمادہ ہو گیا مگر خود زین والے حصہ پر اور آپ کو پیچھے گھوڑی کی نگلی پیٹھ پر بٹھالیا، جب گاؤں پہنچے تو واقفین حال اسے مارنے تک آئے ”ظالم!

تم نے مولانا کو پیچھے یوں بٹھایا ہوا ہے؟“۔ اب تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مگر اسے اعتبار نہیں آتا تھا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا ”مجھے تو آپ نے مولانا محمد علی جالندھری کو لانے بھیجا تھا بھلا مولانا ایسے“۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: ”بھائی اس کا قصور نہیں، قصور تو میرا ہی ہے، میں نے اسے اپنا نام ہی نہیں بتایا تھا، یہ تو اس کا احسان ہے کہ مجھے اجنبی سمجھ کر بھی اپنے ساتھ لایا۔“ (ماخوذ ماہنامہ محاسن اسلام ملتان، شمارہ ۷۱ ص ۲۷)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ کے واقعات

تواضع اور فنائیت کے حسین پیکر:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

(۱) قیام جامعہ اشرفیہ کے زمانے میں الحمد للہ بار بار باہمی ملاقات اور مسلسل خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہمی تعلق روز بروز بڑھ رہا ہے وہ ہر تصنیف مجھے سناتے اور چھپنے کے بعد عطا فرماتے تھے۔ یہی سلسلہ کچھ احقر کی طرف سے جاری رہتا تھا باوجود اس فوقیت کے جو اللہ تعالیٰ نے ہر علم و فن اور عمل اور اخلاق میں انکو مجھ پر عطا فرمائی تھی اپنی تواضع کی بناء پر فتویٰ میں مجھ پر اعتماد فرماتے تھے اور میری تمام تصانیف کو اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے۔ وفات سے غالباً ایک سال پہلے جب میری تفسیر ”معارف القرآن“ مکمل ہوئی اور آخری آٹھویں جلد مولانا موصوف کی خدمت میں بھیجی تو اس پر اپنی انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا جس کو دارالعلوم کے ماہنامہ البلاغ میں شائع کر دیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ ”میں تمہاری ہر تصنیف کے دو نسخے رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن کل شیء خلقنا ذوجین“ مولانا موصوف کی ہر مجلس اور گفتگو میں علمی چاشنی اور قرآن و حدیث کے جملے بڑے موقع ہوا کرتے تھے۔

(چند عظیم شخصیات ص ۱۰۵)

(۲)۔ میرے لڑکے مولوی محمد تقی سلمہ اب سے چند ماہ پہلے لاہور گئے تو مولانا کی

خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ ”معاصرین میں باہم کچھ چشمک ہوا کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم میں اور مفتی صاحب میں کبھی اس کا نام نہیں آیا۔ جب کوئی مفتی صاحب کی تعریف و مدح کرتا تو میں اس کو اپنی ہی تعریف سمجھتا ہوں کیونکہ ابن حاجب نے کافیہ میں توابع بیان کے تحت صفت کی دو قسمیں لکھی ہیں جن میں ایک صفت متعلق منوعات بھی ہے جیسے زید العالم اخوہ یعنی زید جس کا بھائی عالم ہے اس میں بھائی کے عالم ہونے کو خود زید کی صفت قرار دیا ہے تو میں مفتی صاحب کی صفت کو اپنی صفت کیوں نہ سمجھوں؟“

حقیقت یہ ہے کہ مجھ بے علم بے عمل کا تو کہنا ہی کیا مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علمی کمالات میں اپنے بھی معاصرین میں خاص امتیاز اور تفوق عطا فرمایا تھا مگر اس کے ساتھ بزرگوں کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی جو قدیم علماء دیوبند کا خاص امتیاز تھا کہ نہ کہیں علم کے دعوے نہ دوسروں پر اپنی فوقیت کا کہیں کوئی شانہ، مشہور مقولہ ہے کہ ”معاصرت مفاخرت کی بنیاد ہوتی ہے“ مگر اللہ والوں کی شان ان سب چیزوں سے بلند ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے مولانا موصوف کو ایسا ہی بنایا تھا جس کے آثار انکے تمام اعمال و افعال میں ظاہر ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمی کمالات بھی جیسی اپنا رنگ لاتے ہیں جب انکے ساتھ تزکیہ باطن اور تقویٰ و طہارت ہو مولانا موصوف کو حق تعالیٰ نے جس طرح علمی کمالات میں فائق فرمایا تھا اسی طرح انکو باطنی کمالات سے مزین فرمایا تھا۔ (ایضاً ص ۱۰۶)

(۳) تحت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین :-

جناب کوثر نیازی مرحوم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں :

مولانا کی درویشی کا عالم یہ تھا کہ اخبار نہیں پڑھتے تھے نہ ہی کوئی اخبار گھر پر آیا میں جب بھی حاضر ہوتا پوچھتے ”مولوی صاحب نئی خبر کیا ہے“ میں جستہ جستہ تفصیل عرض کر دیتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا ”حضرت! اگر اجازت ہو تو میں اخبار بھجوا دیا کروں آپ تازہ ترین حالات

سے باخبر رہیں گے“ فرمانے لگے ”مولوی صاحب! ہم اخبار کیسے پڑھیں ایک تو اس میں فلمی اشتہار ہوتے ہیں دوسرے تصویریں تیسرے خبریں ہوتی ہیں مگر راوی نامعلوم! خدا جانے! یہ ثقہ ہے کہ نہیں ہمیں تو بس اسی طرح خبریں تم ہی بتا دیا کرو“ دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ جس بات کو حضرت کاندھلوی نے حق جانا اس پر عمل کس سختی کے ساتھ کیا۔ تصویر اور فلم کے بارے میں رائے تو دوسرے علماء کی بھی یہی تھی اور اس وقت بھی اکثر علماء حضرات یہی رائے رکھتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کتنے اصحاب کا ہے؟ کون ہے جو تصویر نہیں کھنچواتا؟ کون ہے جو اپنی تقریبات میں فوٹو گرافروں کو نہیں بلواتا؟ کون ہے جو ٹی وی کو غلط جاننے کے باوجود اس پر جلوہ افروز نہیں ہوتا؟ کون ہے جو بینکنگ سسٹم کو غلط قرار دینے کے باوجود بنکوں میں اپنے اکاؤنٹ نہیں کھلواتا؟ کون ہے جو جدید تعلیم کے مخالف ہوین کے باوجود اپنے بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں نہیں بھیجتا؟ جہاں تک مذہبی حلقوں کا تعلق ہے رائے سب کی وہی تھی اور وہی ہے جو حضرت کاندھلوی کی تھی فرق صرف عمل کا تھا۔ وہ جس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کر کے دکھاتے تھے، جو کہتے تھے اسی کے مطابق ان کا عمل تھا۔ اسوہ یہ خالصتاً صاحبان عزیمت کا ہے مجھ جیسے اصحاب رخصت نہ اس راستے پر چلنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ اس دور میں اس کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ ہماری بات جانے دیجئے۔ سوال تو ان حضرات سے ہے جو ایک بات مانتے ہیں اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس معیار پر میں نے تو اپنی زندگی میں ایک ہی شخص کو تمام وکمال پورا اترتے دیکھا اور وہ حضرت کاندھلوی تھے۔ تصویر کو ناجائز کہا تو پھر عمر بھر تصویر نہیں کھنچوائی، جلسے میں بھی کسی نے تصویر لینا چاہی تو اسے وہیں ڈانٹ دیا۔ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ خود انکی اولاد کے پاس بھی انکی تصویر نہ ہوگی۔ کرسی گھر میں رکھنا خلاف سنت سمجھتے تھے تو پھر ساری عمر چٹائی اور ایک معمولی سی دری پر ہی بیٹھ کر گزار دی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک زمانہ میں اپنے وقت کے صاحب جبروت حاکم ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ نے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ سے ملنے کی خواہش کی جو

شخص پیغام لایا تھا اس سے کہا:-

”مولوی صاحب! میں تو انکے پاس جانے کا نہیں کہ حکام کے پاس جانا میرے مسلک کے خلاف ہے وہ یہاں آنا چاہیں تو شوق سے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کرسی نہیں رکھنے دوں گا بیٹھیں گے تو وہ بھی میرے ساتھ دری پر بیٹھیں گے۔“

اب اس تفصیل کو جانے دیجئے کہ آگے کیا ہوا؟ مختصر یہ کہ ملاقات ہوئی اور اس پر تعریف نواب کا لا باس کی بھی ہوئی چاہیے کہ انھوں نے شرط منظور کی اور ایک بوریا نشین فقیر کی کتابوں سے اٹے ہوئے کمرے میں نیچے بیٹھ کر ان سے بات چیت کی سچ ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی بات ہی کچھ اور ہے۔

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں

تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین (میں علماء حق ص ۲۲۶)

(۴) ید بیضائے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں:-

حج پر جانے کی آرزو ہر سہا برس سے تھی۔ جس عالم دین نے مشکوٰۃ کی شرح عربی زبان میں لکھی ہو اور اسکی طباعت بھی قاہرہ میں ہوئی ہو، ہر ویگنڈہ اور پبلشری کے اس دور میں وہ چاہتا تو سعودی عرب کی حکومت تسہیلات سفر اور ضیافت کا کیا کچھ سامان بہم نہ پہنچاتی؟ مگر وہ تو ان باتوں سے کوسوں دور تھے۔ ان کا ذکر سننا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ کئی سالوں میں تو جا کر زاد راہ فراہم ہوا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو فکر دو باتوں کی دامن گیر تھی ایک دن میں حاضر ہوا تو کہنے لگے ”مولوی صاحب! کوئی ایسی صورت کرو کہ پاسپورٹ تصویر کے بغیر بن جائے“ میں نے عرض کیا ”کونش تو ضرور کروں گا اگرچہ مشکل بہت ہے۔ البتہ ایک گزارش ہے آپ جانے لگیں تو روانگی کی تاریخ پہلے سے بتادیں کچھ ہم بھی دعا کی درخواست کر سکیں گے“ فرمایا ”مولوی صاحب! دعا تو وعدہ ہے ہر مقام پر نام لے کر کروں گا مگر روانگی کی تاریخ میں نہیں بتاؤں گا اور ہاں دیکھنا کہیں اخبار میں نہ آجائے کہ حج پر جا رہا ہوں شہرت ہوگی اور عجب و کبر کا ڈر ہے“ اب یہ معلوم نہیں یہ فوٹو کافت خواں کیسے طے ہوا میں تو اپنی کوشش

میں ناکام ہو گیا تھا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ وہ بغیر تاریخ بتائے تشریف لے گئے اور بغیر تاریخ بتائے واپس تشریف لے آئے نہ جاتے ہوئے رخصت کرنے والوں کا ہجوم تھا نہ آتے ہوئے استقبال کرنے والوں کا اژدہام۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو
ید بیفائے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(ص ایضاً ۲۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے واقعات :-

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے مہتر عالم تھے بلکہ حضرت مرحوم علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ حضرت موصوف کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔ آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقویٰ و طہارت، خشیت و للہیت، سادگی تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی اور آپ کے فیض صحبت سے ایمان و ایقان کی ایسی دولت ملتی تھی اور دین کا وہ صبح مزاج پیدا ہوتا تھا جو محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کسی نے سچ کہا ہے.....

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بایں علم و فضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود مولانا مرحوم

عادات و اطوار کی سادگی میں اپنی مثال آپ نہ مولانا کے خود دار خود دوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرز کلام میں کوئی تفصیل تھا۔ سادہ وضع کے پرانے بزرگ تھے، ہمیشہ نئے طور طریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے۔ چنانچہ وضع قطع لباس و طعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو ہی

اختیار کیا اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم جیسی شریعت و طریقت کی جامع کمالات اور

نادرہ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے مردان حق آگاہ کا کہیں قرونوں میں ظہور ہوتا ہے۔ (بیس علماء حق ۲۴۴)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت عثمانی عہد حاضر کے آئمہ فن علماء اولیاء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگان دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل خدا بستیاں کہیں قرونوں میں پیدا ہوتی ہیں۔“ (ایضاً ص ۲۵۶)

(۱) ”اب ایسے متواضع اور منکسر المنزاج بزرگ کہاں پیدا ہوں گے؟“

آپ کے فرزند ارجمند مولانا قمر احمد عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۶۹ء کے اواخر میں حضرت مولانا بحیثیت امیر اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام موچی دروازہ لاہور کے عظیم الشان جلسہ عام کی صدارت فرمانے کے لئے لاہور تشریف لائے جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے بہت بڑی تعداد میں شرکت فرمائی تھی مشرقی پاکستان سے مولانا اطہر علی سلہی (خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوں قدس سرہ) اور مولانا صدیق احمد چانگامی بھی تشریف لائے تھے، موچی دروازہ کے جلسہ عام کے علاوہ تمام مخصوص اجلاس جامعہ اشرقیہ مسلم ناؤن میں منعقد ہو رہے تھے جن میں صرف مرکزی قائدین ہی شرکت کرتے تھے۔

مشرقی پاکستان کے علماء کرام کے قیام کا انتظام بھی یہیں تھا، جب مولانا رحمہ اللہ کو خصوصی اجلاس میں معلوم ہوا کہ مولانا اطہر علی گزشتہ شب سے درگزرہ کی تکلیف میں مبتلا ہیں اور اس وجہ سے وہ اس اجلاس میں شرکت کے لیے نہیں آ سکے، تو مولانا یہ سنتے ہی اُن کی

جائے قیام کی طرف روانہ ہو گئے حالانکہ اسی ۸۰ سال کی عمر میں ضعف ویرانہ سالی اور گھٹنوں میں درد کی شکایت کے باعث حضرت مولانا رحمہ اللہ کے لیے ان دنوں چند قدم چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا دوسری طرف جو نبی مولانا اطہر علی صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ مولانا ان کی عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو وہ بیتا بنہ اٹھ بیٹھے اور خادم کو دوڑایا کہ حضرت سے جا کر کہو ”میں اب بالکل ٹھیک ہوں اور اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہو رہا ہوں“ اور وہ واقعی اسی حالت میں اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے تھے مگر دوسری طرف مولانا عثمانی بھی تشریف لا چکے تھے اس لئے انہیں مجبوراً واپس جانا پڑا، پھر دیر تک معذرت خواہانہ انداز میں مولانا رحمہ اللہ کی زحمت فرمائی پر اظہارِ تأسف فرماتے رہے، اب ایسے متواضع اور منکسر المزاج بزرگ کہاں پیدا ہونگے؟ (چالیس بڑے مسلمان جلد اول ۶۹۴)

(۲)۔ ”ان شاء اللہ ان حضرات کی علمی و دینی خدمات میری مغفرت کا ذریعہ بنیں گی۔“

آگے تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف کا بارہا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مجلس میں جب بھی کسی شریک مجلس کی طرف سے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد الرحمن گامپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد اردیس کاندھلوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی مد فیوضہم کے اسماء گرامی حضرت مولانا کے شاگردان رشید کے زمرے میں بیان کیے جاتے تو آپ نے اس امر واقعی پر کبھی کسی فخر و مباہات کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ یہی ارشاد فرمایا کہ:

”میں تو ان حضرات کو اپنا معاصر و ہم چشم خیال کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ جل شانہ ان حضرات کی علمی و دینی خدمات جلیلہ کو ان شاء اللہ میری مغفرت و بخشش کا بھی وسیلہ و ذریعہ بنادیں گے“

اللہ اکبر! یہ ہے اس جلیل القدر عالم دین اور محدث اجل کی تواضع و بے نفسی کا

عالم جس کے تجزئی الحدیث اور تفقہ فی الدین کو برصیغر کے اکابر علماء کے علاوہ عالم اسلام کے علماء و محققین نے بھی تسلیم کیا ہے، بلکہ اس کی گرانقدر علمی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور جس سے شرف تلمذ پر ان شاگردانِ جلیل نے بھی ہمیشہ فخر محسوس کیا ہے (حوالہ بالا ص ۶۹۵)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:
(۱) تواضع اور سادگی کے پیکر:

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک اور واقعہ یاد آیا جس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خصوصی تعلق واضح ہوتا ہے، حضرت رحمہ اللہ لے یہاں دو قسم کی مجلسیں ہوتی تھیں، ایک مجلس عام ہوتی تھی ایک مجلس خاص، عام مجلس میں بھی حضرت رحمہ اللہ مخصوص حضرات کو اپنے بائیں جانب بٹھایا کرتے تھے، مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی انہی حضرات کے ساتھ تشریف رکھتے تھے، ایک روز مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آنے میں کچھ دیر ہو گئی اور جب وہ پہنچے تو مجلس بھر چکی تھی، آگے بیٹھے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مفتی صاحب رحمہ اللہ پیچھے بیٹھ گئے، حضرت رحمہ اللہ نے ادھر ادھر دیکھا البتہ اپنے پاس کچھ تھوڑی سی جگہ تھی، چنانچہ مفتی صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا: ”مولوی شفیع یہاں آ جاؤ“۔ مفتی صاحب نے اولاً عذر کیا کہ: ”حضرت آرام سے بیٹھا ہوں“ حضرت اس وقت خاموش ہو گئے، لیکن کچھ دیر بعد پھر بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا: ”مولوی شفیع! میرا جی چاہتا تھا کہ تم یہاں میرے پاس بیٹھو“۔ چنانچہ جب مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کا اصرار دیکھا تو اٹھ کر آگے تشریف لے گئے۔

اس واقعہ سے احقر نے دو نتیجے نکالے، ایک تو یہ کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طرف حضرت کی کس قدر خصوصی توجہ تھی گویا حضرت اُس مجلس میں اصلی مخاطب مفتی

صاحب ہی کو سمجھتے تھے، اس لیے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح قریب آجائیں، دوسری طرف اس سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تواضع کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں اپنی تواضع کی بنا پر آگے بڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کہ میری کیا خصوصیت ہے جو میں اتنے لوگوں سے آگے جا کر بیٹھوں، تمام عمر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہی حال رہا کہ ظاہری و باطنی علوم و کمالات کے جامع ہونے کے باوجود تواضع اور سادگی کے پیکر بنے رہے۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ۴۰)

(۲) مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی:

یاد آیا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم میں ایک مجلس تھی، اساتذہ کرام اور طلبہ حاضر تھے، میں وہاں پہنچا تو فرمائیں گے، یہ اصطلاحی عالم تو نہیں مگر ان شاء اللہ علماء کے کام کی باتیں ارشاد فرمائیں گے، میں نے عرض کیا کہ ”حضرت ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہاں تشریف نہ رکھیں۔“ چنانچہ حضرت مفتی صاحب تشریف لے گئے، اور میں نے حضرت تھانوی قدس سر کی باتیں شروع کر دیں، کیونکہ میرا مبلغ علم تو صرف اور صرف حضرت تھانوی قدس سر ہی کی باتیں ہیں۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا

جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستان دیکھا ہے

میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بعد میں خاموشی کے ساتھ مجلس میں پیچھے آکر بیٹھ گئے، مجھے ان کی اس تواضع پر بے حد شرمندگی محسوس ہوئی (۴۳)

(۳) بے تکلف اور سادہ زندگی:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی دولت بھی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی، علوم باطنی کے بغیر علوم ظاہر ایسے ہیں جیسے روح کے بغیر جسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو جسم کے ساتھ اس کی روح بھی عنایت فرمائی تھی، آپ

کی زندگی میں علم و عمل کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود انتہائی سادگی تھی، آپ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، آپ کی بے تکلفی اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ میں ایک روز آپ سے ملنے گیا تو دیکھا کہ حضرت کمرے میں جھاڑو دے رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں دیدوں؟ فرمایا نہیں! پورے کمرے کو جھاڑو دی، کچھ کچرا اٹھا کر پھینکا، پھر ہاتھ دھو کر مصافحہ کیا اور بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو باعتبار دین و دنیا بڑے مراتب عالیہ عطا فرمائے تھے مگر ان کا انداز زندگی اس طرح سادہ اور بے تکلف تھا اور کوئی امتیازی شان معلوم نہ ہوتی تھی، ان کی ساری زندگی (اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھلی ہوئی تھی، یہی سبب تھا کہ انکی ذات میں بڑی محبوبیت تھی، ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے لوگوں کو صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ایک درجہ کی محبت بھی تھی، ہر طبقہ کے لوگوں میں نہایت ہر دلعزیز تھے، تواضع و انکساری انکی عادت ثانیہ تھی۔ لباس و پوشاک، رہنے سہنے میں نہایت سادگی اور بے تکلفی تھی، میں نے ان کو کبھی قیمتی لباس پہنے نہیں دیکھا، عام طور پر چوگوشہ ٹوپی، کرتا اس پر بعض وقت صدری اور شرعی پاجامہ، البتہ جب کبھی کسی تفریب یا مجلس خاص میں جاتے تو عمامہ زیب سر اور عبا زیب تن فرما لیتے تھے، ایک رومال بھی ہاتھ میں رہتا تھا، روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیا، بھی نہایت سادہ اور معمولی حیثیت کی رہتی تھیں، اپنے ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے انجام فرما لیتے تھے بقول کسی شاعر کے رہی

تکلف سے نہیں خالی کوئی بات ، مگر ہر بات میں اک سادگی ہے۔

ایک مرتبہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گھر کے اندر سے بلاوا آیا، ایک مرتبہ میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گھر کے اندر سے بلاوا آیا، حضرت رحمہ اللہ اندر نہیں گئے، پھر بلاوا آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی! ہمارے ناشتے کا وقت ہے، پھر ناشتہ وہیں منگوایا اور مجھ سے فرمایا کہ آپ بھی ہمارے ناشتے میں شامل ہو جائیے، ناشتہ آیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں تین چار پھلکے تھے، ماش کی دال تھی، پاپے تھے اور چائے، آپ

نے تکلف نہیں فرمایا اور یہی سادگی اور بے تکلفی آپ کے ہر انداز زندگی کی جان تھی۔

(۴۸)

(۴)۔ میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا۔

جب آپ پر پہلا دل کا دورہ ہوا تو اس وقت میں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عیادت کے لیے گیا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ ہم لوگوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور نہایت نحیف اور لرزتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے: میرے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں، میرے پاس کوئی سرمایہ آخرت نہیں ہے، میں نے عمر بھر کچھ نہیں کیا، چند سیاہ لکیریں کھینچی ہیں، اللہ تعالیٰ انہی کو قبول فرمائیں تو ان کی رحمت ہے، یہ بھی وہی غلبہ توحید اور اپنی بے مانگی کا احساس ہے جس کو مقام عبودیت اور فنا، الفنا سے تعبیر کرتے ہیں ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔ (۵۰)

۵۔ حضرت مفتی صاحب کا امتیازی وصف:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

برصغیر میں علوم دینیہ کے سب سے بڑے مرکز دارالعلوم دیوبند میں ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم سطور اب سے قریباً ستاون سال پہلے شوال ۱۳۴۳ھ میں داخل ہوا تھا، اس وقت ہمارے دینی مدارس میں منطق، فلسفہ اور علم کلام وغیرہ ”معقولات“ کا بہت زور تھا، میں ان فنون اور علوم عربیہ کی تعلیم و تحصیل سے فارغ ہو کر وہاں پہنچا تھا، میرا طالب علمانہ قیام دارالعلوم میں صرف دو سال رہا، پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اخیرین کی جماعت میں شرکت رہی اور دوسرے سال دورہ حدیث میں۔

ان جماعتوں کے سارے اسباق اس دور کے دارالعلوم کے اکابر اساتذہ (امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، حضرت مولانا رسول خان ہزاروی، حضرت مولانا اعجاز علی امرہوی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ تعالیٰ) ہی

پڑھاتے تھے اس لیے راقم سطور کو دارالعلوم کے صرف انہی اساتذہ کبار کے تلمذ کا شرف حاصل ہو سکا۔

اپنی طالب علمی کے اس دور میں بھی کم آمیزی کا گویا مریض تھا (اب بھی یہی حال ہے جو میرے لئے یقیناً مفید سے زیادہ مضر ہے) بہر حال کم آمیزی کی اسی عادت کی وجہ سے دارالعلوم کے اس دور کے ان حضرات اساتذہ سے کوئی خاص تعلق اور رابطہ نہیں رہا جن سے کوئی سبق پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، ان اساتذہ میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب بھی تھے جو دارالعلوم کے کم عمر اساتذہ میں اپنے علم اور سیرت و صلاح کے لحاظ سے اس وقت بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

ان کا ایک تیاری وصف جس کا اس زمانے میں بھی قلب پر خاص اثر تھا، تو اضع کا غیر معمولی رویہ تھا، جہاں تک یاد ہے جب بھی ان کو دیکھا نگاہ نیچی اور سر جھکا ہی دیکھا، جو طالب علم سامنے آتا، سلام میں سبقت فرماتے، اور اگر طالب علم سلام کرتا تو ازراہ تواضع کسی قدر خمیدہ ہو کر بڑی محبت سے سلام کا جواب دیتے، جب کسی سے مخاطب ہوتے یا کوئی آپ سے مخاطب ہوتا ہمیشہ حسین چہرے پر مسکراہٹ کھیتی۔

دارالعلوم کی مسجد سے متصل ایک بالائی کمرے پر آپ کا تجارتی کتب خانہ تھا (جو غالباً اس زمانہ میں اساذنا حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ کی شرکت میں تھا) جب کبھی اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کوئی کتاب خریدنے کے واسطے وہاں جانا ہوتا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ (جو بہر حال دارالعلوم کے اساتذہ میں تھے) مجھ طالب علم سے اس طرح پیش آتے کہ مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوتی، غالباً ہر ایک کے ساتھ وہ اسی طرح پیش آتے ہو گئے (۵۲)

(۶)۔ اُن کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا:

دارالعلوم کی رسمی طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد راقم سطور جہاں بھی رہا، سال میں ایک دو دفعہ دیوبند حاضری کا برابر معمول رہا، ان حاضریوں میں بھی حتی الامکان

حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کا اہتمام کرتا، وہ ہمیشہ اس طرح پیش آتے کہ گویا میں ان کا چھوٹا نہیں ہوں کم از کم اقران میں سے ہوں، ان کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا، دراصل یہ تواضع ہمارے اکابر و اسلاف کا خاص ورثہ تھا اور حضرت مفتی صاحب نے اس سے حصہ وافر پایا تھا۔ عارفین اور حکماء اخلاق کا مشہور مسلمہ ہے کہ تمام محاسن اخلاق کی اصل اور سرچشمہ ”تواضع“ ہے جس طرح تمام مساوی اخلاق کی جڑ اور بنیاد ”کبر“ ہے

(ص ۵۵)

(۷)۔ خدمت خلق اور بے نفسی کا ایک سبق آموز واقعہ:

استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

سردیوں کی ایک رات میں والد صاحب رحمہ اللہ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، برانچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی بہت چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے، راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں وہاں اس زمانے میں بھی بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکاؤنٹ کا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا، گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہو گئی اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا، اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد و رفت عموماً پیادہ پا ہوتی تھی، والد صاحب رحمہ اللہ تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی ”قلی، قلی!“ یہ آواز بار بار آرہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی، کوئی صاحب مع اہل و عیال اسی گاڑی سے اترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک سامان پہنچا دے، یہ والد صاحب رحمہ اللہ کے ایک واقف کا رتھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے، والد صاحب رحمہ اللہ سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دے رہتے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر اوپر سے چادر ڈالی اور مزدورانہ بیست میں تیزی سے پہنچ کر کہا ”سامان رکھو او کہاں جانا ہے؟“ انھوں نے پتہ مختصر بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا، پہلا

بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے بمشکل اس بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ ”حضور! میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔

یہ مختصراً قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ٹارچ نے چھپالیا تھا جو انھیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتی تھی، ان کی قیامگاہ پر سامان اتارا وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ ”ابھی آ کر پیسے دیتے ہیں“ میں موقع پا کر وہاں سے غائب ہو گیا، اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب سابق بڑی تعظیم سے ملے، مگر انھیں کیا معلوم وہ ایک ”قلی“ سے مل رہے ہیں (ص ۱۲۰) آگے لکھتے ہیں:

(۸) ایسا ہی ایک اور واقعہ: اسی موقع پر ایک اور واقعہ بھی سنایا کہ ”میں دیوبند میں ایک دن نماز فجر کے لیے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنویں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دو بھر ہو رہا تھا، بمشکل چند قدم چل کر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھانا گیا، پاس جا کر کہا ”لاؤ امان یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچا دوں“ یہ کہہ کر میں نے گھڑا اٹھالیا، وہ جولاہوں کے محلہ میں اہتیس اور اسی براداری سے تعلق رکھتی تھیں، جب میں گھڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاحت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں، اگلے دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا، واپسی پر پھر ان کی دعائیں دور تک سنتا رہا، میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنالیا، بڑی بی بھی اس کی عادی ہو گئیں، اب میں کنویں پر ہی پہنچنے کی کوشش کرتا تھا تا کہ انھیں ڈول بھی کھینچنا نہ پڑے، بحمد اللہ یہ معمول عرصہ دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ بڑی بی نے آنا ہی چھوڑ دیا، شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا۔“ پھر فرمایا کہ یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا

رہا ہوں تاکہ کچھ سبق حاصل کرو۔ (۱۲۲)

9۔ اجازت بیعت اور خلافت سے سرفرازی:

تھانہ بھون میں چوتھی حاضری ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں ہوئی تھی اور اب ۱۳۴۹ھ چل رہا تھا، سلوک و تصوف اور عشق و معرفت کی پرپیچ راہوں سے گذرتے گذرتے اب وہ مقام آگیا تھا جہاں حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی جیسار بہرور ہنما ہر طرح امتحان کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ جس مسافر طریقت نے ان کی انگلی پکڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اب وہ راستہ کے تمام نشیب و فراز اور پیچ و خم سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ ناواقفوں کی رہبری کے لیے بھی اس پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ میں اچانک حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی دیوبند پہنچا جس میں والد ماجد رحمہ اللہ کو تلقین و بیعت کی اجازت تحریر تھی وہ مکتوب گرامی یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

حکیم الامت رحمہ اللہ کا گرامی نامہ: ربیع الثانی۔۔۔۔۔ ۱۳۴۹ھ

”مشفق مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سلمہ اللہ
السلام علیکم!

بے خستہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت ہو، پس تو کلاً علی اللہ اس وارد عمل کرنے کے لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کر لیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے، میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے۔

بخط احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں

والسلام

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہ نے حقیقی تواضع و انکسار سے نوازا تھا، ان کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی یہ نوبت بھی آئیوالی ہے کہ حکیم الامت رحمہ اللہ اپنی خلافت سے سرفراز فرمائیں گے، اچانک یہ گرامی نامہ ملا تو حیرت میں رہ گئے اور مرشد تھانوی رحمہ اللہ کو اسی عالم حیرت میں یہ خط لکھا:

حیرت و فنایت

مکتوب: والا نامہ گرامی صادر ہوا، دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ ناکارہ و آوارہ شفیع اور بیعت و تلمیقین کی اجازت!

صلاح کار کجا و من خراب کجا

میں تو واللہ باللہ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتا، سلوک کے ابتدائی مراحل سے بھی روشناس نہیں، کسی دوسرے کو کیا تلمیقین کروں گا اور پھر ایسا کون بیوقوف ہوگا جو مجھ سے درخواست بیعت کرے گا، بار بار والا نامہ کو دیکھنا اور اپنی سیہ کاری پر نظر کرتا ہوں تو حیرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ جیسے غفلت شعار سیہ کار کو اتنے بڑے منصب سے نوازا نا کہیں اس منصب کی بدنامی کا سبب نہ ہو، اس خیال سے یوں جی چاہتا ہے کہ اس کی اشاعت نہ تو اچھا ہے۔

جواب: ”یہی تو بنا ہے اس اجازت کی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہیں۔“

مکتوب: ”اس والا نامہ کے بعد سے ہر قدم پر اپنی ناکارگی کا مزید احساس ہونے لگا۔“

جواب: ”ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔“

مکتوب: ”دعا و ہمت سے دشگیری کی احتیاج بھی اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔“

جواب: ”میں حاضر ہوں۔“

مکتوب: ”یہاں تو ہنوز روزِ اوّل ہے۔“

جواب: نہایت کی تفسیر عودالی الہدایہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ”روزِ اوّل“ وہی ہدایت ہے۔

اسی سلسلہ کا ایک اور مکتوب
 یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ

مکتوب: ”جب سے حضرت والا نے خطاب خاص سے معزز فرمایا ہے میری ست اور کمزور طبیعت کے لئے ایک تازیانہ ہو گیا ہے کسی وقت اس کا تصور ذہن سے نہیں جاتا کہ مجھ جیسا ناکارہ و آوارہ، طریق سے نا آشنا اور بزرگوں کی یہ عنایات کہیں مجھ پر حجت نہ ہوں، بالخصوص جب سے دیوبند میں غیر اختیاری طور پر اس کا چرچا ہوا ہے ہر وقت اس سے ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھ کر میرے بزرگوں کو بدنام کریں گے۔ اس کا الحمد للہ اتنا فائدہ بھی ہوا کہ گناہوں سے بچنے کی کچھ ہمت بڑھ گئی اور نماز میں کچھ من جانب اللہ تعالیٰ حضور کی ایک کیفیت پیدا ہونے لگی جو پہلے نہیں تھی بلکہ پہلے یہ کیفیت گاہ گاہ ہوتی تھی اور اب الحمد للہ اکثر رہنے لگی۔“

جواب: ”مجھ کو یہی امید تھی۔“

مکتوب:۔۔۔ ۹ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

مکتوب: ”بارگاہ سامی میں حاضر ہو کر حضرت کی جوتیوں کے طفیل سے الحمد للہ یہ تو ہوا کہ ”غرور“ سے ایک گونہ نجات ہوئی اور اپنے کچھ معائب گویا متمثل ہو کر شرمندہ مثل زنگی آئینہ دیدہ ہوں

کی کیفیت پیدا ہو گئی اور یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل خانقاہ میں سب سے زیادہ ناکارہ و آوارہ بدنام کنندہ خانقاہ میں ہی ہوں، کئی روز سے حزن کی کیفیت اور حسرت بڑھ رہی ہے کہ جب آفتاب ہدایت کا مواجہہ میں بھی میری تاریکی کا یہ حال ہے تو آئندہ کیا ہوگا۔“

جواب: ”یہ استدلال متکلم فیہ ہے، یہ ایسا استدلال ہے کہ ستارہ کہے کہ جب

آفتاب کے سامنے بے نور ہوں تو شب کو کس قدر بے نور ہوں گا، بعض اوقات بعض احوال کا ظہور قرب میں نہیں ہوتا و بعد میں ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان فکروں ہی میں نہ پڑنا چاہیے جو ہو سکے کرتار ہے نہ ہو سکے نادم رہے۔“

مکتوب: شراب لعل و جائے امن و یا مہربان ساقی
دلا کئے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

حضرت کے سب خدام اپنے اپنے کام میں ہیں اور رفع حالات میں، اور اس
ناکارہ کا کام صرف یہ ہے کہ کام کرنے والوں کو دیکھتا اور غبطہ کرتا ہے، وقت کچھ ایسا تنگ
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کام نہیں ہوتا اور ایام عمر گزر رہے جاتے ہیں، نیند کی کثرت نے اور بھی
تباہ کر دیا، اب بجز اس کے کہ حضرت والا سے استغاثہ کروں عالم اسباب میں کیا چارہ ہے۔“
جواب: ”سب کا جواب معروض ہو چکا ہے۔“

مکتوب: ازان رحمت کہ وقف عام کردی ، جہاں را دعوت انعام
کردی

نمی دانم چرا محروم ماندم ، رہین ایں چنین مقسوم
ماندم

جواب: جب ”نمی نادانم“ ہے پھر فکر ہی نہیں، مصیب تو ”می دانم“ میں ہے
مکتوب: ”امید ہے کہ اس نالائق خادم کی خاص طور سے دستگیری فرمائی جائیگی
کہ

جواب: ”مطمئن رہنا چاہیے کہ بعض ترقی اطمینان مستحق کرامت گنہگار
امند ہی پرموقوف ہے۔“ (۱۴۴ تا ۱۴۷)

(۱۰)۔ استعفاء کی خواہش اور خشیت و تواضع۔

آپ کے فتاویٰ اور فقہی تحقیقات کو اس زمانہ کے فقہاء، ارباب فتویٰ اور آپ
کے بزرگوں نے جس انداز میں سراہا اور دل کھول کر داد و ردعائیں دیں، اس کی تفصیلات
بہت ہیں جن کا یہ موقع نہیں مگر حضرت والد ماجد رحمہ اللہ علیہ کی خشیت اور تواضع کا یہ عالم تھا
کہ ہر وقت اس فکر سے پریشان رہتے تھے کہ کسی فتوے میں غلطی نہ ہو جائے، چنانچہ حکیم
الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نام ایک خط (مورخہ ۱۴ رمضان ۱۳۵۰ھ) میں تحریر

فرماتے ہیں کہ:

”اس وقت فتویٰ لکھنا ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں، اس لیے حیران ہوں کہ کیا کروں، کیا یہ درخواست کروں کہ مدرسہ والے مجھے اس سے معافی دیں اور پھر درس میں لے لیا جائے؟ کیونکہ وہاں غلطیاں چل نہیں سکتیں شاید دینا تہ میرے لیے بہ نسبت اس کام کے وہ کام زیادہ اچھا ہو؟“
مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے تسلی دی کہ!

”جب اللہ تعالیٰ نے خشیت کا یہ غلبہ دیا ہے تو اعانت بھی ہوگی جیسا احادیث میں وعدہ ہے، اگر مدت معتد بہا کے بعد اس کی ضرورت محسوس ہوگی بعد میں مشورہ ہر وقت ممکن ہے۔“

اپنے مرشد اور بزرگوں کی ایسی ہی تسلیوں اور ہدایات کی بنا پر آپ اس کام میں لگے رہے مگر یہ سمجھنے کے لیے آپ کسی طرح تیار نہ تھے کہ اس کام کی اہلیت بھی میرے اندر ہے، اسی خشیت و تواضع کا غلبہ تھا جس نے مقدمہ ”امداد المفتین“ میں آپ سے یہ لکھوا دیا ہے کہ:

”میں اپنی علمی بے بضاعتی سے بے خبر تو نہ تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کام کے لیے علم کے جس پایہ و منزلت کی ضرورت تھی اس سے پورا واقف بھی نہ تھا؟ تعلیمی خدمتوں کی طرح حضرت اساتذہ اور بالخصوص سپیدی و استاذی حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ کی امداد و اعانت کے بھروسہ اس بار کو سر پر اٹھالیا، کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس علم تک رسائی ہوئی کہ یہ کام مجھ جیسے بے بضاعت و بے لیاقت لوگوں کا نہیں۔“

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے ہائے
سو بھی ایک و عمر میں ہوا معلوم

(۱۷۱ھ)

۱۱۔ حقیقتِ علم

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں!

گزشتہ صفحات میں حضرت والد صاحبؒ کے علمی مذاق اور علم دوستی کے بارے میں بہت سی باتیں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کی شخصیت بنیادی طور پر ایک علمی شخصیت تھی، آپ کی ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و افتاء جیسے کاموں میں بسر ہوئی، کتب بینی کے شوق اور ذوق مطالعہ کے بارے میں بھی پیچھے لکھ چکا ہوں کہ اس دور میں اس کی نظیریں کم ہی ملیں گیں، لیکن اس زبردست علمی انہماک کے باوجود یہ ہر آن آپ کے ذہن میں متحضر رہتی تھی کہ یہ کتابی علم اور وسعت مطالعہ محض ایک خول ہی خول ہے اور جب تک اس میں عمل اور خشیت اللہ کی روح پیدا نہ ہو اس وقت تک انسان خواہ کتنا بڑا عالم اور اور محقق بن جائے، اس کی ساری علمی تحقیقات بے وزن اور بے جان رہتی ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لیے کافی ہوتا تو شیطان بھی بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی طرح جو علم انسان کی علمی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بے کار ہے۔

کہنے کو تو یہ بات سبھی کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر علم بیکار ہے لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی زندگی میں یہ بات پیوست ہو چکی ہو، حضرت والد صاحبؒ کی ادا ادا میں یہ حقیقت جلوہ گر نظر آتی تھی، علم و تحقیق کے کام سے اس درجہ وابستگی کے باوجود آپ کو اس علم و تحقیق سے نفرت تھی جو انسانیت اور خود بینی پیدا کرے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مدرسہ میں پڑھانے کیلئے مشاہیر محققین تلاش کرتے ہیں، لیکن مجھے ایسے متواضع اللہ والے چاہیے جو علمی تکبر، خود رائی، خود پسندی سے پاک ہوں اور اپنے شاگردوں کو مسلمان بنا

سکیں خواہ علم و تحقیق میں ان کا پایہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔

خود آپ کا یہ حال تھا کہ علم و تحقیق کے اس مقام بلند کے باوجود جو اس دور میں خال خال ہی کسی کو حاصل ہوا ہے، آپ کو اپنے کسی علمی کارنامے پر کوئی ناز پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اپنی بڑی سے بڑی خدمت کو بیچ سمجھتے رہے، انسان کو عام طور سے اپنی تحریروں اور اپنے لکھے ہوئے مضامین سے ایک اُلٹ پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مصنفین میں عام طور پر یہ شوق پایا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کا تذکرہ کیا جائے، انہیں سراہا جائے، چنانچہ مصنفین کی محفلیں اپنی تصانیف ہی کے ذکر اور انکی تعریفوں سے لبریز ہوتی ہیں، بعض لوگ جا بجا اپنی تالیفات کے حوالے دیکر ان کے اقتباسات لوگوں کو سناتے رہتے ہیں، کبھی کسی میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ کرنے کا اصل کام وہی تھا جو اس نے انجام دے دیا۔ حضرت والد صاحبؒ قدس سرہ کے یہاں اس قسم کی باتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی سوال نہ تھا بلکہ آپ کو اس قسم کے ہر طرز عمل سے سخت کراہیت تھی۔ آپ بڑے سے بڑا تالیفی کام کر گزرنے کے باوجود اسی فکر میں رہتے کہ نہ جانے اس کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ محض لوگوں کی تعریف سے آپ کو خوشی حاصل نہ ہوتی، ہاں! اگر کسی جگہ سے یہ اطلاع ملتی کہ فلاں کتاب سے فلاں شخص کو کوئی عملی فائدہ پہنچا ہے، اس کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے، یا اس کے نظریات بدلے ہیں تو آپ بہت خوش ہوتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس خدمت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی دعا فرماتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم خیال لوگوں سے کچھ داد و وصول ہوگئی تو کیا فائدہ؟ اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے کتاب لکھی گئی تھی اسے فائدہ پہنچایا نہیں؟

”تفسیر معارف القرآن“ کی شکل میں آپ نے جو عظیم علمی کارنامہ انجام دیا، آج بفضلہ تعالیٰ وہ ایک دنیا کو سیراب کر رہا ہے اور عام مسلمانوں سے لے کر علماء تک سب اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں، لیکن جب کوئی شخص آپ کے سامنیاس تفسیر کی تعریف کرتا تو یہی فرمایا کرتے کہ:

”تفسیر لکھنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، البتہ میں نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی ”تفسیر بیان القرآن“ کو نسبتاً آسان انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علماء کرام کے لیے تو شاید اس میں فائدے کی چیزیں زیادہ نہ ہوں، البتہ میں نے عام مسلمانوں کے لیے یہ کتاب لکھی ہے، خدا کرے کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچ جائے۔“

لوگ تو عام طور پر دوسروں سے اخذ کی ہوئی باتیں اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش میں رہتے، حضرت والد صاحب کا معاملہ یہ تھا کہ باوجود یہ کہ ”معارف القرآن“ میں وقت کی ضرورت کے بے شمار ایسے مسائل و مباحث موجود ہیں جو ”بیان القرآن اور“ اور دوسری تفسیروں کے مباحث سے زائد ہیں، لیکن وہ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے کہ اس کتاب میں، میں نے کام کیا کیا ہے؟ بس ”بیان القرآن“ اور بعض دیگر تفاسیر کی تسہیل کر کے انہیں نسبتاً عام فہم انداز میں بیان کر دیا ہے۔“

اور یہ محض زبانی باتیں نہ تھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کا حقیقی ثمرہ یعنی تواضع کا وہ مقام بلند عطا فرمایا تھا کہ اپنے نفس یا اپنے کسی کام پر نہ آپ کی تعریفی نگاہ پڑتی ہی نہیں تھی، اور بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد خود پسندی کا کوئی شائبہ پیدا ہونے کی بجائے آپ کی بے نفسی میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔

بعض علماء اور مصنفین کو تفرّد کا شوق ہوتا ہے، اور جو کوئی تحقیقی یا علمی نکتہ از خود ان کے ذہن میں آگیا ہو، اُسے وہ اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اور اسے بیان کرتے وقت یہ کہنے میں لطف آتا ہے کہ ”یہ بات مجھے کہیں بھی نہیں ملی“، لیکن حضرت کا معمول اس کے برعکس یہ تھا کہ اگر از خود کوئی تحقیق یا نکتہ ذہن میں آتا تو اس تلاش میں رہتے کہ علماء متقدمین میں سے کسی کے یہاں وہ منقول مل جائے، اور اگر وہ منقول مل جاتا تو بے حد مسرور ہوتے اور اسے اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے اسی کی کتاب یا عالم کی طرف منسوب فرماتے جن کے کلام میں وہ ملا ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ ”تقرّد سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے“۔ اگر کوئی شخص آپ کی کسی تحریر و تقریر کے بارے میں آپ کو متنبہ کرتا کہ

اس میں فلاں فلاں بات غلط یا نامناسب درج ہو گئی ہے، تو قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، اس کے ممنون ہوتے، اور بات سمجھ میں آ جاتی تو فوراً بلا تاویل اس میں تبدیلی فرما دیتے، بلکہ انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی کے اعتراض کو بالکل رد نہ کرنا پڑے، اس غرض کے لیے آپ نے حکیم الامت

حضرت تھانوی قدس سرہ کی اتباع میں اپنے رسالہ ماہنامہ ”المفتی“ میں ایک مستقل سلسلہ ”اختیار الصواب“ کے نام سے جاری فرمایا ہوا تھا۔

پھر اگر آپ اپنے کسی کام یا تالیف و تصنیف کے علمی معیار کے بارے میں مطمئن بھی ہو جاتے تو یہ حقیقت ہر آن مستحضر رہتی کہ اس کام کی اچھائی برائی کا اصل مدار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے پر ہے، اگر یہ اس بارگاہ میں قبول ہے تو سب کچھ ہے اور خدا نخواستہ قبول نہ ہو تو یہ ساری علمی محنت اور تحقیقی کاوش دو کوڑی کی نہیں ہے۔

آخر عمر میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”میری ساری عمر کاغذ کا لے کرنے میں گزر گئی، تھانہ بھون حاضری ہوئی تو شیخؒ نے وہاں بھی کاغذ کا لاکر نہ ہی کے کام میں لگا دیا، اگر اس میں کوئی حرف اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے تو پیڑا پار ہے، ورنہ اپنے سارے اعمال بیچ در بیچ معلوم ہوتے ہیں۔“ اور یہ فرما کر آپ اکثر بڑے سوز کے ساتھ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

بس ہے اپنا ایک ہی اگر پہنچے وہاں

یوں تو کرتے ہیں بہت سے نالہ اگر و فریاد ہم (۲۸۹ تا ۲۹۲)

۱۲۔ تواضع و فناءیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب کو تواضع کا جو کمال عطا فرمایا تھا، وہ یہی تھا کہ علم و فضل کے دریا سینے میں جذب کر لینے کے باوجود انہیں اس بات کا ہر وقت یقین اور استحضار تھا کہ میں کسی رفعت و تعظیم کا ہرگز اہل نہیں۔

صرف ایک واقعہ مثلاً پیش کرتا ہوں۔ ساری عمر آپ کا معاملہ یہ رہا کہ ملاقاتیوں کے لئے کوئی

خاص وقت مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ جب کوئی آگیا، خواہ کتنے ہی ضروری کام میں مشغول ہوں، اس سے ملاقات فرمائی۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں آپ کو سخت دشواری اٹھانی پڑتی تھی۔ بعض اوقات تصنیف و تالیف کے وقت لوگ پہنچ جاتے اور کام میں رکاوٹ پڑ جاتی اور بعض مرتبہ کسی دوسرے اہم کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص اپنی معمولی سی ضرورت لیکر آ جاتا تو اس کی ضرورت پوری فرمانے کی وجہ سے وہ اہم کام رک جاتا، ہم لوگوں نے بارہا عرض کیا کہ ملاقات کے لیے ایک وقت مخصوص فرمادیں تاکہ جس کسی کو ملنا ہو اسی وقت آکر مل لیا کرے اور بے وقت پریشانی نہ ہو۔ لیکن آپ ہمیشہ اس بات کو مان جاتے تھے، جب ہمارا اصرار بہت بڑھا تو ملاقات کا وقت تو مقرر فرمادیا، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے وقت آ جاتا تو ملاقات سے انکار پھر بھی نہ فرماتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کا وہ تعین نتیجہ خیز نہ ہو سکا، جب تک لوگوں کے بے وقت آنے کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو ہم نے پھر کہنا شروع کیا کہ جب تک آپ لوگوں کو بے وقت ملاقات سے انکار نہ فرمائیں گے، اس وقت تک تعین وقت کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہ ہوگا، ہماری اس بات کے جواب میں آپ ہمیشہ طرح دے جاتے اور اپنے طرز عمل کا کوئی خاص وجہ بھی بیان نہ فرماتے۔

آخر ایک روز میں نے اپنی حماقت سے یہ عرض کر دیا کہ ”اباجی! حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ہر چیز کا نظام الاوقات مقرر تھا اور کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت نہ تھی۔“

احقر کی اس بات پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اُس روز پہلی بار گھلے اور فرمایا! ”ارے بھائی، حضرت رحمہ اللہ کے مقام و منصب کی ہوس کروں تو مجھ سے زیادہ

احقر کون ہوگا؟ حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا اس کی بنا پر انہیں حق پہنچتا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنے نظام الاوقات کا تابع بنائیں، انہیں جو عظیم دینی کاموں کے لیے اللہ نے پیدا فرمایا تھا وہ اس کے بغیر کیسے انجام پا سکتے تھے، اس کے علاوہ لوگوں کو ان سے انمول فائدہ پہنچتا تھا، اس لیے اگر اس فائدے کے حصول کے لیے انہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑے تو کچھ حرج نہ تھا، لیکن میں کیا ہوں؟ اور میرا مقام کیا ہے؟ میں خلق خدا کو کس بنیاد پر

آنے سے روکوں؟ میں نے وقت تو تمہارے کہنے سے مقرر کر دیا ہے تاکہ سہولت ہو جائے، لیکن جو شخص محنت اٹھا کر پہنچ ہی گیا اسے واپس کرنے کا نہ مجھے حق ہے، نہ میرے بس کی بات ہے۔۔۔

اس روز پہلی بار اس طرز عمل کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ میری عقل حیران تھی کہ جس شخص نے خدمت دین کا اتنا ہمہ گیر کام انجام دیا ہوا اور جس کا صبح و شام لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ ہو، اسے نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ اس بات کا اندازہ ہے کہ اس کی ذات سے خلق خدا کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ آپ کے ان جملوں کو محض زبانی بات بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اول تو وہاں غلط بیانی کا شائبہ بھی امکان سے باہر تھا اور دوسرے یہ بات تنہائی میں اپنے بیٹے سے کہی جا رہی ہے جہاں تواضع کے رسمی مظاہرے کا کوئی سوال نہیں۔۔۔ لہذا اسوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

اللہم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیر

اوسن تواضع للہ رفعہ اللہ کا مثالی مظہر بنا دیا تھا (ص ۵۵۵-۵۵۶)

(۱۳) یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں۔

استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: حاجی محی الدین صاحب جو نہایت وضع دار بزرگوں میں سے ہیں اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ سفر عمرہ میں ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، میرے ساتھ میرے دونوں جوان بچے بھی تھے، جہاز میں حضرت رحمہ اللہ کی سیٹ اوپر اور ہماری سیٹ نیچے تھی، فرماتے ہیں کہ معمولی معمولی کام کے لیے اوپر سے خود نیچے اتر کر آتے لیکن کسی سے کسی ادنیٰ کام کو بھی نہیں فرمایا، ہم نے عرض کیا کہ حضرت! یہ بچے ہیں آپ کا کام کرنے میں خوش ہوتے ہیں تو نہایت انکساری سے فرمایا کہ یہ خود مسافر ہیں ان کو زحمت دینا مناسب نہیں (۸۹۳)

(۱۲) حضرت مفتی صاحب کا اپنے بعض ہم عصروں کے ساتھ معاملہ۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا معاملہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی عظمت و احترام کا تھا اگرچہ وہ ضابطہ میں آپ کے استاذ یا شیخ نہ ہوں، بلکہ بعض ہم عصروں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ، حضرت مولانا شیر علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت فیوضہم اور عارف باللہ سیدی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اطال اللہ بقاء وغیرہ کے ساتھ ہم نے آپ کو ایسا معاملہ کرتے دیکھا جیسا اساتذہ و مشائخ کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان حضرات کی خدمت میں جانے کا اہتمام، پھر ان کو دارالعلوم میں بلانے کے درخواست حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا، حالانکہ ان میں سے اکثر آپ کے پیر بھائی اور بعض تو عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی حیات میں ان سے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم میں ایک مختصر سا جلسہ ہوا، حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ اور علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لائے، فراغت کے بعد جلسہ گاہ میں ہی کسی مسئلہ کی تحقیق میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ نے ”شامی“ طلب کر کے مطالعہ شروع فرمادیا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے سامنے اس طرح دو زانو بیٹھے تھے جیسے شاگرد استاد کے سامنے، ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو دوسری طرف بلانا چاہا تو حضرت نے سید صاحب کی طرف اشارہ کیا، جس کا انداز یہ تھا کہ سید صاحب کی اجازت کے بغیر میں کیسے اٹھ جاؤں؟، اسی طرح ۱۳۸۳ھ میں استاد محترم محدث کامل فقیہ اعظم حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ دارالعلوم میں تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ان کے ساتھ شاگردوں جیسا معاملہ فرماتے تھے۔

(ص ۸۹۷)

(۱۵) ”مفت میں کچھ کا غذا کا لے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے؟“:

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

روہڑی سے اسٹیشن پر جا رہے تھے، ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا اس نے حضرت سے کہا تم کیا کام کرتے ہو؟ فرمایا ”جس کام کی آجکل کوئی قدر و قیمت نہیں“ وہ نہیں سمجھا، پھر اس نے پوچھا تو فرمایا

”مفت میں کچھ کا غذا کا لے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے“۔ اسٹیشن آیا سامان آپ کا میرے پاس تھا، میں نے پلیٹ فارم نہیں لیا تھا، پل پر میں نے عرض کیا تو سامان لیکر خود ہی ریل گاڑی میں جا کر سورا ہو گئے مسئلہ کی بات تھی۔ تو اضع تو حضرت رحمہ اللہ سے از حد ٹپکتی تھی، ہر کام میں تواضع کے مظہر اتم تے۔ اللہم افض علینا۔ (ص ۹۲۰)

(۱۶) حضرت کی شان و تواضع:-

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم آپ کے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حدیث شریف میں ہے من تواضع لله رفعه الله (او کہا قال) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں تواضع اور اس کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ تواضع کا حاصل یہ ہے کہ بالقصد اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو فی الحال یا فی المال اپنے سے بہتر سمجھے، اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بلند مرتبہ اور اونچا مقام عطا فرمائیں گے۔

یہ وصف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس میں علی وجہ الکمال موجود تھا، حضرت والا اپنے کو ایسا مٹائے اور فنا کئے ہوئے تھے کہ بالکل لاشیٰ محض سمجھتے تھے، حیثیت، وضع قطع، چال ڈھال قول و فعل اور تقریر تحریر سب سے یہ وصف نمایاں ہوتا تھا۔

چار پائی پر بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے: آخر عمر میں اکثر چار پائی پر آرام فرما ہوتے اور اکثر

اسی پر بیٹھ کر عوام و خواص کو مستفید فرماتے لیکن جمعرات کو اساتذہ کی خصوصی اصلاحی مجلس ہوتی، اسکمیں باوجود ضعف و نقاہت اور سخت علالت کے چار پائی سے نیچے فرش پر تشریف فرما ہوتے اور پھر بار بار فرماتے کہ مجھے آپ حضرات کے سامنے اوپر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے، تمام اساتذہ کرام اوپر ہی آرام فرمانے پر اصرار شدید فرماتے مگر حضرت اس کو گوارہ نہ فرماتے حتیٰ کہ سب حضرت کے نیچے بیٹھنے سے دلیگیر ہوتے، اگر حالت بہت خراب ہوتی اور نیچے آنے کی سکت نہ ہوتی تو چار پائی پر تشریف رکھتے ہوئے بار بار عذر فرماتے رہتے اور اساتذہ کے ساتھ بڑے ہی احترام سے پیش آتے اور اتوار کو جو مجلس عام ہوتی اس میں بھی حضرت چار پائی پر بیٹھنے کا عذر بار بار فرماتے کہ میں اپنی علالت اور ضعف کی وجہ سے لاچار ہوں ورنہ آپ حضرات سے بلند ہو کر بیٹھنے کو دل بالکل گوارا نہیں کرتا اور کئی بار تو یہاں تک فرماتے ہوئے سنا کہ ”میں آپ سب حضرات کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ حضرات کو آنے سے نفع ہو یا نہ ہو مگر میں باطن میں ضرور نفع محسوس کرتا ہوں“۔ چنانچہ حضرت اس اجتماع کی بیحد قدر فرماتے اور کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے، اگر بولنے کی طاقت نہ ہوتی تو خاموش لیٹے رہتے مگر مجلس ضرور ہوتی، سب لوگ کچھ دیر کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کر کے اور مصافحہ کر کے جاتے اور حضرت والا کبھی فرما دیتے کہ نفع باطنی کے لیے بولنا ضروری نہیں، بغیر بولے بھی (یقیناً) نفع ہوتا ہے۔

چوکی پر بیٹھنے کی وضاحت: صحت کے زمانہ میں مجلس عام کے وقت ایک چوکی پر تشریف فرما ہوتے، اس کے بارے میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ہی میں فرمایا کہ ”آپ حضرات سے اوپر ہو کر بیٹھنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی لیکن نیچے بیٹھنے میں دوسروں کو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوگی اس لیے اس پر بیٹھ جاتا ہوں“۔

جب کوئی بزرگ شہر سے یا کراچی کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا ملک سے تشریف لاتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی عاجزی کے ساتھ ملتے اور دیر تک انتہائی متواضعانہ گفتگو فرماتے اور یہاں تک فرماتے ”حضرت! میں اس قابل کہاں؟ کوئی میری ملاقات

کو آئے، آپ نے مجھ پر بڑا ہی کرم فرمایا، میں خود ہی حاضر ہوتا مگر ضعف و علالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔ اللہ! اللہ! کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔

بچوں پر شفقت:

تواضع کا غلبہ اس قدر تھا کہ اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود چھوٹوں اور بچوں سے انتہائی شفقت فرماتے، اور بڑی محبت فرماتے، گھر کے بعض بچے ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کے شوقین ہوتے تو حضرت والا آنے والے خطوط سے وہ ٹکٹ محفوظ رکھتے اور ان کو عطا فرما کر انہیں خوش کرتے اور ان سے بھی شفقت بھری گفتگو فرماتے۔

احقر حضرت رحمۃ اللہ کے پوتوں کے ہم عمر تھا، احقر کے ساتھ بھی بیٹوں اور پوتوں کی طرح بے انتہاء شفقت فرماتے، ایک موقع پر اپنے صاحبزادگان سے یہاں تک فرمایا کہ یہ (یعنی احقر) میرے بیٹے ہی کی طرح ہے اور احقر اکثر نماز فجر کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں ملتا تو راستہ میں بڑی محبت سے مزاج پوچھتے اور اکثر یہ جملے ارشاد فرماتے ”ملا سکھر“ یا ”ملا مسکین“ کیا حال ہے؟ یہ جملے ایسی شفقت و محبت بھرے انداز میں فرماتے کہ احقر کی روح اور رگ رگ وجد کراٹھتی اور آج تک ان جملوں کی شیرینی قلب میں محسوس ہوتی ہے۔ آہ! اب یہ جملے سننے کے لیے کان بے قرار ہیں مگر کوئی کہنے والا نہیں!!

حضرت کی شان تواضع یہ ہے کہ ایک روز فرمانے لگے کہ بھی آپ لفظ ”ملا“ سے دلگیر تو نہیں ہوتے؟ یہ لفظ تو بڑے بڑے علما کے لیے استعمال ہوتا تھا، احقر نے عرض کیا حضرت اس جملہ سے دلگیر ہونا کیسا؟ میں تو اس کو اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہوں، اس پر بہت خوش ہوئے، بعض مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی احقر پر اتنی شفقتیں ہوتیں کہ والدین کی شفقتیں بھول جاتا اور بے انتہاء سکون اور عافیت محسوس ہوتی اللہ اللہ۔

ڈاک کا واقعہ: ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ یہ واقعہ (جو ابھی آتا ہے) میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت گنگوہی

رحمہ اللہ سے سنا، واقعہ یہ ہے کہ ایک ڈاکو تھا ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گزری جب بوڑھا ہو گیا جسم میں طاقت نہ رہی، اعصاب کمزور ہو گئے اور ڈاکہ ڈالنے سے عاجز ہو گیا تو فاقوں کو نوبت پہنچنے لگی اور گزر بسر کی کوئی صورت نہ رہی، آخر اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے، دوستوں نے مشورہ دیا کہ پیر بن جاؤ سبز رنگ کا تہبند، سبز رنگ کا چوغہ اور موٹے موٹے منکوں کی تسبیح اور ایک لمبا عصا لیکر کسی گاؤں کے باہر بیٹھ جاؤ اور یاد خدا میں مشغول رہو اور تصوف کی ایک دو کتاب مطالعہ میں رکھو اور جھاڑ پھونک شروع کرو، پھر دیکھو کیسی موج ہوتی ہے، پہننے کو کپڑے، کھانے کو طرح طرح کے کھانے، خدمت کے لیے ہمہ وقت خادم موجود ہونگے اور زندگی راحت سے گزرے گی کچھ کرنا نہ پڑے گا۔

اس نے ایسا ہی کیا اور پیر بن کر کسی بستی کے باہر درخت کے نیچے بیٹھ گیا، چند روز تک لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی، مگر اُس کے مستقل قیام اور شغلِ عبادت نے ان کے ذہنوں میں اُس کے بزرگ اور خدا رسیدہ ہونے کا خیال جما دیا، بستی میں کسی کا بچہ بیمار ہوا، دم کے لیے اسکے پاس آئے اور دم کرنے کی درخواست کی، اس نے دم کر دیا اور تعویذ لکھ دیا، بچہ تندرست ہو گیا، بچہ کا تندرست ہونا تھا کہ پوری بستی میں اُس کی بزرگی، للہیت کی شہرت ہو گئی اور لوگ اپنی مشکلات میں دعائیں کرانے کے لیے حاضر ہونے لگے اور نذرانے آنے لگے اور چند ہی روز میں اچھا خاصا کام چل گیا، دکان جم گئی، کھانے پہنچنے کی کمی نہ رہی، خدمت گار عقیدتمند ہر وقت حاضر باش رہنے لگے اور زندگی بڑے آرام سے گزرنے لگی۔

جب اس کی بزرگی کی شہرت دور دور ہوئی تو کچھ مخلص لوگ بھی اللہ کا نام اور اس کا راستہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے لگے اور یہ ڈاکو پیر ان کے اشکالات اور احوال کی اصلاح تصوف کی کتابوں کے ذریعہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ سب اپنے وقت کا کامل ولی ہو گئے اور مراقبہ کے ذریعہ ہر ایک کا مقام معلوم کرنے کے قابل ہو گئے، ایک روز ان سب نے سوچا اپنے حضرت کا مقام معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس مرتبہ پر ہیں، چنانچہ سب کے سب مراقبہ میں بیٹھے اور دیر تک

اپنے شیخ کا مقام

دریافت کرتے رہے مگر سر توڑ کوشش کے باوجود ان کے مقام تک رسائی نہ ہو سکی، آخر مراقبہ سے نکلے اور سب اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے ہم سے سخت گستاخی ہوئی، ہم اس قابل کہاں کہ حضرت کا مقام معلوم کریں حضرت کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہم میں اس کے معلوم کرنے کی استعداد ہی نہیں، چل کر حضرت سے معافی مانگنی چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اس گستاخی سے یہ عطا شدہ دولت ہی چھن جائے۔

چنانچہ خلوت میں یہ سب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گستاخی ذکر کر کے معافی چاہنے لگے، ڈاکو کی توبہ، صادق کا وقت آچکا تھا فوراً اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگے اور اس نے کہا کہ تم لوگ میرا مقام کہیں اعلیٰ علین میں تلاش کرتے ہو گئے، میرا مقام تو کہیں اسفل السفلین میں ڈھونڈتے تو ملتا، میں تو ڈاکو ہوں، ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گزری جب بوڑھا ہو گیا اور ڈاکہ ڈالنا بس میں نہ رہا تو زندگی گزارنے کے لیے یہ مصنوعی پیر بننے کا ڈھونگ رچایا اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو آپ کے خلوص کی بدولت نواز دیا ورنہ میری حقیقت اس سے زیادہ نہیں جو میں نے بیان کی اور یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہا میں آج صدق دل سے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں، آپ حضرات بھی میرے لیے دعا کریں اللہ پاک مجھے معاف کر دے اور میری توبہ قبول فرمائے، مریدین نے جب اپنے شیخ کا یہ حال سنا رنج و غم سے انکی چیخیں نکل گئیں اور وہ بھی سب رونے لگے اور دل سے اپنے شیخ کے لیے نہایت مضطر بانہ دعا کرنے لگے۔ اللہ پاک نے ان کی دعاؤں کی برکت اور شیخ کی خالص توبہ سے شیخ کو اسی وقت اولیاء کاملین کی صف میں داخل فرمادیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ ”ہمارے اکابر اپنے آپ کو اسی طرح بیچ در بیچ اور کسی قابل سمجھتے ہی نہ تھے حالانکہ سب کچھ تھے علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے تھے۔“

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا خود بھی یہی حال تھا، آپ سے زیادہ متواضع آج تک کسی کو نہ دیکھا، آپ پر ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہم العالی کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے کہ ”وہ تو امیر المتواضعین تھے“ چنانچہ کامل تواضع کا ثمرہ اللہ نے دنیا ہی میں ظاہر فرمایا کہ پاک و ہند کی ممتاز ترین شخصیت ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایک عالمی شخصیت بنایا تھا، اللہ پاک حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما کر بے انتہا درجات بلند فرمائے آمین

(ص ۹۷۷ تا ۹۸۱)

(۱۷) یہ میری حقیقت ہے۔

حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حاجی شیر محمد صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ) اور یہ ناچیز تھا نہ بھون گئے، حضرت مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے ایک دن حوض پر قریب قریب وضو کر رہے تھے، حضرت مفتی صاحب کو زکام تھا اور ناک کی ذرا سی آلاش بدن مبارک پر کہیں لگی ہوئی تھی، حاجی شیر محمد صاحب نے عرض کیا ”مفتی صاحب! یہ جگہ صاف فرمالیو“۔ حضرت مفتی صاحب نے فوراً فرمایا ”یہ میری حقیقت ہے“۔

(ص ۱۰۶)

(۱۸) ہمیں خدا کے گھر کے قرب و پڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی:

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا ظاہری و جسمانی ڈھانچہ ایک نحیف و نزار انسان کا سا تھا، پھر طبیعت میں اس قدر سادگی، فروتنی، عاجزی اور انکساری تھی کہ کوئی شخص پہلی منظر میں ان کو دیکھنے میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہ عظیم شخصیت ہے کہ جس کو پاکستان میں ”مفتی اعظم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی اہل اللہ کا شیوہ و طریقہ ہے، ان کے سامنے دنیا کی

شان و شوکت، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، دنیوی سامان کی آرائش و زیبائش، ترفع و تنعم کی بود و باش اور کبر و نخوت کی نشست و برخاست پر گاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، وہ ہمیشہ ”وبالآخر خیر والہی“ کے فارمولے کو اپنی عملی زندگی میں دہراتے رہتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر ہمیشہ نظر رکھتے ہیں۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں

کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی (ص ۱۰۶۶)

سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اپنے دور اقتدار میں اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کو دعوت دی دونوں حضرات روالپنڈی میں تشریف لائے، لیکن نشتر صاحب کے پرزور تقاضا کے باوجود کسی سرکاری بلڈنگ میں رہنا گوارا نہ کیا اور دونوں حضرات نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ ہمیں خدا کے گھر قرب و پڑوس میں جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ سرکاری عمارات میں نہیں ہوتی چنانچہ سارے دن کی مصروفیات کار کے بعد اسلام کی یہ دونوں عظیم ہستیاں میرے غریب کدے پر تشریف لائیں اور میرے پاس ہی رات کو آرام فرمائیں، فقیری میں بادشاہی کا نمونہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ سردار عبدالرب نشتر بذات خود دونوں کو کار میں بٹھا کر میرے پاس چھوڑ جاتے تھے بندہ نیچہ ان ان دونوں حضرات کی ذرہ نوازی اور شفقت و رافت کے اس بار احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور بتقاضاے بشریت جو ان سے زلات ہوئے ان سے اپنی رحمت کاملہ سے درگزر فرمادے۔

یہ یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں

کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں (ص)

(۱۹) ”اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا۔“

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) تحریر فرماتے ہیں:

دوسری صفت جس سے میں ہمیشہ متاثر ہوتا رہا، وہ ان کی وسعت قلبی تھی کہ چھوٹوں سے بھی کچھ سیکھنے میں کبھی خفیف ترین تذبذب نہ ہو، وہ بڑے فقیہ اور مستند مفتی تھے، ایک دن میں نے اصول فقہ پر کچھ سطحی خیالات ظاہر کرنے کے بعد (کہ یہ علم قانون میں مسلمانوں کی بہت بڑی جدت تھی جس کا نہ یونانیوں اور رومیوں کو بھی خیال آیا اور نہ ہندیوں، چینیوں، مصریوں، بابلیوں کو) جب یہ عرض کیا کہ کاش کراچی میں کوئی دیوبند ثانی، کوئی بلند معیار کا علمی مدرسہ بن جائے تو میں بھی آں محترم کے دروس میں حاضر ہوا کروں، کیسے یقین آئے گا کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ ”اصول فقہ پر تمہارے دروس میں بھی شریک ہوا کروں گا“ (ابھی دارالعلوم بنانہ تھا)

(ص ۱۰۸۰)

(۲۰) فروتنی است دلیل رسیدگان خدا:

مولانا لطافت الرحمن سواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم کے قرب الہی اور خلوص وللہیت اور طہارت قلب کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ اپنے تمام تر علمی عظمت و وقار اور ہر طرح کی عزت و افتخار اور مخدوم الكل واستاد الكل ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور خاکسار طبیعت کے مالک تھے۔ خدام اور شاگردوں سے گفتگو یا برتاؤ میں کسی قسم کی برتری اور اپنے بڑے ہونے کا احساس دلانے کا موقع نہیں دیدتے تھے۔ ایک بار مجھے مرحوم کے گھر کے قریب محلہ والی مسجد میں ان کے ہمراہ ظہر کی نماز میں آنا جانا پڑا اور دونوں حالوں میں جب میں نے جوتے کو سعادت و برکت جان کر اٹھایا تو انکار فرماتے رہے، غرض یہ کہ مرحوم کے افتاد طبع کی یہ فروتنی بھی عظمت و رفعت کا شاہد عدل تھی۔

فروتنی است دلیل رسیدگان خدا ، سوار چونکہ بہ منزل رسد پیادہ شود

(ص ۱۰۹۴۰)

(۲۱)۔ حضرت مفتی صاحب کی سب سے ممتاز اور نمایاں خصوصیت:

استاد محترم حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ (سابق ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

ان خصوصیات میں سے ایک بہت ممتاز اور نمایاں خصوصیت جس کا ہر شخص مشاہدہ کرتا اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، آپ کی طبعی سادگی اور بے تکلف زندگی تھی، نہ پہننے، اوڑھنے اور کھانے پینے میں کوئی تکلف تھا اور نہ رہن سہن میں کوئی کروفر، پہلی بار آپ سے ملنے والا شخص آپ کی سادگی اور تواضع و انکساری دیکھ کر دنگ رہ جاتا کہ اس نے جو کچھ دیکھا وہ مفتی اعظم کی اس خیالی صورت اور وضع قطع کے بالکل خلاف ہے جو وہ اپنے ذہن میں بسا کر لایا تھا، نہ یہاں جبہ و دستار کا ہمہ وقت اہتمام تھا اور نہ گفتار و کردار میں کوئی تصنع و تکلف، ہر ایک کی ملاقات کے لیے دروازہ کھلا تھا، امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں، سیدھی سادی گفتگو اور اخلاص و خیر خواہی میں ڈوبے ہوئے کلمات نصیحت۔ ہر آنے جانے والے سے خندہ پیشانی اور عاجزی سے پیش آنا، مسکرا کر بات کرنا، دوسرے کی بات کو پوری توجہ اور ہمدردی سے سننا، اگر کوئی حاجت مند ہے تو اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی فکر کرنا، اس قدر علمی ثقافت و فقاہت اور جلالتِ شان کے باوجود ہر بات سے فروتنی و انکساری کا ظہور۔

یہ وہ اوصاف و اخلاق تھے جو ہر ملنے والے کے قلب پر براہ راست اثر انداز ہوتے اور آپ کی برتری اور عظمت شان کا دل و دماغ پر گہرا نقوش چھوڑتے۔ دنیا داروں کا تو کیا گلہ آج اکثر اہل دین اور بڑے بڑے علماء کے یہاں بھی ان محاسن کا فقدان ہے۔ (ص ۱۱۰۶)

(۲۲) عاجزی و انکساری کی انتہاء:

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی ام عطیہ عثمانی صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، مگر اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ عام آدمی کے مقابلے میں اپنے آپ کو نہایت

کمتر تصور فرماتے تھے۔ ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ جب میں ”لسبیلہ“ حاضر خدمت ہوئی (اس زمانے میں حضرت والد ماجد کا مستقل قیام لسبیلہ ہی میں تھا) تو کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گئے اور خفگی بڑھتی گئی، اس ناکارہ کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وجہ ناراضی کیا ہے، آپ کو راضی کرنے کی کوشش بھی کی لیکن خفگی برقرار رہی جس کی وجہ سے میں بہت غمگین تھی اور کسی کام میں جی نہ لگ رہا تھا، اچانک میرے منہ سے نکلا کہ ”مجھے تو اب تک یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے“ پھر شام کو میں نانک واڑہ میں اپنی قیامگاہ پر واپس آ گئی آپ کی ناراضگی کا خیال دل کو بے چین کئے ہوا تھا اور کسی کل چین نہ ملتا تھا، دوسرے دن شام کے وقت پیغام ملا کہ والد مشفق رحمہ اللہ نے یاد فرمایا ہے، امیدہیم کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ لسبیلہ پہنچی، دیکھتے ہی مسکراہٹ کے ساتھ سینے سے لگا لیا، اس وقت نماز مغرب قریب تھی، اس لیے فرمایا کہ نماز کے بعد بات کروں گا، پھر بعد نماز تنہائی میں لے جا کر فرمایا: ”تو تو کل چلی گئی اور میں رات بھر نہ ہوسکا وہ ایک جملہ جو تو آخر میں کہہ گئی تھی، اس کو سوچتا رہا اور آخر میں شرح صدر اسی پر ہوا کہ میری ناراضگی صحیح نہ تھی، اس وقت میں نے تجھے اس لیے بلوایا ہے کہ معافی مانگ لوں“۔ آپ کی بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکی تو فرمایا: ”یہ حق العباد کا معاملہ ہے، اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی قید نہیں، اس لیے جب تک زبان سے معاف نہ کرے گی مجھے سکون نہ ملے گا“ تو میں نے کہا کہ ماں باپ کے لئے تو یہ شرط نہیں۔ (ص ۱۱۵۵)

(۲۳) حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ خود اپنی نظر میں:

آپ کے بھانجے جناب محمد فخر عالم صدیقی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

یہ کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے، حضرت رحمہ اللہ اپنے لسبیلہ کے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ ایک دن اچانک دل میں تکلیف شروع ہوئی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی گئی، ہم سب تیمار دار اور خود حضرت رحمہ اللہ ہر آنے والے سانس کو غنیمت سمجھ رہے ہیں، حضرت رحمہ اللہ سمیت ہر شخص پر مایوسی کا عالم طاری ہے، ایسی کیفیت میں ہم جیسا کوئی یہ

کار ہوتا تو نہ جانے کتنے دنیاوی بکھیڑوں میں ذہن الجھا ہوتا، اور موت کے ڈر سے خائف ولرز اں ہوتا مگر ”معارف القرآن“ جیسی عظیم الشان الہامی تفسیر کا مصنف، سینکڑوں فقہی اور دینی کتابوں کا مؤلف نہ جانے کتنے علماء کا رہنما اور کتنے بزرگان دین کا چہیتا اور سند یافتہ یہ عالم بے بدل خود کو تہی دست سمجھ رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے، اس بات پر نہیں کہ دنیا کا کوئی غم ہے، بلکہ اس بات پر کہ میں نے اپنی عمر یونہی گنوا دی، اُخروی زندگی میں نجات کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔ سب حاضرین بیک زبان دل داری کر رہے ہیں کہ حضرت! آپ تو ایک آفتاب عالم تاب ہیں کہ جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے، جس نے لاکھوں افراد کو راہ حق دکھائی ہے، آپ نے فلاں فلاں کتب تصنیف کی ہیں جو یقیناً قبول حق بھی ہیں حضرت رحمہ اللہ روتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ: ”کچھ نہیں کیا، محض صفحے کا لے کیے ہیں، آخرت کے لیے میرے پاس کچھ نہیں، وہاں خالی ہاتھ جا رہا ہوں“۔ تمام موجود اولاد سے ملتجیانہ فرما رہے ہیں کہ: ”میں نے حتی المقدور تم لوگوں کی آسائش کے سامان فراہم کیے، میرا تم پر صرف یہ حق ہے کہ ہر روز ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر مجھے بخش دیا کرو تا کہ میری اُخروی زندگی آسان ہو“۔ (۱۱۵۹)

(۲۴)۔ آپ حضرات کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہیں؟

جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی صاحب رقمطراز ہیں:

آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت و استر شاد اور انکی

صحبت کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے نام و نمود اور شہرت پسندی سے بے نیاز کر دیا تھا۔

ایک مرتبہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے ارباب حل و عقد کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ کو وعظ کی دعوت دی گئی، آپ یہ سمجھتے تھے کہ مولانا احتشام الحق صاحب کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن مدعوین کا اصرار تھا، حضرت نے فرمایا کہ: ”آپ حضرات کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہیں؟ مولانا احتشام الحق صاحب کی تقریر کی موجودگی میں میری کیا ضرورت ہے“۔

اہل درخواست حضرات نے عرض کیا کہ:

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مدظلہ کو وعظ کے لیے اور آپ کو برکت کے لیے لے جانا چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو میں حاضر ہوں۔“
(ص ۱۱۹۳) (۲۵) (۲۵) کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ یہ پاکستان کا مفتی اعظم ہے؟
شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ رابسن روڈ کے مطب میں میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ مطب کے سامنے سے اس حالت میں گزرے کہ ان کے دائیں طرف کوئی آدمی تھا اور نہ بائیں طرف، بس اکیلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں کوئی برتن اٹھایا ہوا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا یہ صاحب جو جا رہے ہیں، آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ پاکستان کا ”مفتی اعظم“ ہے؟ جو ہاتھ میں پتیلی لیے جا رہا ہے، اور ان کے لباس و پوشاک سے، انداز و اداسے، چال ڈھال سے کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں
(اصلاحی خطبات جلد ۵ ص ۳۷)

(۲۶)۔ اس طرح کا ایک اور واقعہ۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کے حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ تواضع اور سادگی کا یہ وصف اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ جانشین حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ بھی اپنے علمی و عملی مقام بلند کے باوصف نہ صرف اپنا بلکہ محلہ کے بے سہارا افراد اور عزیزوں رشتہ داروں کا کام خود کیا کرتے تھے اور آپ کو کسی کام سے عار نہ تھی، یہاں تک

کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے غایت شفقت کی بناء پر آپ سے فرمایا:

بھئی مولوی صاحب ادارہ العلوم دیوبند کے مفتی ہو گئے ہیں، اس منصب کا بھی کچھ خیال کیا کریں، اب آپ کو پتیلی ہاتھ میں لیکر بازار میں نہیں پھرنا چاہیے۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ ”حضرت مدنی قدس سرہ کی اس تنبیہ پر مجھے خیال ہوا کہ میں واقعہ اس منصب کی حق تلفی تو نہیں کر رہا، لیکن میرے اساتذہ ہی میں سے کسی نے حضرت مدنی قدس سے فرمایا کہ، پہلے مفتی صاحب (یعنی مفتی عزیز الرحمن صاحب) کا حال بھی تو یہی تھا۔“

اس پر حضرت مدنی نے تبسم فرمایا۔ گویا فرما رہے ہوں کہ سادگی اور تواضع کی یہ ادا محبوب تو بہت ہے۔ البتہ لوگوں کے مزاج چونکہ بگڑ گئے ہیں، اس لیے قدرے احتیاط کی ضرورت ہے۔ (اکابر علماء دیوبند کیا تھے ص ۶۵)

(۲۷) ”میرے ایسے نصیب کہاں تھے....؟“

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اپنے سفر ہندوستان کی روئیداد میں تحریر فرماتے ہیں:

اور ہم (حضرت گنگوہیؒ) کی خانقاہ سے رخصت ہو کر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے پوتے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا مکان خانقاہ کی پشت پر واقع ہے۔ حضرت مولانا نے انتہائی شفقت و محبت کا برتاؤ فرمایا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے پاس ان کے آخری ایام علالت میں حضرت حکیم صاحب موصوف کا ایک گرامی نامہ آیا تھا، حضرت والد صاحب اس وقت خود جواب لکھنے سے معذور تھے، اس لیے احقر کو جواب لکھنے کا حکم دیا، احقر کو جواب لکھنے میں کچھ اپنی غفلت اور کچھ مصروفیت کی بنا پر ایک دن کی تاخیر ہو گئی، چنانچہ اگلے روز حضرت والد صاحب نے اس کے جواب کے بارے میں

پوچھا تو احقر نے جواب دیا کہ ”ابھی تک جواب نہیں لکھ سکا، انشاء اللہ آج لکھ دوں گا۔“ اس پر آپ نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”بندہ خدا! اس کام کو تو سب سے مقدم سمجھ کر کرنا تھا، تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کس کا خط ہے؟ میرے ایسے نصیب کہاں تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے پوتے کا خط میرے نام آتا“ اور یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔ اگرچہ حضرت حکیم صاحب موصوف نے دارالعلوم میں حضرت والد صاحب سے پڑھا ہے، اور وہ اپنے آپ کو حضرت کاشاگرد ہی کہتے ہیں، لیکن حضرت گنگوہی کی نسبت سے حضرت والد صاحب ان کے ایسا معاملہ فرماتے تھے جیسے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے ساتھ۔ (جہان دیدہ ۵۲۸)

(۲۸) یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہو سکتا۔

آپ کے بھانجے محترم مولانا محمد فہیم عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب کی یہ عظمت اس وقت اپنی انتہائی بلندیوں کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم انسان ہونے کے باوجود آپ فروتنی اور انکساری کا پیکر تھے۔ حضرت کی فروتنی اور انکساری کا بھی ایک روح پرور منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

حضرت مفتی صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں جب تک قیام رہتا شام کے وقت ادارہ اسلامیات ضرور تشریف لاتے تھے۔ مشتاقان زیارت کا بھی شام کے وقت وہیں ہجوم رہتا۔ ایک روز ایسی ہی ایک شام راقم الحروف بھی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب کسی کا فون نمبر ملا رہے ہیں، کال ملی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی (مشہور اہلحدیث عالم دین) سے گفتگو مقصود ہے، رابطہ قائم ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے گفتگو شروع کی تو سننے اور دیکھنے والے حیرانی سے تک رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے طرزِ مخاطب سے ایسا اندازہ ہوتا تھا جیسے کوئی بہت معمولی آدمی کسی بڑی ہستی سے مصروف گفتگو ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرما رہے تھے: اگر آپ

اجازت مرحمت فرمائیں تو زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں“ دوسری طرف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں اسی کا اظہار ہو رہا تھا کہ ”آپ تکلیف نہ فرمائیں میں خود حاضر ہوتا ہوں“ اب مفتی صاحب کی طرف سے بار بار کہ میں خود حاضر ہو رہا ہوں، دوسری طرف مولانا داؤد غزنوی کو کسی طرح سے گوارا نہیں کہ حضرت تکلیف فرمائیں وہ اس پر بضد ہیں کہ آپ چند منٹ توقف فرمائیں، مجھے اپنی خدمت میں پہنچا ہی سمجھئے۔ بالآخر مولانا داؤد غزنوی نے اپنی ضد پر اصرار کرتے ہوئے مفتی صاحب کے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا اور تھوڑی دیر میں ادارہ اسلامیات میں کھڑے نظر آئے۔ اب دونوں کی ملاقات کا منظر بڑا دیدنی تھا، ایک دوسرے کے آگے بچھے جا رہے تھے، معانقہ کے بعد کرسیوں پر آئے سامنے بیٹھے تو دونوں ہی اسی طرح مودب کہہ دیکھنے والا حیران۔ شاید کوئی شاگرد بھی اپنے استاد کے سامنے اس طرح بیٹھتا ہوگا۔ بات چیت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نے مولانا داؤد صاحب کے بارے میں کوئی خواب دیکھا وہ سنانا مقصود تھا، پورا خواب تو اب میرے ذہن سے نکل گیا، اتنا یاد ہے کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں روضہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری اور سلام پیش کرنے کا ذکر تھا۔ حضرت مفتی صاحب جواب سناتے جا رہے تھے اور مولانا غزنوی کی آنکھوں سے فرط جذبات سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بیان کرتے کرتے مفتی صاحب کی آواز بھڑا گئی۔ ان دونوں حضرات کی یہ کیفیت دیکھ کر ارد گرد بیٹھے ہوئے تقریباً ہر شخص پر رقت طاری تھا۔ یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہو سکتا۔ (بیس علماء حق ص ۲۸۴)

(۲۹) ”میں نے انہیں خشیت الہی سے لرزتے اور کانپتے دیکھا۔“

مولانا کوثر نیازی مرحوم آپ کے تذکرہ میں یوں رقمطراز ہیں:

علم ظاہر سے تو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں کتنے ہی لوگوں کو سرفراز فرمایا مگر وہ ہستیاں ہر دور میں خال خال ہی نظر آتی ہیں جو علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن سے بھی آراستہ ہوں۔

حضرت مفتی صاحب کی ذات لاریب اسی دوسرے گروہ میں شامل تھی وہ حکیم الامت حضرات مولانا اشرف علی تھانوی کے باقاعدہ خلیفہ مجاز تھے، بہت سے لوگ ان سے بیعت بھی تھے مگر معروف پیروں کا انداز انہیں چھوٹک نہیں کیا تھا وہ عقیدت مندوں کی محفل میں بھی اس تواضع اور عاجزی سے بیٹھتے تھے جیسے ان میں سے ہر ایک ان کا پیر ہے، کبھی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور دوسروں پر ٹھونسنے کی ادنیٰ سی جھلک بھی اپنی سینکڑوں حاضریوں میں نہیں پائی۔ تنہائی میں جب کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا میں نے انہیں خشیت الہی سے لرزتے اور کانپتے دیکھا، غیبت اور گلے کا ان کی محفل میں کیا گزر! ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ ضرورت دینی سے تنقید بھی کرتے تو اس اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ کہ اگلے کی تنقیص کے بجائے خیر خواہی کا رنگ پیش نظر رہتا۔ ”دیوبندی ہی نہ تھی دیوبند کے شیوخ میں سے تھے لیکن دوسرے مسلک کے اکابر کا ہمیشہ احترام کرتے، میں نے بارہا ان کی زبان سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے عشق رسول ﷺ کا اقرار و اعتراف سنا۔

کراچی کے دودینی دارالعلوم بہت پائے کے ہیں ایک آپ کا قائم کردہ، دوسرا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کا جاری کردہ۔ فتنہء معاصرت ایسی بری چیز ہے کہ کم ہی لوگ ہر دور میں اس سے محفوظ رہے مگر محبت و محبوب کے جو تعلقات ان دونوں بزرگوں کے مابین قائم دیکھے کم ہی ان کی مثال کہیں اور دیکھنے میں آئی ہے اور یہ نتیجہ تھا صرف اور صرف ذوق تصوف اور تزکیہ باطن کا جس کے بعد دل میں بغض و حسد اور عداوت و رقابت کے روگ راہ ہی نہیں پاتے۔

(بیس علماء حق ۲۹۱)

(۳۰) ”یہ مولوی عبدالحکیم مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں۔“

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

”ہزاروں مریدین میں کوئی ایک ایسا بھی مرید ہوتا ہے جو اپنے شیخ سے بڑھ جاتا

ہے، لیکن یہ بہت قلیل ہوتا ہے، پھر (اپنے خلیفہ مجاز) مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروٹی کی

طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ مولوی عبدالحکیم مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں، جب یہ موجود ہوا کریں تو مجھ سے دعا کرانے کے بجائے ان سے دعا کے لئے کہا کرو۔“

(کاروان تھانوی ص ۲۵۸)

مجاہد ملت حضرت مولانا اطہر علی سہلٹی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کے واقعات۔

(۱) ”باوجود خدام کے موجود ہونے کے حضرت بنوریؒ کے پاؤں دبائے۔“

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث جناب مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محدث العصر حضرت علامہ یوسف بنوریؒ گنج تشریف لائے حضرت نے موصوف کی بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا۔ علامہ موصوف جب رات کو آرام فرما ہوئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ باوجود یکہ خادم خدام موجود ہیں مگر خود حضرت رحمہ اللہ انکے پیردبانے لگے اور

موصوف بلا جھجک آرام فرماتے رہے لیکن تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آپ نے حضرت رحمہ اللہ کے پیردبانہ شروع کر دیئے۔ تو بحیثیت مہمان ہونے کے آپ نے اس سے انکار کیا مگر انہوں نے نہیں مانا۔ اس قسم کا بے تکلفانہ اور عقیدت مندانہ واقعہ آپ کی زندگی میں صرف ایک ہی نہیں بلکہ بکثرت ہیں۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ یہ حضرات مختلف ممالک اور مختلف مقامات کے رہنے والے تھے لیکن عقیدت و محبت اور تعلق قلبی کے اعتبار سے گویا مختلف القالب اور متحد القلب تھے، ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے ہمیشہ ایک دوسرے سے زیارت و ملاقات کرتے تھے۔ ہر اہم معاملہ میں ایک دوسرے کو بے تکلفی کے ساتھ نرم و گرم سخت و سست کلمات کہنے سے ہی گریز نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کی غمی و خوشی میں برابر شریک ہوتے رہتے اور دعائیں دیتے۔ (حیات اطہر ص ۱۸۲ تا ۱۸۵)

(۲) ایک عبرت آموز واقعہ۔

جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کا بیان

ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ آپ ہمیشہ اساتذہء جامعہ کو جمع کر کے نصیحت فرمایا کرتے۔ انکی غلطی پر کبھی کبھی بلا تعین عام طور پر قدرے سخت و سست کلمات استعمال فرماتے۔ آپ کا یہ طرز اصلاح بعض اساتذہ کو ناگوار گزرتا۔ لیکن آپ کے سامنے لب کشائی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضرت! سب اساتذہ تو قصور وار نہیں۔ لہذا بلا تعین سب کو برا بھلا کہنے میں جو خطا سے بری ہے اسے ناگوار گزرتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور ساتھ ساتھ اپنے اس عیب کی اصلاح کے درپے ہو گئے۔ مولانا موصوف سے فرمایا کہ کس انداز پر بات کی جائے اس سلسلہ کا ایک نوٹ پیش کر دیجئے تاکہ اُسے دیکھ کر باتیں کر سکوں۔ آخر مولانا موصوف نے دفعات ستہ پیش کئے تو حضرت رحمۃ اللہ نے انہیں کاتب کے ذریعے تحریر کروا کر اس میز پر چپکا دیا جسکو سامنے رکھ کر آپ مجلس الاساتذہ میں خطاب فرماتے تھے تاکہ اساتذہ سے باتیں کرتے وقت اسے سامنے رکھ کر باتیں کر سکیں۔ یہ تھا آپ کے اخلاص وللہیت اور خدا ترسی کا ایک ادنیٰ نمونہ۔ (بحوالہ بالا ص ۱۹۶-۱۹۷)

(۳) ”اپنے ہاتھوں سے نالے صاف کئے۔“

آپ کی حکمت عملی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر کسی سے کوئی کام لینا منظور ہو تا تو آپ سب سے پہلے اس کام میں لگ جاتے۔ کام کتنا مشکل کیوں نہ ہو آپ مطلقاً اس کی پرواہ نہ کرتے۔ حتیٰ کہ نالے گندگی دور کرنے میں بھی سب سے پیش پیش رہتے اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ طلبا اساتذہ اور معتقدین حضرات بطیب خاطر سب کے سب اس طرح شریک کار ہو جاتے کہ آپس میں مسابقت شروع ہو جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسٹیشن روڈ کے نالے میں گندگی جمع ہو کر لوگوں کو کافی تکلیف پہنچ رہی تھی خصوصاً شہیدی مسجد کے مصلیوں کو، تو آپ نے بذات خود سب سے پہلے صفائی کا کام انجام دینا شروع کیا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر طلبہ اساتذہ اور عام مصلی بیٹھے نہ رہ سکے۔ سب کے سب شریک کار ہو

کرتھوڑے ہی وقت میں تمام نالہ صاف کر دیا اور سب لوگوں کو تکلیف سے نجات مل گئی۔
(ص ۲۱۰-۲۱۱)

(۴) تواضع و فنایت کے عجیب واقعات۔

تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو بالکل لاشیٰ اور ہیچ سمجھ کر تواضع اختیار کرے۔ اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ اس کی اصل مجاہدہ نفس ہے۔ کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے ”خاکسار“، ”نیازمند“، ”ذرہ بے مقدار“ کہے۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو۔ اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے۔ اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر نہ ہو، تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے۔ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری امر ہے۔ البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ کے لیے تواضع اختیار کرنے کی بڑی فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

من تواضع لله رفعه الله - انا عند المنكسر قلوبهم

(ترجمہ) جو شخص اللہ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مقام و مرتبہ کو بلند کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے (تلاش کرو) ان لوگوں کے پاس جو متواضع اور ٹوٹے ہوئے دل والے ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔

فرونتی است دلیل رسیدگان کمال کہ چون سوار بمنزل رسد پیادہ شود

تفصیلات ماسبق کے پیش نظر اگر حضرت۔۔۔ کی زندگی پر نظر کی جائے تو آپ سر اپا متواضع نظر آتے ہیں عبرت کے لیے دو چار واقعے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) جامعہ امدادیہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب زید مجدہ، کا بیان

ہے کہ میں جب بھی آپ کی سوانح عمری مرتب کرنے کے سلسلے میں آپ سے اجازت مانگتا تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ انکار فرمایا کرتے۔

(۲) جامعہ کے سابق کے استاد جناب ماسٹر عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت فرمایا کرتے کہ سوانح تو آدمی کی مرتب کی جاتی ہے۔ میں تو آدمی نہیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ مجھے کیڑے مکوڑے کھالیا کریں۔

(۳) جامعہ امدادیہ کے استاد جناب مولانا عبدالسبحان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت نماز مغرب کے بعد شہیدی مسجد کے اندر آواہین پڑھ رہے تھے۔ پیچھے سے ایک شخص نے راحت رسائی کے لیے پنکھا شروع کر دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت نے اُسے ڈانٹا اور فرمایا کہ "خدا کا غلام ہوں، معبود کے سامنے کھڑا ہوں۔ کیا غلام کو معبود کے سامنے اتنی حیثیت ہے کہ اس کی خدمت کی جائے۔"

(۴) ایک مرتبہ کے مجمع عام میں حضرت نے فرمایا کہ تم مجھے اتنا بڑا خیال کرتے ہو۔ حالانکہ میں اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ سبحان اللہ! گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اسلاف کی تواضع اور کسر نفسی کا نقشہ اتار دیا۔ چنانچہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اپنے کو کتے سے بدتر ہونے کا خیال اظہار فرمایا۔

زمن دارد سگ نصرانیاں عار کہ ہست او بے گناہ و من گنہگار

”یعنی مجھے نصرانیوں کے کتے پر شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ بے گناہ ہیں اور میں گنہگار ہوں۔“ جب تک انسان اپنی خودی کو نہ مٹا سکے گا تب تک نہ مرتبہ فنائیت و کمال کو پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ اس قسم کی تواضع اختیار کر سکتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے۔

اسی طرح اور ایک شاعر کہتا ہے

جب خودی اپنی مٹایا تب خدا ہم سے ملا

تواضع کے اس مقام پر آدمی کو مدح و ذم یکساں نظر آتا ہے اسی کو مرتبہ فنائیت سے تعبیر کیا جاتا

ہے چنانچہ اسی مقام پر پہنچنے کے بعد قطب العالم امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کے گرامی نامہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت! میں ہی کون ہوں اور میری حالت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا اور میرے سامنے مادح اور ذام یکساں معلوم ہوتا ہے۔“

(۵) جامعہ کے سابق محدث حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ، فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قادری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۴ء میں جب بنگلہ دیش سفر کو تشریف لائے تھے۔ دوران سفر سلہٹ جانا ہوا اس وقت آپ نے بھی ہاتھ بڑھا دیا

اس پر میں نے سوال کیا کہ آپ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت ہونے کے باوجود دوبارہ کیوں بیعت ہو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کے پیر بھائی ہیں فرمایا کہ ”اگر وہ پار ہو جائے اور میں رک جاؤں تو ان کے وسیلہ سے میرا بیڑا ہی پار ہو جائیگا۔ یہ واقعات بلاشبہ آپ کی تواضع اور بے نفسی کی واضح دلیل ہیں۔ (ص ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ کے واقعات
(۱) ”صغائر نوازی کی عجیب مثالیں“

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:
حضرت بنوریؒ کی وفات یوں تو پوری ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن احقر اور برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم کے لئے یہ ایسا ہی ذاتی نقصان ہے جیسے مولاناؒ کے قریبی اعزہ کے لئے۔ اس لئے کہ وہ ہم پر اس درجہ شفیق اور مہربان تھے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کا بیان ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے بیس سال تک حضرت مولاناؒ کی صحبتیں عطا فرمائیں۔ صرف علمی محفلوں ہی میں ہی نہیں، نجی مجلسوں اور سفر و حضر میں بھی مولاناؒ کی معیت نصیب ہوئی۔ مولاناؒ کی شفقتوں کا عالم یہ تھا کہ وہ ہماری کمسنی کا لحاظ

کرتے ہوئے خود بھی بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں حضرت والد صاحبؒ اور مولاناؒ نے مشرقی پاکستان کا ایک ساتھ تبلیغی سفر کیا، یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا۔ سلہٹ میں ہمارا قیام مجد الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے محی السنۃ صاحب کے یہاں تھا۔ سلہٹ بڑا سرسبز اور شاداب اور خوبصورت علاقہ ہے، لیکن یہاں پچھنے کے بعد مسلسل علمی اور تبلیغی مجلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ جس کمرے میں آ کر اترے تھے، وہاں سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا، یہاں تک کہ جب اگلے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحبؒ نے اسی کمرے میں اپنے وظائف شروع کر دیئے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ ذرا مہلت ملے تو حضرت والد صاحبؒ سے اجازت لے کر کہیں ہوا خوری کے لئے باہر چلا جاؤں۔ مولاناؒ نے میرا یہ ارادہ بھانپ لیا اور خود ہی بلا کر پوچھا "کیا باہر جانا چاہتے ہو" مجھے مولاناؒ نے بے تکلف بنایا ہوا تھا، میں نے عرض کیا حضرت ارادہ تو ہے مگر آپ بھی تشریف لے چلیں تو بات بنے۔ بس یہ سننا تھا کہ مولاناؒ اپنے معمولات کو مختصر کر کے تیار ہو گئے اور خود ہی حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا ذرا میں تقی میاں کو سیر کرا لاؤں۔ چنانچہ باہر نکلے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک مولاناؒ اس ناکارہ کیساتھ کبھی چائے کے باغات میں، کبھی شہر کے اونچے اونچے ٹیلوں پر گھومتے رہے، سلہٹ کے علاقے میں نباتات اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ایک گرز زمین بھی خشک تلاش کرنی مشکل ہے۔ مولاناؒ جب کوئی خاص پودا دیکھتے تو اس بارے میں معلومات کا ایک دریا بہنا شروع ہو جاتا، اس پودے کا اردو میں یہ نام ہے عربی میں یہ نام ہے فارسی اور پشتو میں فلاں نام ہے، اور اس کے یہ یہ خصائص ہیں۔ غرض یہ تفریح بھی ایک دلچسپ درس میں تبدیل ہو گئی۔ مجھے بعد میں خیال بھی ہوا کہ مولاناؒ کے گھٹنوں میں تکلیف ہے، اور میں نے خواہ مخواہ مولاناؒ کو زحمت دی، چنانچہ میں نے کئی بار اپنی جسارت پر معذرت کی لیکن مولاناؒ ہر بار یہ فرماتے کہ "مناظر قدرت اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہیں اور انہیں دیکھ کر نشاط حاصل کرنے کا شوق انسان کا فطری تقاضا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں بھی ان مناظر سے محظوظ ہو

گیا“ اور پھر جتنے دن سہلٹ میں رہے، روزانہ فجر کے بعد یہ معمول بن گیا۔ مولانا کے زیر سایہ سہلٹ کی یہ سیر تفریح کی تفریح ہوتی، اور درس کا درس ہوتا، مولانا کو معلوم تھا کہ احقر کو عربی سے لگاؤ ہے۔ اس لئے مولانا اس دوران عربی ادب کے لطائف و ظرائف بیان فرماتے۔ نادر اشعار سناتے، شعراء عرب کے درمیان محاکمہ فرماتے، اور اس تفریح میں نظروں کے ساتھ قلب و روح بھی شاداب ہو کر لوٹتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم (مہتمم دارالعلوم کراچی) ڈھاکہ میں حضرت والد صاحب کے ساتھ تھے، مولانا بھی تشریف فرما تھے، مولانا نے خود بھائی صاحب سے فرمایا کہ چلو تمہیں چائگام کی سیر کرا لاؤں۔ چنانچہ والد صاحب سے اجازت لے کر مولانا اور بھائی صاحب ڈھاکہ چائگام روانہ ہو گئے۔ ریل میں جگہ تنگ تھی، اور ایک ہی آدمی کے لیٹنے کی گنجائش تھی۔ مولانا نے بھائی صاحب کو لیٹنے کا حکم دیا، لیکن بھائی صاحب نہ مانے، تو انہیں زبردستی لٹا دیا، اور خود ان کی ٹانگوں کو اس زور سے پکڑ کر ان کے پاؤں کی طرف لیٹ گئے کہ وہ اٹھ نہ سکیں، اپنے ایک شاگرد کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ نے حقیقی تواضع کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہو۔

(نقوشِ رفنگاں ص ۹۵، ۹۶)

(۲) ”عالی ظرفی، بے نفسی اور ایثار و اخفاء کے بے نظیر واقعات“

آپ کے خادم خاص حضرت مفتی احمد الرحمن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ویسے تو حضرت مولانا کے اخلاص، علو ظرف اور ایثار وغیرہ آپ کے ان مناقب عالیہ میں سے ہیں جن کا نہ صرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی چوبیس سالہ تاریخ کے ایک ایک واقعہ سے اظہار ہوتا ہے بلکہ اس یادگار نمبر کے تقریباً ہر مقالہ نگار کے مقالہ میں یہ درخشاں صفات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں تاہم چند ایسے بے نظیر واقعات ہیں جن کے اظہار نہ کرنے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حق تلفی کہا جاسکتا ہے۔

(۱) مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی نیوٹاؤن میں بنیاد رکھنے اور کام شروع کرنے کے بعد پہلا سال

نتہائی بے سروسامانی، کس پرسی، اور تہی دستی کا زمانہ تھا اس زمانے میں آپ جس قدر فکر مند رہے اور جو مشقتیں آپ نے برداشت کیں انکا حال آپ شروع میں پرھ چکے ہیں، مگر اس کے باوجود ایثار، بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ الف سے یا تک مدرسہ کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے مگر مدرسہ کا مہتمم بناتے ہیں حضرت حاجی محمد خلیل صاحب کو صرف ان کی پاک دامنی، نیک نیتی، اور للہیت کی وجہ سے اور اپنی کارکردگی کو چھپانے کی غرض سے ورنہ اندر باہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ مہتمم درحقیقت حضرت مولانا خود ہیں۔

(۲) قیام مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورہ حدیث شریف بھی شروع ہو جاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہو جاتا ہے تو اپنے ذی علم مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو انہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں۔ اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری شریف کی شہرت تھی اور تمام اہل علم اس کا اعتراف کرتے تھے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و تواضع کی اعلیٰ مثال ہے۔

(۳) جب حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی للہیت، خلوص، اور نیک نیتی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مدرسہ کو ظاہری، باطنی، اور مادی و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے انتہائی بام عروج اور اوج ترقی پر پہنچا دیا۔ اور یہ مدرسہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کی دنیائے علم و فضل میں بے نظیر جامعہ اور عظیم معہد علمی کی حیثیت سے منظر عام پر آ گیا تو بعض شہرت پسند اور جاہ پرست لوگوں نے چاہا کہ اس عظیم دینی ادارہ کی ترقی کو اور بام عروج تک پہنچانے کو اپنے کھاتہ میں کیوں نہ ڈالیں۔

لیکن حق تعالیٰ نے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو کس قدر عظیم حوصلہ اور عالی ظرف عطا فرمایا تھا اور شہرت و نام و نمود سے کس قدر متنفر بنایا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ کے سامنے اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوا تو کس قدر سکون اطمینان سے فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی اپنی طرف نسبت کرنے سے خوش ہوتا ہے تو کرنے دو ہم نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے

لئے کیا ہے۔“

سبحان اللہ! کس قدر عظیم ہے یہ بے نفسی، اور کس قدر عظیم ہے یہ عالی ظرفی، اور کس قدر عظیم ہے یہ خلوص کہ شہرت و نام و نمود کے شائبہ سے بھی پاک ہے اور کس قدر عظیم ہے یہ للہیت اور تعلق مع اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کو ”مہتمم“ یا ”صدر مدرس“ یا ”شیخ الحدیث“ کہایا لکھا جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ”واللہ میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں“ جلال میں آ کر فرماتے، اس تصور پر لعنت، پھر فرماتے کہ اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خام کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کروں گا۔
(”بینات“ حضرت بنوری نمبر ص ۲۳۰، ۲۳۱)

(۳) ”حقیقی عظمت“۔

ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔ کراچی۔ تحریر فرماتے ہیں۔

مولانا شہرت و عظمت کے جس بلند رتبہ پر پہنچ چکے تھے، اس نقطہ عروج پر پہنچ کر ایک ”غیر انسان“ اپنی رائے سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کرتا۔ مگر مولانا کی حقیقی عظمت یہی تھی کہ فی اعین الناس کبیراً (لوگوں کی نگاہ میں بڑے ہو کر ہمیشہ فی اعینی صغیراً) اپنی نگاہ میں چھوٹے) ہی رہے۔ انہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اپنے مخالف سے، وجہ مخالفت کے ہٹ جانے پر مل لینے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوتا۔ یہ ان کی بے نفسی اور صاف دلی کی کھلی علامت تھی۔ اس کا مشاہدہ راقم الحروف کو اپنی ایک سالہ ماہنامہ ”بینات“ سے وابستگی کے دوران خوب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ مسئلہ مشین کے ذریعہ جانوروں کے ذبیحہ کے جائز و ناجائز ہونے کا درپیش تھا۔ اس مسئلہ کو مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان (دہلی) نے اٹھایا تھا۔ اور اس کے جواز پر دلائل قائم کیے تھے۔ پاکستان میں بعض جلیل القدر اہل افتاء کا

رجحان (فیصلہ نہیں) اس کی تائید میں موصول ہوا تھا۔ مولانا بنوری کے سامنے جب یہ سب چیزیں آئیں تو وہ بھی غیر تحریری طور پر اس کے جواز کے مؤید ہو گئے۔ مگر ایسے میں مولانا مفتی محمود صاحب نے اس کے خلاف یعنی مشین کے ذبیحہ کے عدم جواز میں ایک مدلل تحریر مولانا کی خدمت میں بھیج دی۔ جب مولانا نے یہ دلائل پڑھ لیے تو اور فرما دیا کہ مفتی صاحب کے دلائل قوی ہیں۔ مشین کا ذبیحہ درست نہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ سنئے۔ راقم الحروف کی ادارت بینات کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمن صدر اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی طرف سے سود کے جواز پر بعض تحریریں شائع ہوئیں۔ ”بینات“ نے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب اس علمی قوت سے کیا کہ وہ مضطرب ہو کر مولانا بنوری سے تنہائی میں ملاقات کے طالب ہوئے۔ ملاقات کا وقت متعین ہو گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے کہلویا کہ ان کے ساتھ صرف ان کے ماہنامہ ”فکر و نظر“ کے مدیر فاطمی صاحب ہوں گے۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ پھر آپ بھی بحیثیت مدیر ”بینات“ گفتگو میں شامل رہیں۔ چنانچہ مولانا کی قیام گاہ پر ہم چاروں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ مولانا نے نہایت مومنانہ صفائی اور قوت سے اپنا اختلاف پیش کیا۔ ڈاکٹر نے بڑی چابکدستی سے پہلے تو تاویلات کیں کہ اصل مضامین انگریزی میں تھے۔ مترجم نے بات کچھ سے کچھ کر دی۔ مگر جب احقر نے انگریزی الفاظ پر بھی گرفت کی اور مولانا پر ڈاکٹر صاحب کی فریب دہی واضح ہوئی تو پھر مولانا نے موعظت اور سختی دونوں پہلوؤں سے ڈاکٹر صاحب کا تعاقب کیا اور وہ یہ وعدہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اپنے ان خیالات سے رجوع کریں گے۔ اس وعدہ پر مولانا کا دل صاف تھا اور مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ نے یہ کیا تو ہمارا بے مزد مخلصانہ علمی تعاون آپ کے ادارے کے ساتھ رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو اپنے ادارہ میں آنے کی دعوت دی۔ مولانا پوری صاف دلی اور بشارت سے تشریف لے گئے اور ارکان ادارہ کو سارا واقعہ سنایا اور ڈاکٹر صاحب کے رجوع کر لینے پر کامل تعاون کا اعلان فرمایا۔ اس وقت مولانا ایسے مسرور تھے کہ ایک نادان دینی بھائی، جو ان سے بچھڑ گیا تھا، پھر آ ملا ہے۔ مگر

افسوس! کہ اس پروردہ مشیکن یونیورسٹی نے مولانا کے اخلاص کیے کی کوئی قدر نہ کی اور آخر وقت تک رجوع شائع نہ کر سکا۔ یہ اس کا کردار تھا۔ مگر ہمارے ممدوح کی رفعت انسانی اس واقعہ میں کس قدر عیاں تھی۔ (ایضاً ص ۴۳۱)

(۴) ”جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو شہرت کے لیے نہ کرو“۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمان صاحب رقمطراز ہیں:

مولانا شہرت طلبی کو سخت برا سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا جو شہرت کا سبب یا ذریعہ بن سکیں۔ حتیٰ کہ مدرسہ میں بھی کبھی کوئی جلسہ تقسیم اسناد یا دستار بندی منعقد نہ کیا۔ ختم نبوت کے قادیانی مسئلے میں مولانا مرحوم نے پورے ایک سو دن شب و روز کام کیا، اس میں بھی ان کا یہی طرز فکر تھا کہ جو کچھ کرو اللہ کے لئے کرو، شہرت کے لیے نہ کرو۔ اس زمانے میں بعض فرضی نام نہاد انجمنوں کے نام سے آپ کے خلاف مختلف اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کرائے گئے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ان اشتہارات کے بل کہاں سے اور کس مد سے ادا کئے گئے لیکن مولانا نے ان اشتہارات کا سرے سے کوئی نوٹس ہی نہ لیا اور کوئی جواب شائع کرانے کا انھیں خیال تک نہ آیا۔ وہ دین کے کام میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ان کے نزدیک ذاتی عزت و ذلت کی دین کے کام کے سامنے کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ دین کے راستے میں ہر سختی اور دشواری کو اپنے لیے رحمت اور سامان سفر سمجھتے تھے۔

(ایضاً ص ۴۵۱)

(۵) اولئک آبائی فجئنی بمثلہم

مولانا محمد بدیع الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

علمی و عملی کمالات کے باوجود حضرت شیخ میں بے حد تواضع و انکساری تھی۔ اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اپنے تلامذہ کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے کہ دیکھنے والوں کو احساس ہوتا کہ یہ تلامذہ نہیں بلکہ رفقاء ہیں۔ عفو و تسامح اور صبر و تحمل کی صفات میں دوسروں

کے لئے نمونہ تھے۔ جلال ایسا کہ آنکھ سے آنکھ ملانا مشکل کما قیل:

یدع الجواب فلا یراجع هیبه: والسائلون نوالحسن الا ذقان اور جمال و جاز بیت ایسی کہ مجلس سے اٹھنا گراں گذرتا، انہی خوبیوں کی وجہ سے عوام و خواص کے قلوب غیر شعوری طور پر ان کی طرف مائل ہوتے۔ چند دن گزرے کہ مسٹر جسٹس افضل چیمہ صدر اسلامی نظریاتی کونسل حضرت شیخ کی تعزیت کے سلسلہ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے۔ انہوں نے تقریر میں بتایا کہ میں مولانا بنوری کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کے وسیع اخلاق سے بے حد متاثر ہوا۔ اس پر چیمہ صاحب نے سنایا کہ کونسل کا اجلاس جب اسلام آباد میں منعقد ہوا تو ایک دن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا بنوری میرے کمرے میں داخل ہوئے اور دروازے میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ بیٹھنے سے قبل دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ کراچی جب آپ تشریف لائے تھے تو آخری مرتبہ دعوت کے بعد آپ سے ملاقات نہ کر سکا اسکی معذرت چاہتا ہوں۔

۲۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے مدرسہ میں آپ کو لے جاؤں گا۔ علالت کی وجہ سے آپ کو مدرسہ نہ دکھا سکا، اس کی معذرت چاہتا ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع اور کیسے اخلاق عالیہ کا مظہر تھے، جو دو کرم اور مروّت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ درخواست کی کہ حضرت والا رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر ہماری مسجد میں کچھ بیان فرمائیں۔ بلا تکلف درخواست قبول فرمائی۔ حسب وعدہ تشریف لا کر نہایت موثر وعظ فرمایا۔ واپسی کے لئے بندہ گاڑی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلا۔ ادھر سے حضرت شیخ پیدل روانہ ہو کر نیوٹاؤن پہنچ گئے۔ بندہ کو اس پر بے حد ندامت و شرمندگی ہوئی۔ معذرت کے لئے حاضر ہوا ہو تو خندہ پیشانی سے فرمایا کوئی حرج نہیں پیدل آنے میں زیادہ ثواب ملے گا۔

اولئك آبائي فجئني بمثلهم

(ایضاً ص ۵۱۸)

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلوی رحمہ اللہ کے واقعات

”تواضع و عبدیت سے متعلق حضرت کے ملفوظات طیبات“۔

فرمایا: فقراء اور اہل اللہ کی خاکروبی دولتندی کی صدر نشینی سے افضل ہے، یہ بات آپ کو آج سمجھ میں نہ آئیگی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں اس کی سمجھ عطا فرماوے ورنہ کل کو قبر میں سمجھ آ جائے گی، لیکن اس وقت سوائے حسرت کے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(ملفوظات طیبات ص ۹۶)

فرمایا: جو شخص یہ سمجھے کہ میں کچھ ہو گیا ہوں وہ کچھ بھی نہیں ہوا، اس راستہ میں انسان اپنی خودی اور دوئی مٹا کر آئے تب کام بنے گا۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک دن حضرت مولانا مرتضیٰ حسن و کچھ دیگر احباب بھی موجود تھے اور بندہ فقیر بھی حاضر تھا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن رحمہ اللہ نے عرض کی کہ حضرت! جو شخص ”خانقاہ امدادیہ“ میں آئے اور یوں سمجھے کہ میں کچھ ہو گیا ہوں وہ کچھ نہیں ہوا۔ آپ قدس سرہ کچھ لکھ رہے تھے سر مبارک اونچا کیا اور فرمایا ”ہاں“ (ایضاً ص ۶۱)

فرمایا: اللہ اللہ کرنے سے اس قدر ہستی اور ”میں“ مٹ جاتی ہے کہ بعض اللہ والے مسجد میں اکیلے نہیں آ سکتے۔ ان کو اپنے عیوب کی وجہ سے اتنا خوف خدا ہوتا ہے کہ کہاں میں گنہگار اور کہاں یہ مسجد، شاہی دربار۔ لہذا کسی آدمی کے ساتھ لگے لیٹے آتے ہیں کہ کہیں میرے غلط اعمال کی وجہ سے آسمان سے پتھر نہ برسنے لگ جائیں۔

نہ تھی جبکہ اپنے گناہوں کی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنے عیبوں پہ جب سے نظر تو نگاہ میں کوئی برانہ رہا۔

کئی اللہ والے پہلی صف میں بھی کھڑے نہیں ہو سکتے کہ پہلی صف تو مقربین کی ہوتی ہے اور میں گنہگار پہلی صف میں کیسے۔ پھر ان حضرات کو منعم کی پہچان، نعمت کی پہچان اور منعم الیہ کی پہچان آ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان میں شکر پیدا ہوتا ہے مثلاً ان حضرات کے پاس پانی آئے تو کہتے ہیں "سائیں! تیری مہربانی"، "دال روئی آئے تو" سائیں مہربانی"، "دودھ آ گیا تو حیران کہ اعمال تو میرے اس لائق نہ تھے، سائیں کیسی نعمتیں آئیں، کس ذریعہ سے آئیں، مجھ جیسے کو عنایت ہوئیں، پھر اگر دودھ میں کھانڈ (چینی) بھی ہو تو سچ مچ ندامت اور شرمساری کے ساتھ روتا رہے گا بلکہ بزبان حال عرض کرے گا۔

صدقے میں اپنے خدا سے جاؤں خیال آتا ہے مجھ کو اتنا

ادھر سے دمد گناہ پیہم، ادھر سے دمد پیارا تننا (ایضاً ص ۹۷)

فرمایا: حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ نے ایک کتے کے بچے کو کچھڑ میں پڑا ہوا دیکھا، سردی کا موسم تھا اس کو نکالا، صاف کیا، کپڑا لپیٹا، صبح کے وقت دھوپ میں چھوڑ دیا اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ آپ نے ایک کتے کے بچے پر احسان کیا تھا اس کے بدلے ہم نے آپ کا ایک عقدہ حل کر دیا ہے۔

ایک مدت کے بعد آپ کہیں تشریف لیجا رہے تھے اور اتفاق سے راستہ کے دونوں طرف پانی تھا، سامنے ایک کتا آ گیا جو کہ پانی سے گیلاتا تھا، شاہ صاحب نے ہٹانا چاہا تاکہ گیلے کتے کے چھینٹوں سے کپڑے پلید نہ ہوں، ان صاحب کشف حضرات کو جانوروں کی بولی بھی سمجھ آتی ہے، کتے نے عرض کی شاہ صاحب! اگر آپ کے کپڑے یا جسم میری ظاہری ناپاکی سے ملوث ہو بھی گئے تو یہ پانی کے لوٹے سے بھی پاک ہو سکتے ہیں، لیکن اگر آپ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں کتے سے بہتر ہوں تو یہ تکبر کی نجاست سات سمندروں سے بھی پاک نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فوراً پانی میں پاؤں رکھا اور کتے کو راستہ

فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کہ تجھے انسان تو بنادیا، پھر اندھا، گونگا، لنگڑا نہیں بنایا، کنجریوں کا پانڈی، بھنگی، شرابی وغیرہ بنادیتا تو کوئی اس کا کیا کر سکتا، شکر کر مسلمان، نمازی اور حضور اکرم ﷺ کا متی بنایا، کافر، یہودی، مشرک، بدعتی نہیں بنایا، حیوان اور درندہ وغیرہ نہیں بنایا۔

ایک بزرگ ایک گلی میں سے گزرنے لگے، قریب ہی ایک کتا آ گیا۔ بزرگ نے ایک طرف ہٹ کر سمٹ کر گزرنا چاہا۔ کتے نے بزبان حال کہا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کو رشوت دی تھی کہ تجھے انسان بنادیا اور میں نے رشوت میں کمی کی تھی کہ مجھے کتا بنادیا۔

سیرزاہد ہر مہے یک سالہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

(ایضاً ص ۹۸)

فرمایا: حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو کوڑے مارتے اور اپنے آپ کو تنہائی میں سمجھاتے۔ فرماتے: ”یا نفس اخلصی تخلصی“، یعنی اے معروف کرخی! اخلاص پیدا کر چک جائے گا۔

(ص ۹۹)

فرمایا: حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں کسی نے شکایت کی کہ حضور! فلاں شخص آپ کو نام لے کر گالیاں دیتا ہے۔ فرمایا: ”بھائی احمد علی دنیا میں بہت ہیں کسی اور کو کہا ہوگا۔“ (ایضاً ص ۹۹)

فرمایا: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی نور اللہ مرقدہ دہلی کی جامع مسجد میں بیٹھے تھے۔ ایک استاد نے کسی بچے کو گدھا کہہ دیا۔ اس پر ٹھنڈا سانس نکل گیا اور فرمانے لگے ”احمد سعید! انسانوں میں تو گدھا خصلت ایک تو ہی تھا، شاید کوئی اور بھی ہوگا۔“ (ص ۱۰۰)

فرمایا: حضرت جنید بغدادی کسی گلی میں گزرے۔ کسی نے نادانستہ طور پر گھر کی راکھ دیوار سے باہر پھینکی تو آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک پر آ پڑی۔ سر اور ڈاڑھی مبارک کو صاف بھی کر رہے تھے اور اپنے آپ کو کوس بھی رہے تھے کہ ”جنید! تو آگ کے لائق تھا، شکر کر کہ راکھ ڈالی گئی۔“

واقعات

(۱) ”جہاں ”میں“ ہو وہاں اللہ تعالیٰ کیسے؟“۔

ایک دفعہ قبلہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ مہمان خانہ کے صحن میں بیٹھے تھے، ایک ناواقف مہمان آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ عرض معروض کے بعد عرض کی کہ حضرت آپ کا مقام کیا ہے؟ یعنی آپ غوث ہیں یا قطب ہیں کیا مقام ہے؟۔ فرمایا بھائی! اللہ والا ایسی بات نہیں بتا سکتا۔ اصرار پر فرمایا کہ کیسے بتائے کہ میں فلاں ہوں، جس کے دل میں پھر زبان پر ”میں غوث“، ”میں قطب“ آ سکتا ہے اس کے دل میں تو ابھی تک ”میں“ ہے اور فلاں ہے۔ جہاں ”میں“ ہو وہاں اللہ تعالیٰ کیسے؟ یا خانہ خالی خواہد (ملفوظات طیبات ص ۹۶)

(۲) ”کمال انکساری“۔

ایک موقع پر تونسہ شریف سے واپس آتے ہوئے شیر شاہ اسٹیشن پر گاڑی کے منتظر تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آیا، ایک مسجد میں گئے، ایک اور آدمی بھی نماز میں شریک ہوا، نماز کے بعد اس شخص نے بندہ (مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرتب کتاب ہذا) سے پوچھا کہ کیا تو ان کا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کی کہ نہیں، میں تو ان کا نوکر ہوں۔ قبلہ حضرت جی مصلیٰ پر بیٹھے تھے۔ رو پڑے اور فرمایا ”نہیں بھائی! یہ میرا رفیق ہے“۔ (ایضاً ص ۹۸)

(۳) ”میں تو بہت گنہگار ہوں کسی سے میری غلط تعریف سن کر بھول رہے ہو“۔

بیعت ہونے کے لئے لوگ درخواست کرتے تو جواباً فرماتے کہ ”میاں! کسی نیک آدمی کی بیعت ہو جاتے تو اچھا تھا، میں تو بہت گنہگار ہوں، کسی سے میری غلط تعریف سن کر بھول رہے ہو“ اصرار پر فرماتے اچھا میاں تیری مرضی، پھر بیعت فرماتے۔ (ص ۹۸)

(۴) ”جہاں گندگی ہوتی ہے مکھی آیا ہی کرتی ہے“۔

قبلہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ آخری ایام علالت میں چار پائی پر آرام فرماتے تھے۔

کچھ مہمان بھی حاضر خدمت تھے۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب ساتھ ہی چٹائی پر بیٹھے ہوئے آپ قدس سرہ کے جسم مبارک خاص کر چہرہ انور سے مکھی وغیرہ ہٹانے کے لیے کپڑا ہلارہے تھے۔ مکھی کی عادت ہے کہ جہاں سے ایک دفعہ ہٹاؤ بار بار وہیں آ کر بیٹھتی ہے، مکھی کے بار بار اصرار اور حضرت شاہ صاحب کے ہٹانے پر آپ نے فرمایا کہ کیا ہے مکھی ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے عرض کی جی حضور مکھی ہے۔ فرمایا کہ ”ہاں جہاں گندگی ہوتی ہے مکھی آیا ہی کرتی ہے۔“ (ص ۹۸)

(۵) ”بھائی! مجھ میں کوئی ایسا نقص ہوگا دعا کرو پہلے میری اصلاح تو ہو جائے۔“

شہر ”شاہ جمال“ ضلع مظفر گڑھ آپ بغرض تبلیغ تشریف لے گئے۔ محمد صادق قصاب جو کہ بزازی کرتا تھا۔ قبلہ حضرت جی قدس سرہ سے بیعت تھا، اتنی مدت تعلق آمد و رفت کے باوجود نماز نہیں پڑھتا تھا یا بہت کم پڑھتا تھا، رات کو بندہ غلام مصطفیٰ نے قبلہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت! ہمارا پیر بھائی محمد صادق کافی مدت سے بیعت ہے، خدمت میں آتا جاتا بھی ہے، نہ تو اس نے ڈاڑھی رکھی ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے۔

قبلہ حضرت جی قدس سرہ نے محمد صادق کی طرف دیکھ کر ٹھنڈا سانس لیکر فرمایا:
 ”بھائی! مجھ میں کوئی ایسا نقص ہوگا دعا کرو پہلے میری اصلاح تو ہو جائے۔“ (ص ۹۸)
 (۶) ”اپنی تعریف اور کسی کی تنقیص سن کر رقت طاری ہو جانا۔“

حضرت مہمان خانہ میں چند مریدوں میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب کھڑے پنکھا ہلارہے تھے۔ کچھ دیر بعد فرمایا بس کرو، بیٹھ جاؤ، لیکن بوجہ گرمی حضرت شاہ صاحب مسلسل مصروف خدمت رہے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ پھر نہ آؤ گے؟ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضرت! میں تو اس در کا غلام ہوں، بس یہ لفظ سنتے ہی قبلہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہ زار و قطار رونے لگے، کیونکہ حضرت کی عادت

مبارک تھی کہ اپنی تعریف اور کسی کو تنقیص کے کلمے نہ سن سکتے تھے، سنتے ہی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ (ص ۹۹)

(۷) ”میں تو ناکارہ ہوں مگر حضرت تھانوی قدس سرہ ک توہین ناقابل برداشت ہے“ ایک مرتبہ مولانا محمد لقمان صاحب علی پوری رحمہ اللہ نے عرض کی کہ حضرت افلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایسے ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ ساری تفصیل سن کر فرمایا: ”بھائی! میں کا نا ہوں میرے بارے میں تو جس نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا، البتہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توہین ناقابل برداشت ہے“ پھر حضرت جی قدس سرہ نے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے واقعات و کمالات سنائے، خود بھی روتے رہے اور باقی مجمع بھی روتا رہا۔ (ص ۹۹)

(۸) ”دورہ تفسیر کے اختتام پر طلبہ سے معافی مانگنے کا اہتمام۔“

ہر سال الوداعی تقریب میں حضرت اقدس رحمہ اللہ دورہ تفسیر قرآن حکیم کے آخر میں طلبہ سے دو ماہ کی خدمت میں کوتاہی کی معافی ایسے منکسرانہ اور عاجزانہ انداز میں مانگتے تھے کہ بڑے سرکش اور شریر طلبہ کی دھاڑیں نکل جاتی تھیں۔

حضرت اقدس خود بہت گریہ فرماتے، جب تک طلبہ زور زور سے ”معاف ہے“ نہ کہتے آپ ہاتھ باندھ کر روتے رہتے۔ (انوار بہلویہ ص ۲۳)

(۹) ”بے نفسی و فنائیت کے عجیب واقعات۔“

آپ کے خادم اور مسترشد خاص ماسٹر محمد عمر صاحب آپ کے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس بہلوی قدس سرہ العزیز کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کبھی آپ نے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں فرمایا جس میں اپنی تعریف کی بو آتی ہو، حب جاہ کا یہاں سرکٹا ہوا تھا۔

آپ کی خدمت میں ہر سال دورہ تفسیر میں سینکڑوں علماء فضلاء رمضان المبارک

میں دورہ تفسیر پر ہتے تھے لیکن وہاں بھی کس نفسی، عاجزی اور مسکینی کا اس طور پر اظہار فرماتے جس سے علماء دم بخود رہ جاتے۔ ایک دفعہ درس قرآن کے بعد سب علماء کے سامنے فرمایا: ”بھائی! میری کم عقلی اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ ایک دن شیخ سعدی رحمہ اللہ کی ”کریمہ“ کے ایک شعر کا معنی بھی نہیں آتا تھا“

ابدالی مسجد میں جمعہ کے خطبہ سے قبل مولوی غلام علی مرحوم خطیب ابدالی مسجد نے آپ کا تعارف کرایا اور ”مخدوم العلماء، شیخ طریقت اور شمس العارفین“ کے القاب دیئے۔ آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: ”بھائی! میں تو ایک دیہاتی بوڑھا اور آپ کا قریبی ہمسایہ ہوں، یہ لمبی لفافہ اور لیکچراری کا قائل نہیں، آپ لوگوں کی دعا حاصل کرنے اور تم نیک لوگوں زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“

رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں عوام کا غفیر تھا، لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، مصافحہ کے لئے جگہ ملنا محال تھا، آپ ہر ملنے والے کو فرماتے: ”بھائی! میرے حسن خاتمہ کی دعا کرنا میرا حال تو پتلا ہے۔“

حضرت اقدس میں کسی تصنع یا وقتی مصلحت بنی کا دخل نہیں تھا، آپ وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے تھے، کوئی شخص عرض کرتا حضرت! مجھے بیعت کریں، فرماتے ”دنیا میں بیعت کے لائق میں ہوں“

ایک دفعہ آپ کے دانت میں سخت درد پڑ گیا، خانگڑھ سے چند احباب بھی حاضر تھے، حضرت نے سب کو نیاز مندی سے فرمایا ”میرے دانت میں درد رہے کوئی پھونکا مارتے جائیں شاید تم نیک لوگوں کی پھونک سے آرام آ جائے۔“

ایک دفعہ بہل شریف شدید گرمیوں میں آپ کتب تفسیر کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ ایک طالب علم حضرت اقدس کے سامنے سے گذرا، آپ نے طالب علم سے پوچھا کوئی جو ارباجرا کی ایک روٹی پڑی ہے؟ طالب علم نے اثبات میں جواب دیا، طالب علم کو فرمایا ”اپنا تبرک مجھے کھلاؤ“، وہ ایک روٹی (غالباً باجرہ کی) لے آیا، آپ اسے کھاتے رہے، پھر تین

چار لقمے بچ گئے تو بندہ ناکارہ اور حاجی محمد حیات خان کو عنایت فرمائے کہ یہ طالب علموں کا تبرک ہے اس کو کھالیں، شاید انہیں ٹکڑوں کے کھانے سے بخشے جائیں۔

(انوار بہلویہ ص ۲۵ تا ۲۷)

(۱۰) علماء کا احترام۔

حضرت اقدس علماء کرام کے ساتھ بہت اکرام کے ساتھ پیش آتے، گھر سے خصوصی کھانے کا انتظام فرماتے، رخصت کے وقت علیٰ قدر مراتب مصافحہ و معانقہ کے بعد مشایعت رخصت کرنے کے لئے بیرون خانقاہ تک الوداع فرماتے۔ آپ فرماتے:

”جس طرح تم کمشنر کپتان سے ڈرتے ہو میں اسی طرح ان اللہ والوں اور علماء

سے ڈرتا ہوں۔“

مدرسہ احياء العلوم عید گاہ مظفر گڑھ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عمر صاحب تشریف لائے، نماز عصر کے وقت بندہ نے جائے نماز پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا ”ان علماء کے سامنے مجھے ممتاز بٹھاتے ہو، ادب کرو“

نماز کے وقت حضرت مولانا محمد عمر صاحب نے عرض کیا حضرت! نماز پڑھائیں، حضرت اقدس نے فرمایا آپ پڑھائیں، عرض کیا حضرت! میں مسافر ہوں نماز قصر پڑھوں گا، حضرت اقدس نے عرض کیا مولانا! آپ ہی نماز پڑھائیں ہم مقیم نماز مکمل کر لیں گے۔ پھر فرمایا: ”بھائی تم عالموں کو نماز پڑھاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے“ (ص ۲۹)

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب (ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) کے واقعات:

(۱) بھنگلی سے معافی مانگنے کا واقعہ۔

آپ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مکان تشریف لیجا کر گھر کی ضروریات

(تذکرہ الصدیق جلد دوم ص ۲۹۵)

(۲) ”ارے بھائی! تم غلط جگہ آ گئے ہو“۔۔۔۔۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بار بار دیکھا گیا کہ ایک آدمی حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں آ کر بیعت کی درخواست کر رہا ہے اور حضرت اس سے فرما رہے ہیں اور بار بار و باصرار، اور دوسروں سے بھی اس کو کہلا رہے ہیں اور سمجھانے کو کہہ رہے ہیں:

” ارے بھائی! تم غلط جگہ آ گئے ہو، تم میرے پاس نہیں شیخ کے پاس آئے ہو، وہی بزرگ اور بڑے ہیں، ان کے پاس جاؤ اور ان کو بتاؤ اور شیخ کے پاس لے جاؤ وغیرہ“

(بحوالہ بالا ص ۳۰۰)

(۳) اپنے شاگرد اور مرید کے بارے میں فرمانا کہ ”میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں۔“

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی صاحب رحمہ اللہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ عربیہ، تورا کے ایک قدیم طالب علم اور حضرت کے محب و مخلص مولانا اظہار الحق صاحب (صدر المدرسین اشرف العلوم کنھواں، سینٹا مڑھی بہار) کا بیان ہے کہ میں جب ”مظاہر علوم“ کا طالب علم تھا، ایک سال رمضان میں حضرت تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات کے بعد حضرت ناظم صاحب کے پاس پہنچے، ہم بھی ساتھ تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اس وقت آرام فرما رہے تھے، ہم سب (بشمول حضرت) پاؤں دبانے لگے تو حضرت ناظم صاحب نے قاری گورا صاحب سے دریافت فرمایا:

حافظ صدیق صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا پاؤں دبار ہے ہیں، فرمایا: ”پاؤں دبار ہے ہیں؟ میرے اوپر حق ہے کہ میں ان کے پاؤں دباؤں۔“

ناظم صاحب نے تو یہ فرمایا اور ہمارے حضرت تواضع سے جھکے جا رہے تھے اور بار بار فرما رہے تھے ”حضرت ایسا نہیں“، ”حضرت ایسا نہیں“۔ (حوالہ بالا ص ۳۴۴)

قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”لوگ ناموں میں لگ گئے ہیں اور کاموں سے کوسوں دور چلے گئے ہیں۔“

مولانا سید اکبر شاہ فیصل مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قاسم العلوم ملتان میں دورہ حدیث کے طلبہ نے ایک بزم بنائی، تاکہ اس بزم کے تحت تقاریر کے مقابلے کیے جائیں۔ طلبہ کے اجلاس میں طے ہوا کہ اس بزم کا نام حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نام پر ”بزم محمود“ ہوگا، اور اس بزم کی سرپرستی کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کہا جائے گا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تشریف آوری پر جب طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے طلبہ سے تنظیم کے مقاصد دریافت فرمائے، مقاصد سے مطمئن ہو کر فرمایا کہ میں اس تنظیم یا بزم کی سرپرستی اس صورت میں قبول کرتا ہوں کہ اسے میرے نام منسوب نہ کرو۔ طلبہ نے کہا حضرت ہم محمود سے مراد آپ کی ذات مراد نہیں لیتے بلکہ محمود سبکتگین یا شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ نام رکھتے وقت تمہارے ذہن میں محمود سے مراد میری ذات تھی، لہذا میں اس ریاکاری کو پسند نہیں کرتا، اگر تم اس بزم کا نام ”بزم شیخ الہند“ رکھو گے تو میں اس کی سرپرستی قبول کرتا ہوں ورنہ نہیں، چنانچہ طلبہ نے نام تبدیل کیا، آپ نے رضا مندی کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا مقصد دین کا کام کرنا ہے، نام ظاہر کرنے سے ریا کا شائبہ آ جاتا ہے۔

اسی بزم کے ایک اجلاس میں آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی گئی، تلاوت کے بعد نعت پڑھنے کے لیے طالب علم وزیر احمد رحمانی کا اعلان کیا گیا۔ نعت کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تعجب سے فرمایا کہ ”رحمانی“ کا کیا مقصد ہے؟، یہ دم کیا لگی ہوئی ہے؟، ہمارے بزرگوں نے کب ایسا کیا ہے؟ میرے شیخ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے نام و دستخط صرف اتنے فرمایا کرتے ”محمود“ اسی لیے میں بھی اپنے شیخ کی طرح اپنے دستخط محمود کرتا ہوں۔ میرے شیخ حضرت مدنی رحمہ اللہ اپنے دستخط صرف ”حسین احمد“ کیا کرتے تھے جتنے زیادہ القاب کی دم بڑھائیں گے اتنا ہی زیادہ کبر پیدا ہوتا ہے اور اپنے بزرگوں اور اسلاف سے بعد ہوتا چلا جاتا ہے۔ لوگ ناموں میں لگ گئے ہیں اور

کاموں سے کوسوں دور چلے گئے ہیں۔ (بیس مردان حق جلد ۲ ص ۴۲۸)
 (۲) ”افسر شاہی کا خاتمہ“۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مرحوم ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ مفتی صاحب وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھتے تھے وہ یہ کہ ان کے ساتھ دورے میں جانے والے چھوٹے ملازمین ہوا کرتے تھے، میں نے ڈرائیور اور چھوٹے ملازمین اور پولیس کے ملازمین کے سپاہیوں کو وزیر اعلیٰ کے ساتھ ان کے ہمراہ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے دیکھا ہے۔ وہ خصوصیت سے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ میرے ہمراہ آنے والے ملازمین کہیں آداب شاہی کے چکر میں بھوکے تو نہیں رہ رہے۔ میں اکثر دوروں میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ ہوتا تھا، سرحد کے تمام اعلیٰ افسر مجھ سے بے تکلف ہوتے تھے اور بعض اوقات وہ مجھ سے کھل کر کہتے کہ آپ حضرت مفتی صاحب سے کہیں کہ چھوٹے افسروں کو ساتھ بٹھانے سے حکومت کا دبدبہ اور شان و شوکت برقرار نہیں رہتا، براہ کرم ان چھوٹے ملازمین کا علیحدہ انتظام کرادیا کریں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا تو فرمایا ”میرا بھی یہی مقصد ہے کہ ان افسروں میں انگریز نے جو تکبر اور غرور کا رنگ بھر دیا ہے اسے مٹایا اور افسر شاہی کا خاتمہ کیا جائے“۔

ایک مرتبہ آپ کا ڈرائیور دوران سفر آپ کو عوامی مشکلات و مسائل کی طرف توجہ دلانے لگا تو حضرت مفتی صاحب نہایت توجہ سے اس کی باتیں سنتے رہے اور ساتھ ساتھ فرماتے رہے کہ آپ کی رائے صحیح ہے میں ان مسائل کے حل کے لیے اپنی کابینہ کے وزراء کے نام ہدایات جاری کروں گا۔ آپ کے سیکرٹری نے ڈرائیور کی اس حوصلہ افزائی کا برا منایا اور وزیر اعلیٰ (حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ) کی عدم موجودگی میں اس کو سخت ڈانٹا اور کہا کہ آئندہ اس قسم کی باتیں حضرت مفتی صاحب سے مت کرنا کیونکہ یہ پروٹوکول کے خلاف ہے، واپسی پر ڈرائیور خاموش رہا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا ”بھائی کوئی اور تجویز ہے تو بتاؤ“، مگر ڈرائیور بیچارہ سیکرٹری کے خوف سے خاموش رہا، میری نشاندہی کرنے

پر حضرت مفتی صاحب نے سیکرٹری کو اس قدر ڈانٹا کہ سخت شرمندہ ہوا، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد اور محبوب وہ شخص ہوگا جو براہ راست عوام کے مسائل میرے سامنے رکھے گا۔
(ایضاً ص ۴۵۶)

(۳) ”وزارت علیا سادگی“۔

مولانا فیض احمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان فرماتے ہیں کہ مولانا مفتی محمود صاحب جب سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو یہ جائزہ لینے کے لئے کہ مدرسہ قاسم العلوم کے شیخ الحدیث اور سرحد کے وزیر اعلیٰ کے درمیان کتنا فاصلہ اور بُعد پیدا ہوا ہے؟ وزارت اعلیٰ کی کرسی نے آپ کے رہن سہن بود و باش، معشیت و معاشرے میں تغیر کیا ہے یا نہیں؟ پیشگی اطلاع دیے بغیر ملتان سے پشاور روانہ ہوا اور پھر اپنی قیام گاہ پر انھیں جو درمیانہ درجے کا سرکاری مکان تھا واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے حکومت کی طرف سے چار ہزار روپے کرایہ بنگلے میں رہائش سے انکار کر دیا تھا) بیرونی دروازہ پر عوام کا ہجوم تھا، مردوں کی خاصی تعداد کے علاوہ برقعہ پوش عورتیں بھی بیٹھی تھیں، چند منٹ بعد حضرت مفتی صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری جو کہ نہایت خوش اخلاق، متشرع، سفید ریش اور نہایت نیک سیرت انسان تھے، تشریف لائے۔ آتے ہی از خود سلام مسنون کہا پھر مردوں سے بعد مصافحہ درخواستیں وصول کیں، بعد ازاں مستورات سے درخواستیں وصول کیں اور کہا کہ حضرت مفتی صاحب کسی پروگرام میں تشریف لے گئے ہیں، بعد مغرب ملاقات ہوگی، درخواستوں پر مناسب کارروائی ہوگی۔ کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب کے عزیز مولانا احمد صاحب مجھے مہمان خانہ میں لے گئے، جہاں حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے بچے اسی معمولی لباس میں کھیل رہے تھے جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں کھیلا کرتے تھے، کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب تشریف لائے، بعد مصافحہ، معانقہ خیریت حسب معمول دریافت کی، نماز مغرب کا وقت ہو گیا تھا، گھاس کے میدان میں ایک دری نکھی ہوئی تھی، اذان ہوئی اور حضرت مفتی صاحب نے امامت فرمائی، تمام حاضرین مجلس نے نماز باجماعت ادا کی، بعد ازاں دو گھنٹے اسی گھاس

کے فرش پر بیٹھ کر حضرت مفتی صاحب نے بحیثیت وزیر اعلیٰ تمام درخواستوں کو چیک کیا اور مناسب کارروائی کرنے کا حکم دیا، اس دوران عوام خواص درخواست گزار وزیر اعلیٰ کے ارد گرد اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں طلبہ یا عوام آپ کے پاس بیٹھا کرتے تھے، بعض اوقات درخواست گزار کا لہجہ تند و تیز بھی ہو جاتا تھا، لیکن آپ نہایت تحمل و بردباری سے بات سنتے رہتے، پھر جماعت سے اسی جگہ عشاء کی نماز پڑھی گئی، نماز کے بعد سادہ کھانا لایا گیا، حضرت مفتی صاحب نے بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، اسی رات چوک یادگار میں ایک جلسہ بھی تھا، حضرت مفتی صاحب جلسہ کے لیے جانے لگے تو مجھے آرام کرنے کا فرمایا، میں نے جلسہ میں حاضری کو ترجیح دی، مقصد وہی وزیر اعلیٰ کے متنوع حالات کا جائزہ لینا تھا، جلسہ گاہ میں گورنر باب سکندر، ولی خان اور دیگر قائدین بھی اسٹیج پر موجود تھے، تقریباً دو گھنٹے جلسہ کی کارروائی جاری رہی مگر آپ یہ معلوم کر کے شاید تعجب کا اظہار کرینگے کہ صوبہ کے وزیر اعلیٰ اور گورنر کے عوامی جلسہ گاہ میں شدید گرمی کے باوجود ایک بھی پنکھا نہیں تھا، سب لوگ پسینہ سے شرابور تھے، ہر ایک دستی پکھے سے گرمی کا مقابلہ کر رہا تھا، جس حالت میں عوام تھی اسی حالت میں ان کے قائد، ان کے گورنر اور ان کے وزیر اعلیٰ اپنے کردار و عمل سے سب غریب عوام کو سادگی اور کفایت شعاری کا درس دے رہے تھے (ایضاً ص ۴۵۷ بشکریہ "ترجمان اسلام" مفتی محمود نمبر)

(۴) ان کی سادگی کے سامنے پولیس والا تماشا بنا رہا۔

یہ ۱۹۶۲ کا قصہ ہے جب مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی کے رکن بنے، ان دنوں انہیں جمعیت علماء اسلام کے کارکنوں کے علاوہ بہت کم لوگ جانتے تھے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے انہیں ملتان سے بذریعہ ٹرین اسلام آباد پہنچنا تھا، ملتان سے ان کی نشست ریزرو ہو چکی تھی اور پروٹوکول کے مطابق انتظامیہ کے افراد کی ڈیوٹی تھی کہ وہ رکن قومی اسمبلی کو اپنی نگرانی میں سوار کرائیں۔

جس ڈبے میں مولانا مفتی محمود صاحب کی نشست مقرر تھی اس کے باہر ایک

پولیس والا موجود تھا، مسافر اس ڈبے کی طرف لپکتا، پولیس والا اسے روک لیتا اور کہتا کہ یہ ڈبہ رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے، یہاں آپ اندر نہیں جاسکتے لہذا مسافر آگے کی جانب بڑھ جاتے۔

پھر پولیس والے نے دیکھا ایک شخص سیاہ ڈاڑھی، کندھے پر رومال اور ایک رومال پگڑی نما سر پر لپٹا ہوا، میانہ قد اور بھاری جسم، کھلی آستین کی قمیص اور کھلے پانچوں والی شلوار پہنے تین چار ”امام مسجد نما“ ساتھیوں سمیت آیا اور اس نے ڈبے میں سوار ہونے کی کوشش کی، سپاہی نے سمجھا کہ یہ دیہاتی قسم کے لوگ ہیں اور لاعلمی میں اس ڈبے میں سوار ہونا چاہتے ہیں، لہذا اس نے انہیں کہا کہ یہ ڈبہ قومی اسمبلی کے ممبر مولانا مفتی محمود صاحب کے لیے ریزرو ہے، لہذا آپ کہیں اور جگہ تلاش کیجئے۔ مولانا مفتی محمود اب ڈبے کے باہر کھڑے ہو گئے، کہتے ہیں کہ ساتھیوں نے مولانا مفتی محمود کا سامان کسی نہ کسی طریقہ سے ڈبے میں پہنچا دیا، لیکن سپاہی نے مفتی صاحب کو اندر نہ گھسنے دیا، جب بھی وہ ذرا آگے بڑھتے سپاہی فوراً مستعد ہو جاتا اور راستہ روک کر کہتا کہ آپ خواخوہ پریشان ہونگے اور میری بھی سرزنش ہوگی، آپ کو اپنا سامان اٹھانا پڑے گا، بہتر ہے کہ آپ بعد میں شرمندہ ہونے کی بجائے پہلے ہی کہیں اور جگہ تلاش کر لیجئے، یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود رکن قومی اسمبلی کے لیے ریزرو ہے۔

مولانا مفتی محمود سپاہی کی اس پھرتی اور مستعدی سے پیدا شدہ صورت حال سے محظوظ ہوتے رہے اور ساتھیوں کو بھی انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی سپاہی کو ان کے متعلق نہ بتایا جائے، اس طرح وہ اور ان کے ساتھی دل ہی دل میں ہنستے رہے، گاڑی چلنے میں اب تھوڑی دیر رہ گئی تو آخری بار مولانا مفتی محمود آگے بڑھے، سپاہی نے جھٹ راستہ روک لیا اور چیخ کر بولا: ”مولوی صاحب! کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو، جان نہیں چھوڑ رہے، کتنی بار کہا کہ یہ ڈبہ مولانا مفتی محمود کے لیے خاص کیا گیا ہے، اس میں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا، آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، مفتی صاحب آنے والے ہونگے۔“ اب مفتی صاحب نے فرمایا

”مفتی محمود کیسے دوسرے ڈبے میں جا کر بیٹھے یہ اسی کے لیے تو ہے، میں ہی تو مفتی محمود ہوں۔“ اب سپاہی کے ہوش اڑ گئے، ایک طرف مَدوب ہو کر کھڑے ہو گیا، مفتی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور اندر داخل ہو گئے۔ (ص ۴۹۴)

(۵) ”انہوں نے اپنے آپ کو بھی بڑا نہ سمجھا۔“

علامہ یوسف قریشي کہتے ہیں کہ ایک روز میں سرحد کے بزرگ عالم دین مفتی عبدالقیوم کے ہمراہ مسجد قاسم علی خان میں بیٹھا ہوا محو گفتگو تھا، مولانا مفتی محمود صاحب تشریف لائے، ان کے ہاتھ میں ایک سفری بیگ تھا، میں نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا، ان کا بیگ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُن سے معافہ کیا، لیکن مفتی عبدالقیوم صاحب نے بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا، ان کی سرد مہری کا شکوہ میرے دل میں آیا لیکن زبان پر نہ لاسکا کہ ایسا موقع نہ تھا۔

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے چلے جانے کے بعد میں مفتی عبدالقیوم صاحب کے سامنے اپنا شکوہ زبان پر لے آیا تو مفتی صاحب نے فرمایا:

کہ مفتی محمود سیاست میں ہمارے بڑے ہیں لیکن علم میں نہیں، میں بوڑھا آدمی ہوں میرے لیے کسی کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں، کسی اور موقع پر مفتی محمود سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی قلبی واردات اور مفتی عبدالقیوم سے مکالمہ عرض کیا تو فرمانے لگے:

”مفتی صاحب کے تمام فتوے مصدقہ ہیں لیکن یہ فتویٰ سب سے زیادہ مصدقہ ہے وہ ہمارے بزرگ ہیں، اُن کا احترام ہمارے لیے واجب ہے نہ کہ ہمارا احترام اُن کے لیے۔“

(ص ۴۹۸)

(۶) دور وزارت میں گھر میں چینی ختم ہو گئی:-

حضرت بنوری رحمہ اللہ علم کا پہاڑ اور مولانا مفتی محمود بھی علم کا کوہ گراں اور ان دونوں کے درمیان دوستی اور ان کے ساتھ تیسرے پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے چیرمین مولانا محمد اشرف یوں دوستی و بے تکلفی کی تکیوں بنی ہوئی تھی۔

واقعہ یوں ہوا کہ مولانا مفتی محمود صاحب کے دور وزارت میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ پشاور تشریف لے گئے، انہیں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے ریٹ ہاؤس میں ٹھہرا دیا گیا۔ حضرت بنوری مفتی صاحب کے ذاتی مہمان تھے اس لیے کھانے پینے کا انتظام بھی اپنی طرف سے ہوتا تھا، ایک روز چائے پینے بیٹھے تو پتہ چلا کہ چائے تیار ہے لیکن چینی گھر میں ختم ہو گئی ہے، فون قریب رکھا تھا، مفتی صاحب نے رسیور اٹھایا اور مولانا محمد اشرف کے گھر کا نمبر ملایا، دوسری طرف مولانا محمد اشرف بولے، مولانا مفتی محمود نے ان سے کہا آج چائے ہمارے ساتھ پیجئے، حضرت بنوری بیٹھے ہیں ابھی آجائے (مذاق فرمایا) ہاں! مگر تھوڑی سی چینی ساتھ لیتے آئیے گا۔

چائے کی اچانک اور بے تکلفانہ دعوت تو سمجھ میں آتی تھی، لیکن چینی ساتھ لانے کا مطلب نہ سمجھ پائے چنانچہ جب مفتی صاحب نے کہا کہ گھر میں چینی ختم ہو گئی ہے۔ چینی کی بات سے انہیں قربت کا احساس ہوا، لہذا وہ چینی لائے اور تینوں حضرات نے مل بیٹھ کر چائے نوش کی۔ (ص ۴۹۸)

(۷) تکلف سے بری ہے حسن ذاتی۔

مولانا مفتی محمود وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے زندگی کا انداز وہی رکھا جو وزارت سے پہلے تھا، وہی سادہ کھانا وہی لباس اور وہی رہن سہن، جب وہ پشاور میں وزیر اعلیٰ بن کر آئے تو ان کے لئے مناسب اور موزوں رہائش کی تلاش شروع ہوئی، ایک کوٹھی اگرچہ وسیع اور گشادہ تھی مگر فرنیچر بہت پرانا تھا 'چیف سکریٹری نے وزیر اعلیٰ کے لئے یہاں سے پرانا فرنیچر اٹھوا کر نئے فرنیچر سے اس عمارت کو آراستہ کرنا چاہا' اس نے مفتی صاحب نے مفتی صاحب سے بات کی تو مفتی صاحب نے دھیان نہ دیا اس نے تین مرتبہ بات دھرائی تو مفتی صاحب نے فرمایا فرمایا: "اللہ کے بندے! کس چکر میں پڑ گئے ہو، یہی فرنیچر ٹھیک ہے اس کے بدلنے کی ضرورت نہیں، میرے اپنے گھر میں کوئی ٹوٹا پھوٹا صوفہ بھی نہیں ہے۔" 'چیف سکریٹری حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا کہ ہر آنے والا وزیر اعلیٰ دفتر کی آرائش

پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کو اولین ترجیح دیتا تھا، لیکن یہاں تو درویشی و سادگی ہی سارا حسن لیے ہوئے ہے۔ (ص ۴۹۹)

(۸) ”کیا میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں؟“

جس نے مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھ کر قرآن و حدیث پڑھاتے ہوئے بے پناہ عزت پائی تھی اُس کو وزیر اعلیٰ ہاؤس کی کرسی کیا عزت دے سکتی تھی، وہ وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے بھی وزیر اعلیٰ ہاؤس کے لان کے گھاس کے فرش پر بیٹھے لوگوں سے درخواستیں وصول کرتے ہوئے اپنی عزت و شان میں کمی محسوس نہ کرتے، ملاقاتیوں کا ایک حلقہ ان کے گرد ہوتا، جب کوئی ملاقاتی آتا شناسائی و نا آشنائی امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اٹھتے، اس سے ہاتھ ملاتے، معافہ کرتے اور پھر بیٹھ جاتے۔ ایک عقیدت مند قریب ہی پاس بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس سے رہانہ گیا اس نے کہہ ڈالا کہ ”حضرت! آپ نے پہلے ہی بھاری بھر کم جسم کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اور بیماریوں نے بھی گھیرا ڈالا ہوا ہے، پھر بھی ہر آنے والے کے لئے اٹھتے ہیں، آپ کے لئے مشکل بھی ہوتا ہے بیٹھے بیٹھے ہی ملاقاتیوں سے ہاتھ ملا لیجئے۔“ مفتی محمود صاحب نے پلٹ کر اُن کی طرف دیکھا اور کہا:

”موٹاپے کی وجہ سے بار بار اٹھ کر لوگوں سے ہاتھ ملانے میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر

کیا اس ذرا سی تکلیف کے لیے میں اپنا اخلاق اور شرافت چھوڑ دوں؟“ (ص ۵۰۰)

(۹) ”وہ اسلام آباد جا رہے تھے اور اُن کا جوتا ٹوٹا ہوا تھا۔“

ظہور احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسلامی وزراء کے خارجہ کانفرنس ہو رہی تھی، مفتی صاحب اسلام آباد جانے کے لیے ملتان سے لاہور ایئر پورٹ پر اترے اور آرام کی غرض سے جناب دستگیر صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے، میں کیا دیکھتا ہوں کہ پاؤں گھسٹ کر چل رہے ہیں، میں نے پاؤں کی طرف دیکھا کہ شاید کوئی تکلیف ہو لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی صاحب کا پرانا جوتا کھل گیا ہے اور پاؤں پر اس کی گرفت نہیں، وہ اسے قابو رکھنے کے لیے گھسٹ رہے ہیں۔ ظہور احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے نیا جوتا لانے کے لیے کہا تو وہ

مسکرا کر ٹال گئے، میں نے کہا کہ آپ اسلام آباد جا رہے ہیں وہاں اتنی اہم کانفرنس ہو رہی ہے ملنا ملنا ہو گا، لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے؟۔ مفتی صاحب نے فرمایا ”میں فقیر آدمی ہوں مجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“

وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آرام کے لیے لیٹے اور سو گئے، مجھے موقع مل گیا میں نے اُن کا پرانا جوتا اٹھایا اور بازار لے گیا اس ماپ کا نیا جوتا لے آیا۔

دستگیر صاحب نے مجھے جوتے کی قیمت دینا چاہی تو میں آبدیدہ ہو گیا کہ وہ مجھے اس سعادت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دستگیر صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا ”اس کا دل نہ توڑو“ ظہور احمد کہتے ہیں کہ آج بھی وہ جوتا میرے پاس محفوظ ہے (ص ۵۰۱)

(۱۰) ”خواب بیان کرنے سے منع کیا۔ کہ خود ستائی کا پہلو نکلتا ہے“
قاری سعید الرحمن صاحب لکھتے ہیں:

میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جسے مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بیان کرنے سے منع کر دیا تھا، لیکن اس وقت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ کی جانب سے مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کو ان الفاظ میں پیغام دیا گیا:

قال له منى السلام بتقوى بالله ولا يقول الا الحق والله يقول الحق وهو يهدى السبيل

ترجمہ: میری طرف سے ان کو سلام کہیں اور یہ کہ ہر معاملہ میں اللہ سے قوت و طاقت کے طلب گار رہو، ہمیشہ حق کہو، اللہ تعالیٰ نے سچ اور حق کہا ہے اور وہی صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

قاری سعید الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے جب عرض کیا کہ خواب کو سفر نامہ میں

شائع کر دیا جائے۔ پہلے تو مولانا مفتی محمود صاحب نے کچھ نہ کہا اور پھر جب ریاض جانے کے لیے مدینہ منورہ انٹرپورٹ جا رہے تھے تو از خود فرمایا کہ ”اس خواب کو مت لکھو! اس سے خود ستائی کا پہلو نکلے گا۔“ (ص ۵۰۳)

(۱۱) ”حکومت سعودی کے مہمان۔“

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

ان کی تواضع کا یہ حال تھا کہ جب وہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں سعودی گورنمنٹ کے مہمان تھے تو منیٰ میں وہاں پر حکومت کے مہمان خانے میں ان کا قیام تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی اس سال وہاں موجود تھے اور ایک مکان میں انہوں نے ایک جگہ لی ہوئی تھی تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ جا کر مہمان خانے میں حضرت مفتی صاحب سے ملوں اور ان سے یہ کہوں کہ میں ملنے کے لیے آنا چاہتا ہوں، میں چلا گیا اور ان سے ملاقات ہوئی فرمایا مولانا کیوں آئیں میں خود جاؤں گا۔ ایک طرف تو وزیر اعلیٰ ہیں اور بلند علمی مقام پر بھی فائز ہیں وہ عالم جو جانتا ہے (انما یعرف ذو الفضل من الناس ذو وہ) اب ان کو یہ بتانا کہ حضرت بنوری کون ہیں اور ان کا علمی مقام کیا ہے فرمایا نہیں میں جاؤں گا وہ نہیں آئیں گے۔ اور مجھے کہا کہ آپ پیٹھیے! میں تیار ہوتا ہوں، خیر میں بیٹھا رہا تیار ہو کر فرمایا چلو چلتے ہیں نہ ان کے ساتھ کوئی پولیس والا ہے نہ کوئی گارڈ ہے اپنے ایک خادم کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے مولانا کی خدمت میں خود پہنچ گئے وہاں علماء بیٹھے ہوئے ہیں اور دسترخوان بچھا ہے طرح طرح کے پھل اور دوسری چیزیں موجود ہیں، حضرت مفتی صاحب ہنس کر فرمانے لگے ہماری مہمانی ایسے براہ نام ہی ہے اب تو یہ مولوی صاحب (خود ڈاکٹر صاحب مراد ہیں) میرے پاس آئے تھے پینے کے لیے صرف بوتل پیش کی گئی یہاں دیکھو اللہ کی تمام نعمتیں موجود ہیں بادشاہ تو یہ لوگ ہیں پھر انکی گفتگو ہوئی جو علماء کی گفتگو ہوتی ہے پھر کافی دیر کے بعد حضرت مفتی صاحب وہاں سے

تشریف لے گئے۔ (سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ ص ۱۳۲)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی تواضع و سادگی

حضرت مولانا محمد اجمل خان آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں؛

آپ سادہ زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے اور انتہائی درجہ کے قناعت پسند انسان تھے۔ عقیدت مندوں کی خواہش کے باوجود بڑی بڑی کوٹھیوں پر رہنا پسند نہیں فرماتے تھے اور پر تکلف دعوتوں سے نفرت تھی، بلکہ آپ کو سادہ غذا زیادہ مرغوب تھی۔ حتیٰ کہ آپ اپنے کپڑے بھی خود دھو لیتے تھے۔ سفر میں اپنا سامان ایک کپڑے کی گٹھڑی میں باندھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کسی مخلص دوست نے ایک موقع پر کہا کہ مولانا صاحب آپ تو اسمبلی کے ممبر ہیں، لہذا آپ میلی کچیلی گٹھڑی اپنے ساتھ نہ رکھا کریں۔ کیونکہ یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے، مولانا صاحب نے فوراً مسکراتے ہوئے برجستہ فرمایا! تو کیا پھر میں شلوار اور داڑھی کے ساتھ بھی نہ جایا کروں، یعنی موجودہ دور کے مطابق پیٹ۔ پتلون پہنا کروں۔ وہ دوست اس جملے کو سننے کے بعد لا جواب ہو گئے۔

ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سردی کے زمانہ میں علی الصبح جامعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا، تو راستے میں ایک تنور پر چادر اوڑھے ہوئے ایک سفید پوش بزرگ کو ناشتہ کرتے دیکھا۔ جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا غوث ہزاروی ہیں بعد میں تنور والے سے پوچھا کہ یہ باباجی کون ہیں تو جواب میں کہا کہ نام تو معلوم نہیں البتہ یہ کبھی کبھار میرے تنور پر آتا ہے اور دال روٹی سے ناشتہ کرتا ہے۔ مولانا موصوف نے جس طرح قناعت اور سادگی سے زندگی بسر کی وہ یقیناً قابل تحسین ہیں۔ اس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ بستر مرگ پر آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا فقیر محمد صاحب (فاضل دیوبند) کو وصیت فرمائی کہ میں نے فلاں شخص کے چالیس روپے قرض دینے ہیں، اس کو ضرور ادا کریں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مفتی محمود صاحب جماعتی

دور سے پر کراچی تشریف لے گئے، وہاں کام سے فراغت کے بعد جب لاہور کے لیے واپسی ہونے لگی تو مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے محض ان دنوں حضرات کے آرام کی خاطر ریل کے درجہ اول (اکلاس) کے دو ٹکٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ ہزاروی کو پہلے تو معلوم نہ ہوا مگر جب اکلاس کے ڈبہ میں داخل ہوئے اور نرم اور آرام دہ سیٹ پر تشریف فرما ہوئے ازارہ تعجب مولانا بنوری سے آپ نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کہا، ہم تو ساری زندگی کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے تھرڈ کلاس میں سفر کرتے رہے اور آج آپ نے ہمارے لیے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ اس طرح ہماری دیرینہ عادتوں کو کیوں خراب کرتے ہیں؟ آئندہ مہربانی فرما کر جب کبھی کوئی ایسا موقع آئے تو تھرڈ کلاس کے علاوہ بقیہ رقم جمعیت علماء اسلام کے فنڈ میں دے دیا کریں۔ یہ تھی اس مرد قلندر کی کفایت شعاری اور جفاکشی۔

حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ کی عاجزی و انکساری۔

مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ ”الخیر“ تحریر فرماتے ہیں:

آپ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے منجھلے صاحبزادے تھے، نیکی، شرافت، تقویٰ اور کم گوئی میں والد مرحوم کی تصویر تھے۔ ۲ جماد الثانی ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجد نے تاریخی نام مرغوب حلیم، ظہیر قانع، خیر اشکورا، منظور الکل تحریر فرمائے انکی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ مولانا محمد شریف مرحوم کی پوری زندگی ان صفات کا نمونہ رہی، تواضع و انکسار کا آپ پیکر مجسم تھے۔ خود ستائی اور نمود و نمائش کی مطلق عادت نہ تھی۔ تصنع تکلف سے کوسوں دور، جس بات کو صحیح سمجھتے بلا خوف و ممتہ لائے بیان فرما دیتے، اپنے اکابر اور ہم عصر علماء ہی سے نہیں، اصغر اور تلامذہ سے بھی ایسا نیاز مندانہ سلوک کرتے کہ آدمی پانی پانی ہو جاتا انکی یہ تواضع انکی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، خصوصاً اپنے والد ماجد قدس سرہ کے احباب اور دوستوں سے خواہ وہ مرتبہ اور عمر میں آپ سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، انتہائی محبت و عقیدت اور تعظیم کا رویہ اختیار فرماتے۔

ایک دفعہ راقم کے ساتھ ملتان کے معروف حکیم اور صالح بزرگ سید حکیم انور علی شاہ صاحب کے گھر تشریف لے گئے، کوئی خاص کام نہ تھا، جب ملاقات کے بعد واپس تشریف لائے تو راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ:

”میں حکیم صاحب سے ملنے صرف اس لئے گیا تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ والد صاحب کے احباب اور دوستوں سے حسن سلوک بھی والدین کے حقوق کا حصہ ہے، حکیم صاحب حضرت اباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں سے تھے۔“

جج کے جس سفر میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وفات پائی اس پر روانگی سے قبل حکیم صاحب مذکور مدرسہ میں آپ سے ملنے آئے، مگر سفر پر جانے سے پہلے آپ حکیم صاحب سے الوداعی مصافحہ و ملاقات کے لیے انکے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے حیرت آمیز مسرت سے عرض کیا کہ:

”حضرت! میں تو حاضری دے آیا تھا۔“

آپ نے کمال تواضع سے فرمایا:

”وہ آپ کی شفقت تھی، یہ میرا فرض ہے۔“ (بیس علماء حق ص ۱۷۹)

حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب رحمہ اللہ کی فنائیت۔

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بنگلہ دیش کے ان اکابر علماء میں سے تھے جن کے ذریعے وہاں علم و دین کے چراغ روشن ہیں۔ وہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے جان نثار شاگرد بھی تھے اور آپ کے مجاز بیعت بھی، مدتوں سے ڈھاکہ کے مدرسہ اشرف العلوم میں حدیث کی تدریس اور فتویٰ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اور اس عرصے میں انہوں نے ہزار ہا تشنگان علم کو اپنے فیوض سے سیراب کیا۔ آپ کے شاگرد بھی اس وقت اونچے درجے کے شیخ الحدیث سمجھے جاتے ہیں، لیکن تواضع اور فنائیت کا عالم یہ تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی اپنے سے افضل و برتر سمجھتے تھے اور انداز وادام میں خوردبین لگا

حضرت مفتی صاحب کو احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت و محبت ہی نہیں، والہانہ عشق تھا۔ والد صاحب جب کبھی ڈھا کہ تشریف لے جاتے انہی کے مدرسے میں قیام فرماتے اور جب تک بنگلہ میں قیام رہتا مفتی صاحب سائے کی طرح والد صاحب کے ساتھ رہتے تھے، یہاں تک کہ ڈھا کہ میں انہیں حضرت والد صاحب قدس سرہ کا ترجمان اور نمائندہ سمجھا جاتا تھا اور وہ واقعۃً اس کے اہل بھی تھے۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کا جس قدر صدمہ ہم لوگوں کو ہوا یقین ہے کہ مفتی محی الدین صاحب کو اس سے کم صدمہ نہ ہوا ہوگا، ان کے اس زمانے کے خطوط جس کرب کے آئینہ دار ہیں اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

۱۷۱۷ء کی جنگ کے بعد نہ ان کا پاکستان آنا ہوا اور نہ ہم نو ۹ سال تک بنگلہ دیش جاسکے، اس لیے اس طویل عرصے کے بعد ان سے پہلی ملاقات پچھلے سال دارالعلوم دیوبند کے ”اجلاس صد سالہ“ کے موقع پر ہوئی میں اپنے بعض رفقاء کے ہمراہ عصر کے بعد قبرستان قاسمی کی طرف جا رہا تھا، اچانک میری نگاہ مفتی صاحب پر پڑی، میں ان کی طرف لپکا تو انہوں نے بھی آتے ہوئے دیکھ لیا، پس پھر کیا تھا؟ مفتی صاحب عجیب والہانہ انداز میں لپٹ گئے، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اور کچھ دیر تک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ پھر دیوبند کے قیام میں شدید ہجوم اور مصروفیات کے باوجود بارہا گھنٹوں گھنٹوں ان سے باتیں ہوئیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے والدہانہ عشق کا عالم ناقابل بیان تھا۔ اسی زمانے میں ایک روز میں دیوبند میں اپنے ماموں مولانا انوار کریم صاحب مدظلہم کے یہاں مدعو تھا، عشاء کے بعد مفتی صاحبؒ نہ جانے کس طرح سراغ لگاتے لگاتے وہاں پہنچ گئے۔ اندر بلا کے بٹھایا تو بیٹھے بیٹھے دیر تک روتے رہے۔ احقر نے سبب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر گریہ کی شدت سے آواز نہ نکلتی تھی، بالآخر میرے اصرار پر رندھی ہوئی آواز

میں فرمانے لگے:

”میں ایک درخواست کرنے آیا ہوں خدا کے لئے اس روز نہ کرنا“

میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا ارشاد میرے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے ضرور ارشاد فرمائیں، ذرا طبیعت کو سکون ہو تو فرمانے لگے آج کے اجلاس میں مجھے دارالعلوم دیوبند کی طرف دستار فضیلت ملی ہے اس وقت سے مجھ پر حضرت کی (یعنی احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) کی یاد میں ناقابل برداشت اضطراب کی کیفیت طاری ہے، جو دستار میرے پاس استاد کے واسطے نہ آئے اس سے اضطراب نہ ہو تو کیا ہو، حضرت اپنے دست مبارک سے میری دستار بندی فرماتے تو سکون ہوتا۔

یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور آخر میں وہ بات ارشاد فرمائی جسے سن کر میں دم بخود رہ گیا فرمایا کہ: ”اگر تم مجھے اس اضطراب سے نجات دلانا چاہتے ہو تو خدا کے لیے یہ دستار اپنے ہاتھ سے میرے سر پر باندھ دو، میں اپنے دل کو تسلی دے لوں گا کہ ابنیت کے رشتے سے حضرت ہی میری دستار بندی فرما رہے ہیں۔“

اس وقت احقر عجیب شش و پنج میں پڑ گیا، بہتیرا حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ آپ میرے استاد بلکہ استاد الا استاد کے درجے میں ہیں، میں یہ جسارت کیسے کروں، حضرت مفتی صاحب کی حالت اور ان کا اصرار دیکھ کر چارونا چار ان کے حکم کے تعمیل کی تب انہیں سکون آیا۔ (نقوش رفتگان ص ۱۵۲-۱۵۶)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) حضرت شیخ الحدیث اپنے ملفوظات و مکتوبات کے آئینہ میں:

آپ کے خلیفہ مجاز شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے

ہیں:

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے انہیں (تمام اپنے کمالات کے باوصف) اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آتا ہے، یہی عبدیت و فنایت

کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں:

وجودك ذنب لا يقاس به ذنب

(تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ

نہیں) -----

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے:

”صاحب کمال جتنی زیادہ ترقی کرتے ہیں اتنی ہی ان میں تواضع زیادہ ہوتی ہے

، اخیر میں یہ ہو جاتا ہے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کون برا ہوگا،،

حضرت شیخ اسی معراج کمال پر فائز اور انتہائی تواضع کے حامل تھے، ارشاد

فرماتے تھے:

”میں بلا تواضع و تصنع بہت سی مرتبہ ختمات میں اس واسطے نہیں جاتا کہ میری وجہ سے اوروں

کی دعائیں رد نہ ہو جائیں، لیکن اوروں کو چونکہ اہمیت اس ناکارہ کی زیادہ ہوتی ہے، اس

لیے مجبوری کو جاتا ہوں۔“

اپنے عیوب و نقائص کا استخارہ ہی تواضع کی اصل روح ہے، اور بعض اہل حال کی زبان فرط

ہیا کی وجہ سے دعا سے گنگ ہو جاتی ہے لیکن حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پنبہ و آتش اور شیشہ

و آہن کی جامعیت رکھتے تھے، اس لیے اپنی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا فرماتے ہیں۔ ایک

مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”پیارے! میں اور میری توجہ جیسی ہے وہ مجھے ہی معلوم ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ

جتنی برائیاں آرہی ہیں وہ میری وجہ سے آرہی ہیں، لیکن مالک سے مانگے بغیر چارہ نہیں،

فقیروں کا کام تو مانگنا ہی ہے، اس کے کرم سے بعید نہیں کہ جو امیدیں دوست لگائے بیٹھے

ہیں پوری ہو جائیں۔ اللہ کے احسانات امت کے حال پر لا تعد و لا تھصیٰ ہیں، مگر امت خود

معاصی میں اتنی گرفتار ہے، جتنا کرم بڑھتا رہا ہے، نافرمانیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔“

(مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا صاحب ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے متعلقین کی اصلاح کے لیے ان کو کوتاہیوں پر نکیر بھی فرماتے تھے، لیکن میں اس حالت میں بھی یہ استحضار رہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ گناہ گار ہوں۔
ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میرا حال تو تمہیں معلوم ہے کہ اپنے کو سب سے زیادہ گناہ گار سمجھتا ہوں، اس لیے دوسروں کی لغزش اور گناہوں پر غصہ بہت کم آتا ہے، البتہ جہاں کہیں انتظام میرے متعلق ہوتا ہے وہاں انتظاماً غصہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوتا ہوں اور بمصالح مدرسہ تغیر و تبدل بھی ضروری سمجھتا ہوں۔“ (مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا صاحب۔ از جولائی ۱۸۷۷ء)

غلبہ تواضع کی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو اپنے عقیدت مندوں کی جانب سے تعریف و ستائش کا کوئی لفظ سننا گوارا نہیں تھا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محبت صادر مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہم کی فرمائش پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ العالی نے ایک قصیدہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اوصاف نظم کیے۔ ”وصف شیخ“ کے نام سے یہ قصیدہ مع شرح کے شائع ہوا تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مولانا متالا صاحب زید مجدہم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

”مفتی صاحب نے کلکتہ میں جو نظمیں کہیں وہ تو برحق، لیکن تم نے اس سیاہ کار کے متعلق جو فرمائش کی وہ بالکل بے محل ہے۔ میرے پیارے! مجھے ایمان پر مرنے دو، پھر جو چاہے لکھتے رہو، اِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمِنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، اگر ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو تم سب کے حسن ظن صحیح ہیں، اور اگر خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کوئی دوسری صورت ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ میرے علاوہ تمہاری بھی کتنی رسوائی ہوگی، میں تو دوستوں کو بہت منع کرتا ہوں کہ میری زندگی میں میرے متعلق کچھ نہ لکھو۔“

ایک مرتبہ اپنے مخلص خادم جناب صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی کے نام تحریر فرمایا:
”میرا فیض ساری دنیا میں پہنچ رہا ہے اس کو تم جانو یا تمہارے مجددی صاحب جانیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں جہاں گندگی پھیل رہی ہے وہی میری وجہ سے ہے

۔ عبد الحفیظ کے مکاشفے سر آنکھوں پر، اللہ جل شانہ محض اپنے فضل و کرم سے مجھ رو سیاہ کو کسی قابل بنادے۔“

جناب مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم سے ”سوانح یوسفی“ مرتب فرمائی تھی۔ اس کا ایک باب جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے متعلق تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدت فیضہم سے لکھوایا اور کتاب کے اہم ابواب طباعت سے قبل حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو سنائے۔ لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلقہ حصہ اس خیال سے نہیں سنایا کہ اگر سنایا گیا تو حضرت نور اللہ مرقدہ اس کو کتاب میں شامل کرنے سے منع کر دیں گے۔

طباعت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سن کر مؤلف مرحوم کے نام وہ طویل گرامی نامہ لکھوایا جو ”آپ بیتی نمبر ۱“ کے نام سے شائع ہوا، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

”نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم“

صلاح کار جکا ومن خراب کجا نہیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

عزیز گرامی قدر و منزلت! عافاکم اللہ و سلمکم۔ بعد سلام مسنون تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دونوں جہاں میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے منافع دینی و دنیوی سے بھر پور متمتع فرمائے۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی۔۔۔۔۔۔ ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں سے لکھوایا، ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔ البتہ یہ باب تم نے گلاب کی حوض میں ایک بوتل پیشاب کی ڈالنا، یا مہذب الفاظ میں نہایت نفیس مخمل میں پرانے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کر دیا۔“

(آپ بیتی نمبر ۱، ص ۳)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب ”اوجز المسالک“ پر ایک مختصر سا مقدمہ تحریر فرمایا تھا، جس میں چند کلمات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بھی آ گئے۔

حضرت شیخؒ اس سلسلہ میں حضرت بنوریؒ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”مقدمہ تو شوق میں آتے ہی سنا مگر حضرت! بلا تصنع و بلا تور یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی تحریرات میں کتاب کے متعلق جو ہو وہ سر آنکھوں پر کہ لوگوں کے واسطے ترغیب کا سبب ہو، لیکن اپنے متعلق اس میں جو سنتا ہوں اس کو واقعی برعکس نہند نام زنگی کا فور سے بڑی ندامت ہوتی ہے۔ کاش! میں اس قابل ہوتا، علی میاں سے میرا مستقل اصرار اسی پر رہتا ہے۔ عزیز محمد ثانیؒ نے عزیز یوسف مرحوم کی سوانح لکھی اور اس میں ایک باب اس سیہ کار کے متعلق بھی تبعا آگیا، تو علی میاں نے ثانیؒ سے کہا تھا کہ یہ باب میں لکھوں گا اور یہ باب طباعت سے پہلے تجھے نہیں دکھایا جائیگا، ہر چند میں نے انہیں کہا آپ پہلے مجھے سنا دو۔ تاریخی چیزوں میں غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر علی میاں نے کہا کہ تو نہ معلوم کس کس چیز پر قلم پھیر دے گا، چنانچہ میرا خیال صحیح ہوا اور کچھ غلطیاں اس میں ہو گئیں۔ اسی کے رد میں نے علی میاں کو ایک خط لکھا، اسی سے آپ بتی بن گئی۔“ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفاء کرام جلد ۱ ص ۲۶۲ تا ۲۷۰)

(۲) ”مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نام دو یادگار مکتوب“:-

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپ کے مفصل تذکرہ میں ”سوز و گداز و محبت اور خود انکاری و تواضع“ کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اس تعلق، باطنی کیفیت اور عشق روحانی کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے یہاں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے ازراہ شفقت و کرم راقم سطور کو حجاز کے دوران قیام میں (۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۰ء) دوحج کے موقع پر تحریر فرمائے ہیں:

ہمارا نام لے کر آہ بھی ایک کھینچو قاصد

جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا، یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام مسنون کراچی سے دو گرامی نامے پہنچے اول مفصل لفافہ اور پھر مختصر کارڈ

مگر وہاں جواب کا وقت نہ تھا، آپ نے اس ناپاک کی معیت رفاقت کی آرزو لکھی، مگر یہ نجس العین اس پاک خطہ کے قابل کہاں، دو مرتبہ حاضری ہوئی، مگر ایک طاہر مطہر ہستی تھی جس کے پیچھے قطمیر (اصحاب کہف کے ساتھ جو کتا لگ لیا تھا اس کا نام بعض کتابوں میں قطمیر لکھا گیا ہے) بھی لگ لیا، بلکہ حمنا لگا لیا گیا، اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا جس میں ہر قسم کی غلاظت مغلوب ہو جائے، فیا حسرتا آپ نہ معلوم کس مغالطہ میں ہیں، اپنی حالت یہ ہے:

کان ظننی بان الشیب یرشدنی، اذا اتی فازاغی بہ کثرا
بلکہ (اب حقیقت یہ ہے)

وکننت ئامرا من جند ابلیس فارتنی، لی الدھر حتی صار
ابلیس من جندی فلومات قبلی کننت احسن بعدہ، طرائق
فسق لیس یھسنھا بعدی

اس تعلق اور محبت کے واسطے جو آپ کو اللہ رب العزت کی ستاری کی وجہ سے اس ناپاک سے محض مغالطہ کی وجہ سے رہا ہے، درخواست ہے کہ مبارک مہینہ میں، مبارک جگہ میں اگر دعا سے دستگیری فرمادیں تو وہ پاک ذات، وہ مقلب القلوب قادر مطلق جو طلیح (شاید یہ حضرت عمر کا جاہلیت میں نام یا عرف تھا) کو عمر بنادے، اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار بنادے۔

چشمہ فیض سے اگر ایک اشارہ ہو جائے۔ لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے
عمر ختم ہوتی جا رہی ہے، ظاہری طور پر وقت قریب ہی آتا جا رہا ہے اور حالت یہ ہے
آئی تھی کچھ لین کو اور بھول چلی کچھ اور، کیا دیکھاؤں گی اپنے پیا (شوہر) کو
میرے خالی دونوں ہاتھ۔

دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل، نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل۔
اپنی حالت کو کہاں تک روؤں اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک

ضائع کروں، یہ سطریں اس امید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کر سکیں جس کی پاک جوتیوں کے ذریعے ”لوا قسم علی اللہ لا برہ“ کے مصادیق ہیں، بہت ادب سے صلوٰۃ و سلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہر گز لائق نہیں، لیکن تم رحمۃ للعالمین ہو، اس ناپاک کے لئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

نہ آخرت رحمۃ للعالمینی ، زحرو ماں چرافارغ نشینی

یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منہ نہیں، اس لئے کیا عرض کروں۔۔۔۔۔

فقط السلام۔ زکریا۔ مظاہر علوم

۲۲ شعبان ۱۶۶ھ

”ایک خصوصی درخواست آپ سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس ناپاک کے لیے مانگ دیجئے

من گلویم کہ طاعتم پذیر

قلم غفور گناہم کش

یا بعید ہے کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ بن جائے، اس میں کوئی تصنع نہیں ہے کہ اپنی ساری گندگی کے باوجود جس چیز پر بڑا فخر اور اس کی بڑی ڈھارس ہے ہو صرف یہ ہے کہ بچپن سے اس وقت پیری تک اللہ کا بہت بڑا کرم یہ رہا کہ ہر دور کے اکابر اہل اللہ کی خصوصی شفقتیں انتہا سے زیادہ رہیں، اس پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے، لیکن ساری خوشی ایک دم سناٹے سے بدل جاتی ہے جو قیامت کے حکم ”وامتازوا الیوم ایہا المجرمون“

کا اعلان دل میں گزر جاتا ہے، کاش! آپ سب مخلصوں، حسن ظن رکھنے والوں کے زور اس سال اس ناپاک کے اعمال نامہ سیاہ کو بھی دھو ڈالیں، تو آپ سب کا کس قدر احسان اس ناپاک پر ہو، ورنہ جب کل کو میری ناپاک حالت آپ کے سامنے ہوگی تو آپ کو اپنے اس

تعلق پر بھی افسوس ہوگا جو آپ نے اپنے اس مفصل گرامی نامہ میں تحریر فرمایا جو بمبئی سے لکھا۔۔۔۔۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم

۲۶ ذی قعدہ ۱۲۹ھ

(ماخوذہ از سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب از مولانا علی میاں ص ۲۰۸ تا ۲۰۸)
(۳) ”افسوس! کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو ٹیڑھی ہی نکلی۔“

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کو ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”میرے اکابر نے تو میری اصلاح کی بہت کوشش فرمائی مگر افسوس! کہ کتے کی دم بارہ برس نلکی میں رکھنے کے بعد نکالی تو ٹیڑھی ہی نکلی۔“ (ابلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۲۶)
(۴) خلافت کی تشہیر کے خوف سے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے:-

شوال ۱۳۳۳ء میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز مقدس میں طویل قیام کے ارادے سے جا رہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہو رہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان سے بیعت ہونے کا ارادہ کر لیا اور آپ نے اپنے مربی و آقا حضرت سہارنپوری سے درخواست کی کہ مجھے بیعت فرمائیں، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آ جانا، اس کے بعد بیعت ہو گئے۔

حضرت اقدس سہارنپوری رحمہ اللہ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت و ارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے برادر کلاں حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی کو دیا تا کہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں، جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں،

حضرت پیر و مرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہو گئے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری بھی اس موقع پر موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع بھی تھی، ہندوستان میں تشہیر ہو جانے کے خوف سے حضرت شیخ نے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت و خلافت کی اطلاع نہ کریں، مگر حضرت رائے پوری اس حقیقت کے اخفا پر تیار نہ ہو سکے اور آپ کے ذریعے اس کی تشہیر ہو گئی۔ پھر بھی حضرت شیخ الحدیث عرصہ تک بیعت لینے سے پہلو تہی فرماتے رہے۔

(اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۱۴)

(۵) حضرت شیخ الحدیث اور مفتی محمد شفیع صاحب کا باہمی والہانہ تعلق:-
حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

علم و فضل کے اس مقام بلند اور ان عظیم خدمات کے باوجود شخصیت ایسی کہ علم کے غرے یا تقدس و تقویٰ کے ناز کی کوئی پر چھائیں بھی وہاں دور دور نظر آنے کا کوئی سوال نہ تھا۔
سادگی، بے تکلفی اور تواضع و فنائیت کا ایسا پیکر جمیل کہ اللہ اکبر! اپنے سارے مقامات عالیہ کے باوصف چھوٹوں اور احباب کے ساتھ ایسے گھلے ملے کہ کوئی شخص پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ

”شیخ الحدیث“ ہیں جن کی علمی خدمات کے احسان سے دنیا بھر کے اہل علم کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے ساتھ حضرت کو بڑا خصوصی تعلق تھا۔ جب کبھی کراچی تشریف آوری ہوتی تو حضرت والد صاحب ہم بھائیوں کو لے کر ان کی خدمت میں تشریف لیجاتے، اور حضرت رحمہ اللہ کے لیے بھی معذوری کے باوجود یہ ممکن نہ تھا کہ دارالعلوم کورنگی میں کم از کم ایک مرتبہ تشریف لائے بغیر کراچی سے چلے جائیں۔

----- ایک مرتبہ آپ کی کراچی تشریف آوری ایسی حالت میں ہوئی کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ صاحب فراش تھے، دل کی تکلیف کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہ تھا، ادھر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کو بھی بخار چل رہا تھا، لیکن اس کے باوجود دارالعلوم تشریف لانے کے معمول کا ناغہ نہیں فرمایا۔ جب حضرت والد صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو حضرت والد صاحب نے استقبال کے لئے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تو حضرت نے وہیں سے فرمایا: دیکھو مفتی صاحب! اٹھنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا، سیدھی بات یہ ہے کہ تم بھی بیمار، میں بھی بیمار، بیٹھے رہنے کی طاقت نہ تم میں ہے نہ مجھ میں، میں بھی لیٹ جاؤں گا اور دونوں لیٹے لیٹے باتیں کریں گے۔“

چنانچہ حضرت رحمہ اللہ برابر کی چارپائی پر لیٹ گئے، اور دونوں بزرگوں میں دیر تک اسی شان سے گفتگو جاری رہی۔ اللہ اکبر! سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور اخلاص و محبت کے یہ دلائل ویز پیکر اب کہاں نظر آتے ہیں۔ (نقوش رفتگاں ص ۱۷۹، ۱۸۰)

(۶) ”مجھے تو خود تمہیں خط لکھنے کو کھاج اٹھے“:

حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں:

احقر کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ کو (مدینہ منورہ کے قیام کے دوران) خط لکھتا رہتا تھا، اور زیادہ خط لکھنے سے اس لئے حجاب ہوتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ پر جواب دینے کا بار نہ ہو، ایک مرتبہ اپنی اسی کشمکش کو خط میں لکھ دیا تو جواب میں تحریر فرمایا:

”تم اس بات سے نہ گھبرایا کرو، مجھے تو خود تمہیں خط لکھنے کو کھاج اٹھے۔“

(حوالہ بالا ص ۱۸۲)

(۷) مدرسہ کی کچی اینٹیں اور لکڑیاں اٹھانے کا اہتمام۔

حضرت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

تکلف اور تصنع کی تواضع اور عرفی جھوٹا وقار سے حضرت اقدس بہت دور ہیں، نہ تو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے خدام کے لئے، حقیقی تواضع جس کا اوپر ذکر آیا ہے اور حقیقی

وقار صفائی معاملات میں اعلیٰ حوصلگی و ایثار سخا و غیرہ حضرت کی زندگی میں نمایاں ہیں خصوصاً تواضع اور ایسی تواضع جس کے تواضع ہونے پر حضرت کو التفات بھی نہیں ہوتا۔

حضرت کا معمول تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (جس کے حضرت شیخ الحدیث تھے) میں استنجاء کے ڈھیلوں کے لئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کی لکڑیوں کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے مدرسہ کے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے تو اوپر درس گاہ میں مجھے مطلع کر دے۔ جب بھی گاڑی کی اطلاع آتی میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمہ اللہ (صدر مدرس) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہیں میں نیچے جا رہا ہوں۔ مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے۔ اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے، ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے آتا تھا۔

(حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول ص ۶۲)

(۸) بیمار خدام کی عیادت کا معمول:

بیماروں کی عیادت کا معمول حضرت اقدس کا بہت کثرت سے رہا، حتیٰ کہ اب انتہائی معذوری میں بھی جب تک گاڑی میں بیٹھ کر جانے کی طاقت رہی حضرت عیادت کو جاتے رہے۔ اولیاء اللہ، مشائخ اور بڑے لوگوں کی عیادت کو تو سب ہی کے جانے کا رواج ہے، لیکن اپنے ادنیٰ خادم کے ہاں جانا یہ حضرت کی کمال علوشان ظاہر کرتا ہے۔

ایک دفعہ احقر مدینہ طیبہ میں بیمار تھا اور احقر کا مکان کچے راستوں میں سے ہو کر ایک بے آباد باغ کے اندر تھا۔ حضرت اپنے خادم خاص الحاج ابوالحسن صدیقی صاحب کے ساتھ اس جگہ تشریف لے آئے اور پڑھ کر بندہ پر دم کیا جس سے مجھے افاقہ ہو گیا اور مجھے تکلیف کی جگہ دیکھ کر کوئی سہولت کی جگہ ملنے کی دعا بھی فرمائی، جس کے بعد مجھے بلا کسی کوشش کے حرم شریف کے قریب راحت کا مکان بھی مل گیا۔ (حوالہ بالا ص ۶۳)

(۹) مردوں کو غسل دینے کا اہتمام:

مدرسہ مظاہر علوم کے طلبہ اکثر تو دارالاقامہ میں رہتے ہیں، لیکن بعض امامت کی مد میں شہر کے مختلف محلوں کی مساجد میں بھی رہتے ہیں۔ حضرت اقدس کو جب بھی کسی غریب الوطن طالب علم کی وفات کی اطلاع ملتی تو فوراً وہاں پہنچ کر اس کو غسل دیتے چاہے رات کا وقت ہوا اور جگہ بھی دور ہو، اور بعض اوقات فوت ہونے والا چھپک وغیرہ ایسے مرض کا شکار ہوتا جس سے گھن اور تعفن بھی ہوتا اور ظاہری نجاست سے آلودگی بھی ہوتی، مگر حضرت بایں نفاست طبع اپنے دست مبارک سے اس کو غسل دیتے۔

حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب (ناظم مظاہر علوم) کی وفات کے وقت حضرت پر بڑھاپے کے آثار اور امراض کی وجہ سے کئی قسم کی معذوریوں بھی ہو گئی تھیں لیکن حضرت غسل کے لیے اس حالت میں تشریف لے گئے، احقر بھی خادمانہ ہمراہ تھا۔

حضرت نے ایک مرتبہ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کہ میں نے تقریباً دو سو مردوں کو غسل دیا ہوگا اور مجھے اللہ کی ذات سے اس پر بڑے اجر کی امید ہے۔ (۶۴)

شیخ القرآن، حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ”لیکن آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدا را اس حرکت سے باز آ جاؤ!“

آپ کے تلمیذ رشید حضرت قاری محمد عظیم بخش صاحب زید مجدد فرماتے ہیں:

ڈیرہ غازی خان کا ایک طالب علم ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، ناظم مدرسہ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ یہ سینما دیکھتا ہے، اول تو حضرت قاری صاحب کو یقین نہ آیا کہ میرا شاگرد اور سینما بینی؟ مگر ناظم اسے رنگے ہاتھوں ٹکٹ سمیت پکڑ لایا تھا، ٹکٹ دیکھ کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا۔ نگران کو حکم دیا کہ اسے اتنے ڈنڈے رسید کرو، کچھ عرصہ بعد وہ طالب علم دوبارہ اس جرم میں پکڑا گیا، پھر ڈنڈے لگوائے اور نگران کو ڈانٹا بھی کہ تمہاری پہلی مار سے اس نے کیوں نہ اثر لیا؟ شاید اخلاص نہ تھا، لیکن کچھ عرصہ گزرنے پر تیسری بار وہ پھر سینما دیکھتے پکڑا گیا، اب مار پٹائی کے بجائے آپ نے یہ کیا کہ دوپہر کو چھٹی ہوئی تو اسے بلا کر

ایک موقع پر قاری رفیق صاحب سعودیہ سے ملتان تشریف لائے، گھر والوں سے ملکر واپس سعودیہ جا رہے تھے، حضرت قاری صاحب سے ڈر کی وجہ سے ملاقات نہ کی، ملتان اسٹیشن پر گاڑی کی انتظار کر رہے تھے کہ اچانک حضرت قاری صاحب رکشہ پر سوار ہو کر اسٹیشن پر تشریف لائے اور خلاف معمول اپنے شاگرد قاری رفیق صاحب کو علیحدگی میں ملے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ ”آپ لوگ مکی ہو اور مقدس سرزمین پہ رہتے ہو ہم سے اچھے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں سے ناراض ہوا خدا را! مجھے معاف کر دینا۔“

حضرت کی اس کیفیت کو دیکھ کر قاری رفیق صاحب بھی خوب روئے اور معافی مانگتے رہے۔ الوداع کرنے والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہو گیا۔

(ایضاً جلد ۳ ص ۳۳۸)

(۳) تواضع و متادب :-

آپ کے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت قاری محمد طاہر رحیمی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت قاری صاحب کو رعب و جلال کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اس کے باوصف ان کی شان مومنین و قائمین کی تھی اپنے خوردوں کے ساتھ بھی غایت تواضع سے پیش آتے تھے اور بعض اوقات ان کا متواضعانہ برتاؤ ناواقف لوگوں کے لئے حیرت و استعجاب کے موجب ہوتا تھا۔

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا الحاج الحافظ المقری قاری فتح محمد صاحب مدظلہ کے سامنے اس طرح متادب ہو کر بیٹھتے جیسے طالب علم درس گاہ میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے انہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے سامنے کبھی چارزانو بیٹھتے یا کھل کر بولتے نہیں دیکھا گیا۔ حالانکہ آپ حضرت ممدوح مدظلہ کے محبوب ترین شاگرد اور علم تجوید و قرأت میں اپنے وقت کے امام و مجدد تھے ان کی یہی کیفیت دیگر اکابر کے سامنے ہوتی تھی۔

حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری سے انہیں نہ شاگردی کا تعلق تھا نہ بیعت و اردات کا

لیکن ان کا ادب و احترام اسی طرح کرتے تھے جس طرح ایک مرید اپنے شیخ کا کرتا ہے۔
(دلکش نقش ص ۵۵)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے واقعات:

قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فناء نفس: فنائے نفس کا یہ عالم تھا کہ ہر مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ہم عصر علماء بالخصوص اساتذہ کرام کے حوالہ دینے سے بڑا حظ محسوس فرماتے جبکہ لیڈری اور قیادت کے شوقین حضرات ہر بات کو اپنے طرف ہی نسبت کرتے ہیں:

معاصرین کے کمالات اور اچھے کاموں کی برملا تحسین فرماتے۔

کسی اہم کام میں اصاغر سے بھی مشورہ لینے میں استنکاف نہ فرماتے جمعیت علماء اسلام اور وفاق المدارس کے امراء۔ انظار اور اراکین تک مشورہ فرماتے، جبکہ حضرت لاہوریؒ کے علاوہ تقریباً کبھی آپ کے تلامذہ یا ان سے بھی کم درجہ کے علماء تھے۔ (نقوش حضرت افغانی نور اللہ مرقدہ ص ۱۷)

(۲) ”ایک کام جب خود کر سکتا ہوں تو آپ کو تکلیف کیوں دوں؟“

آپ کے فرزند ارجمند سید محمد داؤد جان افغانی رقمطراز ہیں:

ان کی یہ عادت تھی کہ واٹر کولر کچھ فاصلے پر موجود ہے، گھر والے قریب بیٹھے ہیں۔ لیکن پانی پینے کے لیے خود اٹھنے لگے تو گھر والے عرض کرتے ہمیں فرماتے تو جواب ملتا کہ ایک کام جب خود کر سکتا ہوں، تو آپ کو تکلیف کیوں دوں؟ (حوالہ بالا ص ۲۱)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ”بھائی! شہید کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں۔“

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری زید

مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

اگر کبھی کوئی ان کی تعریف کرتا تو اپنی خلقی انکسار کی بناء پر ایک لطیف ترمیم کے

ساتھ تعریفی جملے کو اس طرح واپس فرمادیتے کہ سننے والے عیش عیش کر رہ جاتے، گزشتہ سال سہارنپور میں تشریف فرما تھے، جسے حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملتی وہ دوڑتا ہوا پہنچ رہا تھا۔ نشست گاہ بھر چکی تھی اور سامنے بھی آدمی کھڑے تھے، اتنے میں یوپی کے وزیر کا بینہ پشپال صاحب پہنچ گئے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر مجمع کی کثرت پر عرض کیا کہ ”حضرت! جہاں شہد ہوتا ہے وہاں مکھیاں پہنچ ہی جاتی ہیں“ برجستہ فرمایا کہ:

”بھائی! شہد کو بھی تو مکھیاں بناتی ہیں“۔ وزیر موصوف اس برجستگی اور بذلہ سنجی پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ (چالیس بڑے مسلمان، جلد دوم ص ۲۹۸)

(۲) ”تشریف آوری محسوس نہ ہوئی“۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالافتاء میں مدعو کیا گیا، تشریف لائے، میں اسی طرح بیٹھا رہا، تشریف آوری محسوس نہ ہوئی، حضرت مہتمم صاحب ڈیکس کے پاس تشریف لا کر دوزانو بیٹھ گئے، میں نے دفعۃً دیکھا تو کھڑا ہو گیا، مہتمم صاحب نے فرمایا آپ وہیں بیٹھیں گے، میں نے جواب دیا کہ حضرت! آپ اس وقت مستفتی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور مہمان کا فریضہ ہے کہ جہاں اسکو میزبان بٹھائے وہاں بیٹھے، لہذا یہاں مسند پر تشریف لے آئیں اور جس وقت حضرت مستفتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو وہیں بیٹھیں، مضائقہ نہیں، اس پر قاری صاحب مسند پر آ کر بیٹھ گئے۔

(حیات محمود جلد ۲ ص ۳۷۷)

(۳) ”یہ آپ کی محبت ہے“۔

شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے ممتاز تلمیذ قاری سیف الدین صاحب مدظلہم استاد صولتیہ مکہ مکرمہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ رمضان المبارک میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ہمارے ہاں مدرسہ صولتیہ میں تشریف فرما تھے، تراویح کے بعد میں حاضر خدمت ہوا، دوا رن کلام

میں حضرت کو مختلف تقاریر کے بارے میں اپنے والہانہ تاثرات سنانے لگا جس میں خود حضرت حکیم الاسلام کی تقاریر کا بھی تذکرہ چل نکلا جس کے جواب میں حضرت قاری صاحب نہایت عاجزی و تواضع کے ساتھ فرماتے رہے۔ ”یہ آپ کی محبت ہے“، ”یہ آپ کی محبت ہے“ (ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام ملتان، شمار (۶۲))

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”میں نے سوچا کیوں نہ میں خود ہی کو قصور وار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کر لوں؟“

آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حضرت کے کمالات کا اندازہ ہم ایسے نوآموز طلبہ کو کیا ہو سکتا تھا، ہم تو بس ان کے اطف و کرم ان کی شفقت و محبت اور ان کے انداز تدریس پر فریفتہ تھے۔ لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے حضرت الاستاذ کی عظمت کا نقش میرے دل پر قائم ہوا اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ ہوا یہ کہ حضرت مولانا اور ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی جس سے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے۔ اس ناکارہ کو تو اپنی نوعمری کی وجہ سے جس کا علم بھی نہیں تھا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ میں حضرت مہتمم صاحب کے کمرہ کے سامنے سے گزر رہا تھا، موصوف نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ ”یہ بھی انہی (حضرت مولانا) کی پارٹی کا ہے“ (چونکہ اس ناکارہ کو حضرت الاستاذ سے بہت ہی اخلاص تھا اس لیے حضرت مہتمم صاحب کا یہ سمجھنا اپنی جگہ بالکل صحیح تھا مگر اس ناکارہ کو نہ ان اکابر کی رنجش کا علم تھا نہ حضرت الاستاذ نے اپنی مجلس میں کبھی اس کا تذکرہ فرمایا تھا) اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں مجھے حضرت مہتمم صاحب کے اس فقرہ پر بہت غصہ آیا اور میں نے اپنے کمرہ میں آکر ان کی خدمت میں بہت ہی لمبا خط لکھا

اب یاد نہیں کہ اس میں کیا اناپ سناپ لکھا ہوگا، مگر خلاصہ مضمون یہ تھا کہ بڑوں کی لڑائی میں چھوٹوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے آپ کا یہ سمجھنا کہ میں حضرت الاستاذ کی پارٹی میں ہوں اور آپ کا مخالف ہوں، قطعاً غلط فہمی ہے، میرے نزدیک اپنی رنجش کے باوجود آپ دونوں بزرگ لائق احترام ہیں۔ اور میرے دل میں واقعۃً دونوں کا یکساں احترام ہے۔ مگر چونکہ میں حضرت مولانا کا شاگرد ہوں اس لیے قدرتی طور پر ان سے زیادہ تعلق ہے اور ان کی خدمت میں حاضری بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ حضرت مہتمم صاحب کے بہت ہی درجات بلند فرمائیں اور ناکارہ کی گستاخیوں کو معاف فرمائیں۔ حضرت مہتمم صاحب خط پڑھ کر بہت ہی خوش ہوئے اور یاد پڑتا ہے کہ مجھے بلا کر انعام بھی دیا۔ اگلے دن اس ناکارہ نے تنہائی میں حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ آپ کی اور حضرت مہتمم صاحب کی رنجش ہے اور اس سے ہم خوردوں کے لئے بڑی مشکل درپیش ہے، اگر ایک کے پاس جاتے ہیں تو دوسرے کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ ان کا ہے ہمارا نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ میری اس بات کو سن کر خاموش رہے کچھ نہیں فرمایا لیکن اگلے ہی دن حضرت مہتمم صاحب سے صلح صفائی کر لی، یہ ناکارہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک صاحب نے کہا کیا مہتمم صاحب سے آپ کی صلح ہو گئی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:

”جب دو شخصوں کے درمیان رنجش ہوتی ہے تو ہر فریق یہ سمجھتا ہے

کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا فریق قصور وار ہے میں نے سوچا کیوں

نہ میں خود ہی کو قصور وار سمجھ کر مہتمم صاحب سے معذرت کر لوں۔“

ترمذی شریف کی یہ حدیث تو ہم نے بہت بعد میں پڑھی کہ ”جو شخص حق پر ہوتے

ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کیلئے جنت کے وسط میں گھر بنایا جاتا ہے اور جو شخص ناحق ہوتے

ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کیلئے جنت کے اطراف میں گھر بنایا جاتا ہے (۱) لیکن اس

حدیث کا عملی نمونہ پہلی بار حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کے یہاں دیکھنے کا موقع ملا۔

(شخصیات و تاثرات ص ۲۶۰)

(۲) ”کمال در بے کمالی۔“

بے نفسی و تواضع میں ان پر اپنے شیخ حضرت قطب العالم شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کارنگ غالب تھا۔ اپنے آپ کو ایسا مٹایا تھا کہ ”جزے نیست کہ ہست“ کا مضمون صادق آتا تھا۔ وہ ہر ارپوری سلسلہ میں بھی مجاز تھے۔ اور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کا ندھلوی نور اللہ مرقدہ سے بھی انہیں خلافت و اجازت تھی، لیکن ان کے یہاں مشیخت نام کی کوئی چیز سرے سے نہیں تھی، بلکہ ان کا مزاق یہ تھا کہ:

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ہم ایسے عاصی انہیں بس ایک ”مولوی“ سمجھا کئے۔ تعلق مع اللہ کی جو دولت سینہ بے کینہ میں چھپائے بیٹھے تھے کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی، تمام ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود انہیں اپنی بے کمالی کا ایسا استحضار تھا کہ اپنے آپ کو ہیچ در ہیچ سمجھتے تھے، بے کمالی کا یہی استحضار ان کا حقیقی کمال تھا ”تحفہ سعدیہ“ میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی کے حالات میں لکھا ہے:

”حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا رابطہء جانی اس قدر مستحکم تھا کہ اگر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ شریف سے قریب کسی جگہ قیام فرماتے تو آپ ان سے ملنے کے لیے ضرور تشریف لے جایا کرتے۔ اس قسم کی ایک ملاقات کے دوران حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو کمرہ سے باہر چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دونوں حضرات کے درمیان خلوت میں فقر و درویشی کے بعض اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی رہی۔ جن میں ایک یہ بات تھی کہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا ”مولانا! کمال کسے کہتے ہیں؟ ہمیں تو اس راہ میں تگ و دو کرتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے مگر کمال کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔“ آپ نے ارشاد فرمایا حضرت! بس یہی کمال ہے۔

ولی عارف زہر اندیشہ خالی است کمال عشق اندر بے کمالی است

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا قول ہے: ”دریں طریق کمال در بے کمالی است و حاصل در بے حاصلی“ (تحفہ سعدیہ ص ۳۱۴) حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کو واقعہ ”کمال در بے کمالی“ کا مرتبہ عطا کیا گیا تھا۔

(حوالہء بالا ص ۲۶۹)

مفتی محمد عبد اللہ صاحب ملتان رحمہ اللہ کی تواضع و فتائیت

آپ کے شاگرد رشید شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار حج پر تشریف لے گئے ملتزم پر حفظ قرآن کے لئے دعا کی، خواب یا مکاشفہ میں ان کو اشارہ ہوا کہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب کی خدمت میں قرآن کریم یاد کرو۔ واپس آ کر حضرت قاری صاحب کی شاگردی قبول کرنی۔ اور چھوٹے بچوں کے ساتھ قرآن کریم یاد کرنے بیٹھنے لگے۔ جب کہ اس وقت اسی خیر المدارس کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم بھی آپ تھے۔ جب تک قرآن کریم کا حفظ مکمل نہیں ہو گیا، وہاں سے نہیں ہٹے۔ ایک بار سبق یاد نہیں ہو سکا تھا حضرت قاری صاحب نے کان پکڑنے کو فرمایا، شیخ الحدیث اور مفتی اعظم فوراً کھڑے ہو گئے۔ حضرت قاری صاحب کی درس گاہ میں پہنچ کر وہ اپنے تئیں واقعہ طفل مکتب سمجھتے تھے۔ انہیں کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ وہ جس مکتب میں معصوم بچے بنے بیٹھے ہیں وہ اس دارالعلوم کا ایک شعبہ ہے جس کے وہ شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور صدر مفتی ہیں۔ کیا اس بے نفسی کی کوئی مثال اس زمانے میں دیکھی یا سنی جاسکتی ہے؟ (شخصیات و تاثرات ص ۶۴۰)

حاشیہ:

حضرت لدھیانویؒ نے پہلے مذکورہ واقعہ ماہنامہ بینات میں تحریر فرمایا تھا، پھر اس کے بعد جب ان کے مضامین کا مجموعہ ”شخصیات و تاثرات“ نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا تو اس کے حاشیہ میں آپ نے درج ذیل وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا:

”بینات“ میں میں نے جو الفاظ لکھے تھے مجھے یہی روایت پہنچی تھی۔ لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ قاری محمد شفیق الحسن (سول ہسپتال گوجرہ) نے ایک مکتوب میں اس واقعہ کی صحیح نوعیت بیان فرمائی۔ (ان کا یہ مکتوب بینات بابت ماہ رمضان ۱۴۰۵ھ میں شائع ہو چکا ہے) اس کا ضروری اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:

”میں نے ۷۵، ۷۶ء میں امام القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے گردان قرآن کریم مکمل کیا۔ اور غالباً ۷۶ء میں سند فراغت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تو مسجد سراجاں میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور صاحب بھی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (قاری صاحب) نے فرمایا۔ کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حرم کعبہ میں بحالت نیند ارشاد ہوا۔ کہ مجھے (قاری صاحب) قرآن کریم سنائیں۔ چنانچہ واپسی پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ وقت دینا شروع کیا۔ تو فرمانے لگے کہ چونکہ میری درس گاہ کا اصول ہے کہ جس طالب علم کو نیند آئے وہ از خود کھڑا ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر اسے کان پکڑنے پڑتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سارے دن کی تھکاوٹ سے چکنا چور ایک روز آئے۔ اور دوران تعلیم انہیں نیند نے گھیر لیا، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ از خود کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں قطعاً نہ کھڑے ہونے کو کہا۔ اور نہ کان پکڑنے کو مگر طلباء میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کر دیا۔“

(حاشیہ حوالہء بالا ص ۲۴۲)

حضرت حاجی محمد شریف صاحب ہوشیار پوری رحمہ اللہ کے واقعات
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ آپ
کے حالات میں لکھتے ہیں:

حضرت مرحوم پر محبت، فنائیت اور خود فراموشی و خود انکاری کا رنگ

بہت ہی غالب تھا، ان کی ہر ادا سے محبت و تواضع نکلتی تھی۔

(۱) ”خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں“.....

شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ انہیں ایسی والہانہ محبت و عقیدت تھی جس کی مثالیں بہت کمیاں ہیں، اور جب شیخ رحمۃ اللہ کی جانب سے اجازت و خلافت کی ”بشارت“ دی گئی تو حاجی صاحب نے جواب میں لکھا:

”حضرت کے ارشاد کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ خدا کی قسم! میں تو اس قابل ہوں کہ گندی نالی میں پھینک دیا جاؤں اور ہر شخص مجھ پر تھوک تھوک کر جائے۔“

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

”بس میں اپنے دوستوں کے لئے اسی حالت کا انتظار کیا کرتا ہوں اور وقوع سے مسرور ہوتا ہوں، مبارک ہو۔“

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جو کیفیت حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھی وہ واقعہ ان کا ملکہ، راسخہ بن چکا تھا۔

(۲) ”اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو۔“

ان کی فنائیت، بے نفسی اور خود شکنی کا یہ عالم تھا کہ وہ سکول ماسٹری کے زمانے میں اپنے نو عمر شاگردوں کو بلا تکلف فرما دیتے کہ ”اگر مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور کرو، میں ناراض نہیں ہوں گا، بلکہ خوش ہوں گا۔“ ان کی اس فرمائش پر کسی طالب علم نے اپنے فہم کے مطابق ان کے عیب کی نشاندہی کی تو طالب علم کو شاباش دی، اور شاگردوں کی صف میں برملا اپنے اس ”عیب“ کا اقرار کر لیا۔

(۳) ”میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا ہے۔“

ہمارے دینی مدارس کے ایک نو عمر مبتدی طالب علم کو ان کے والد ماجد نے نصیحت کی کہ کبھی موقع ملے تو حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی خدمت میں حاضری دیا کرو۔ وہ طالب علم حاجی صاحب کی خدمت میں آیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ

"میں کیسا خوش قسمت ہوں کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا ہے۔"

(۴) "اس فنائیت کی مثالیں اس دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔"

ان کی فنائیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے خلافت و اجازت کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مبتدی سالک سمجھا اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے بعد ان کے خلفا سے اپنا "اصلاحی تعلق" رکھا، پہلے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ سے، ان کے بعد حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ سے، ان کے بعد سیّدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کے بعد ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی مدظلہم العالی سے، اور یہ تعلق بھی محض رسمی و اسمی نہیں بلکہ کامل سپردگی کے ساتھ۔ جس طرح ایک مبتدی قدم قدم پر اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی مشوروں کا طالب ہوتا ہے اور اپنے تمام ارادوں کو فنا کر کے شیخ کامل کی اطاعت و انقیاد میں لذت محسوس کرتا ہے حضرت حاجی صاحب کا اسی نوعیت کا تعلق ان اکابر کے ساتھ رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس فنائیت کی مثالیں اس دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

(۵) "میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں۔"

ارشاد فرمایا کہ میں ہر روز تہجد کے وقت اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرتا ہوں:

"یا اللہ! آپ نے قیامت کے روز جتنے مجھ سے سوال کرنے ہوں، میں ابھی سے اُن کا جواب دیئے دیتا ہوں کہ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں، مجھے اس کا اقرار ہے کہ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں، اس لئے محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دیجو۔"

(۶) "میں اپنے آپ کو سب میں ذلیل ترین دیکھتا ہوں۔"

حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ مسجد میں پہلی صف میں ہمیشہ بائیں طرف بیٹھتے تھے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ہمیشہ پہلی صف میں بائیں طرف

بیٹھتے ہیں جب کہ دائیں طرف بیٹھنے میں حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے۔ تو

حضرت نے ارشاد فرمایا:

"مجھے بھی معلوم ہے کہ دائیں طرف بہت فضیلت ہے، لیکن میں یہ جگہ یعنی دائیں طرف نیک لوگوں کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور میں اپنے آپ کو سب میں ذلیل ترین دیکھتا ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں بائیں طرف رہوں۔"

(۷) "میں تو نالائق دربار اشرف ہوں".....

حضرت کے مستر شد قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدد فرماتے ہیں:

ایک دفعہ احقر نے لکھ کر دیا کہ حضرت کے جو ملفوظات ہوتے ہیں دل چاہتا ہے کہ اسی وقت نوٹ کر لیا کروں، بعد میں بعینہ وہی الفاظ نوٹ کر نادر شوار ہوتے ہیں اس لئے اجازت عطا فرمائی جائے کہ احقر مجلس ہی میں نوٹ کر لیا کرے، اس کے جواب میں حضرت کے تحریر فرمودہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"میں تو نالائق دربار اشرف" ہوں، اس لئے شرم دامن گیر ہوگی ایسا نہ کریں۔"

ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

"کوئی شخص آ کر مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے چڑا رہا ہے، زیادہ اصرار کرتا ہے تو حضرت کا حکم سمجھ کر بیعت کر لیتا ہوں۔"

(۸) "کاش! وہ لڑکا میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی پگڑی اس کے پاؤں پر رکھ دیتا۔"

ایک متعلق نے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنے بیٹے کی نافرمانیوں کا حال لکھا اور اپنی بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

"حالات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا، کاش! وہ لڑکا میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی پگڑی اس کے پاؤں پر رکھ دیتا۔"

یہ خط جب واپس پہنچا تو لڑکے کے والد صاحب یہ خط پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے، اسی نا فرمان لڑکے نے آ کر پوچھا کہ ابا کیا بات ہے آپ رو رہے ہیں؟ تو باپ نے وہ خط سامنے کر دیا، خط پڑھتے ہی لڑکے کی حالت بدل گئی اور وہ فرماں بردار بن گیا۔

(۹) ”حضرت کے تحریر فرمودہ دو خط“۔

پہلا خط: قاری محمد اسحاق صاحب ملتانی تحریر فرماتے ہیں:

حضرتؒ اپنی مسجد میں امامت کے فرائض خود انجام دیتے تھے، اور صبح کو کتاب پڑھ کر سناتے تھے، پیرانہ سالی کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امامت اور کتاب سنانے کی خدمت میرے متعلق کر دی۔ حضرتؒ کے حکم سے کتاب میں سنانے لگا، چند احباب نے تقاضا کیا کہ میرے کتاب سنانے کے بجائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود چند کلمات فرمادیا کریں لیکن منظور نہیں فرمایا۔ ایک صاحب نے چند رفقاء کے ساتھ تحریری طور پر حضرت کی خدمت درخواست کی، اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ

محترم و مکرم جناب خان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے جزباتِ محبت اور دعاؤں سے یہ ناکارہ بہت زیادہ متاثر ہوا، ایک کیف و سرور کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ خان صاحب! بات اصل میں یہ تھی کہ نماز کے بعد امام کی جگہ فوراً بیٹھنا اور بجائے امام کے کچھ بیان کرنے میں دعویٰ اور امتیاز کی سی صورت تھی جو مجھے پسند نہ تھا، دعویٰ اور امتیاز میں بڑے مفاسد ہیں اور عبادت کا حاصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مٹتا ہے اور دعویٰ اور امتیاز اس کی ضد ہے جو مہلک ہے۔

لیکن محبت میں ایسی کشش ہے جیسی مقناطیس میں ہوتی ہے کہ وہ لوہے کو کھینچ لیتا ہے، میں لوہے سے بدتر ہوں، لیکن آپ کی محبت نے مجھے کھینچ لیا، انکار کی گنجائش و ہمت نہیں پاتا اور پھر یہ محبت و تمنا صرف آپ کی نہیں سب احباب کی ہے اس لیے بھی مجھے خود رائی نہیں کرنا چاہیے۔ سر تسلیم خم ہے انشاء اللہ کچھ کہہ دیا کروں گا۔

چونکہ مجھے ہر ایک کی آزادی محبوب ہے، میں کسی کو مقید رکھنا نہیں چاہتا اور بعض حضرات کو ضروری کام ہوتے ہیں میں ان کا حرج نہیں کرنا چاہتا، اس لیے امام کی دعا کے بعد

کچھ کہا کروں گا، تاکہ ہر ایک کی آزادی برقرار رہے، جو چاہے چلا جاوے۔

آپ حضرات کی دعاؤں کا ممنون

احقر محمد شریف عفی عنہ

۷۰۹۔ نواں شہر ملتان

دوسرا خط:

ہمارے والد صاحب کبھی کبھی صبح کی نماز حضرت والا کی مسجد میں پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری فلاں بات آپ اگر والد صاحب کو کہہ دیں تو والد صاحب مان جائیں گے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب آئیں گے تو کہہ دوں گا۔ اس کے بعد میں نے جا کر والد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت نے آپ سے کوئی بات کرنی ہے آپ صبح کی نماز میں آ جائیں، تو والد صاحب صبح کی نماز میں آ گئے۔ حضرت نے میری وہ بات والد صاحب سے کہہ دی، والد صاحب کے چلے جانے کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے دریافت فرمایا، کیا تم نے والد صاحب کو جا کر یہ تو نہیں کہا میرے ہاں کا کہ وہاں جاؤ کوئی بات کرنی ہے..... میں نے عرض کیا کہ کہا تھا، یہ بات سنی تھی کہ حضرت بے تاب ہو گئے، فرمایا کہ تم نے کیوں کہا؟ میں نے کہا تھا کہ وہ جب آئیں گے تو میں کہہ دوں گا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بیٹھو! میں تمہیں خط لکھ کر دیتا ہوں اس پر اُن سے لکھوا کر لاؤ کہ معاف کر دیا اور مندرجہ ذیل خط لکھ دیا:

محترم و مکرم جناب عبدالقیوم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ صبح آپ کو ضروری کام تھا، آپ حرج کر کے مجھے ملنے آئے، اور محمد اسحاق کے تقاضا پر تشریف لائے، میں نے آپ کو نہیں بلایا تھا، صرف یہ کہا تھا کہ جب ملنا ہو گا کہوں گا کہ اسحاق کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو مجھے خود آپ کی

خدمت میں آنا چاہیے تھا۔ مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ میں یہ کہوں کہ آپ انہیں۔ بہر حال میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی، میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے معاف فرمادیں، یقیناً جانیں میں جو کچھ کہتا ہوں آپ سے ہمدردی اور آپ سے محبت کی وجہ سے کہتا ہوں، دل چاہتا ہے آپ سب آرام سے رہیں، کیونکہ یہ غلطی اسحاق نے کرائی مگر میری وجہ سے ہوئی اس لئے معافی چاہتا ہوں، کوئی بات خلاف مزاج میں نے کہی ہو اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔

اس پرچہ پر دستخط کر کے مجھے بھیج دیں، یہ بھی تحریر فرمادیں کہ "معاف کر دیا"۔
میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ ۲۷ صفر ۱۳۹۸ھ

دعا گو

احقر محمد شریف غفلی عنہ

۷۰۹ نواں شہر۔ ملتان

(ماخوذ از شخصیات و تاثرات ۲۳۸-۲۵۶)

(۱۰) "حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی شان عبدیت"۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد استاذ محترم حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجددِ ہم (خلیفہ، مجاز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ) کی درخواست پر حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ، مجاز حضرت اقدس مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم نے حضرت کے حالات و کمالات تحریر فرماتے ہوئے آپ کی "شان عبدیت" سے متعلق ایک اہم اور جامع مضمون تحریر فرمایا جو ذیل میں من و عن پیش خدمت ہے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے حضرات خصوصاً مجازین حضرات میں عبدیت و تواضع کوٹ کوٹ بھری کہ ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بھی بہت اونچے درجے

کی تواضع اور فنا کی شان تھی۔

اس تواضع اور عبدیت کی ایک مثال یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے فوراً بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ سے حضرت والا نے اپنی تعلیم کی درخواست فرمائی:

”حضرت خواجہ صاحب! یہ ناکارہ آئندہ اپنے آپ کو تعلیم کے لئے آپ کے سپرد کرتا ہے للہ منظور فرمائیں۔“

جواب حضرت خواجہ صاحب: ”اس ضابطہ کی کیا حاجت ہے۔ میں تو یوں بھی گویا مان نہ مان میں تیرا میزبان ہوں، پوچھنے پر بلکہ بے پوچھے بھی جو الٹا سیدھا سمجھ میں آتا ہے عرض کرتا ہی رہتا ہوں اور کرتا ہی رہوں گا۔“

نقل ارشاداتِ مرشدِ کم - آنچہ مردم مے کند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب - نقل سے بھی ہو وہی فیض اتم

(بحوالہ ”اصلاح دل“ چوتھا ایڈیشن۔ ص ۱۹۸)

اور پھر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان الفاظ کے ساتھ حضرت والا نے اپنے آپ کو حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مزید ترقی کے لئے پیش فرمایا:

”حضرت اقدس، تعلیم اور اصلاح کے سلسلہ میں مجھے مکاتیب کی اجازت فرما دیں، میرا مقصود اس تعلیم سے محض رضائے مولا ہے۔“

جواب حضرت مفتی صاحب: ”بسر و چشم اجازت ہے۔ حق تعالیٰ اسی تعلق کو اپنے تعلق کا ذریعہ بنائے اور طرفین کے لیے موجب قرب و رضا ہو (اصلاح دل چوتھا ایڈیشن ص ۲۰۱)۔“

پھر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا

خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم کا تعلق قائم فرمایا، ان دونوں کا ذکر حضرت والا کے اس مکتوب میں ہے جو حضرت والا نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریر فرمایا۔: وہو هذا

”حضرت مرشد تھانوی کے بعد میں نے تجدید بیعت کسی سے نہیں کی البتہ تعلیم و اصلاح کیلئے اپنے آپ کو اول حضرت خواجہ صاحب، ان کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور ان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ (کچھ الفاظ کے بعد) اب مولانا خیر محمد صاحب کے بعد میں تعلیم اور مشورہ آپ سے لینا چاہتا ہوں، آپ کی محبت سے میرا دل لبریز ہے۔ اللہ! میری درخواست قبول فرمادیں۔

(اصلاح دل چوتھا ایڈیشن ص ۲۵)

اور حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ ہی میں حضرت والا اپنے خالق حقیقی سے واصل ہوئے۔ گویا آخری سانس تک باوجود کامل و مکمل ہونے کے، باوجود کثیر مریدین کے، باوجود متعدد خلفاء کے اپنے آپ کو مرید ہی بنائے رکھا یہ فنا کا بہت اونچا مقام ہے

تم درود گم شو وصال این است و بس - گم شدن گم کن کمال این است و بس
اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے تکبر نے ابلیس کو ملعون بنایا، اکثر کفار کے لیے ایمان سے مانع تکبر ہے اور اکثر اہل ایمان کو اصلاح باطن اور دینی ترقی سے مانع اور اپنے زمانہ کے مشائخ کی طرف رجوع کرنے سے مانع یہی تکبر ہے۔ اس تکبر کو حضرت والا نے اپنے قول اور عمل سے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

جب تک ڈاکٹروں نے منع نہیں کیا حضرت والا ملتان شہر میں ہمیشہ سائیکل پر آتے جاتے اور کمال تواضع کی وجہ سے سائیکل سے اتر کر اپنا سائیکل خود پکڑ کر جہاں کھڑا کرنا ہوتا تھا، کھڑا کرتے تھے کسی دوسرے کا پکڑنا پسند نہ کرتے تھے۔

خیرالمداس کے جلسوں میں اور فجر کے بعد درسوں میں بہت کثرت سے شرکت فرماتے تھے لیکن ہمیشہ عام آدمیوں کے ساتھ مل جل کر جلسہ سنتے تھے۔ علما کے پاس سٹیج پر احقر نے کبھی بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے جبکہ ”عیات المسلمین“ کے اجلاس میں سب سے اہم مہمان حضرت والا ہی تھے، ختم بخاری کے موقع پر عام سامعین کے ساتھ گھل مل کر تشریف فرما ہو گئے، برادر م مولانا عبدالرحمن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ نے کوشش کر کے آگے بٹھایا۔

ایک دفعہ ملتان میں حضرت کے دولت کدہ کی چھت پر حضرت نے بھی سونا تھا اور حضرت والا نے بھی وہیں سونا تھا تو ایک چارپائی بڑی تھی دوسری چھوٹی تھی احقر نے بہت کوشش کی کہ وہ چھوٹی پرسوئے مگر کمال عہدیت کی وجہ سے فرمایا کہ چھوٹی چارپائی پرسونے کی اجازت نہیں ہے۔

یا اللہ! اپنے اس عبد کامل کو درجات عالیہ سے نوازا۔ آپ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

من تواضع الله رفعه الله (فیوض الاکابر ص ۴۳-۴۵)

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب راپوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت عبدالقادر راپوریؒ) کی تواضع و افنائیت:

”حضرات! مجھ سے تقریر کا تقاضا کیا گیا ہے لیکن مجھے تقریر کرنی نہیں آتی۔“

ایسے ہی ایک دینی جلسہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے منتظمین جلسہ نے بطور اعزاز و اکرام آپ سے سٹیج پر بیٹھنے کی درخواست کی پہلے تو آپ نے سٹیج پر بیٹھنے سے انکار کیا لیکن شدید تقاضا پر بیٹھنا قبول فرمالیا جب آپ سٹیج پر تشریف فرما ہوئے تو اسٹیج سیکٹری نے آپ سے پیش کی۔ اجازت کے بغیر اعلان کر دیا کہ حضرت جی کچھ ارشاد بھی فرمائیں گے اور ساتھ ہی آپ سے تقریر کرنے کا تقاضا کیا حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی میں تقریر نہیں کیا کرتا نہ ہی مجھے تقریر آتی ہے مگر نا سمجھ اسٹیج سیکٹری مصر رہا اور بالآخر اس نے کہا کہ پھر آپ مائیک پر تشریف لا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ مجھے تقریر نہیں آتی اس پر حضرت

اپنی جگہ سے اٹھ کر میک پر تشریف لائے اور بڑی سادگی اور متانت کے ساتھ فرمایا کہ حضرات مجھ سے تقریر کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے لیکن مجھے تقریر نہیں آتی یہ جملہ ارشاد فرمایا اور پھر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اس پر سب سامعین جلسہ حیران اور ششدر رہ گئے اگرچہ آپ کسی جلسہ میں وعظ و تقریر نہیں کیا کرتے تھے لیکن عام مجالس میں بالخصوص خانقاہ شریف میں گھنٹوں عملی مباحث اور دینی مسائل پر نہایت عمدہ گفتگو فرمایا کرتے اور معلوم ہوتا کہ جیسے علم کا کوئی سمندر امنڈ آیا ہے۔ (تذکرہ الصالحین ۲۴۲)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات
کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی؟

آپ کے خلیفہ مجاز مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہمیں برا بھلا کہتا ہے تو اس سے ہمارے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، اور جو لوگ بڑی عقیدت سے لمبے چھوڑے القاب لکھ بھیجتے ہیں، ان سے نفس پھولتا ہے، برا بھلا کہنے والوں سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے، حضرت کے صبر و ضبط کی ایک چھوٹی سی مثال بیان کر دینا کافی ہوگا۔ آپ کے یہاں کسی صاحب نے مزدوری کا کوئی کام کیا تھا، اس کو اس کی مزدوری دی جا چکی تھی۔ خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ صبح ہی صبح جب کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مطب میں جا کر بیٹھے ہی تھے، وہ صاحب آئے اور اپنی مزدوری مانگنے لگے، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! تمہاری اجرت تو ہم تمہیں دے چکے ہیں، بس اتنا کہنا تھا کہ ان

صاحب نے بغیر کسی تمہید کے بدکلامی شروع کر دی کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی، داڑھی رکھی ہوئی ہے بزرگ بنے بیٹھے ہو، مزدور کی مزدوری مارتے ہیں! وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا، ایک خادم نے ان صاحب کو کمرے سے باہر لے جانا چاہا، تو حضرت نے نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھئی! ان کو کچھ نہ کہو، ان صاحب نے آج ہمیں خود ناشتہ کرایا ہے، پھر اسے پانچ روپے مرحمت فرمائے تو وہ خوش ہو

کردعائیں دینے لگا۔ حضرت اپنی مجلس میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے تو اس کے الفاظ:
کیوں جھوٹ بولتے ہو، شرم نہیں آتی نقل فرما کر خوب محظوظ ہوتے تھے۔ بے نفسی اور فنائیت
کا یہ مقام خاص مقبولانِ الہی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ حضرت کا حال واقعہ شیخ سعدی کے اس
قول کا مصداق تھا

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادِ دوستانِت خلاف است و

جنگِ راقم الحروف کو سا لہا سال تک حضرت کی خدمت میں حاضری کی توفیق و سعادت میسر
آئی۔ لیکن اس طویل عرصے میں حضرت کو کسی ناگوار بات پر بگڑتے ہوئے یا کسی کو ڈانٹتے
جھڑکتے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ البتہ اپنے بیان میں جب دورِ حاضر کی بے حیائی، بے
پردگی، مردوزن کے اختلاط، ریڈیو، ٹی وی، اور دیگر فواحش و منکرات پر نکیر فرماتے تو بے سا
ختہ حضرت کا لہجہ تیر تر ہو جاتا، جہرہ پر نفرت و بیزاری کے آثار ظاہر ہو جاتے اور لب و لہجہ
سے غیظ و غضب نپکتا، جس طرح حضرت کی مسکراہٹ کی عادت بہت پیاری معلوم ہوتی تھی
اور اس وقت حضرت کا منہ چوم لینے کو جی چاہتا تھا، اسی طرح حضرت کا یہ غضب ناک لہجہ بھی
بہت ہی بھلا لگتا تھا۔ (شخصیات و تاثرات ۲۹۸)

(۲) ”تو انجامِ کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔“

آپ ہی کے خلیفہ مجاز حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں:
ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گھر میں کبھی
کبھی ننگے پیر بھی چلتا ہوں، اس لیے کہ کسی روایت میں پڑھ لیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کسی
موقع پر ننگے پاؤں بھی چلے تھے میں بھی اس لیے چل رہا ہوں تا کہ حضور ﷺ کی اس سنت پر
عمل ہو جائے۔ اور فرمایا کرتے کہ میں ننگے پاؤں چلتے وقت اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا
ہوں کہ دیکھ، تیری اصل حقیقت تو یہ ہے کہ نہ پاؤں میں جو تانہ سر پر ٹوپی اور نہ جسم پر لباس
اور تو انجامِ کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔ (اصلاحی خطات، جلد ۳۷)

(۳) ”نشست کے انداز میں بھی سادگی“۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

نشست کے انداز میں بھی سادگی کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر کبھی مجلس میں تکیہ لگا کر نہیں بیٹھے، آخر عمر میں جب ضعف بہت زیادہ ہو گیا تھا، ہم خدام نے بارہا باصرار کہا کہ تکیہ لگالیں، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہ مانے، شروع میں مجلس میں اندر کسی ممتاز اونچی جگہ پر بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے، بعد میں جب لوگ زیادہ ہو گئے، اور ارشادات سے استفادے میں انہیں وقت ہونے لگی تو جمعہ کی مجلس میں ایک چوکی پر بیٹھنے کو منظور فرمالیا، مگر دو شنبہ کی مجلس میں نیچے ہی بیٹھتے، اور اپنے لیے کوئی امتیاز قائم نہ فرماتے (البلاغ حضرت عارفی نمبر ۲۵۶)

(۴) ”چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت اور آپ کی تواضع و انکساری فقیہ العصر عارف باللہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

حضرت ڈاکٹر صاحب اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اور آپ کی تواضع اور انکساری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا فرمایا:

صرف مصافحہ نہیں، بلکہ معافقہ کریں گے۔ کہاں میں، اور کہاں حضرت ڈاکٹر صاحب کا مقام اور پھر اس بے تکلفی اور محبت سے پیش آنا، انتہائی درجہ کی تواضع ہے۔

ایک بار یہاں تشریف لائے، معافقہ فرماتے ہوئے کہنے لگے کچھ اپنے دل سے ہمارے دل میں داخل کر دیجئے، میں نے عرض کیا: حضرت! جس طرف نشیب ہوگا، اس طرف خود ہی آجائے گا۔ تو اس طرح اپنے چھوٹوں سے کہنا کہ ”کچھ دید دیجئے“۔ اعلیٰ درجہ کی انکساری ہے ایک بار حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کی شادی پر دعوت ولیمہ میں مجھے بلایا، میں جیسے ہی حاضر ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا کہ جو آپ یہاں تشریف لائے ہیں، یہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ اور یہ احسان میں مدت عمر تک نہیں

بھولوں گا۔ ایسے الفاظ سے چھوٹوں کی دلجوئی کرنا اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا ایسی تواضع اور انکساری کی مثالیں نہیں ملتی۔ آخر پھر وہی شعر۔

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا وَيَزَحْمُ اللّٰهُ عَبْدًا يَقُولُ آمِينَ
(البلاغ حضرت عارفی نمبر ۳۳۴)

(۵) ”تواضع و شفقت“۔

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

جب بھی حاضری ہوتی، اس قسم کے ارشادات فرماتے:

”بھئی آپ کے آجانے سے ہمارا جی بہت خوش ہوتا ہے۔“ آپ حضرات کو بہت دور سے آنا پڑتا ہے یہ بھی بڑا مجاہدہ ہے، بھئی آپ حضرات کا ہمیں انتظار رہتا ہے، جب موقع ملا کر آجایا کریں۔ ”ماشاء اللہ آپ حضرات میں طلب ہے، طلب بڑی چیز ہے، اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔“

تواضع و شفقت کا اندازہ فرمائیے کہ یہ جملہ بھی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ:

بھئی آپ حضرات کے آجانے سے ہمیں بڑی تقویت ہوتی ہے۔ حضرات یہ ارشاد فرماتے، اور ہم اندر ہی اندر شرم سے پانی پانی ہو جاتے، (حوالہ بالا ۱۲۷)

(۲) ”خادم کا منصب“۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے کئی بار فرمایا کہ:

ایک اعظیم منصب آپ کو ایسا بناتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے، خادم بن جاؤ ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو، ساری خرابیاں ”مخدوم“ بننے سے پیدا ہوتی ہیں خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا، یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ سید القوم خادمہم، یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے اور سب سے

محفوظ بھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ والا کے مزاج میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مخدومیت کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک دو مرتبہ خود فرمایا کہ:

”بحمد اللہ میں نے عمر بھر اپنی اہلیہ سے بھی اپنے کسی ادنیٰ کام کو نہیں کہا، مثلاً پانی پلا دو یا فلاں چیز اٹھا دو، یہ بھی کبھی نہیں کہا، یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی سے میرے بہت سے کام کر دیتے ہیں، اور کبھی سخت سے سخت ناگواری کے موقع پر بھی میں نے ان سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔

بالکل یہی بات حضرت کی اہلیہ صاحبہ مدظلہا نے بھی ہمارے گھر والوں سے بیان فرمائی احقر عرض کرتا ہے کہ لوگ بزرگوں کی کرامتیں تلاش کرتے ہیں مگر اس استقامت کے سامنے کرامت کی کیا حیثیت۔ عارفین باللہ کا ارشاد ہے کہ ”الاستقامتہ فوق الف کرامتہ“ یعنی استقامت ہزار کرامتوں پر بھاری ہے جس کی بے نفسی کا یہ عالم ہو کہ بیوی سے بھی عمر بھر کام کو نہ کہے، وہ کسی اور سے کیا خدمت لے گا۔ لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نفسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ و دشمنی سے بھی بچتے تھے، چنانچہ خاص اہل محبت اگر کرنا چاہتے تھے تو انکو روکتے بھی نہ تھے۔ سر میں تیل کی مالش اور پاؤں دبانے کی اجازت دے دیتے تھے، ایسے ہی ایک دو موقع پر اپنا یہ واقعہ سنایا کہ:

ایک بار حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، موقع دیکھ کر میں نے ان کے پاؤں دبانے کی اجازت چاہی تو اجازت دے دی، جب میں پاؤں دبارہا تھا تو آپ نے مزاح فرمایا کہ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مخدوم بننا چاہتے ہو“ اشارہ اس طرف تھا کہ جو شخص اپنے بڑوں کی عزت و خدمت کرتا ہے، اس کے چھوٹے اس کی عزت و خدمت کرتے ہیں۔ (۱۹۳)

(۷) ”آندھیاں اور خاکساری“۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں میں اپنے وطن سے کسی کام کے سلسلے میں ایک

دیہات میں گیا، راستہ کچا تھا، اور وہاں آنے جانے کے لیے تانگے چلا کرتے تھے، اپنے کام سے فارغ ہو کر تانگے میں واپس آ رہا تھا، راستے میں ایک طویل و عریض صحرا پڑا ہوا تھا، تانگے والے نے چلتے چلتے اچانک ایک جگہ تانگہ روک دیا، اور ہم سے کہا کہ تانگے سے اتر جائیں، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس علاقے میں بڑی خوفناک آندھی چلا کرتی ہے جس سے بڑی تباہی مچتی ہے بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اڑا لی جاتی ہے اور آثار سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آندھی آئیوالی ہے۔

آندھی کی ابتدا ہوئی تو ہم نے ایک قریبی درخت کی آڑ میں پناہ لینی چاہی تو تانگے والے نے چیخ کر کہا کہ درخت کی آڑ میں ہرگز نہ رہیں، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس آندھی میں بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں اس لیے ایسے درخت کی پناہ لینا بہت خطرناک ہے، ہم نے پوچھا کہ ”پھر کیا کرنا چاہیے“۔ تو تانگے والے نے جواب دیا کہ بس اس آندھی سے بچاؤ کی ایک ہی شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ زمین پر اوندھے ہو کر لیٹ جاؤ ہم نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور نیچے لیٹ گئے، آندھی آئی اور بہت زور سے آئی، جھاڑیوں اور ٹیلوں تک کو اڑا لے گئی۔ لیکن یہ سارا طوفان ہمارے اوپر سے گزر گیا، اور بحمد اللہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوا، تھوڑی دیر میں آندھی ختم ہو گئی تو دیکھا کہ سطح زمین پر سکون ہی سکون ہے ہم نے زمین سے اٹھ کر اپنی راہ لی۔

یہ واقعہ تو ہونے کو ہو گیا، لیکن ہم نے اس سے بڑا سبق لیا، ہمیں اس واقعے سے یہ سبق ملا کہ وقت کی آندھیوں کا علاج اونچے اونچے سہارے ڈھونڈنے میں نہیں بلکہ خاکساری اور بندگی کے فرش پر جہین نیاز ٹیک دینے میں ہے، ہمارے ارد گرد اب بھی نہ جانے کتنی خوفناک آندھیاں چل رہی ہیں، جو ہمارے دین و دانش کی ساری متاع اڑا لی جائیگی فکر میں ہیں۔ ان آندھیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ انسان عاجزی، فروتنی، خاکساری اور بیچارگی لیکر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو جائے، الہی سے کہے کہ یا اللہ میں ان آندھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا اپنے فضل و کرم سے آپ ہی مدد

فرمائیے، اور ان کے شر سے مجھے بچالیں۔ اگر یہ کر لیا تو انشاء اللہ ساری آندھیاں اوپر سے گزر جائیں گی، اور تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی اگر تم آندھیوں پر غالب ہو گئے، آندھیاں تم پر غالب نہ آسکیں گی

تصور عرش پر ہے، وقف جبیں میری مرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا، زمین میری

(ص ۲۸۱)

عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کے واقعات

مولوی قاری محمد دین صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے حضرت جی میں تواضع کی صفت بدرجہ اتم ہے آپ نے اپنی تعریف کبھی اپنی زبان سے نہیں کی، اگر کسی نے آپ کے سامنے تعریف کی تو آپ کی عادت یہ ہے کہ خاموش ہو جاتے ہیں یا نہیں نہیں فرمادیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جس نے اللہ کیلئے تواضع وانکساری کی اللہ تعالیٰ اسکو بلند فرمادیتے ہیں) آپ اس حدیث کے صحیح مصداق ہیں کہ جتنی آپ تواضع فرماتے ہیں اتنی ہی عزت و رفعت اللہ کی طرف سے آپ کو ملتی ہے، اس وقت جو بے پناہ مقبولیت بزرگانِ دین میں ہمارے حضرت والا کو حاصل ہے۔ وہ باید و شاید۔ آپ اس دعا کے بھی صحیح مصداق ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا (اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے)۔ آپ کی تواضع کے چند واقعات و ارشادات بطور نمونہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

واقعہ (۱)

احقر نے بذریعہ خط حضرت والا سے استدعا کی کہ آپ اس خادم کو بیعت فرمالیں۔ حضرت والا نے عزر فرمادیا۔ بہت اصرار کے بعد آپ نے تحریر فرمایا: اس شرط پر اس کو بیعت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی اصلاح میں کمی رہ جائے تو قیامت کے دن آپ مجھ سے بالکل

مواخذہ نہ کریں۔ اس کے جواب میں بندہ نے تحریر کیا: حضرت جی انشا اللہ کہ قطعی ایسی حرکت نہیں کروں گا، اگر میری اصلاح میں کمی رہ گی تو وہ میری اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو گی۔ تب اس یقین پر آپ نے بندہ کو بیعت فرمایا۔ (سوانح فتحیہ ۲۵۴)

واقعہ (۲)

حضرت والا نے اپنا وصیت نامہ ص ۹ پر تحریر فرمایا: اپنی اہلیہ محترمہ سے گزارش ہے کہ آپ نے وفاداری، محبت اور خلوس کے ساتھ خوب خدمت کی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں اپنی شایان شان بہت جزاء خیر عطا فرمائے۔ بندہ آپ سے بہت ہی خوش ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں خوشیاں نصیب کرے، بندہ سے خاص کر معذور، مفلوج ہونے کے زمانہ میں آپ کی ضرورت تلافی ہوئی اس کی معافی چاہتا ہوں، خدا کے لیے معاف کر دیں۔ انشا اللہ

اللہ پاک آپ کو دونوں جہانوں میں جزاء خیر عطا کریں گے اور بندہ کی جدائی پر صبر و تحمل کو نہ جانے دیں، محض اللہ پر بھروسہ رکھیں وہی سب کا متولی، مددگار ہے اس تحریر کے لفظ سے تواضع اور انکساری کا سبق ملتا ہے کہ آپ نے اپنی خودی کو کس طرح مٹایا۔ اور یہ طلب معافی محض اس لیے ہے کہ آخرت میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو کیونکہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کی حق تلفی کی اور دنیا میں معافی نہ مانگی تو آخرت میں باز پرس ہوگی اور اگر خاوند نے بیوی پر ظلم کیا اور اس کی حق تلفی کر کے معافی نہ مانگی تو آخرت میں بیوی خاوند پر دعویدار ہوگی۔ (ایضاً ۲۵۴)

واقعہ (۳)

وصیت نامہ ص ۷ پر تحریر فرماتے ہیں: تعلیم قرآن و قرأت کے زمانے میں طلبہ کو بغرض اصلاح، زجر و تنبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی، ممکن ہے کہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدت یا نفس کی آمیزش ہو گئی ہو اس لیے میں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ مجھے دل سے معاف فرمادیں۔ یہ

معاف کرنا انشاء اللہ ان کے لیے بھی مفید اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔
اس ارشاد کے ایک ایک لفظ لفظ سے تواضع و انکساری ٹپک رہی ہے (ایضاً ۲۵۴)
واقعہ (۴)

حضرت دین محمد ناقل کو حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا (جو سوانح عمری
حضرت والا کی اجازت میں تھا)
عزیزم! بندہ تو اب سوائے دعا کے اور کسی کام کا نہیں رہا، بس پڑا احباب و اعزہ کے لیے دعا
گورہتا ہوں اللہ پاک قبول فرمائے۔ بندہ بذاتِ خود اس قابل نہیں کہ میری سوانح لکھی
جائے ”من انم کہ من دانم“ بس محض احباب و اعزہ کی دلجوئی و دلاسا کے
طور (حضرت مولانا قاری) محمد طاہر (صاحب مدظلہ) نے ارادہ فرمایا ہے۔ اللہ پاک ان کی
جملہ مساعی کو قبول فرمائے قدم قدم پر ان کے معین اور مددگار رہیں تو فیق مزید سے نوازیں۔
عزیزم! واللہ بندہ کچھ بھی نہیں جو کچھ بھی اعزہ و احباب کو نظر آتا ہے وہ محض اللہ
پاک کا کرم ہے اور قرآن کریم ہی کی برکات کا ثمرہ ہے، بس اس کے سہارے زندہ ہوں اور
اسی سے ایک آس لگائے پڑا ہوں، خدا کرے خوشی خوشی وقت پر یہاں کا حسن خاتمہ اور بقیع
کا مدفن نصیب ہو آمین“

اس مکتوب گرامی کے لفظ لفظ سے تواضع کا سبق ملتا ہے، اتنی بڑی ہستی اپنے آپ کو کوئی چیز
نہیں سمجھتی جس کی جوتیوں میں بیٹھنا بڑے بڑے علماء و قراء اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتے
ہیں (ایضاً ص ۲۵۷)

واقعہ (۵)

یہ حقیر ناچیز خادم حضرت والا (دین محمد) جس وقت پہلے حج پر گیا، ساڑھے چار ماہ
حرمین میں قیام رہا اس دوران حضرت والا کی خوب صحبت اٹھائی۔ حضرت اقدس بندہ کے
قیام مکہ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آخر میں بندہ بھی مدینہ منورہ گیا۔ حضرت والا
پھر عمرہ کے لئے مکہ المکرمہ تشریف لے آئے یہ ناچیز پھر عمرہ کے ارادہ سے مکہ آیا حضرت

والا سے ملاقات ہوئی، عصر کی نماز کے بعد حاضر ہوا تو فرمانے لگے کس جگہ سے جدہ کے لیے سوار ہونا ہے؟ میں نے عرض کیا فلاں جگہ سے۔ چنانچہ بندہ آب زمزم پینے کے لیے گیا پھر وہاں سے سامان لے کر اڑے پر پہنچا تو حضرت والا کسی ساتھی کو لے کر اڑے پر پہنچے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا حضرت جی! میں نے ملاقات کر لی تھی اجازت بھی چاہ لی تھی آپ نے اتنی تکلیف کیوں فرمائی؟ فرمانے لگے دل چاہتا تھا کہ آپ کو گاڑی پر پہنچا کر آؤں پھر میں نے عرض کیا! حضرت جی دعا فرمائیں اللہ پاک مجھ کو خیر و عافیت کے ساتھ پہنچائے کیونکہ حرمین کے قیام میں بندہ بیمار رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ سفر کی وجہ سے پھر بیمار ہو جاؤں حضرت والا نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے، پھر حضرت اقدس نے بہت ہی رقت آمیز دعا فرمائی، حاضرین بھی ارد گرد جمع ہو گئے حضرت والا کی دعا سے تمام سفر میں بالکل بیمار نہ ہوا اور نہ ہی یہاں آ کر بیماری لاحق ہوئی۔ الحمد للہ بہت ہی اچھی صحت رہی۔

اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی تواضع روز روشن کی طرح واضح معلوم ہو رہی ہے کہ یہ خادم، حضرت والا کے محض ادنیٰ خدام میں سے تھا، لیکن پھر بھی غایت تواضع سے کام لیتے ہوئے کتنی حوصلہ افزائی فرمائی (اقتباس از ”مقابلہ دینیہ“، تہذیب و اصلاح)

(ایضاً ۲۵۷)

واقعہ (۶)

جناب حاجی ثار احمد خان صاحب رقمطراز ہیں:

علوم قرآنی کے اتنے بڑے اور مستند عالم ہونے اور سینکڑوں حفاظ اور قراء کے استاذ ہونے کے باوجود حضرت کی کسر نفسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی خطوط میں ”میرے پیارے بزرگ“ کے القاب سے مخاطب فرماتے۔

حضرت صاحب کی للہیت اور بے نفسی کا صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ سے بندے کی خط و کتابت ہے، بہت معمر بزرگ ہیں اور بڑے صاحب نسبت ایک مرتبہ میں نے انکو لکھا کہ بندہ جناب کی بابرکت صحبت میں چند دن

گزارنا چاہتا ہے اجازت فرمائیں تو حاضر ہو جاؤں“
انہوں نے جواب میں لکھا:

پہلے اپنے شیخ محترم سے اجازت لیں، اور ان کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی دوسرے شیخ کی ضرورت بھی نہیں، الحمد للہ! یہ بزرگ بھی ہمارے اکابر کے مسلک پر ہیں اور ان کی بھی للہیت اور بے نفسی ان کے جواب سے ظاہر ہے تاہم میں نے اپنے شیخ کو ان بزرگ کا خط بھیجا اور ساتھ میں استدعا کی کہ ایک سفارشی خط ان بزرگ کے نام لکھ دیں تاکہ گاہ بہ گاہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتا رہوں۔ حضرت صاحب نے اس کے جواب میں جو خط ان بزرگ کو لکھا ہے وہ حضرت کی کسر نفسی اور فنائیت کا ایک شاہکار ہے، اس خط کا اقتباس پیش کرتا ہوں

میرے پیارے بزرگ:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

شکر الحمد للہ بندہ بایں معذوری بخیر ہے۔ خدا کرے آپ بھی مع احباب و متعلقین بعافیت ہوں۔ اللہ پاک سب کو دونوں جہاں کی خوشیوں بھری نعمتوں سے مالا مال فرمائیں۔ اور بوقت موعود خوشی خوشی بحسن خاتمہ نصیب ہو۔ مدینہ منورہ میں حسن خاتمہ کی تمنا رکھنے والوں کی بھی خدا کرے وقت پر حقیقی محبت و خوشیوں بھری یہ آرزو پوری ہو، آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

المرام آنکہ عزیزم ثار احمد خان صاحب سلمہ، میرے ظاہری و باطنی عیوب سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی حسن خوش عقیدگی سے بندہ گندہ کے ذریعہ داخل سلسلہ ہوئے تھے اور ماشاء اللہ معمولات پر برابر مستقل اور مستقیم رہے مگر بایں استقلال و استقامت بزعم خود اب تک واصل نہ ہو سکے۔ جب سے بندہ مفلوج اور احباب سے دور ہوا اور خدمت سے قاصر ہوا ہر ایک کو دوسرے بزرگوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتا رہا، عزیز موصوف کے خط سے معلوم ہوا کہ انہیں آپ سے بہت عقیدت ہے بڑی خوشی ہوئی۔ بندہ بطیب خاطر عزیز

موصوف کو آپ سے اصلاحی تعلق رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور آپ کی خدمت میں بھی گزارش و سفارش کرتا ہے کہ براہ شفقت و عنایت انہیں قبول فرمائیں اور خصوصی توجہات و عنایات اور دعاؤں سے انہیں نوازیں۔ بندہ بھی دعاؤں کا محتاج ہے اس لئے یہاں پڑا ہوں

نکل جائے دم ان کے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

والسلام

قارئین! اس خط کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں، اس خط کے ایک ایک لفظ سے فنائے نفس کا ظہور ہوتا ہے اور ہر جملہ حضرت کی للہیت و بے نفسی اور صفائے قلب کی دلیل ہے۔ اس خط کی تحریر نے میرے سمند ارادت پر تازیانے کا کام کیا اور حضرت والا کی عظمت و بزرگی عالی ظرفی اور غنائے دل جیسی عالی صفات کا بھرپور اندازہ ہوا۔ میری مراد صرف اتنی تھی کہ اگر ان بزرگ کی خدمت میں حاضری دوں تو مجھے حضرت والا کے توسط سے خصوصی توجہ اور التفات سے نوازیں اور حضرت والا نے ان کو یہ لکھ دیا کہ آپ انہیں قبول فرمائیں مجھے یہ خط پڑھ کر بہت شرمندگی ہوئی اور یہ خط میں نے ان بزرگ کو نہیں بھیجا بلکہ اپنی معروضات اور عقیدت مندی کے اظہار کے ساتھ حضرت والا کو واپس بھیج دیا اور نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ عرض کیا

نارختہ و مسکین ضعیف، ندارد جز درت دیگر پنا ہے

ہمیشہ سرنہادہ بردرست، بکن لطفے بحالش گاہے گاہے۔

الحمد للہ! حضرت والا نے اس ناکارہ پر اپنی عنایتوں اور نوازشوں اور شفقتوں کی ایسی بارش فرمائی کہ میرے قلب کی شوریدہ اور بنجر زمین، اتباع سنت اور محبت الہی کے سبزے سے ہری ہو گئی ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۛ

دست پیراز غائبان کوتاہ نیست دست او جز قبضہ اللہ نیست

{اقتباس از مقالہ نثار میرے شیخ طریقت} (ایضاً ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

مجاہد ملت حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمہ اللہ (ناظم اول جامعہ دارالعلوم کراچی) کی تواضع و فنائیت :-

آپ کے فرزند ارجمند استاذ محترم حضرت مولانا رشید اشرف سیفی صاحب آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں :

تواضع اور فنائیت بھی آپ میں نمایاں تھی، یہ وصف آپ کو اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے ورثہ میں ملا تھا، بڑے بڑے نمایاں کام کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے، اپنے کارناموں کو عموماً دوسروں کے نام منسوب کر دیتے۔ اگر کسی کام کی نسبت خود آپ کی طرف ہو بھی جاتی اور آپ کی موجودگی میں اس کی تعریف کی جاتی تو حیا آمیز شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں پست فرمالیتے اور روئے سخن بدل دیتے۔

تواضع کند ہوشمند گزیر

نہد شاخ پر میوہ سر برز میں

پھر آپ کو کبھی اپنے مرتبہ اور حیثیت کا ادنیٰ زعم بلکہ احساس تک نہ ہوتا، چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے ملاقات ہوتی تو اس سے بڑے بے تکلفانہ اور دوستانہ ماحول میں دلچسپی سے باتیں کرتے، جس سے وہ یوں محسوس کرنے لگتا کہ میری بھی بڑی حیثیت اور بڑا مقام ہے

(متاع نور ص ۲۹۳)

حضرت مولانا فضل محمد صاحب زید مجدہم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں :

”اُن کے اخلاص، لگن اور قربانی کا اندازہ کرنے کے لیے ایک یہی مثال کافی ہے کہ جب ناکواڑہ کی عمارت مدرسے کے لئے ملی جسے سکھ خالی کر کے چلے گئے تھے اس وقت یہ عمارت انتہائی خستہ حالت میں ویران درودیوار والی تھی، اس کے بیت الخلاء غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کچرے کے ایک عظیم ڈھیر میں منہ پر کپڑا باندھے ہوئے جھاڑو دے رہے ہیں نہ کوئی نوکر ساتھ ہے نہ طالب علم اس طرح میں نے دیکھا کہ وہ بیت الخلاؤں کو جو تقریباً دس ۱۰ تھے اور

غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر صاف کر رہے تھے۔
خدا کی قسم! میری حیرت کی انتہا، ہو گئی کہ یا اللہ! کیا یہ شخص اپنے ہاتھ سے یہ قربانی کا کام کر
رہا ہے اور بیت الخلاؤں کے دروازے بند کر کے یہ محنت کر رہا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے
ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔“ (بحوالہ بالا ص ۳۰۷)

حافظ جی حضور مولانا محمد اللہ صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حکیم الامت رحمہ
اللہ) کی تواضع و فنائیت:

ہر نماز باجماعت کے بعد اپنے لیے مرض کبر کے ازالہ کی دعا کی درخواست کرنا۔
”جب تھانہ بھون حاضری ہوئی اس وقت تقریباً پانچ ماہ مسلسل قیام کا
شرف حاصل ہوا، اس میں کچھ معمولات مخصوصہ کے ساتھ امراض قلب کا علاج ہوتا رہا
خصوصاً کبر اور خود رائی کا علاج ایک طویل مدت تک جاری رہا، علاج یہ کہ ہر نماز باجماعت
کے بعد اپنے مرض کے اعلان کے بعد سب حضرات سے اس امراض کے ازالہ کی دعا
درخواست کرتا تھا، میری درخواست کے بعد کبھی کبھی حضرت قدس سرہ یہ دعا احقر کے لئے
مسموع ہوتا یعنی اللھم کل خیر لہ (آمین ثم آمین یا رب العالمین)

ایک دن خود ہی حضرت نے سب کے سامنے بشارت دی کہ الحمد للہ کبر کا مرض
جاتا رہا، غایت سرور سے احقر پر گریہ طاری ہو گیا، درحقیقت حضرت کے خدام میں اس رو
سیاہ سے بڑھ کر حقیر ذلیل اور کمتر کوئی نہ تھا اور نہ اب ہے۔“

(بزم اشرف کے چراغ ص ۳۲۲)

حضرات خواجہ عبدالملک صدیقی رحمہ اللہ کی عاجزی و انکساری:

مخدوم العلماء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:
ایک مرتبہ حضرت ماسٹر نجم صاحب حضرت خواجہ عبدالملک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ
کی محفل میں خانیوال تشریف فرما تھے کہ اس وقت حضرت کے ایک مرید آئے۔ اس مرید کا
تعلق ایسے علاقے سے تھا جہاں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور پیر بھائی رہتے

تھے انکو بھی اجازت و خلافت تھی اور وہ بھی بڑے شیخ تھے۔ حضرت بھی اپنے علاقے کے شیخ اور عالم تھے اور وہ بھی اپنے علاقے کے بڑے شیخ اور عالم تھے۔ میں اسوقت انکا نام بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب محفل میں وہ مرید حاضر ہوئے تو حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا بھئی! آپ آتے ہوئے فلاں شیخ سے مل کے آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہہاں حضرت مل کے آیا ہوں یہ وہ دور تھا جب حضرت صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تھا دنیا کی ریل پیل تھی دنیا قدموں میں نکھی جاتی تھی۔ حضرت نے پوچھا کہ اچھا جب آپ مل کے آئے تو انہوں نے کیا فرمایا؟ اس نے جھکتے جھکتے کہا کہ سلام بھی بھیجا ہے، مگر حضرت نے پہچان لیا کہ یہ کوئی بات چھپا رہا ہے۔

پیر آخر پیر ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت، حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کراچی میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے تو کسی نے کہا کہ حضرت! وہ فلاں آدمی اس اس کام کے لیے آیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غصے سے فرمایا۔ میں لعنت کرتا ہوں اس پیر پر کہ جسکے کو کے پاس مرید آئے اور اسے پتہ نہ چلے کہ یہ کس مقصد سے آیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو نور فراست عطا فرمادیتے ہیں۔

جب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پہچان گئے کہ کوئی بات چھپا رہا ہے تو فرمایا کہ بتاؤ! اب وہ خاموش رہا۔ حضرت نے سختی فرمائی کہ بتاؤ اور من عن اسی طرح بتاؤ کہ جس طرح بات پیش آئی۔ جب حکم دیا تو وہ صاحب بھی سیدھے ہو گئے۔ اور کہنے لگے، حضرت! جب میں ان سے ملا تو بتایا کہ میں حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا ہوں تو انہوں نے مجھے کہا ”انکو میرا سلام پہنچا دینا اور یہ کہنا کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں جو ایک نکاح کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں، ”ان تجمعوا بن لائحین“ یہ بتا کر کہنے لگا، حضرت! مجھے تو بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی اس لئے میں نے کہا مناسب نہ سمجھا حضرت نے جب یہ بات سنی تو رونا شروع کر دیا۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو ہم کہتے کہ بڑے زاہد بنے پھرتے ہیں، کیا ہمارے اندر دنیا کی محبت ہے۔ ہم بھی اللہ کی محبت میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہم اسکے سوجواب دے دیتے۔ مگر

وہاں تو عاجزی تھی۔

حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کافی دیر تک سر جھکا کر روتے رہے۔ بالا آخر سر اٹھایا اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر فرمایا: ”الحمد للہ ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہماری اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔“ سبحان اللہ ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ہمیں اصلاح کی بات کر دے تو تو بہ گولی کی طرح لگتی ہے۔ اور ہم ہر ممکن مخالفت پر اترتے ہیں۔

(خطبات فقیر جلد ۳ ص ۱۴۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) مدارس کی تاریخ کا واحد واقعہ:

آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کلاچی رقمطراز ہیں:

احقر نے بعض بڑے اور بہت سے چھوٹے مدارس کو دیکھا ہے، سنا ہے، حالات پڑھے ہیں۔ عام طور پر ارباب اہتمام (الاماشاء اللہ) طلبہ اور دیگر اساتذہ کی نظروں میں ایک ایسا گروپ متصور کیا جاتا ہے کہ جو گویا ان کے حقوق چھین رہا ہے، ان پر ظلم کر رہا ہے اور ان کی تحقیر و اہانت میں کوئی کمی نہیں کر رہا، اس کے ساتھ ارباب اہتمام بھی (الاماشاء اللہ) اور ہونہ ہو اپنی بات کی بچ کو برقرار رکھتا زندگی کا ایک اہم مقصود اور لب لباب سمجھتے ہیں۔

اس افراط و تفریط نے مدارس کا وقار مجروح کیا، دنیا میں بے عزت کیا اور مستقبل کے لیے افراد کا بنانا کر بند دیا۔

دارالعلوم حقانیہ بھی بہت بڑا ادارہ ہے، اس میں عام روش کے مطابق بہت سے فتنوں نے موقعہ بموقعہ سراٹھایا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی ایمانی فراست، تدبیر، حوصلہ اور عالی ظرفی نے بڑے بڑے فتنے کو ایسا دبا دیا کہ جیسے کچھ ہوا بھی نہیں۔

ایسے ہی ایک موقع پر جس کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے، نہ خاص یاد ہے، طلبہ نے اپنی حماقت

سے مطبخ سے کھانا لینے کا بائیکاٹ کر دیا۔ (الحمد للہ احقر اور احقر کے بعض رفقاء اس گناہ میں شریک نہیں تھے) کھانا تیار تھا لیکن طلبہ لینے سے انکار کر رہے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ بازار میں پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے پرتول رہے تھے۔ طلبہ ابھی اس سوچ میں تھے کہ حضرت رحمہ اللہ دارالحدیث ہال میں تشریف لے آئے اور گھنٹی بج گئی، دارالحدیث ہال بھر گیا۔ حضرت نے نہایت ناصحانہ، مشفقانہ، عالمانہ اور عارفانہ انداز میں پیش شدہ مسئلہ پر روشنی ڈالی، جس سے تمام طلبہ مطمئن ہو گئے اور آخر میں فرمایا کہ:

”اصل مسئلہ سے قطع نظر سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ کا بازار میں کھانے کی ضرورت کو پورا کرنا یہ دارالعلوم کی بہت بڑی توہین ہوگی“ اور اس موقع پر حضرت شیخ نے اپنی ٹوپی مبارک اپنے سر سے اتار کر طلبہ کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ ”میں اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں ڈال رہا ہوں“۔ بس پھر کیا تھا، اکثر طلبہ کے آنسو نکل آئے، اپنی حماقت پر نادام ہوئے اور ان اللہ ونا الیہ راجعون کی آوازیں آنے لگیں۔

کیا برصغیر کے دینی مدارس کی پوری تاریخ میں کوئی ایک بھی مثال پیش کر سکتا ہے کہ ہزاروں علماء و فضلاء کا شیخ، بین الاقوامی سطح کا مشہور و معروف محدث اور بہت بڑے دینی ادارے کا واحد مختار کل، علاقہ کی زبردست قومی و سیاسی شخصیت ادارہ، علم، طلبہ اور علماء کے وقار کو بحال کرنے کے لیے اپنی ٹوپی اپنے ادنیٰ طالب علموں کے قدموں میں رکھ دے۔ (ماہنامہ الحق خصوصی نمبر ص ۱۹۵، ۱۹۶)

(۲) ایک اور عجیب واقعہ:

مولانا عبدالحلیم صاحب ہی لکھتے ہیں:

جب سے علم کی اصلی روح ماند پڑ گئی، اخلاص، تقویٰ، دیانت و امانت نے بستر بورے لپیٹ لیئے، کام اور علم، خدمت اور استاذی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جانے لگا، استاذ صاحب کے قریب پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہوتا ہے، گلاس ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ اپنے لئے پانی انڈیلنے کا عمل تقویٰ، علم اور استادی کے منافی سمجھتا ہے، اگر قریب کوئی نہیں ہے تو دور نظر آنے والے

طالب علم کو بلاتا ہے اگر دور بھی کوئی نظر نہیں آتا تو اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی آئے اور پانی گھڑے سے نکال دے، لیکن اس ماحول میں بھی ان گنہگار آنکھوں نے ہزاروں شاگردوں کے استاذ، اولاد و احفاد اور خدام کے جھرمٹ میں امیر المومنین فی الحدیث شیخ و استاذی مولانا عبدالحق صاحب کو اپنے مویشتی کو اس نقطہ نگاہ سے چارہ ڈالتے ہوئے دیکھا کہ یہ خدا کی مخلوق ہے، اس کی خدمت ہمارے ذمہ فرض ہے

آفا تھا گردیدہ ام، مہرتباں ورزدیدہ ام
بسیارخوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

(۳) سراپا انکسار:-

مولانا ذاکر حسن نعمانی، اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تواضع حاتم طائی کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے۔ عاجزی اور انکساری ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہ کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں بلکہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے علم کا اظہار نہیں کیا۔ کوئی دعا کے لیے کہتا تو حاضرین سے فرماتے کہ ان کے لئے اور مجھ عاجز کے لیے دعا مانگیں، کوئی سائل فتویٰ پوچھتا تو مفتی صاحب کی طرف راہنمائی فرماتے۔

بعض اوقات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معصومیت اور تواضع و انکسار سے بعض ناواقف لوگ یہ سمجھ لیتے کہ شیخ الحدیث تو کچھ جانتے ہی نہیں انہیں تو ایک مسئلہ بھی معلوم نہیں لیکن جب مولانا عبد القیوم حقانی صاحب ”حقائق السنن“ پر دن کا کیا ہوا کام عصر کی نماز کے بعد سناتے اور حضرت تصحیح و ترمیم فرماتے تو یقین آ جاتا تھا کہ واقعی حضرت علم کا سمندر ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے اکابر علماء اور مدرسین جب یہ منظر دیکھتے تو ششدر رہ جاتے اور حضرت کی علمی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا۔

(ایضاً ص ۲۱۱، ۲۱۲)

(۴) بے نفسی اور علم پروری کا ایک حیرت انگیز واقعہ:

مولانا مقصود گل فاضل دارالعلوم حقانیہ رقمطراز ہیں:

اپنے زمانہ، طالب علمی کا ایک دلچسپ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تواضع و انکساری اور طلباء علوم دینیہ سے کمال شفقت و انتہائے محبت کا حیرت انگیز واقعہ کبھی بھولنے کا نہیں۔ اپنی ان گنہگار آنکھوں سے علماء صلحاء اور دسیوں رہنما دیکھے مگر حضرتؒ کی شان ہی نرالی تھی۔ سیاسی عظمت، علمی وجاہت اور تقدس و بزرگی کے چرچوں اور وزیروں امیروں سے تعلق اور ہجوم کے وقت بھی طلباء علوم دینیہ پر وہی شفقت رہی جو درس گاہ اور دارالعلوم میں ہوا کرتی تھی یہی تو یہ انسانیت کی تکمیل اور قرآنی ہدایات کی تعمیل ہے۔ عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے واقعہ میں بھی تو قرآن نے حضور اکرم ﷺ کو اور آپکی وساطت سے آپکے ورثاء کو یہی سبق پڑھایا ہے۔

غالباً میرا دورہ، حدیث کا سال تھا اور دارالحدیث کے مغربی جانب کمرہ نمبر ۱۶ میں میرا قیام تھا، میں اپنے کمرے میں مصروف مطالعہ تھا کہ ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا، احقر باہر نکلا ایک صاحب نے اپنا تعارف کرایا، معلوم ہوا کہ موصوف وفاق حکومت کے مرکزی وزیر ہیں، کہنے لگے حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے ملاقات کرنی ہے۔ احقر ان کے ساتھ ہو لیا۔ موصوف سرکاری گاڑی اور پروٹوکول کے ساتھ آئے تھے احقر کو ساتھ بٹھایا، حضرتؒ کے گھر احقر انہیں لے گیا اور بیٹھک میں انہیں بیٹھنے کے لیے کہا وزیر موصوف بیٹھک کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ اتنے بڑے آدمی، اتنا مقام اور نام اور یہ معمولی اور سادہ کمرہ بیٹھک کا۔

بہر حال بتانا یہ ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیثؒ گھر سے تشریف لائے وزیر موصوف سے ملاقات ہوئی اور ضیافت کے لیے چائے اور بسکٹ اور اس سے قبل فروٹ رکھا گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے وزیر موصوف، ان کے رفقاء کو اور احقر کو بھی دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم لوگ بھی بے تکلفی سے حضرتؒ کی ضیافت میں شریک ہو گئے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی جوان دنوں غالباً درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں انکے بھائی کے بالا خانہ میں رہا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت اور مسجد شیخ الحدیثؒ میں امامت کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی مہمانوں کے لئے ضیافت کا سامان حضرت شیخ

الحدیث کے اشارہ پر مولانا حقانی صاحب ہی لائے، حقانی صاحب کی حیثیت اس وقت ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم کی تھی لہذا دسترخوان سجا کر موصوف ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ الحدیث وزیر موصوف کے ساتھ معروف گفتگو تھے کہ اچانک آپ کی حقانی صاحب پر نظر پڑ گئی تو وزیر سے گفتگو کاٹ کر حقانی صاحب سے فرمانے لگے ”آجائے اور آپ بھی کھانے میں شریک ہو جائیے“ موصوف آمادہ نہ ہوئے تو حضرت نے باصرار انکو دسترخوان پر بلا لیا۔

اس وقت حضرت کا اصرار اور ایک ادنیٰ خادم اور طالب علم پر توجہ، وزیر کی موجودگی میں اس سے گفتگو کاٹ کر اپنے ایک ہمہ وقتی رفیق اور کارکن بلکہ خادم کی اس قدر رعایت کرنا یہ علم پروری، اصاغر نوازی اور بے نفسی نہیں تو کیا ہے؟ صرف بلانا اور دسترخوان پر بٹھانا مقصود نہ تھا بلکہ جس توجہ، احترام، شفقت اور اصرار کا اندازہ مجھے یاد ہے وہ اتنا پیارا اور حیرت انگیز تھا کہ پوری محفل پر ایک طالب علم کی عظمت چھا گئی۔ مجھے تحریر کا سلیقہ نہیں ورنہ وہ کیفیت جو میں نے دیکھی تھی اگر کوئی صاحب قلم دیکھتے اور اسکی واقعی تصویر کشی کرتے تو آج دنیا عیش عیش کر اٹھتی۔

کیا عشق نے سمجھا ہے کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(ایضاً ص ۲۳۳)

(۵) باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے:

مولانا رشید احمد حقانی تحریر فرماتے ہیں:

انکی کسر نفسی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یاد آیا حضرت شیخ الحدیث کی یہ عادت تھی کہ ہر کہ و مہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ مہمان جو دور دراز سے زیارت کے لئے آتے تھے ان سے بھی الٹا اپنے لیے دعا کراتے تھے۔

ایک دن ہمارے کمرے کے ایک ساتھی (مولانا عبدالرؤف) عصر کے وقت ان سے ملنے انکی مسجد میں گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنی عادت کے مطابق ان سے دعا کے لئے کہا واپسی پر اس ساتھی نے کمرے کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اب میری بزرگی میں کوئی شک نہیں رہا کیونکہ حضرت شیخ الحدیث جیسی شخصیت نے آج مجھے دعا کے لئے کہا ہے۔

شاعر کی بات یا تو اس لیے مبالغہ اور فضول لگتی ہے کہ وہ ایک خیالی، وہمی اور تصوراتی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے اور یادریا کو کوزے میں بند کر کے دوسروں کو اس طرح بننے کی دعوت دیتا ہے جو کہ ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا ہے مثلاً علامہ اقبال کہتا ہے:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

اب اپنی ہستی کو مٹانے کے لئے ایک صدی کی محنت چاہیے دانے کی طرح کون تین چار مہینے تک ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں مٹی میں دبنا چاہتا ہے۔

رفعت دنیاوی اور اخروی کے لئے شاعر نے عجیب اکسیر بتلائی ہے مگر کون اس طوفان سے گزرے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو دیکھ کر ذہن ایک عجیب حیرانگی اور کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے، انہوں نے نہ صرف ایک مرتبہ کسی خاص وقت کے لئے اپنی ہستی کو مٹایا تھا بلکہ یہ انکا ایک مسلسل عمل تھا اور باوجود رفعت و بلندی کے وہ اپنے آپ کو مٹا ہوا خیال کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۷۵)

(۶)۔ ”حضرت! آپ نے بڑی شفقت فرمائی۔“

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے

ہیں:

علم و فضل کے دریا جذب کر لینے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی البیلی ادا ہمارے بزرگوں کا طرہ امتیاز رہی ہے، اور یہ وصف حضرت مولانا میں اس درجہ زیادہ تھا کہ بعض

اوقات حیرت ہو جاتی تھی، اور مخاطب شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے، بھٹو صاحب مرحوم کا دور حکومت تھا، اور اسمبلی میں ۱۹۷۳ء والے دستور کا مسودہ زیر بحث تھا حضرت مولانا قومی اسمبلی کے رکن تھے، میرے پاس برادر محترم مولانا

سمیع الحق صاحب کا خط آیا کہ حضرت مولانا شرعی نقطہ نظر سے مسودہ دستور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس میں ترمیمات پیش کر سکیں حضرت کا خیال ہے کہ اگر اس موقع پر تم بھی آ جاؤ تو یہ کام مل جل کر کر لیا جائے احقر کو یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ حضرت کو واقعہً اس کام کے لئے میری ضرورت ہے، بلکہ زیادہ خیال یہ تھا کہ یہ مولانا سمیع الحق صاحب نے ”تقریب بہ ملاقات“ پیدا کرنے کا ایک لطیف حیلہ ایجاد کیا ہے لیکن حضرت کی شفقت سے بہرہ ور ہو نے اور ان کے کسی کار خیر میں برائے نام ہی سہی حصہ لگانے کو سعادت سمجھ کر احقر چلا گیا۔

میں جب اسلام آباد پہنچا تو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا، برادر محترم مولانا سمیع الحق کے ہمراہ میں اسمبلی کی گیلری میں چلا گیا جہاں سے اسمبلی کی کاروائی دیکھی جاتی ہے۔ حضرت نے کچھ دیر بعد نیچے سے گیلری کی طرف نگاہ اٹھائی اور مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ احقر کو بیٹھے دیکھا تو تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل آئے، اور ہمیں بھی باہر آنے کا اشارہ فرمایا۔ ہم باہر پہنچے تو حضرت نے گلے سے لگا لیا اور احقر کو، جو ان کی اولاد اور شاگردوں کے برابر آنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا، خطاب کرتے ہوئے بے ساختہ جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ تھا کہ ”حضرت آپ نے بڑی شفقت فرمائی۔“

میں حضرت کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا الفاظ کس سے کہہ رہے ہیں؟ لیکن وہاں کسی تصنع یا تکلف کا نام ہی نہ تھا، وہ ایسے انداز سے بات کر رہے تھے جیسے میں نے ان کے خدمت میں حاضری دیکر ان کی کوئی ضرورت پوری کی ہے۔ اللہ اکبر تو اضع کا یہ مقام خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

(نقوش رفتگاں ص ۳۰۴)

مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کے
واقعات:

(۱) احترام سادات:

حضرت بزرگوں کی اولاد اور سید گھرانے کے حسب نسب کا بہت لحاظ فرماتے
تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا میاں محمد انوریؒ کے صاحبزادے ملاقات کے لئے حاضر
خدمت ہوئے۔ جتنی دیر وہ بیٹھے رہے آپ دوزانو ہی بیٹھے رہے۔ (حیات حبیب ص ۵۷۷)
(۲) ”مفتی صاحب! اب آپ لیٹ جائیں“:

ایک مرتبہ آپ کو حضرت مرشد عالمؒ کے ہمراہ رحیم یار خان سے لاہور بذریعہ
ٹرین آنے کا موقع ملا حضرت مرشد عالمؒ راستے میں لیٹ گئے۔ تقریباً نصف سفر کرنے کے
بعد حضرت مرشد عالمؒ اٹھ بیٹھے اور فرمایا مفتی صاحب اب آپ لیٹ جائیں۔ فرمایا کہ ایسا
نہیں ہوگا۔

چنانچہ بقیہ آدھا سفر آپ لیٹے رہیں۔ اور حضرت بیٹھے رہے۔ آپ حضرتؒ کی اس شفقت
سے بہت متاثر ہوئے۔ (ایضاً ص ۵۹۰)

(۳) جواہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کر رہتے ہیں۔

حضرت مرشد عالمؒ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا غلام
ربانی (سرحدی) نقشبندی دامت برکاتہم کسی قریبی جگہ تشریف لائے ہیں۔ حضرت مرشد
عالمؒ، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب اور آپ حضرت مولانا
غلام ربانی دامت برکاتہم کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مرشد عالمؒ نے ہم
سب کو منع فرما دیا کہ میرا تعارف نہ کروائیں۔ جب رہائش گاہ پر پہنچ کر دستک دی تو معلوم ہوا
کہ حضرت صاحب فراش ہیں۔ صاحب خانہ نے ہمیں برآمدے میں کرسیاں بچھا دیں کہ
تھوڑی دیر تشریف رکھیں۔ مگر حضرت مرشد عالمؒ نہایت متواضع بن کر کھڑے رہے۔ دس
پندرہ منٹ کھڑے رہنے کے بعد شرف باریابی نصیب ہوا مگر حضرت مرشد عالمؒ مصافحہ کرنے

کے بعد ایک جگہ مودب بیٹھ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کوئی مرید اپنے شیخ کی خدمت میں بیٹھا ہے۔ حضرت مرشد عالم خاموشی سے بیٹھے حضرت صاحب کا چہرہ دیکھتے رہے۔ چائے پی کرواپسی ہوئی حضرت مرشد عالم کی تواضع نے بہت متاثر کیا۔

جواہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیانہ (ایضاً ص ۵۹۱)

(۴) ”بڑوں کی بات کو نقل کرنے کے لیے بھی ادب چاہیے۔“

ایک دفعہ حضرت سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں آپ نے اپنے ماموں صاحب کے ہمراہ حاضری دی۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت علیل تھے۔ واپسی کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ سے فرمایا قاری صاحب اپنے حصر کو میرا سلام عرض کرنا اور دعاؤں کی درخواست کرنا۔ جب آپ نے مرشد عالمؒ کے سامنے ہو بہو وہی الفاظ دہرائے تو حضرتؒ خفا ہو گیا اور فرمایا کہ شاہ صاحب بڑے ہیں بڑوں کی بات نقل کرنے کے لیے بھی ادب چاہیے۔ (ایضاً ص ۶۱۶)

(۵) ”میں زمینداروں کے گھر چل سکتا ہوں تو غریبوں کے گھر بھی چل سکتا ہوں۔“

ایک مرتبہ حضرت کرڈھی تشریف لائے تو حقیقت احوال دریافت کرنے پر انے دوستوں اور عزیز و قارب کے گھر گئے۔ ایک دھوبی کا گھر پہاڑ کے اوپر تھا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضرتؒ اسے یہاں بلا لیا جائے۔ حضرت نے فرمایا ”میں زمینداروں کے گھر چل سکتا ہوں تو غریبوں کے گھر بھی چل سکتا ہوں۔“ (ایضاً ص ۶۲۱)

(۶) ”میں کوئی حجر اسود ہوں جیسے بوسہ دیتے ہو؟“

ایک سالک ہالک نے ملاقات کے وقت فرط محبت سے حضرت مرشد عالمؒ کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا تو حضرت مرشد عالمؒ نے فرمایا ”میں کوئی حجر اسود ہوں جیسے بوسہ دیتے ہو؟“ گو کہ شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے مگر کسی نفسی کی وجہ سے حضرت مرشد عالمؒ نے کتنے اچھے انداز میں بات کہی۔ (ایضاً ص ۶۲۸)

حضرت مولانا سید محمد عبداللہ شاہ بونیری رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ دنی) کی تواضع و سادگی :-

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے اندر تواضع و سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بزرگی کا اعلیٰ مقام عنایت فرمایا تھا لیکن کبھی قول و فعل، کنایہ و اشارہ سے اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ سبزی، ترکاری و گوشت وغیرہ خریدنے کے لیے بنفس نفیس بازار تشریف لیجاتے اور سامان خود اٹھا کر لاتے تھے۔

ایک مرتبہ صادق آباد سے کراچی واپس تشریف لا رہے تھے۔ ہمراہ ایک من سے زیادہ وزن کا کوئٹہ کا پتھر تھا جو کہ ایک بڑی چادر میں بندھا ہوا تھا۔ مخدوم الملک جناب میران شاہ صاحب، نے یہ پتھر حضرت شاہ صاحب کے مکان شریف کی تعمیر کے سلسلہ میں ہدیہ فرمایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی گاڑی خلاف معمول ایئر پورٹ اسٹیشن پر رک گئی جو کہ آپ کے دولت خانہ سے نزدیک تھا۔ حضرت شاہ صاحب، رحمہ اللہ وزنی پتھر لیکر اسٹیشن پر اتر پڑے۔ یہاں پر کوئی مزدور نہ تھا جو کہ وزن اٹھا کر گھر لیجاتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ وزنی پتھر اپنے سر پر رکھوایا اور مزدور کی طرح اس سامان کو گھر پہنچا دیا۔

جماعت کے ساتھ جب مسکین پور شریف سالانہ اجتماع میں تشریف لیجاتے تو جماعت کے ساتھ ہی تیسرے درجے میں سفر کرتے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت کی وجہ سے اہل جماعت کے چہروں پر بہار رہتی تھی۔ پروانوں کی طرح مریدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کو گھیرے میں لیے رہتے تھے۔

مسکین پور شریف میں مشائخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے۔ جب وہ بزرگ واپس ہوتے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ ان کی جوتیاں درست کرنے کے لیے دوڑتے۔ (سوانح حیات حضرت سید محمد عبداللہ شاہ بونیری رحمہ اللہ ص ۲۸)

استاد العلماء حضرت مولانا محمد شریف کشمیری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع و انکساری :-
آپ کے لائق فخر تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ آپ کے

تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

انہیں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شمش الحق افغانی رحمہ اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ منظر بہت سے حضرات نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے شاگردوں کے سامنے حضرت افغانی کے پاؤں دبار ہے ہیں اور خدام کی طرح دوسری خدمات بجالا رہے ہیں۔

اس ناکارہ نے دو بزرگوں کو اپنے اساتذہ کے سامنے اس طرح متادب بیٹھتے دیکھا ہے جس طرح وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوں گے۔ ایک رئیس القراء، حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی کو اپنے شیخ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی کے سامنے، دوسرے حضرت کشمیریؒ کو حضرت افغانی کے سامنے۔ (شخصیات و تاریخات ص ۳۵۶)

بقیۃ السلف حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاور ری رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ) کی فنائیت :-

(۱) ”سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے“

بہ سلسلہ کلام فیضی التسام فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں اور اس گناہ سے جتنی نفرت ہے کسی سے نہیں۔ یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جیسے زنا شراب قمار وغیرہ لیکن نفرت طبعی جتنی تکبر سے ہے کسی سے انہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک کا ہے اپنے قمار لیے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور سلسلہ میں فرمایا کہ ابو جہل کا تکبر فرعون سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ فرعون تو مرتے وقت کچھ ڈھیلا بھی ہو گیا تھا گو اس کا ایمان قبول نہ ہوا لیکن ابو جہل نے مرتے وقت بھی یہ حسرت کی کاش میرا قاتل کاشکار نہ ہوتا کیونکہ انصار کے ایک جوان لڑکے نے اس کو قتل کیا تھا۔ ان حضرات میں زیادہ کاشکار ہوتے تھے۔ نیز میں نے اپنے استاذ سے سنا تھا کہ جب

ایک صحابی اس کی گردن کاٹنے لگے تو اس نے یہ خواہش کی کہ میری گردن ذرا نیچے سے کاٹی جاوے تاکہ جب مقتولین کے سر رکھے جاویں تو میرا سر سب سے اونچا نظر آوے۔ کیا ٹھکانا ہے اس تکبر

حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں جس وقت اس کا سر کاٹ کر حاضر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مات فرعون هذه الامة“ پھر حضرت اقدس (مجدد الملت حکیم الامت) نے فرمایا کہ آج بھی فرعون کا دماغ رکھنے والے موجود ہیں۔

(فیض حسن اشرف ص ۱۵۱)

(۲) ”اپنی چیز کو تبرکاً دینا تکبر ہے“:

ایک رئیس زادہ کا ایک اونی کرتہ دیا ہوا ان کی رضا مندی سے بعد استعمال واپس فرمایا تو اس خیال سے کہ ان صاحب کی دل شکنی نہ ہو۔ یہ تحریر فرمایا کہ اس کو بطور یادگار محبت کے اپنے پاس رکھے پھر فرمایا کہ میں نے یہ الفاظ ان کی خاطر سے لکھ دیئے تاکہ انکو واپس لینے میں عار نہ ہو اس پر عرض کیا گیا کہ وہ اس کو تبرک سمجھیں گے فرمایا کہ وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں باقی میں نے اسی لئے یادگار محبت کا لفظ لکھ دیا ہے کہ اپنی چیز کو تبرکاً دینا حرام ہے یہ میں نے فتویٰ کی شکل میں حضرت مولانا یعقوب ہی سے سنا ہے جس کی وجہ سے یہ فرماتے تھے کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اس نے اپنے کو بزرگ سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکو أنفسکم“ اپنی چیز کو تبرکاً دینا کبر ہے اور دعویٰ ہے بزرگی کا جو حرام ہے۔

(ص ۱۵۴، ۱۵۵)

(۳) ”خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیے لوٹے بھرا کرو؟“

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو شخص نصیحت کرنے کا اہل نہیں اسکے بھی شرائط ہیں بدون شرائط کے نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بدون وضو کر کے نماز پڑھنا۔

ایک شخص یہاں پر مقیم تھے۔ انہوں نے دوسرے شخص کو نصیحت کی اور یہاں کے قواعد میں

مصالح ترتیب کی بناء پر یہ بھی داخل ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ نہ کہے میں خود ہی ہر بات کا انتظام رکھتا ہوں کیونکہ ایک طالب کے دوسرے طالب کو کچھ کہنے میں عوارض کی وجہ سے بڑی خرابیاں اور بڑے مفسدے ہیں میں نے ان سے مواخذہ کیا کہ تم نے ان کو نصیحت کیوں کی۔ شاید یہ جواب دیا کہ دین سمجھ کر، میں نے کہا کہ نماز دین ہے مگر اس کی بھی شرطیں ہیں ایسے ہی تبلیغ اور نصیحت کی شرطیں ہیں کیا وہ تم کو معلوم ہیں؟ کہنے لگے کہ یہیں میں نے کہا کہ جب شرطیں معلوم نہیں تو تم نے جو نصیحت کی یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دین ہے اس پر کوئی جواب نہیں دیا میں نے کہا کہ لو میں وہ شرطیں بتلاتا ہوں۔ نصیحت کی پہلی اور ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجے کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے تو جس وقت تم نے نصیحت کی تھی قسم کھا کر بتلاؤ کہ یہ خیال تمہارے دل میں تھا کہ میں ارذل ہوں یا اس کا عکس تھا؟ کہنے لگے کہ عکس ہی تھا تو میں نے کہا کہ یہ تو تکبر ہوا جو معصیت ہے اور تم کہتے ہو کہ دین سمجھ کر کیا۔ کیا جو چیز تکبر سے ناشی ہو وہ دین ہو سکتا ہے؟ اب یہ دیکھو کہ یہ تکبر تم میں کا ہے سے ہوا؟ ذکر و شغل سے پیدا ہوا۔ اس کے سبب اپنے کو بزرگ سمجھنے لگے اس لئے آج سے ذکر و شغل چھوڑ دو لیکن مطلب اس کا یہ ہے بہت معادہ ایک جگہ بیٹھ کر مت پڑھو چلتے پھرتے پڑھا کرو جس کی کسی کو خبر بھی نہ ہو دوسرے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو اور ان کے وضو کے لیے لوٹے بھرا کرو کچھ روز تک انہوں نے ایسا کیا تب ان کا نفس ڈھیلا ہوا اور نفس اسی طرح ڈھیلا ہوتا ہے لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو دس برس میں بھی وہ نفع نہ ہوتا جو ان دس دنوں میں ہوا۔

(فیض حسن و اشرف ص ۱۳۵، ۱۳۶)

فخر اہلسنت حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ (سابق استاذ حدیث و تفسیر جامعہ مدینہ لاہور) کے واقعات :-

(۱) نام و نمود سے نفرت :-

آپ کے تلمیذ رشید اور سوانح نگار حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب زید مجدہم تحریر

فرماتے ہیں:

نام و نمود، شہرت و جاہ پسندی کو بہت بُرا جانتے تھے۔ آپ نے علماء و عوام میں اپنی شناخت کروانے اور اپنی نام وری کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی، اخبارات و اشتہارات میں اپنا نام آنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ کچھ احباب نے آپ سے درس کے لیے وقت لیا اور منع کرنے کے باوجود اخبار میں خبر لگوا دی، احتجاجاً آپ نے خود درس دینے سے انکار کر دیا اور راقم کو اپنی جگہ بھیجا۔ اور آپ اپنی تصانیف پر نام نہیں لکھتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ میں اپنے خواب لکھ لیا کرتا ہوں تاکہ یاد رہیں، آپ نے فرمایا میں تو نہیں لکھتا اور تم بھی نہ لکھا کرو بلکہ جو لکھے ہوں وہ بھی تلف کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہت سے بزرگوں کا تو معمول تھا کہ وہ خواب لکھ لیا کرتے تھے، فرمایا: بات یہ ہے کہ ان میں اخلاص تھا اور ہم میں اخلاص ہے نہیں، بلکہ ہمیں تو شیطان یہ سہتی پڑھائے گا کہ ضرور لکھا کرو تاکہ تمہارے مرنے کے بعد جب لوگ دیکھیں تو خوب تعریف کریں اور خوب واہ واہ ہو، احقر نے یہ سن کر وہ لکھے ہوئے سب خواب تلف کر دیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کوئی دین کا کام لے لیں تو شیخی نہیں بگھارنی چاہیے۔

اس لیے کہ دین کا کام تو خداوند عالم فاسق و فاجر سے بھی لے لیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ان اللہ لیوء ید الدین بالرجل الفاسق

آپ اپنے احباب کو بتا کید فرماتے تھے کہ یہ دعا بھی کیا کرو کہ خدا ہمیں فاسق و فاجر نہ بنائے۔ (رجل رشید، ص ۱۳۳)

(۲) سادگی اور تواضع کے چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات:-

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب زید مجدہم آگے آپ کے مفصل

حالات زندگی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

شریعت مقدسہ میں سادگی اور تواضع اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ

باوجود سرور کائنات اور فخر موجودات ہونے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کیا کرتے تھے۔

اللهم احینى مسکیناً و امتنى مسکیناً و احشرنى فى زمرة المساکین
(اے اللہ مجھے تواضع زندہ رکھ، متواضع موت دے اور متواضع لوگوں میں میرا حشر فرما)

اس مبارک دعا کی روشنی میں جب ہم حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ باوجود جامعۃ العلوم والفنون، بہترین مدرس، مصنف، متکلم، مناظر اور فقیہ ہونے کے انتہائی سادگی اور تواضع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، لباس و پوشاک وضع قطع، چال ڈھال، ہر چیز میں سادگی اور تواضع جھلکتی تھی، بڑائی کا وہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے پہن لینا، معمولی جوتی و چپل میں گزارا کر لینا آپ کے لیے معمولی بات تھی۔

حکیم انیس احمد صاحب صدیقی (فاضل دیوبند) کے صاحبزادے حافظ انور محمود راوی ہیں کہ:

”میری اور میرے بڑے بھائی حامد صاحب کی شادی میں حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمہ اللہ مدعو تھے، آپ کی طرف ہر ایک کی نگاہ تھی اور آپ ہی مہمان خصوصی تھے، لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے اور پاؤں میں پلاسٹک کی چپلیں پہن رکھی تھیں۔“

آپ کا معمول تھا کہ دوپہر کو مسجد میں قیلولہ کے لیے لیٹتے تھے تو بغیر تکیے کے اور بغیر پنکھا چلائے سوتے تھے۔

اپنے شاگرد اور متعلقین کا تعارف کرانا ہوتا تو فرماتے کہ یہ ہمارے دوست اور ساتھی ہیں، کبھی یہ نہ فرماتے کہ یہ میرے شاگرد یا مرید ہیں۔

رقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے جب بھی میرا تعارف کرایا، یہ کہہ کر کروایا کہ: ”یہ ہمارے ساتھی ہیں، مدرسہ کے استاذ ہیں، مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے داماد ہیں۔“ آپ کے اس طرح تعارف کروانے سے اکثر راقم

شرم کے مارے سر جھکا لیتا تھا، کئی دفعہ ناچیز نے عرض کیا کہ جناب کے اس طرح تعارف کروانے سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے، لیکن آپ نے معمول نہیں بدلا اور اسی طرح تعارف کرواتے ہیں۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سید مسعود میاں صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ہم حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ لاہور سے مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتہم کے گھر حضور ضلع اٹک گئے تو سفری تھکان کی وجہ سے قاری صاحب لیٹ گئے، ایک شاگرد نے قاری صاحب کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے، میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے بھی خدمت کرنی چاہیے، یہ سوچ کر پاؤں دبانے کے لیے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آپ نے فوراً منع فرمادیا کہ تم مت دباؤ، میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تو دوبار ہا ہے فرمایا کہ اس کو دبانے دو تم مت دباؤ۔

مولانا مسعود میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں تو یہی سمجھا کہ چونکہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ابو کے شاگرد ہیں، اس لیے استاذ زادے سے پاؤں دبانے کو مناسب نہیں سمجھا۔

آج کل اپنی بات پراڑے رہنا خواہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور اپنے قصور کی معافی مانگنے سے ہچکچانا بلکہ اسے محال سمجھنا ایک عام مزاج بن گیا ہے لیکن قاری صاحب مرحوم کی عادت بالکل مختلف تھی، اگر ان پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی تو اس سے رجوع بھی فرماتے اور اگر کسی کی دل شکنی ہوتی تو معافی مانگنے سے گریز نہ کرتے اور اس میں بڑے چھوٹے کی تخصیص نہ تھی سب کے ساتھ یکساں معاملہ تھا۔

جناب اقبال احمد انصاری صاحب اپنا اسی نوع کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

”جب ہم نے شروع میں آپ کے پاس جانا شروع کیا تو ایک مرتبہ مجھے اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی بات کی سمجھ نہ آئی اور میں حضرت کے پاس کچھ دن نہ گیا۔ ایک دن میں گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

”بھائی اقبال! تم آتے نہیں ہو آج کل کیا بات ہے؟ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے

کیا؟“ میں نے صاف صاف بات بتلا دی (وہ بات اب مجھے یاد نہیں) حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فوراً فرمایا کہ ”بھائی اگر میری اس بات سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں“ یہ صورت حال دیکھ کر میں تو زار و قطار رونے لگا، آپ نے اپنی بات کی کوئی توجیہ بیان نہ فرمائی، بلکہ وہیں روتے روتے میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا اور تمام اعتراض آنسوؤں میں ڈھل گئے۔“

ایک زمانہ تھا کہ قاری صاحب مرحوم کے پاس کہیں آنے جانے کے لیے سواری کے طور پر سائیکل ہوتی تھی، اگر کہیں آنا جانا ہوتا تو اسی پر آتے جاتے تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپ ایک طویل عرصہ تک مدرسہ میں سائیکل ہی پر تشریف لاتے رہے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ سائیکل پر کوئی اور بھی رفیق سفر ہوتا تھا، سائیکل کی سواری میں رفاقت کا معمول جناب اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”جب کہیں سائیکل پر جاتے تھے تو میں پہلے جاتے ہوئے سائیکل چلاتا تھا اور آپ بیٹھتے تھے واپسی پر بھی میری کوشش یہی ہوتی کہ سائیکل میں ہی چلاؤں، تو زبردستی سائیکل خود ہی چلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر کام میں مساوات ہونی چاہیے۔“

موجودہ دور میں حالات کچھ اس طرح کے بن گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص معمولی سا لکھ پڑھ لیتا ہے تو وہ گھریلو کام کاج کرنا اپنے لیے حقارت کا باعث سمجھتا ہے، لیکن اس کے برعکس قاری صاحب رحمہ اللہ سب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے، اور گھر کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں حقارت تو کیا محسوس کرتے ہچکچاتے بھی نہیں تھے، سبز منڈی سے سبزی لانی ہو، یا مین بازار مزنگ سے دھنیا مرچ اور دال چاول لانے ہوں اکثر آپ خود لایا کرتے تھے، گھر کی چارپائی بننے کے لیے بان لے آنا اور پھر خود ہی چارپائی بن لینا آپ کے لیے معمولی بات تھی مسجد و مکان کی تعمیر میں آپ اینٹیں اٹھاتے، ملبہ چنتے اور مزدور کی طرح ہر کام کرتے ہم نے خود دیکھا ہے۔

الغرض! قاری صاحب مرحوم سادگی اور تواضع خود بھی اپناتے تھے اور تلامذہ و متعلقین کو بھی

اس کی تاکید کرتے تھے، اس سلسلہ میں اکثر اکابر علماء دیوبند بالخصوص حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے واقعات سنایا کرتے تھے، جن کو سن کر اکابر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ ہمیں بھی یہ چیزیں اپنانی چاہیں۔

(ص ۱۳۹ تا ۱۴۳)

مسح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ”کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے“:

حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے

ہیں:

تواضع، سادی اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو دنیا بھر کا خدمت گزار سمجھا ہوا تھا۔ مدرسہ کے طلبہ کی بیماری کی خبر سنتے تو ان کی نہ صرف بیمار پرسی، بلکہ اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کرتے، ایک نو مسلم طالب علم کی تمام ضروریات کی کفالت آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی وہ صاحب کچھ عجیب طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ جب ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آ کر ایسی باتیں حضرت والا سے کہہ دیتے جو سننے والوں کو گستاخانہ معلوم ہوتیں۔ دکان داروں سے قرض کر لیتے، اور پھر آ کر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہئیں ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ ”ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں اور بنواد کھینے“ حضرت نے فرمایا کہ ”ابھی تو خرید کر دیے تھے، تھوڑے سے ٹوٹے ہو گئے، مرمت کروادی جائے گی“ انہوں نے کہا ”ہمیں معلوم نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے“ آپ نے فرمایا ”لاؤ، دیکھ لوں“ اس پر انہوں نے کہا کہ ”وہ ہیں کمرے کے باہر آپ دیکھ لیجئے“ ان کے اس جواب پر حضرت والا مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں بہت سے جوتے رکھے تھے۔ چونکہ آپ کو ان کے جوتے کی پہچان نہیں تھی اس لیے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے کہ ”یہ

تمہارے جوتے ہیں؟“ اور وہ صاحب اندر ہی اندر سے انکار کرتے رہے۔ بالا آخر جب دیر گزر گئی تو حاضرین میں سے کسی صاحب نے ان سے کہا کہ ”تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلا دو“ اس پر انہوں نے اپنے جوتے دکھلائے، اور حضرتؒ نے مرمت کے لیے پیسے دیئے۔ کسی نے ان صاحب کے بارے میں حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ صاحب ایسی بے تکلی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی حضرتؒ تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے“ (نقوش رفتگاں ص ۳۶۵)

(۲) ”لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آ جائے گا۔“

ایک مرتبہ حضرتؒ مدرسہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر چار پائی پر لیٹے ہوئے کراہ رہے تھے۔ حضرت والدؒ نے ان سے سلام کے بعد حال دریافت کیا، انہوں نے کمر میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ”لایئے، میں آپ کی کمر دبا دوں“ انہوں نے سختی سے انکار کیا، آپ اس وقت تو مدرسہ تشریف لے گئے، لیکن رات کو عشاء کے بعد پھر ان کے پاس پہنچ گئے، اور ان کی کم دبانی شروع کر دی، اور ان کی انکار پر فرمایا کہ صحیح تو دوسرے حضرات بھی موجود تھے۔ آپ ان سے شرماتے ہوں گے، لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبوا لیجئے، آپ کو آرام آ جائے گا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ پر مخلوق خدا پر شفقت کا ایک خاص حال اس درجہ طاری ہوا کہ انسان تو انسان کسی جانور اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی اپنی ذات سے کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچنا بے حد شاق گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ موزی حشرات الارض کو بھی اپنے ہاتھ سے مارنے پر قدرت نہ ہوتی تھی، جس شخص کا جانوروں کے ساتھ یہ معاملہ ہو وہ انسانوں کی تکلیف کا کس درجہ خیال رکھے گا؟ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

(۳) حضرت کی ایک اہم ہدایت: ”محبت میں غلو نہیں ہونا چاہیے۔“

آپ کے سوانح نگار مفتی رشید احمد میواتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا دامت برکاتہم نے ابتداء ہی میں (سوانح حیات کی) اجازت تحریر فرماتے ہوئے جواب میں یہ تحریر فرمادیا تھا کہ ”امید ہے کہ غلو سے خلو ہوگا۔“ نیز سوانح کی ترتیب کے زمانے میں اکثر بیشتر حضرت والا اس کی تاکید فرماتے رہے کہ غلو نہیں ہونا چاہیے اور اشاعت کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے بھی تاکید فرمائی کہ غلو نہ ہو، اکثر محبت میں غلو ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مورخہ ۲۲ شعبان ۱۴۱۲ھ جمعرات کے دن دس بجے کے قریب بندہ حاضر خدمت ہوا تو دریافت فرمایا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ بندہ نے عرض کیا حضرت والا کے جو حالات دریافت کیئے تھے انہیں کو ترتیب کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ محبت میں لکھ رہے ہیں مگر غلو سے تو خالی ہوگا نہیں اور غلو ہونا نہیں چاہیے! دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا تغلوفی دینکم (”اپنے دین میں حد سے مت نکلؤ“۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۱) جب دین میں غلو کو منع کیا گیا ہے تو کسی کے حالات کے بیان میں غلو کیسا؟ یہ بھی تو دین ہی کا حصہ ہے اور ارشاد فرمایا کہ خطوط میں بعض لوگ کچھ کچھ دیتے ہیں، کوئی ”قطب“ لکھ دیتا ہے، کوئی ”غوث“ لکھ دیتا ہے، کوئی ”شیخ الحدیث“ لکھ دیتا ہے کوئی ”حافظ“ لکھ دیتا ہے، میں سب کو کاٹ دیتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اس سے میری طبیعت محبوب ہوتی ہے ہاں! کوئی حاجی لکھ دیتا ہے تو نہیں کاٹتا کیونکہ الحمد للہ حج تو کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ”مسح الامت“ کا لقب میرے استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب معلم الحجاج) کا دیا ہوا ہے، کسی شاگرد کا دیا ہوا لقب ہوتا تو میں اس کو بھی کاٹ دیتا (حیات مسیح الامت ص ۴۰)

(۴) ایک دیہاتی قالین پر آ کر بیٹھ گیا۔

حضرت والا میں تواضع، عجز و انکسار، فنایت و عبدیت کا یہ حال ہے کہ بایں

کمالات رفیعہ و اوصاف حمیدہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہر شخص سے اپنے آپ کو ادنیٰ خیال فرماتے ہیں اور نہایت تاکید کے ساتھ اس کی تعلیم فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ: ”دوسرا شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے خواہ کتنے ہی کم درجے کا ہو کبھی بھی اس پر حقارت کی نظر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ خواہ کتنے ہی دینی یا دنیوی اعتبار سے کمالات سے نواز دیں کبھی اپنے پر نظر نہ ہو، سب اس کا فضل و انعام ہے“

مورخہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ بروز پیر آج چونکہ مجلس نہیں تھی، جس دن مجلس نہ ہو ہو تھوڑی دیر کے لیے حاضری کی اجازت ہے، چنانچہ بندہ حاضر ہوا، یہ واقعہ دیکھا کہ ایک بالکل غریب، دیہاتی، ان پڑھ آدمی، میلے کپڑے والا حضرت والا کے قالین پر دو چھوٹے والے تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے، حضرت والا اپنی جگہ اطمینان سے ڈاک تحریر فرما رہے ہیں، اس دیہاتی سے کچھ نہیں فرمایا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں، جہاں اور لوگ بیٹھے ہیں وہاں کیوں نہیں بیٹھے، نہ کسی قسم کی ناگواری کا اظہار فرمایا، حاضرین کو ناگوار گزر رہا تھا مگر حضرت والا کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں تھی، حضرت والا اطمینان سے کچھ دیر تک ڈاک تحریر فرماتے رہے، وہ دیہاتی شخص برابر قالین پر بیٹھا رہا۔ ایک خط کو پورا کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت والا نے کرنے کے بعد حسب عادت دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی حضرت نے والا نے حسب عادت شریفہ اس کی پوری بات سنی، دعائیں دیں اور مصافحہ کے بعد اس کو رخصت فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت والا کی تواضع اور کسر نفس و غایت عبدیت کی شان ظاہر ہے یہ حضرات اہل اللہ اپنے آپ کو بالکل مٹائے ہوئے ہیں۔ (ص ۴۰)

(۵) دوران مجلس بھنگی سے بات کرنے کا واقعہ:-

حضرت والا دامت برکاتہم کی ایک مرتبہ برآمدے میں مجلس ہو رہی تھی، دوران مجلس ایک بھنگی آیا اور اس نے کہا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، حضرت

والا نے دوران مجلس ہی اس کی یہ بات سن کر اٹھنا چاہا تو بھائی جان مدظلہ (حضرت رحمہ اللہ کے اکلوتے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد صفی اللہ صاحب زید مجدہم مراد ہیں) نے جو مجلس میں موجود تھے، فرمایا کہ بھنگی ہے، یہیں رہتا ہے، مجلس کے بعد بات کر لیگا۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا: ”اچھا بھائی! تھوڑی دیر میں بات پوری کر کے آپ کی بات سن لوں گا۔“ حضرت والا کا یہ جواب سن کر شاید وہ بھنگی صدر دروازے تک گیا ہوگا اور چند منٹ میں واپس آ کر دوران مجلس ہی پھر کہا کہ حضرت! مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے۔ حضرت والا یہ سن کر اٹھے اور نیچے اتر کر غالباً جوتے بھی نہیں پہنے اور جا کر اس کی بات سنی۔

اس کی تنہائی کی بات یہ تھی کہ میں قصبہ کی میونسپل کمیٹی میں ملازمت چاہتا ہوں، حضرت والا سفارشی خط لکھ دیں، اس پر حضرت والا نے جواب دیا: بھائی! سفارش کی میری عادت بھی نہیں ہے اور ان سے میرا تعلق بھی نہیں ہے، بس میں دعا کرتا ہوں، خدا کرے تمہارا کام ہو جائے۔“

اس واقعہ سے حضرت والا دامت برکاتہم کی غایت درجہ تواضع ظاہر ہے کہ دوران مجلس آپ نے اس کی بات سنی اور یہ فرمانے کے باوجود کی تھوڑی دیر بعد بات ختم کر کے تیری بات سنوں گا، وہ پھر آیا، اس پر بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ اتنی جلدی کیوں آیا اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس میں تنہائی کی کیا بات تھی، سفارش کے لیے کہنا تھا تو سب کے سامنے بھی کہہ سکتا تھا۔

اس میں سبق ہے کہ ایسے موقع پر خلاف طبع بات برداشت کی جائے اور خدا کی مخلوق کی طرف سے کیسی بھی مطلب پرستی اور ایذا رسانی کی بات پیش آ جائے مگر اپنی جانب سے ان کی راحت رسانی اور مطلب براری کی جائے۔ (ص ۱۳۲)

(۶) ”میں تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں۔“

ایک مرتبہ کسی نے حضرت والا سے یہ کہہ دیا کہ بھائی جان نے رشید احمد طالب علم

(مرتب کتاب ہذا) سے کچھ کہہ دیا ہے، اس سے لڑائی کی ہے، دوپہر کے وقت گرمی کے موسم میں ہم اندر لیٹے ہوئے تھے، کسی نے کنڈی بجائی، ہم نے دروازہ کھولا تو دیکھا حضرت والا تشریف فرما ہیں جبکہ یہ مسجد حضرت والا کے مکان سے کافی فاصلے پر ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ: ”مجھے معلوم ہوا کہ بھائی جان نے تم سے جھگڑا کیا ہے، میں اس کی تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں“۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! ہماری تو ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اس پر بھی حضرت والا نے بار بار معاف کرنے کے لیے فرمایا۔

اس واقعہ سے جہاں تواضع ظاہر ہے وہیں یہ بھی سبق ملا کہ اپنے متعلقین میں سے بھی اگر کسی کی زیادتی معلوم ہو تو فوراً بڑے کو اس کی جانب سے معافی مانگ لینی چاہیے۔

(ص ۱۳۳)

(۷) سراپا عجز انکسار:-

تواضع کی وجہ سے درس یا مجلس میں کبھی تخت یا چوکی وغیرہ پر نشست نہیں فرماتے بلکہ بالعموم گدی وغیرہ پر بیٹھتے ہیں۔ جب مجلس خانے میں بعد نماز جمعہ تشریف لاتے ہیں تو گویا زمین سے پیر ملے ہوئے ہوتے ہیں، کبھی کوئی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے سادہ زندگی اور سادہ طریق ہر معاملے میں رکھتے ہیں، کیسا بھی کوئی شخص خلاف شرع صورت لیے ہوئے ہو کبھی اس کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتے، شفقت اور اصلاح کی نظر فرماتے ہیں، کبھی اپنی تعریف و توصیف کی مجلسیں قائم نہیں ہونے دیتے۔

ایک مرتبہ بندہ نے مجلس شریفہ کا مقدمہ لکھا تو سن کر فرمایا کہ: ”یہ سب آپ کی محبت کی وجہ سے ہے، جس کو کسی سے محبت ہوا کرتی ہے وہ ایسا ہی سمجھا کرتا ہے۔“

حضرت والا کی یہ بھی عادت شریفہ ہے کہ آپ اپنے کام کے لیے کبھی کسی پاس رہنے والے کو بھی یوں حکم نہیں فرماتے کہ فلاں کام کر دو، مثلاً پانی لاؤ بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ ”مجھے پیاس لگ رہی ہے“ اسی طرح زلزلہ کے چلے جانے کے بعد بجلی چلی گئی تو ڈاکٹر نعیم احمد صاحب سے فرمایا کہ ”مشین چلن چاہیے“، یہ نہیں فرمایا کہ جرنیٹر (بجلی کے لیے) چلا

دیں۔ اسی طرح اگر حضرت والا کے پاس کچھ حضرات بیٹھے اور پیشاب کا تقاضا ہو تو بجائے یہ فرماتے کے کہ پیشاب کے لے جاتا ہوں، یہ فرماتے ہیں کہ ”اجازت ہو تو پیشاب کر آؤں۔“ (ص ۱۳۴)

حضرت مولانا محمد تکی بہاولنگری (خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبد القادر راپوری رحمہ اللہ) کی تواضع و انکساری:-

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر باوجود علم و عمل زہد و تقویٰ کے حد درجہ تواضع تھی۔ اپنے سے بڑوں کے ساتھ بڑوں جیسا معاملہ کرتے اور چھوٹوں کے ساتھ برابر والوں کا سا سلوک فرماتے اہل علم کے علم کا اعتراف کرتے اور ان کی قدر کرتے بڑی عزت و اکرام کا معاملہ فرماتے خصوصاً اُن لوگوں سے جن کا حضرت راپوری رحمہ اللہ سے کسی بھی درجہ کا تعلق رہا ہو۔

حضرت رحمہ اللہ کو باوجود اپنے علم و فضل کے کسی عالم سے استفادہ میں حجاب نہیں تھا۔ بار بار ایسا ہوتا کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، اگر مجلس میں کوئی عالم موجود ہوتے تو ان کو مخاطب کر کے فرماتے کہ مولانا صاحب! یہ مسئلہ کیسے ہے؟ ان کو بتلاؤ، جب تصوف کی کوئی بات یا نکتہ بیان فرماتے تو عموماً ٹھنڈا سانس بھر کر فرماتے میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، یہ سب میرے حضرت راپوری رحمہ اللہ کے جوتوں کا صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

میں نے بار بار سنا کہ بیعت کرتے ہوئے آخر میں فرماتے: ”کہو میں نے بیعت کی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ کے سلسلہ میں محمد تکی کے ہاتھ پر“

حضرت رحمۃ اللہ میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ہزاروں آدمی آپ سے بیعت تھے، مگر آپ کا انداز معروف پیروں جیسا نہیں تھا، ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ کے پاس مختلف قسم کے لوگ آتے رہتے، آپ ان سب کو حسب حال ہدایت و رہنمائی فرماتے تھے، آپ ہر خور و کلاں، عالم و جاہل اور امیر و غریب سب سے نہایت خندہ پیشانی اور

عجز و انکساری سے پیش آتے اور نہایت توجہ سے مزاج پر سی فرماتے، کبھی اپنے کشف و حالات کا تذکرہ نہ فرماتے۔

آپ اتباع شریعت کا کامل نمونہ اور طریقت کے اسرار و حکم کے بے مثال خزانہ تھے، آپ میں اخفائے ہال اور سادگی بدرجہ اتم تھیں۔

خانقاہ رحیمہ رائے پوری شریف کی اہم خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت جو حضرت رحمہ اللہ میں بدرجہ اتم و کمال موجود تھی وہ تواضع و انکساری تھی۔

(سوانح حیات حضرت مولانا محمد کئی بہاؤ لنگری رحمہ اللہ ص ۱۹۸)

فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کے واقعات:-

(۱) حضرت مفتی صاحب تواضع اور خودداری کا نمونہ تھے:-

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب بہت متواضع غریب المزاج ہونے کیساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے، ہمیشہ غرباء فقراء کی طرح زندگی گذاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذرا سی لا پرواہی اور بے اعتنائی دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنی استغنا کا معاملہ کرتے اسی تواضع اور خودداری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر فنائیت کاملہ اور ثواب عند اللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں کی کہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور محفوظ ہوتے چلے جائیں اسے مفتی صاحب کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغنا کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا اور اب جو لوگ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو متفرق اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحب نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

(بیس علماء حق ص ۵۳۰)

(۲) فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پر اعتماد:-

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام فرماتے کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فتویٰ کے ہائیکورٹ تھے ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخری فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتویٰ لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (یہ حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی، دین میں احتیاط اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے سامنے اپنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر تو سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا: ”تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو، ہم سے معلوم کر لینا۔ نقصان تو ہمارا ہوا ہے۔ ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہوگا تو کس سے معلوم کریں گے؟“ (ص ۵۳۲)

(۳) مسکنت اور بے نفسی:-

حضرت مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم ہی تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے

زمانہ کے اکابر علماء کی خدمت میں تو بہت حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوزا اور حضرت

مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوازا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں تو بہت حاضری رہی بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل سرد ہو جانے کی خاص کیفیت عجیب و غریب محسوس کی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ بہنوں اور چھوٹے بھائی مولانا احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم ودبانی جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت انہیں۔ کم سر تھی پھر غربت و افلاس کا دور دورہ رہا۔ اس لئے مفتی صاحب نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی بعض اقرباء و متعلقین کی طرف سے تکیوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت مفتی صاحب کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے، پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گزاری اس تنہائی میں ان کی نغمسار و مونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین و غریب کے لئے سرور قلب و نظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مظہر تھے۔ ”اللہم احنینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین“

اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھے، مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھائیے، حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بجے اٹھ بیٹھتے تھے۔ پھر وہ ہوتے اور ان کا پروردگار، بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام مفتی صاحب روزانہ پیدل یا بس کے ذریعے پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگارام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے، پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ بس کے ذریعہ

تشریف لاتے اور بس کے ذریعہ ہی واپس جاتے۔ ایک پرانے کپڑے کے بٹوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے جنکے ذریعہ وہ بس کا کرایہ ادا کرتے۔ شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دارالافتاء میں گزارتے۔ ایسی گرمی میں چند پیسوں کا برف منگوا کر ایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر نکالتے ایک اجلے کٹورہ میں پانی نکال کر اس ٹھنڈے تختیستہ پانی کو گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرتے یہ غالباً ان کی سب سے بڑی ”عیاشی“ تھی جس کے وہ عادی تھے۔ ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں کی انہیں کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ عصر کے بعد بس کے ذریعہ ہی واپس گھر روانہ ہوتے کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پر حضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی۔ آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لانے اور لے جانے کے لئے مدرسہ کی کار کا بندوبست کر دیا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لاتی اور لے جاتی جسکے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مشقت ختم ہوئی۔

ابتدائی زندگی میں حضرت کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے برابر تھے۔ بچے بھی زیر تعلیم تھے اس لئے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ تنگ رہا۔ البتہ بعد میں صاحبزادگان ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو وسعت ہو گئی۔

آخر حیات میں فرماتے کہ ”مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہر صفحہ کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو۔ پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ ہو وہ شامی کے سامنے کے سامنے نقل کر دوں تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ مگر افسوس کہ زندگی بھر اتنے پیسے نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمد اللہ وسعت ہو گئی ہے مگر صحت ہی ختم ہو گئی ہے۔“ (ص ۵۳۸)

مفتی اعظم حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی فنائیت:

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش تھے، دیکھنے والا ان کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ صاحب نسبت ہیں۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ جو جتنا بڑا اور اونچا مرتبہ رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا ہے اور سادہ رکھتا ہے پتھر جتنا وزنی اور بھاری ہوگا۔ اتنا ہی نیچے کی طرف جائے گا اور غبارہ جتنا ہلکا اور پھولا ہوا ہوگا اتنا اوپر کی طرف جاتا ہے یہی حال مفتی صاحب مرحوم کا بھی تھا۔ تواضع میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ہمارے شیخ مربی اور استاذ جلیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دعا جود ہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو گوصراحی سے

کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یہی حال حضرت مفتی صاحب کا بھی تھا کہ ایک طرف توفیق و حدیث کے پہاڑ، ادب عربی اور دیگر علوم کے بحرِ خار، لیکن ظاہر دیکھو تو ایک سیدھے بھولے بھالے انسان، علمی اباحت میں حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بڑے عجیب نکات بیان کرتے دیکھا۔

(مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوکی رحمہ اللہ ص ۸)

حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) ”تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں“

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا خلیل الرحمن صاب زید مجدہم تحریر فرماتے

ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستے میں ایک بڑھیا روک کر اپنے مسائل سناتی رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی تواضع و انکساری سے اس بڑھیا کی باتیں غور سے سنتے رہتے چہرے پر کبھی ملال نہ آیا، اسی طرح حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ بھی انتہائی

منکسر المزاج تھے۔ اپنی تعریف تو بالکل پسند نہ فرماتے، دورانِ تقریر اگر کوئی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا نعرہ لگاتا تو ناراض ہو جاتے۔ دوپہر کے وقت عید گاہ میں بغیر تکیے کے ہی خالی چٹائی پر قیلولہ فرماتے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو کبھی بھی دوسروں سے بڑا نہیں سمجھا، عام مخاطبین سے فرماتے تم لوگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہو، میں تو بدی کا پتلا ہوں۔ باوجود اس کے کہ ۳۲ سال کے طویل عرصہ تک جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر رہے مگر ہمیشہ خود کو آگے لانے کی بجائے اپنے ماتحت علماء کو اہمیت دیتے۔ حتیٰ کہ اس عرصہ میں جن جن حضرات نے بھی حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے ماتحت ناظم عمومی کے عہدے پر کام کیا۔ اپنے اپنے درور میں پوری دنیا میں شہرت انکا مقدر بنی۔ انہیں صفات و خصوصیات کو دیکھ کر حضرت درخواستی کے پرانے رفیق سفر سید امین گیلانی فرطِ جذبات میں پکارا اٹھے۔

ہونٹوں پہ حق کی بات ہے دل محو فکر حق

ان کی نظر نظر میں ہے پیغام ذکر حق

انسان کی شکل میں عمل و راستی کو دیکھ

کھول آنکھ دل کی حضرت درخواستی کو دیکھ

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر

ادائیں ہیں لا کھوں اور دل بے تاب ایک

(ماہنامہ انوار القرآن ”حافظ الحدیث نمبر“ ص ۳۵۳)

(۲) ”زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے

ہیں“؟

آپ کے نواسے مفتی عبدالقیوم دین پوری صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ مولانا قاری فیوض الرحمن صاحب مدظلہ جو کہ حضرت کے

اجل تلامذہ میں سے ہیں اپنی کتاب مشاہیر علماء میں لکھتے ہیں کہ:

”میں نے آپ کا سوانحی تذکرہ لکھنے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے یہ فرمایا کہ

زندگی میں ہم نے کیا ہی کیا ہے جو آپ ہمارے حالات لکھتے ہیں، انکار فرمایا دیا۔

(ایضاً ص ۴۵۴)

(۳) ”ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے“۔

مولانا عرفان الحق حقانی (دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) تحریر فرماتے ہیں:

بخروا نکساری آپ رحمۃ اللہ علیہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی تو اضع ان کی فطرت تھی۔ جاہ و مرتبہ اور منصب و مقام پا کر یا بڑے رتبہ اور مقام پر پہنچ کر مدارس عربیہ کی سرپرستی، جمعیت علماء اسلام کی امارت، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک نفاذ شریعت اور دیگر بیسیوں تحریک کی قیادت، علم تفسیر و حدیث میں جلیل القدر امامت، پورے عالم میں بے مثال محبوبیت کی بلند ترین منزل پر پہنچنے کے باوجود وہ اپنی زندگی میں آخر دم تک بے تکلف اور سادہ تھے۔ ایسے مقامات پر پہنچ کر اچھے اچھے بہک جاتے ہیں۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے۔

حضرت درخواسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلند مقامات پر پہنچے لیکن نہ تو ان کی بات چیت میں فرق آیا نہ وضع اور لباس میں اور نہ کسی اور چیز میں سوائے اس کے کہ تو اضع بڑھتی گئی، انابت اور تذلل الی اللہ کی کیفیت روز افزوں تھیں، حضرت درخواسی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نظر دیکھ کر اذا رؤذکر اللہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ (ایضاً ص ۵۰۹)

حضرت مولانا محمد رضا جمپیری رحمہ اللہ (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر گجرات) کی للہیت و تواضع:

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ) آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا نے زندگی کے اکثر دور میں امامت فرمائی ہے مگر کبھی امامت کی تنخواہ نہیں لی اور مسجد میں امامت کے علاوہ اس کی صفائی، ستھرائی کا خود ہی اہتمام فرماتے۔ بلکہ حوض اور نالیاں خود صاف کر دیتے، تنخواہ کا شدت سے انکار فرماتے اور فرماتے کہ اس میں تو میرا

فائدہ ہے کہ مسجد میں رہنے سے نماز خوب پابندی سے ادا ہو سکتی ہے۔

مولانا نام و نمود، بڑائی اور اظہار سے کوسوں دور تھے، دوسروں کی ادنیٰ تکلیف کا خیال فرماتے، معاملات و معاشرت میں دوسروں کی راحت و سہولت کا حد درجہ اہتمام فرماتے۔ ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں غایت شفقت سے کام لیتے اور جلد سے جلد پورا فرما دیتے، آنے والے کی تواضع اور اکرام خود فرماتے، چائے شربت خود بنا کر پیش کرتے۔

مولانا اپنے قول و عمل میں کسی کو تکلیف دینا از حد ناپسند فرماتے، اسی وجہ سے اپنا کام خود انجام دیتے اور خدام وغیرہ نہ رکھتے تھے۔ طلبہ اپنی سعادت و خوش نصیبی سمجھتے۔ اگر مولانا کوئی خدمت انہیں سپرد فرماتے، لیکن سفر و حضر میں خادموں سے کام ہرگز نہ لیتے اور فرماتے ان بیچاروں کو کیوں تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت و قوت دی ہے پھر کیوں دوسروں کا آدمی ہر وقت محتاج رہے۔

دوسروں کو بھی نصیحت فرماتے کہ اپنا کام خود کیا کرو، بازار سے سودا سلف خود مہیا فرماتے، راستہ میں کوئی بوجھ لینا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ کمرہ میں جھاڑو دینا، درس گاہ میں صفائی کرنا، مکان کے سامنے خود جھاڑو لگا لینا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

تواضع و بے نفسی کا یہ حال تھا کہ درس گاہوں کے سامنے طلبہ کے بے ترتیب جوتے پڑے ہوتے تو اپنی چھڑی سے سب کو بالترتیب رکھ دیتے۔ اور فرماتے کہ جوتے راستہ کے بیچ میں مت اتارا کرو۔ انہیں ترتیب سے رکھا کرو، کسی کی ٹھوکر لگ جائے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

مولانا نے تدریس کے زمانہ میں بھی کسی طالب علم سے خدمت لینے کو پسند نہیں کیا، شادی سے قبل کھانا خود اپنے اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے۔ ہفتہ میں ایک روز پکا لیتے اور سات دن تک اسی کو گرم کر کے کھاتے رہتے۔ سلیقہ اور حفاظت سے بچا ہوا کھانا رکھتے تاکہ خراب نہ ہو۔ (اقوال سلف حصہ ششم ص ۱۸۶)

دعوت و تبلیغ کے حضرت جی ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن کا
ندہلوی رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) فنائیت پر مبنی عجیب ارشاد:

دعوت و تبلیغ کی عالم گیر محنت کے عالمی امیر منتخب ہونے کے موقع پر خود حضرت
مولانا انعام الحسن صاحب کی اپنی نگاہ میں کیا حیثیت و وقعت تھی وہ فنائیت و تواضع کے کس
بلند مقام پر فائز تھے اور اس کام کے لئے وہ اپنی ذات کو کتنا مفید سمجھتے تھے؟ اس کا اندازہ
بھائی خالد صاحب صدیقی (ملک) کے بیان کردہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں
کہ:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سفر پاکستان میں انتقال سے چند دن قبل رائے وند
کے اجتماع کے درمیانی دن مولانا محمد یوسف صاحب تو اہل میوات کے حلقہ میں گئے ہوئے
تھے ہم لوگ بھی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب حیدر آبادی، حضرت مولانا محمد عمر صاحب
اور بندہ حضرت جی، مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے پاس قیام گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس
زمانے میں مولانا محمد عمر صاحب خالی اوقات میں خصوصاً سفروں میں حضرت مولانا سے
حیۃ الصحابہ عربی سبقاً سبقاً پڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ حیۃ الصحابہ کھولے ہوئے بیٹھے
تھے۔ کہ مولانا جمیل احمد صاحب حیدر آبادی نے عرض کیا کہ حضرت! کام الحمد للہ بڑھ رہا
ہے۔ ہر جگہ کام کی سطح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہو رہی
ہے۔ کہ ملک کے اہم شہروں کے مراکز جیسے بمبئی، حیدر آباد وغیرہ میں پرانوں کی اک
جماعت کا دورہ بنگلہ والی مسجد کے کچھ حضرات کے ساتھ ہو اور وہاں کام کا جائزہ لیا جائے۔
اس عالمی دعوت کے نہج اور اصول کا مذاکرہ کام کرنے والوں کے درمیان کیا جائے کام
کرنے والوں میں جو صفات ہونی چاہئیں۔ ان کا خوب مذاکرہ ہوتا کہ کام کرنے والوں
کے سامنے اصل منزل رہے۔ خود حضرت مولانا یوسف صاحب تو اپنی بے پناہ مشغولیتوں کی
وجہ سے یہ دورہ کر نہیں سکتے البتہ اگر جناب کے ساتھ ایک جماعت کا دورہ ہو جائے اور ہم

بھی جناب کے ہمراہ ہوں تو بڑے نفع کی امید ہے۔ یہ بات سن کر ارشاد فرمایا کہ ”بھائی جمیل! تم نے تو بہت آگے کی بات کہدی۔ میں تو اپنے بارے میں یہ سوچتا رہتا ہوں کہ نگلہ والی مسجد میں مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ سفروں میں میرا مصرف کیا ہے۔ کبھی کبھی طبیعت پر شدت سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ خاموشی سے کہیں روپوش ہو جاؤں کہ کسی کو میرا پتہ نہ چل سکے لیکن پھر مولوی صاحب (مولانا محمد یوسف) کا خیال آتا ہے کہ کہیں گے کہ برسوں کی رفاقت تھی میرا ساتھ چھوڑ دیا، بس یہ سوچ کر رک جاتا ہوں۔“ حضرت مولانا نے یہ بات ایسی کامل فنائیت، عاجزی اور تواضع کے جذبے کے ساتھ فرمائی کہ ہم سب پر گریہ طاری ہو گیا اور مولانا محمد عمر صاحب پر تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ ان کا پورا بدن ہلنے لگا۔ اور پھر اس کامل فنائیت کا نتیجہ دنیا نے دیکھ لیا کہ صرف گیارہ روز گزرنے کے بعد ہی حضرت امارت کے منصب پر فائز ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سچ ہے۔ من تواضع للہ رفعة اللہ۔

(حضرت جی ثالث، مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ، جلد ۱، ص ۲۸۰)

”فرمایا کہ یہ دعا کرو کہ دعوت میری سمجھ میں آ جائے۔ اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی“ پھر بندہ نے کہا کہ حضرت! میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجئے، فرمایا کہ کیا دعا۔

(۲) ”ہمیں بولنا بھی نہیں آیا“

حضرت مولانا محمد انعام الحسن منصب امارت پر فائز ہونے تک وعظ و تقریر اور خطاب بیان کی دنیا سے بہت دور تھے۔ مزاج میں خاموشی اور کم گوئی اپنی انتہائی کو پہنچی ہوئی تھی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے دور امارت میں شاید ہی کبھی تقریر فرمائی ہو معمول یہ تھا کہ

حضرت مولانا کی تقریر کے وقت اسٹیج پر ان کے پیچھے مراقب اور متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھے رہتے

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بیانات بڑے طویل ہوتے تھے جس میں دعوت کو خوب کھول کھول کر سمجھایا جاتا تھا اُن کے یہاں آٹھ دس گھنٹے یومیہ تقریر کر لینا بہت معمولی بات تھی ایک بار طویل تقریر سے فارغ ہو کر راہ تواضع فرمایا کہ ہمیں تو بس بولنا ہی آیا ہے۔ مولانا انعام الحق صاحب نے اس پر ایک سر د آہ بھر کر فرمایا کہ ہمیں بولنا بھی نہیں آیا۔ (حوالہ بالا ۲۹۸ ص)

(۳) اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔

عالی جناب الحاج قاضی عبدالقادر صاحب (جھاوریاں) کے نام آپ کے مکتوب کی یہ چند سطور بھی اسی تواضع و خود انکاری کی مظہر ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں! ”بندہ کے لیے بزرگوں کی دعائیں ہی تسلی کا باعث اور سہارا ہیں ادعیہ سے حسب سابق یاد فرماتے رہیں اور مدد فرماتے رہیں اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی ستاری ہے کہ پردہ ڈال رکھا ہے بندہ اکثر سوچ کرتا ہے کہ ہمیں مقتدا تصور کیا جا رہا ہے جب ہمارا یہ حال ہے تو اللہ ہی مالک ہے۔ اللہ جل شانہ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔“ (جلد سوم ۴۳۰)

(۴) عجز و انکسار کے حسین پیکر۔

آپ کے خادم بھائی نادر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور چہرے پر رنج کے آثار تھے۔ بندہ نے خیریت پوچھی تو فرمایا کہ میرے لیے ایک دعا کر دو میں نے پوچھا کہ کوئی دعا ہے فرمایا کہ یہ دعا کر دو دعوت میری سمجھ میں آ جائے۔ اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی۔ پھر بندہ نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجئے فرمایا کہ کیا دعا میں نے کہا میرے لیے یہ دعا کر دیں کہ مجھے بھی دعوت آ جائے اس پر حضرت جی نے دعا فرمائی اور میں نے آمین کہی اور پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت تو ایسا بحرِ ذخار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک ربی زدنِ علما کی دعا فرماتے رہے۔ اس پر

حضرت جی مسکرائے۔

مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں داخل ایک طالب علم نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر کے وہ روٹی پھینک دی۔ منتظم مطبخ نے حضرت سے شکایت کر دی۔ حضرت جی نے اس لڑکے کو طلب کر کے ایک چپت رسید فرمایا لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اس کو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ”لڑکے معاف کر دے“ یہ منظر دیکھ کر حضار مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

جمعرات کو طلبہ کی نشست میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب خطاب فرما رہے تھے اچانک حضرت تشریف لے آئے (جو کبھی آیا کرتے تھے) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے بیان روک کر مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو فرمایا مولوی انعام آتے ہیں انکو سامنے بلا لاؤ۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ آپ سامنے تشریف لے آئیں۔ اس پر تواضعاً فرمایا کہ کیا ضرورت ہے مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف صاحب فرما رہے ہیں تو فرمایا ادھر میں کہہ رہا ہوں کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آخر تک وہیں بیٹھے رہے جو طلبہ کا آخری حصہ تھا۔

مولانا محمد عمر صاحب کی آنکھ میں ایک مرتبہ موتیا اتر آیا صاف نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے حضرت جی کے جوتے اپنے سمجھ کر پہن لیے تو حضرت جی نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عمر تمہارے جوتے یہ ہیں۔

ایک مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ خواص آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے بندہ بھی اس موقع پر اس مجلس میں موجود تھا۔ حضرت جی نے ان خواص سے کچھ دیر گفتگو فرمائی مجلس ختم ہونے پر جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا بھائی نادر بیٹھ جاؤ بندہ بیٹھ گیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا ”بھائی نادر میرا کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی نے اپنے بعض خواص کو لکھا تھا کہ اصل تو در دنیا یافت ہے۔ یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ آنسوؤں رخسار پر آگئے پھر فرمایا کہ پیارے یہاں تو اپنا سرمایہ ہی لٹ گیا۔ میں نے عرض کیا

کہ اپنے شیخ سے رجوع کیا ہے؟ اس پر فرمایا کہ دس سے گیارہ بجے تک مولانا محمد عمر کے کمرے میں بیٹھتا ہوں اس سے سکون ملتا ہے۔ (ص ۴۳۱، ۴۳۲)

(۵) ”ارے بھائی! میں کیا جانوں؟“

افغانستان کے ایک ممتاز عالم دین حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے مرکز نظام الدین آئے آپ اس وقت جماعتیں روانہ فرما رہے تھے اس سے فراغت کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب نے ان عالم دین کی ملاقات آپ سے کرائی معزز مہمان فارسی میں بات کر رہے تھے۔ حضرت مولانا بھی فارسی بولنا چاہتے تھے لیکن بے ساختہ طور پر عربی الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے تھے میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا حضرت جی نے مولانا عبید اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی فارسی بولنا چاہتا ہوں مگر زبان سے عربی ہی نکلتی ہے بہر حال اس ابتدائی گفتگو اور مزاج پر سی وغیرہ کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ فلاں حدیث شریف کی اجازت لینے کے لئے افغانستان سے آپ کے پاس آئے ہیں آپ انکو اجازت دیدیں یہ سن کر حضرت جی کے اوپر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا اور انتہائی بھرائی ہوئی آواز میں عاجزانہ صورت بنا کر فرمایا ”ارے بھائی! میں کیا جانوں“ یہ جملہ ایسے انداز سے فرمایا کہ میں اور مولانا عبید اللہ صاحب دونوں روپڑے کتنے عاجزی سے اپنی نفی فرما رہے ہیں مولانا عبید اللہ صاحب کھڑے ہی کھڑے کافی دیر تک سفارش کرتے رہے جس پر حضرت نے ان کو کچھ کلمات فرما کر اجازت مرحمت فرمائی۔ (ص ۴۳۲)

(۶) ”مجھے تو بات کرنی نہیں آتی“

پانی پت میں ایک مرتبہ اجتماع تھا مسلمان اور غیر مسلم سب حضرت والا کی زیارت کے مشتاق تھے افسران اعلیٰ بھی غائبانہ طور پر معتقد تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ حضرت کب تشریف لا رہے ہیں۔ ہم ان کا استقبال کریں گے۔ مگر حضرت بغیر کسی جدید اطلاع کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے اور ملاقات کے بعد مشورہ کے لئے بیٹھ

گئے سب اہل مشورہ کی رائے تھی کہ حضرت جی بعد نماز ظہر چاہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہو ہر اجتماع گاہ میں تشریف لاویں سب کی تسلی ہو جائیگی۔ حضرت مولانا نے منظور فرمایا اب مشورہ ہوا کہ بعد مغرب کون بات کرے سب کی رائے حضرت جی کے بارے میں تھی حضرت نے میری طرف دیکھا کہ تیری کیا رائے ہے؟ میں بھی عرض کیا کہ حضرت اس وقت تمام حکام و افسران بھی موجود ہوں گے بہتر ہے کہ آنجناب ہی کی بات ہو جائے تو انتہائی عاجزی سے فرمایا ارے بھائی مجھے تو بات کرنی نہیں آتی یہ (مولوی محمد عمر صاحب) تو خوب کہہ لیتے ہیں۔ اگر میں بات کروں گا تو پھر ان کی بات رہ جائے گی۔ لیکن جب سب نے ہی اصرار کیا تو منظور فرمایا۔ مگر چند جملے ارشاد فرما کر بات ختم کر دی۔ (ص ۴۳۵)

(۷) ”اعلان کی وجہ سے پیشاب روک کر کھڑے رہے۔“

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے مدینہ پاک میں گزارا حضرت اپنی شدت علالت کی وجہ سے تراویح اپنی جائے قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں ادا فرماتے تھے چار پانچ خادم ساتھ تھے مدرسہ کی جگہ فی الجملہ عمومی ہونے کی وجہ سے رمضان میں وضو و استنجا کرنے والوں کا رش ہو جاتا جس سے مدرسہ کے اصل مقیمین کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے اس میں کچھ کمی کرنے کے لئے استنجا خانوں کے باہر یہ اعلان لکھ کر آویزاں کر دیا گیا کہ مقیمین کے علاوہ دیگر لوگ بلا اجازت یہ غسل خانے و بیت الخلاء استعمال نہ کریں حضرت جی مدظلہ ان ایام میں مدینہ منورہ تشریف لائے ہوئے تھے قیام مسجد نور میں تھا لیکن ان کا حضرت شیخ کا خصوصی مہمان ہونا اور ان کی ذاتی اہمیت ظاہر ہے کہ مدرسہ کے دیگر تمام مقیمین ان کے لئے بمنزلہ خدام تھے تراویح کے وقت مدرسہ کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کی ایک تالی چابی حضرت جی کو پیش کر دی گئی تھی تاکہ جب بھی تشریف لائیں دروازہ کھلوانا نہ پڑھے۔

ایک روز تراویح کے دوران حضرت جی کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو فراغت کے لئے حرم

نبوی شریف سے مدرسہ آئے تو بیت لُحلاء میں داخل ہوتے وقت اس اعلان پر نظر پڑی تو وہیں کھڑے ہو گئے اندر نہیں گئے ادھر حضرت شیخ کے یہاں تراویح شروع ہو چکی تھی۔ سلام پھیرنے پر جب ایک خادم کمرے میں نکلا تو حضرت جی نے اس سے کہا کہ پیشاب کی حاجت ہے رو کے کھڑا ہوں کیونکہ یہ اعلان لگا ہوا ہے خادم نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت آپ کے لئے نہیں ہے اجنبی لوگوں کا رش ہو جاتا ہے اُن کے لئے ہے۔ یہ سن کر حضرت بیت اللُحلاء تشریف لے گئے۔ (ص ۴۳۶)

(۸) "اجی! میری کیا برکت ہے؟ یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے۔"

تامل ناڈو میں اجتماع تھا جنوبی ہند کے تمام کارکن و رفقاء مشورہ کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل علم بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ایک ذی مرتبت قدیمی کارکن نے کام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ جملہ بھی کہہ دیا کہ "حضرت یہ سب آپ کی برکت ہے اس پر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا اجی میری کیا برکت ہے یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے تو تم لوگ کوشش کرتے ہو قربانیاں دیتے ہو اس پر اللہ یہ ثمرہ عطا فرما دیتے ہیں۔ تمام کارکنان کے بیچ میں اپنی ذات کے نفی ایسے درد بھرے لہجہ میں فرمائی کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (ص ۴۳۷)

(۹) "کمال بے نفسی۔"

مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین کے طلبہ کا معمول یہ ہے کہ ہفتہ میں بدھ کے دن عصر کی نماز کے بعد کسی ایک جگہ جمع ہو کر اصولوں کا مذاکرہ کرتے اور مہینہ میں ایک مرتبہ حضرت جی کو اپنے یہاں آمد کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت جی یا تو خود تشریف لے آتے یا اپنی طرف سے کسی کو تجویز فرما دیتے۔ ایک مرتبہ ۴ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء) بدھ کے دن طلبہ کا اجتماع چل رہا تھا حضرت جی نے طویل بیان فرمایا بیان سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فر دیجئے اس پر جواباً فرمایا کہ آپ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت تشریف لے آئے اور طلبہ میں شور ہو گیا

کہ حضرت تشریف لاتے ہیں اور حضرت نے بیان فرمادیا لیکن ان سب باتوں سے حضرت کا نفس پھول کر ایسا ہو جائیگا جیسے مرے ہوئے گدھے کا پیٹ ہوتا ہے۔ پھر مجمع میں موجود مولوی چراغ الدین صاحب راجستھانی سے فرمایا۔ مولوی چراغ الدین دعا کرو ہم آمین کہیں گے یہ الفاظ سن کر مجمع پر عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی حضرت جی بھی خاموش بیٹھے رہے کچھ وقت گزرنے کے بعد مولانا الیاس صاحب حافظ نور الدین صاحب مولوی چراغ الدین کے درخواست کرنے پر آپ نے مختصر دعا کرائی۔ (ص ۴۳۷)

(۱۰) "شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کر دے"

اسی طرح ۸ صفر ۱۳۹۳ھ ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء بدھ میں طلبہ کے اجتماع میں مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی بیان فرما رہے تھے حضرت جی کی آمد پر آپ خاموش ہو گئے۔ تو فرمایا کیا فرما رہے تھے فرماؤ ہم کو کیا آتا ہے۔ ہم تو تبرک کے طور پر کچھ فرمادیں گے۔ گجرات کے ایک اجتماع کے اختتام پر بذریعہ کار واپس ہو رہے تھے کہ ریلوے کراسنگ کا گیٹ عین وقت پر بند ہو گیا اور گاڑی رک گئی ایک دو مقامی حضرات بھی اس گاڑی میں موجود تھے کچھ دیر بعد یکے بعد دیگرے لوگ گاڑی کی طرف آنے لگے اور حضرت جی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے انہوں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنا چاہا تو حضرت جی نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا کہ بھائی رہنے دو۔ شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ ہماری بخشش کر دے اور پھر پر خلوص انداز سے آپ نے سمجھوں سے مصافحہ کیا۔ (ص ۴۳۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:-

(۱) سادگی اور بے تکلفی سے انس:-

آپ کے فرزند ارجمند مولانا محمد عتیق الرحمن سنبھلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مزاج کی یہ سادگی اور بے تکلفی، بلکہ تکلفات سے وحشت و دوری عمر بھر ان کا خاصہ رہی۔ ۷۵ء کی بات یاد آرہی ہے راقم الحروف کی صحت کی خرابی اتنا ہوا کہ کوپنچی ہوئی تھی

انگلینڈ میں اقامت پذیر ضلع بھڑوچ (گجرات) کے مولانا یعقوب قاسمی نے الفرقان میں بار بار اس کا تذکرہ دیکھ کر تبدیلی آب و ہوا کے لیے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ ان کا مرسلہ ٹکٹ بمبئی سے سفر کا تھا۔ والد ماجد نے ضرورت سمجھی کہ بمبئی تک وہ خود میرے ساتھ سفر کریں۔ بمبئی ان مقامات سے ہے۔ جہاں کے لوگ انہیں بہت ابتدائی دنوں سے جانتے اور مانتے آئے ہیں بعض اہل تعلق کو انہوں نے اطلاع دیدی تھی۔ اچھی خاصی تعداد میں لوگ اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے باہمی مشورے سے قیام کے لئے جگہ تجویز کر رکھی ہوگی۔ چنانچہ ہم لوگ اسٹیشن سے وہاں لے جا کر اتارے گئے۔ یہ ایک شاندار قسم کا وسیع و عریض امیرانہ مکان تھا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کوٹھی تھی ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا اشتہار ان دنوں ”الفرقان“ میں نکالا کرتا تھا یہ انہیں مہربان کی کوٹھی تھی یعنی کوئی غیر لوگ نہ تھے تعلق رکھنے والوں میں تھے الفرقان منگاتے بھی تھے اس میں اشتہار دیکر اسکی مالی مدد بھی کرتے تھے مگر یہ اتفاق یقیناً پہلا تھا کہ والد ماجد کو ان کے یہاں اتارا گیا مجھے وثوق سے یاد نہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن ہم لوگ ایک چھوٹی سی مسجد میں منتقل ہو گئے۔ جو کھوکھا بازار کی مسجد کہلاتی تھی اور تبلیغی جماعت کا مرکز تھی اور پھر جہاز پر سیٹ کی بکنگ اور بعض دوسرے مراحل سفر طے ہونے کے انتظار میں ایک ہفتہ یا عشرہ یہ قیام رہا، بات کیا تھی؟ صرف یہ کہ امیرانہ طرز رہائش کے ساتھ ساز کرنا والد ماجد کے بس کی بات نہ تھی (الا یہ کہ کسی امیر کے بہ باطن درویش و فقیر ہونے کو وہ جانتے ہوں یا پھر مجبوری کی بات ہو) مسجد کے اوپر ایک سادہ سا کمرہ تھا اگر یادداشت غلطی نہیں کر رہی ہے تو اس کے فرش پر سونا اور لیٹنا ہوتا تھا اور یہ تو اچھی طرح یاد ہے کہ نہایت سادہ سا کھانا نیچے کسی عام سے ہوٹل سے آجاتا تھا۔ یہ وہ ماحول تھا اور معیار زندگی تھا جس میں ان کی روح خوش رہ سکتی تھی۔ تکلفات کا سایہ ہو تو گراںبار ہو جاتی تھی۔

تکلفات سے طبیعت کی دوری ہی کا نتیجہ تھا کہ اپنے گھر کے کام انہیں خود کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ اپنے گھر کے ہر طرح کے کام کے لئے وہ بازار جاسکتے تھے۔ گوشت لانا ہونا سبزی

ترکاری لانا ہو۔ کپڑا خریدنا ہو۔ غرض جو بھی گھر کی ضرورت ہو وہ بے تکلف اسے انجام دیتے تھے الا یہ کہ کوئی اور اسے انجام دینے کے لئے موجود ہو۔ اور اللہ کا فضل تھا کہ اس نے دین کی فہم کے ساتھ امور دنیا کی سمجھ بھی بھرپور عطا فرمائی تھی۔ گھر کی ضرورت ہی کی طرح اپنے ذریعہ معاش، کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات کی تیاری کے سلسلہ میں جس کام کی بھی خود انجام دہی کا تقاضا پیدا ہو جائے اسے بے تکلف خود انجام دے سکتے تھے۔ کتابت کی تصحیح تو اکثر خود کرتے ہی تھے ضرورت ہو تو پریس جاسکتے تھے۔ کاغذ کی خریداری کر سکتے تھے اور کاغذ دیکھتے تو بہر حال تھے کہ مناسب ہے یا نہیں۔ (ماہنامہ الفرقان خصوصی نمبر ص ۲۷۵)

(۲) خادم نہ کہ مخدوم:-

اس مزاج نے انہیں عمر کے اس آخری دور کے سوا جس میں معذورانہ مجبوری کی صورت پیدا ہو گئی تھی خدام سے ہمیشہ بے نیاز رکھا۔ سفر آئے دن تیار رہتا تھا۔ مگر تنہائی کرتے تھے محض خدمت یا معاونت کے نام سے کسی کو ساتھ لینے کا سوال نہ تھا بلکہ کوئی تعلق والا کسی اور عنوان سے از خود کسی سفر میں ساتھ ہو گیا اور دل میں یہ بھی سوچ لیا کہ راستہ میں خدمت کا بھی موقع ملے گا تو اسے محض مایوسی کا موقع ملا۔

چودھری عبدالمنان نام کے ایک صاحب (اللہ غریق رحمت کرے مرحوم ہو چکے ہیں) بہت محبت رکھتے تھے گھر در کے بکھیزوں سے بھی آزاد تھے غالباً دیوبند سہارنپور کے ایک سفر میں اسی طرح سے ساتھ ہو گئے۔ واپس آ کر بتانے لگے کہ بھئی کان پکڑے، خدمت کو سوچ کر گئے تھے اٹلے مخدوم بن کر آئے ہیں۔ (ص ایضاً ۲۷۶)

(۳) شیخ بے مشیخت:-

انہیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری جیسے شیخ وقت سے خلافت حاصل تھی اور پھر ان کا درجہ حضرت شاہ صاحب کی نظر میں وہ تھا جس کے راوی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں اگر اللہ نے قیامت کے دن پوچھا کہ میرے لیے کیا لائے ہو تو حضرت نے دو آمیوں کا نام لیکر جن میں ایک نام مولانا منظور صاحب کا تھا فرمایا کہ ان دو

کو بارگاہ الہی میں پیش کر دینا۔ اس کے باوجود ہم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے دینی خدمت کا وہ ذوق و ولولہ رکھتے ہوئے جو زندگی بھر گویا ان کی پہچان بنا رہا بیعت اور پیری مریدی کے ذریعے انجام دی جانے والی دینی خدمت کی راہ کو بھی اس ذوق و ولولے والے انداز سے اپنایا ہو۔ حالانکہ انہیں تو خود اس راہ سے بہت کچھ نفع پانے کا تجربہ ہو چکا تھا، بیعت وہ کر لیتے تھے مگر اس قدر کم اور اتنی خاموشی سے کہ بیعت ہونے والوں کے علاوہ کم ہی لوگ انکی زندگی کے اس پہلو کو جانتے ہو گئے حد یہ ہے کہ راقم نے بھی کبھی کسی کو بیعت ہونے نہیں دیکھا اس کا راز بھی میری نظر میں اصلاً یہی ہے کہ ایسا کرنے میں خواہی نہ خواہی ایک مشیخت کا حالہ ان کی شخصیت گرد بن جاتا۔ ان کے آگے پیچھے لوگ ہوا کرتے اور یہ بات انہیں بالکل گوارہ نہ تھی۔

(ص ۲۷۶)

(۴) زیادہ سے زیادہ ”مدظلہ“:-

کیا کیا باتیں اس مشیخت نا آشنائی کی ذکر میں لائی جائیں۔ ۱۹۹۰ء تک بات ہے آفتاب عمر لب بام آ رہا ہے سارے بزرگ جا چکے ہیں اور اپنی عمر کے اب بس وہ آپ ہی باقی ہیں یہ راقم آثم ان کے ارشاد پر اپنے پرانے مضمون پر نظر ثانی کر کے اسے ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ نامی کتاب کی شکل میں لاتا ہے یہ کام محض ان کے ارشاد کی تعمیل میں ہوا تھا اس لیے اس کو انہی کے نام سے منسوب کرتے ہوئے انتساب کی عبارت میں جب نام لکھا تو اس کے ساتھ دامت برکاتہم کے احترامی الفاظ شامل کر دیئے۔ مسودے ہی کی حالت میں اس کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے زیادہ سے زیادہ ”مدظلہ“ لکھ دو یعنی زیادہ سے زیادہ وہ لکھ دو جس سے کم درجہ کا کوئی لفظ ایک باپ کے لئے دستیاب نہیں ہے اور جو بلا تفریق ہر باپ کے حق میں موزوں ہوتا ہے نہ کہ ”دامت برکاتہم“ جیسا کوئی لفظ جس سے ایک دینی و روحانی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔

(ص ۲۷۸)

(۵) ”خود کو کمتر سمجھنے کی طلب“:-

اللہ نے ان کو دعا کا بہت خاص ذوق بخشا تھا اور پھر قدرتی طور پر ان دعاؤں سے

بہت خاص مناسبت تھی جو آنحضرت ﷺ سے ماثور اور منقول ہیں اس چیز کو انہوں نے اللہ کی ایک بڑی نعمت کے طور پر اتنی کتاب ”تحدیث نعمت“ میں لکھوایا ہے اور ان سینکڑوں ماثور دعاؤں میں سے ایک دعا کا بطور خاص بھی ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو یہ ہے۔

اللهم اجعلنی فی عینی صغیرا
وفی اعین الناس کبیرا

اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔

وفات سے تین چار سال پہلے ایک طویل بیماری پیش آئی معمولی نزلہ زکام اور حرارت سے آغاز ہوا۔ جو ان کو ایک عام شکایت تھی ذرا سی بھی سردی لگ جانے سے پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر اس نے وہ طول کھینچا اور وہ شدت اختیار کی کہ پورے پچاس دن نرسنگ ہوم میں رہنا پڑا اور پھر بھی کسی دوا علاج سے فرق نہ پڑا حتیٰ کہ سحر کا شبہ ہونے پر اس رخ سے علاج ہوا تب خدا خدا کر کے یہ سحر ٹوٹا۔ قدرتی طور پر اہل تعلق کے علم میں ہر طرف بات آگئی اور عیادت کے لئے ہر طبقے کے اہل تعلق آنے لگے انہی میں کانپور کے مفتی منظور صاحب مظاہری ایک دن تشریف لائے یاد نہیں کہ مفتی صاحب نے کوئی بات اظہار تعلق کی کہی تھی اس پر یا بس ان کے تشریف لانے ہی پر ایک شکر گزارانہ گریہ کی کیفیت کے ساتھ فرما رہے تھے کہ مفتی صاحب اللہ نے اپنے کرم سے لوگوں کی نگاہ میں تو بڑا بنادیا ہے، کاش اپنی نگاہ میں چھوٹا بننا بھی موت سے پہلے نصیب ہو جائے۔ یاد کر لیجئے کہ اوپر جو بات ”دامت برکاتہم“ کے سلسلے میں جو گزری ہے وہ ۹۰ء کی تھی۔ یعنی اپنی نگاہ میں چھوٹا بننے کی ان کی خواہش ان کے ان تمام احوال کے باوجود تسکین پانے کو تیار نہ تھی جن کی روشنی میں ایک دوسرا آدمی یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ خود ہیچ سمجھنے کی ایک مثال اس زمانے میں قائم کر گئے جب اس وصف کا چلن زمانے سے اٹھ چکا تھا۔

(ص ۲۷۹)

(۶) انکسار و تواضع:-

تواضع کا وہ پیکر تھے ہمارے آبائی وطن سنبھل کے قریب کے کسی دیہات سے

ایک صاحب کسی سرکاری کام کے سلسلے میں لکھنؤ آئے عمر تقریباً ۶۰ سال سے اوپر ہوگی۔ انکی وضع قطع، ہیشیت اور بات چیت سے تو اندازہ نہیں لگتا تھا کہ وہ حضرت نانا جان گویا کسی عالم کو جانتے بھی ہو گئے بس ہو سکتا ہے کسی نے آتے وقت ذکر کر دیا ہو۔ نانا جان اس وقت کچھ لکھنے میں مشغول تھے لہذا کہلا دیا کہ اس وقت مہمانوں کے کمرے میں آرام فرمائیں شام کو ملاقات ہوگی، وہ صاحب ناراض ہو گئے اور واپسی کے لئے سامان اٹھا لیا میں نے آ کر پوری بات عرض کی فوراً خود اٹھے (اگرچہ اس وقت بھی چلنا خوب مشکل تھا اور چھڑی کے سہارے ہی ممکن ہوتا) اور ان صاحب کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لیکر آئے ان کی پوری بات سنی اپنے ساتھ دو پہر کا کھانا کھلایا، بذات خود بڑی سادگی سے معذرت خواہی کی اور ان کے اس کام کے سلسلے میں ضروری مدد بھی کی جس کے لئے وہ آئے تھے۔

بعض ریسرچ اسکالرس نے اپنے تحقیقی مقالوں کے لئے درخواست کہ وہ رہنمائی فرمائیں اور اپنی شخصیت اور کاموں کے متعلق ضروری معلومات لکھوادیں ایسا متعدد بار ہوا، مگر آپ نے ہمیشہ ازراہ تواضع اور انکسار اور اپنی اخفاء کی افتاد کی بنا پر اس طرح کے تعاون سے معذرت کر لی، بلکہ ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اس سے مجھے اپنی نیت کے لیے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ برادر محترم جناب عبید الرحمن سنبھلی بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں وہ لکھنؤ میں مقیم تھے اور خطوط کے جواب کی ذمہ داری ان پر ہی تھی جب بھی ایسے خطوط آئے آپ نے یہی جواب دلویا کہ آپ کے حسن ظن پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے میری ذات اس قابل نہیں ہے کہ اسکو باقاعدہ تحقیق و ریسرچ کا موضوع بنایا جائے راقم سطور سے بھی اس طرح کے چند جوابات لکھوائے گئے۔

ایک مرتبہ ایک تبلیغی اجتماع میں بیان کے لیے بہرائچ جانا ہوا، سفر میں رات کو دیر ہو گئی اجتماع گاہ پہنچے جہاں سارے ہی لوگ سو چکے تھے، چپلوں کی جگہ پر خالی جگہ ملی کسی کو جگانا مناسب نہ سمجھا وہیں بستر بچھایا اور چپلوں کے اوپر سو گئے۔ آخر شب میں جب کچھ لوگ اجتماع گاہ سے باہر نکلے تو وہاں کسی نامناسب جگہ سوتے ہوئے دیکھ کر بڑا سخت سست کہا مگر انکی پشیمانی

کی کوئی انتہاء نہیں رہی جب انہوں نے دیکھا کہ سونے والا کون ہے؟
 نانا جان کے نزدیک کپڑوں وغیرہ مظاہر کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری والدہ محترمہ کبھی عرض کرتیں کہ نئے کپڑے بنالیں تو فرمادتے کہ بیٹی اب کپڑے کیا بنائیں اب کفن ہی بن جائیگا اسی کی تیاری کر رہا ہوں۔ ایک کرتا میں کافی عرصہ سے دیکھتا تھا۔ گھر میں پوچھا کہ معلوم ہوا کہ یہ کرتا ۳۰ سال سے زیادہ پرانا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے برکت بھی اس میں عجب ہے کہ اب تک پھٹا نہیں گذشتہ ۱۵-۱۶ سال میں ان کے لئے اندر پہننے کی بنیان نما کرتیاں تو کافی سلوائی گئیں مگر کرتے شاید ہی چار پانچ سے زائد سلے ہوں ایک مرتبہ مغرب کے بعد لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں اچانک آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے پھر آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا میں وہیں بیٹھا ہوا تھا اور فرمایا کہ اللہ کی خاطر ذلیل ہونا بھی بڑا اعزاز ہے اور یہ اللہ اپنے خاص محبوب بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ اس کے بعد بعض بزرگوں کے اس سلسلہ کے واقعات سنائے۔ (ص ۳۶۷)

مولانا محمد عمر پالن پوری صاحب رحمہ اللہ کی تواضع اور سادگی:-

مفتی محمد پالن پوری صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:
 آپ کی ذات میں سادگی اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس زمانے میں آپ مرکز دہلی میں بغیر اہل و عیال کے تنہا قیام پذیر تھے تو ایسے حجرے میں جہاں دو تین حضرات آپ کے ساتھ رہتے تھے آپ بغیر چارپائی کے نیچے فرش پر بستر لگا کر آرام کرتے عام طالب علموں

کی مانند بے تکلف رہتے ملک اور بیرون ملک کی بڑی بڑی شخصیتیں آتیں آپ اسی حجرے میں فرش زمین پر بیٹھ کر بے تکلف باتیں کرتے، فضل و کمال کے ہوتے ہوئے اس قدر سادگی اور تواضع واردین کو متاثر کیے بغیر نہ رہتی دینوی چیزوں سے بے رغبتی کی وجہ سے بے خبری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ راقم الحروف بھی اسی مجلس میں تھا آپ نے اہل مجلس سے فرمایا کہ میرا کرتا الٹا ہے یا سیدھا ہے سبھی نے جواب دیا کہ کرتا سیدھا ہے اس سوال کی وجہ

دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا سال گزشتہ میرا فریقہ کا سفر ہوا تھا جب میں امریکہ کے ہوائی اڈہ پر اترتا تو وہاں کے احباب نے بتایا کہ مولانا آپ کا کرتا الٹا ہے تو میں نے ہوائی اڈے پر ہی کرتا سیدھا کیا تھا آج بھی میرا سفر فریقہ کا ہے اس لئے معلوم کر رہا ہوں کہ سال گزشتہ کی طرح نہ ہو، چونکہ آج کل کپڑوں میں الٹا سیدھا واضح نہیں ہوتا ہے۔

باوجود کمالات کے آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، کبھی اپنے آپ کو کسی دوسرے پر ترجیح نہ دیتے تھے، ہر ایک کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے، کبھی اپنے لئے خصوصی امتیاز کے روادار نہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من ”تواضع لله رفعه الله“ جس نے اللہ کے لیے عاجزی کی اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے آپ اس حدیث کے صحیح مصداق تھے آپ کی سادگی اور تواضع کے طفیل باری تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت و عظمت کے انمٹ نقوش قائم فرمائے اور بے مثال محبوبیت عنایت فرمائی۔ خدائے پاک اس پیکر خلوص کے نقش قدم پر ہمیں بھی چلنے کی توفیق بخشے۔

ہرگز نہ میرا آنکھ دلش زندہ شدہ بعشق ثبت ست بر جریدہ عالم دوام مار
ہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں پھر میں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے
پانی

(سوانح مولانا محمد عمر پالن پوری ص ۱۲۱)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے واقعات

اپنے کو بڑا جاننا دوسروں کو حقیر سمجھنا جس کو تکبر کہتے ہیں۔ نہایت قبیح اور مفرموم خصلت ہے۔ اس کو صوفیا کرام نے اُم الامراض کہا ہے۔ کہ اس سے بے انتہا برائیاں پیدا ہوتی ہیں گویا کبر ایک تناور درخت ہے اور بے شمار برائیاں اس کی شاخیں اور پھول پتیاں ہیں اس کے بالمقابل تواضع و عبدیت ایک بہترین اور پسندیدہ خصلت ہے۔ جس کو اُم الحسنات کہنا چاہیے کہ اس کے ذریعے سے بے شمار خوبیاں پیدا ہوتی ہیں گویا تواضع ایک تناور درخت ہے اور بے شمار حسنات اور بے شمار عمدہ صفات اور خوبیاں اس کی شاخیں اور پھول

پتیاں ہیں۔ تواضع تمام اکابر اہل اللہ اولیاء مشائخ کا شعار رہا ہے یا یوں کہا جائے کہ ولی کامل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کبر سے پاک اور تواضع سے متصف ہو جائے۔ مگر زبان سے تواضع کا اظہار اور اپنے کو حقیر فقیر لکھنا کہنا آسان ہے اور قلب میں اس کی حقیقت کا جاگزیں ہو کر اس کی طبیعت اور حال بن جانا مشکل ہے۔ اس لئے رمی اور حقیقی تواضع میں بڑا فرق ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا قدس سرہ کو جہاں بے شمار کمالات سے نوازا بلکہ جامع الکملات بنایا اس کے ساتھ ساتھ کمال تواضع اور کمال عبدیت سے بھی تکلف اعلیٰ وجہ الکمال متصف فرمایا جس کی وجہ سے تواضع و عبدیت آپ کی طبیعت و حال بن کر آپ کے قلب و دماغ اور جسم کے ہر ہر رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ کہ بلا کسی رسم تقلف کے آپ کی ہر حالت سے اس کا ظہور ہوتا تھا۔ جامع الکملات ہونے کے باوجود بھی آپ کو کسی کمال کا وہم و خیال بھی نہ گزرتا تھا۔ ہر کسی کو اپنے سے افضل سمجھتے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ کم ترین و ذلیل ترین اپنے نفس کو ہی سمجھتے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا آنے والوں کے قدموں کی خاک کو باعث نجات جانتا ہوں یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا مقولہ ہے۔ کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے ایک موقع پر یہی جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

(حیات محمود)

یہ سب کچھ میری نحوست سے ہو رہا ہے۔

دارالعلوم میں ہنگامہ آرائی ہوئی تو غیر ملکی سفر پر تشریف لے گئے۔ اسی طرح مظاہر علوم کے ہنگامہ کے موقع پر بھی دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا۔ میں نے سمجھا کہ یہ سب کچھ میری نحوست سے ہو رہا ہے۔

اس لئے میں باہر سفر میں چلا گیا۔ تاکہ یہ ہنگامہ ختم ہو جائے۔

(۲) ”امتیاز پسندی“۔

اپنے لئے کوئی امتیازی جگہ، امتیازی ہیشیت ہر گز پسند نہ تھی معذوری سے قبل بھی کسی تکیہ وغیرہ کا ہونا نشست گاہ پر پسند نہیں تھا، مسجد میں مجلس ہوتی آپ کے لئے کچھ کپڑا

بچھانا چاہتے، تکلیف رکھنا چاہتے تو انکار فرما دیتے اور سخت ناپسند فرماتے حتیٰ کہ حضرت والا کو اپنے معتکف پر پردہ وغیرہ لٹکانا بھی پسند نہیں تھا، احباب نے زیادہ اصرار کیا تو بجبوری اس کو برداشت فرماتے تھے۔

اس طرح حضرت والا کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ حضرت والا کے نیچے معتکف میں گدا وغیرہ بھی بچھایا جائے۔

ایک دفعہ اعتکاف کے موقع پر حضرت والا نے ایک خادم سے کہا کہ یہ چٹائی اعتکاف کی جگہ میں بچھا دو اس پر یہ چادر بچھا دو اور تکلیف رکھ دو، ایک دوسرے خادم نے گدا بھی بچھا دیا، حضرت نے جب اس کو دیکھا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کس نے بچھایا بتایا گیا فلاں نے، حضرت والا نے وجہ دریافت فرمائی کہ گدا کیوں بچھایا؟ اس نے عرض کیا حضرت زمین پر صرف چٹائی پر سونے سے تکلیف ہوگی اس لئے گدا بچھا دیتا کہ کچھ آرام مل جائے، فرمایا کیا سب معتکفین کے پاس گدے ہیں؟ کہا گیا نہیں، فرمایا پھر میں کس طرح گدے پر لیٹوں؟ یہ تو میرے بس میں نہیں کہ سب کے لئے گدوں کا انتظام کیا جائے البتہ یہ آسان ہے کہ میں خود بھی اپنا گدا اٹھا دوں۔ (بحوالہ بالا)

(۳) ”فقیر آدمی کو اپنی رقابی میں کھانا کھلانا“۔

ایک دفع افطار کے وقت ایک غریب فقیر آدمی خستہ حال پھٹے پرانے کپڑوں میں آگیا، جس سے سخت گھن اور بو آ رہی تھی، کوئی اس کو اپنے پاس بٹھانے پر تیار نہ ہوا حضرت والا نے یہ دیکھ کر فوراً اس کو بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر اپنی رکابی میں اس کو شریک کیا، جس سے سب کو حیرت ہوئی اپنے اوپر سخت ندامت۔

(۴) ”کھانے کے موقع پر عادت مبارکہ“۔

کھانے کے موقع پر اور کسی مجلس میں جگہ کی تنگی ہوتی تو حضرت والا فوراً ایک پاؤں کھڑا کر کے ایک پاؤں پر بیٹھ جاتے دسترخوان پر ریزے گر جاتے تھے تو حضرت والا بے تکلف ان کو اٹھا کر کھا لیتے۔ اور ارشاد فرماتے ان کے کھانے والے کی اولاد صالح پیدا

ہوتی ہے۔ کسی نے رکابی صاف نہیں کی اس میں سالن لگا ہوا رہ گیا حضرت والا اس کو اٹھا کر بے تکلف صاف کر لیتے۔ کسی نے خوب کہا ہے

فروتی است دلیل رسیدگان کمال کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود
(یعنی عاجزی با کمال ہونے کی نشانی ہے اس لئے کہ سوار منزل پر پہنچ کر (سواری سے اتر کر) پیادہ ہو جاتا ہے)

(۵)۔ ”میں محروم جہاں تھا وہیں رہا۔“

ایک خادم کو اعتکاف کے ختم ہونے پر خط کے جواب میں تحریر فرمایا:
”جناب والا یہاں سے تشریف لئے گئے گویا مجلس سونی ہو گئی تاہم بندگان خدا کی الحاح و زاری سے حق تعالیٰ کا فضل ہوا، عافیت کے ساتھ ایام اعتکاف پورے ہو گئے ماشاء اللہ حباب نے بہت کچھ حاصل کر لیا..... یہ محروم جہاں تھا وہیں رہا، احباب کی کامیابی کی بنا پر اپنے لئے بھی فلاح کی توقع کافی ہے۔“ (۲۳۰ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت)

6۔ شعر کا عجیب مطلب۔

ایک خادم مسترشد نے لکھا:

”اس دور افتادہ غلام بارگاہ کو بھی اپنی خصوصی توجہات اور دعاؤں سے نوازیں کہ

اللہ تعالیٰ بیڑہ پار لگائیں بندہ کا حال یہ ہے کہ

چہل سال عمر عزیزت گزشت مزاج تو از حال طفلی نگشت

(تیری پیاری عمر کے چالیس سال گزر گئے مگر تیرے مزاج سے بچپن ختم نہیں ہوا)

حضرت والا نے جواباً تحریر فرمایا:

”آپ نے کریمہ کا شعر نقل کیا ہے اور مصداق قرار دیا ہے ابھی ابھی آپ کی برکت سے

ایک مفہوم ذہن میں آیا ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں معصومانہ مزاج

طفل عطا کر رکھا ہے۔ مبارک ہو! یہاں تو اس عمر تک پہنچتے پہنچتے گناہوں کا انبار اکٹھا

ہو گیا تھا، پھر اس پر اضافہ ہے، چہل سال کے دو چند ہونے پر انبار کئی چند ہو چکا، حق تعالیٰ

مغفرت فرمائے۔“ (ص ۲۳۱ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت جلد (۱) ص ۲۶۸)

(۷) ”صاحب نسبت بزرگ“ لکھنے پر تنبیہ:-

ایک صاحب نے حضرت والا کو خط میں ”صاحب نسبت بزرگ“ لکھا اس کے

جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا:

”بندہ اس قابل نہیں کہ اس کے لئے ”صاحب نسبت بزرگ“ جیسے الفاظ استعمال کئے

جائیں، یہ ان الفاظ کا بے محل استعمال ہے، ان کی ناقدری ہے۔ اللہ تعالیٰ ناقدری کی

بجائے قدردانی کی توفیق دے۔ ہاں مشورہ سے اس ناکارہ کو انکار نہیں ہے۔“ (ص ۲۳۱)

(۸) ”یہ کمینہ سیہ کار لائق احترام نہیں“:

ایک صاحب کو تحریر فرمایا:

”اور اصل بات یہ ہے کہ یہ کمینہ سیہ کار لائق احترام ہے ہی نہیں، اس کا حال تو یہ

ہے یک اٹھے، بذربانے، بدنکا ہے، بدعمل۔ ہم امید عفو دار در طفیل دیگران“ (ص ۲۳۱)

(۹) ”عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے“:-

ایک صاحب کو تحریر فرمایا:

”اس ناکارہ کے عیوب پر حق تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے، اگر اصل حالت کھل جائے تو

سب طرف سے نفرت ہی نفرت ہو کسی کی طرف سے کبھی رجوع نہ ہو۔“

(ص ۲۳۲ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت ص ۲۹۰)

(۱۰) حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا قائم مقام لکھنے پر تنبیہ:-

ایک صاحب نے اپنے خط میں حضرت والا قدس سرہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا صاحب نور اللہ کا قائم مقام لکھ دیا۔ ان کو جواب تحریر فرمایا۔

”یہ ناکارہ آوارہ ہرگز ان کا قائم مقام نہیں ان کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں، ہاں

خدمت میں بہت دیر تک رہا مگر محرومی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔“ (ص ۲۳۲)

(۱۱) ”یہ ناکارہ جوتیاں سیدھی کرنے کا قابل بھی نہیں“۔

ایک صاحب نے (جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے) حضرت والا قدس سرہ سے رجوع کرنے کی درخواست کی اور ساتھ ساتھ یہ جملہ بھی لکھ دیا: ”حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے بعد اکتساب فیض کا صرف ایک ہی درباقی ہے۔“

اس کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا:

”حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ پر جس لطف و کرم کی بارش برسائی آپ اس کا دائرہ اتنا محدود نہ کریں کہ صرف شخص واحد پر ہی انحصار کر دیں ان کے فیض یافتہ حضرات میں ایسے حضرات موجود ہیں کہ یہ ناکارہ انکی جوتیاں سیدھی کرنے کے قابل بھی نہیں جن کی تعداد ایک سو دس ۱۱۰ ہے

جلوہ حسن ساز کا قلب پہ کیا اثر نہیں ان کا تو حسن حسن ہے تیری نظر نظر نہیں

(بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت رحمہ اللہ ص ۲۸۲)

(۱۲) ”اتنی عمر ہو چکی حالات درست نہیں ہوئے“۔

ایک صاحب کو جواب میں تحریر فرمایا:

”اس ناکارہ آوارہ کا دنیا میں کیا کام ہے بجز اس کے کہ کھاد بن جائے مگر اپنے اختیار میں کچھ نہیں آپ حضرات کی یاد اور ملاقات فی الحملہ باعث تسکین ہے، اتنی عمر آچکی ہے حالات درست نہیں ہوئے ہیں، رذائل ایک ایک سب موجود ہیں جن کے ظہور کا موقع نہ ملنے پر شبہ اور گاہے عجب ہوتا ہے کہ وہ دور ہو گئے ہیں حالانکہ ان کا حال ایسا ہے جیسے تیز سردی میں سانپ کا حال ہوتا ہے کہ اس میں حملہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی مگر جہاں سورج کی گرمی آئی اس کی پوری کیفیات عود کر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے اور اپنے محبوبین کی برکت سے اصلاح فرمائے“ (ص ۲۳۲)

(۱۳) ”یہاں تو میری نحوست ہی نحوست ہے“۔

ایک خادم مسترشد جو خدمت والا میں راہ سلوک طے کر رہے تھے ان کے کسی عزیز

کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا:

”ماشا اللہ خوب محنت کر رہے ہیں! کاش! کسی اچھی جگہ پر ہوتے اور محنت کرتے تو زیادہ فائدہ ہوتا، یہاں تو میری نحوست ہی نحوست ہے، خدائے پاک ان کی حفاظت فرمائے اور ان کی خیر سے میری نحوست بھی دور کرے۔ ان کے والدین کو مبارکباد اور سلام و سنون۔“
(ص ۲۳۴)

(۱۴) ”آپ سے زیادہ امراض باطنہ و امراض ظاہرہ میں یہ ناکارہ مبتلا ہے۔“

ایک صاحب نے لکھا کہ میں بہت زیادہ باطنی امراض میں مبتلا ہوں بعض دفعہ بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ قیامت میں کیا ہوگا۔ دعاء کی درخواست ہے۔ فقط۔
ان کے جواب میں تحریر فرمایا:

آپ سے زیادہ امراض باطنہ و ظاہرہ میں یہ ناکارہ مبتلا و گرفتار ہے، قیامت کو جو بخشش ہوگی وہ اللہ کے فضل سے ہوگی جو کچھ ہو سکے ٹوٹے پھوٹے اعمال بھی کرتا رہے اپنے آپ کو درست کرنے کی کوشش بھی کرتا رہے۔ کوتاہیوں کی معافی مانگتا رہے اللہ تعالیٰ ناکارہ لوگوں کو بھی قبول فرما لیتے ہیں نیکوں کے طفیل میں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بدایا بہ نیکان بہ بخشد کریم

(۲۳۵)

(۱۵) ”حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدہم کا مکتوب اور حضرت والا کی طرف سے اس کا جواب۔“

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب زید مجدہم خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

مولوی ابراہیم خادم خاص کی خدمت میں بعد سلام مسنون یہ اپنا تازہ شعر عرض کرتا ہوں۔ دعا کی درخواست اس شعر میں پوشیدہ ہے۔

بہار وصل کی لذت کو لوٹنے والو!
کسی فراق زدہ کو بھی یاد کر لینا۔

احقر محمد اختر عفا اللہ عنہ۔

حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا:
مکرم و محترم حضرت حکیم صاحب زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا قلب کو بڑی مسرت ہوئی، یہاں تو یہ حال ہے
دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا۔
تاہم جو حال بھی ہے موجب صد شکر ہے بقول شخصے
کچھ سکون ہوتا ہے تو آواز آتی ہے
ان کا تو حسن حسن ہے تیری نظر نظر نہیں
اٹھ کے بگو لے دم بدم کہتے ہیں کیا خبر نہیں
بیٹھو نہ مل کے وحشیو! دشت جنوں ہے یہ گھر نہیں
(۱۶) رجوع کرنے کی درخواست پر تنبیہ:-

ایک صاحب نے (جو انگلیڈ میں مقیم ہیں) حضرت والا قدس سرہ کی طرف
رجوع کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت قدس سرہ نے جواب عنایت فرمایا:
گرامی نامہ موجب منت و مسرت ہوا، منت و مسرت سے زیادہ تعجب خیز ہوا کہ ایک صاف
شفاف عمدہ پانی کی نہروں کے کنارے ہو کر ایک چھوٹے سے گڈھے کی طرف توجہ کی جائے
جسے ایر غیر انتھو خیر اسب ہی استعمال کرتے ہیں۔ آخر حضرت الحاج مولانا محمد یوسف متالا
وہاں موجود ہیں جن سے بڑی دنیا فیضیات ہو رہی ہے نیز مولانا ہاشم صاحب اور مولانا بلال
صاحب بھی وہاں ہیں ان حضرت کے ذریعہ سے علوم و اخلاق نبوت پھیل رہے ہیں ان کو

چھوڑ کر جناب والا نے سات سمندر پار ہندوستان کی طرف کیوں توجہ فرمائی؟ شاید اس وجہ سے کہ گھر کی مرغی دال برابر میری درخواست ہے کہ جناب والا استخارہ مسنونہ فرمالیں، قریب رہ کر بار بار حاضری اور فیض صحبت اور حالات بتا کر ہدایات حاصل کرنے میں جو سہولت ہے اس سے سب ہی واقف ہیں

خدائے پاک ان محترم کو صحیح راہنما عطا فرمائے جو مشفق اور مہربان بھی ہو، جسمانی صحت بھی دے اور روحانی ترقیات سے بھی نوازے، یہ ناکارہ تو چراغ سحری ہے نہ معلوم کب پیام اجل آجائے۔“ (ص ۲۳۶)

(۱۷) ناظم صاحب سے اعتکاف کی اجازت :-

حضرت والا کا قیام رمضان المبارک جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تجویز ہو گیا۔ اور وہاں کے احباب کے اصرار پر حضرت والا نے منظور فرمالیا مگر اس کے باوجود وہاں اعتکاف کے جو منتظم تھے مولانا محمد اسماعیل صاحب زید مجدہم سے اجازت طلب کی اور تحریر فرمایا،

”اس سال یہ ناکارہ آوارہ جناب والا کی خدمت میں ماہ مبارک گزارنے کا خواہشمند ہے اس لئے اجازت درکار ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بھی منتظم سے اجازت لیا کرتے تھے، احقر کے ساتھ کم سے کم ایک آدمی تو ضروری ہے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمادیں کوئی اور آئے گا تو خود اجازت لے لیگا۔“ (ص ۲۳۸)

(۱۸) ”میری حالت نقص ہے“ :-

ایک صاحب نے لکھا کہ: ”نقص ہوں اور ناقص کے حالات ناگفتہ بہ ہیں، اللہ جل شانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ نقص کی کیسی ویران حالت ہے، خدا کے لئے نقص کے حق میں دعا کریں کہ نقص کی حالت اچھی ہو جائے۔“

جواب میں تحریر فرمایا:

”آپ کی حالت ناقص ہے جو کہ آپ کو معلوم ہے، میری حالت نقص ہے جو مجھے معلوم

ہے میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ میرے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ دونوں کی حالت صحیح کر دے، اتباع سنت کی پوری توفیق دے، نافرمانیوں سے پوری حفاظت فرمائے۔

(ص ۲۳۸)

(۱۹) مجلس شوریٰ کی رکنیت سے معذرت :-

کسی مدرسہ کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے حضرت قدس سرہ کا نام گرامی تجویز کیا جاتا اور حضرت والا قدس سرہ سے منظوری کی درخواست کی جاتی حضرت اقدس سرہ معذرت فرمادیتے اور کبھی منظور نہ فرماتے، بعض مدارس کو چھوڑ کر اکثر انکار ہی فرماتے اور اصرار کے باوجود منظور نہ فرماتے۔ مدرسہ دارالعلوم حسینیہ تاؤلی مظفرنگر کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب زید مجدہم نے حضرت قدس سرہ کا نام منتخب فرمایا۔ مولانا رشید الدین صاحب مہتمم دارالعلوم حسینیہ تاؤلی نے بذریعہ خط حضرت والا قدس سرہ سے منظوری کی درخواست کی۔ حضرت قدس سرہ نے معذرت فرمادی اور تحریر فرمایا کہ ”یہ ناکارہ شوریٰ کا اہل نہیں۔“

ذیل میں حضرت مولانا رشید الدین صاحب مہتمم دارالعلوم حسینیہ تاؤلی اور

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو:

مکتوب مولانا رشید الدین صاحب :-

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم سر

پرست مدرسہ ہذا نے آنجناب کا مدرسہ دارالعلوم حسینیہ ماڈل مظفرنگر کے لیے رکن شعوریٰ کی حیثیت سے انتخاب فرمایا ہے آنجناب سے عرض ہے کہ مدرسہ کی رکنیت منظور فرما کر

فقط والسلام

ممنون فرمادیں اور جواب سے نوازیں۔

مکتوب فقیہ الامت رحمہ اللہ

محمد رشید الدین غفرلہ

گرامی نامہ باعث عز و افتخار ہوا یہ ناکارہ شوریٰ کا اہل نہیں، مدرسہ شاہی مراد آباد

کی مجلس نے نام تجویز کر دیا تھا شاید ابرس ہو گئے ابھی تک وہاں جانے اور جلسہ شوریٰ میں

شرکت کرنے کی نوبت نہیں آئی اس لئے بندہ معذرت خواہ ہے کہ کسی اور کو تجویز فرمالیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کام کا آدمی میسر فرمائے اور مدرسہ کو مادی و معنوی ترقیات سے نوازے۔

فقط والسلام

(ص ۲۳۹)

(۲۰) ”آپ سے ناراض ہو کر مورد غضب بننے کی تاب کہاں!“:

ایک صاحب نے لکھا:

عریضہ ارسال خدمت کیا مگر جواب نہیں آیا جس سے خیال ہوا کہ شاید حضرت والا ناراض تو نہیں ہو گئے۔

انکو جواباً تحریر فرمایا:

آپ کے گذشتہ خط کا جواب پہلے دے چکا ہوں، خدا جانے آپ تک کیوں نہیں پہونچا، آپ سے ناراض ہو کر مورد غضب بننے کی تاب کہاں۔۔۔

اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغضب اولیاء

فقط والسلام

(ص ۲۴۰)

(۲۱) ”شاید کسی کی خدمت کا موقع مل جائے“:

ایک صاحب کو خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

”مولانا عاقل اور مولانا سلمان صاحبان ۱۰ ستمبر دو شنبہ فرنیٹر میل سے دہلی سے سوار ہو کر حجاز مقدس جا رہے ہیں، اہل و عیال بھی اکتع اتبع البصع سب ساتھ ہیں۔ احقر بھی انکے ہمراہ بمبئی جا رہا ہے شاید کسی کی خدمت کا موقع مل جائے۔“

(اپنے چھوٹوں کی خدمت کی تمنا رکھنا کس شان تو اضع کو ظاہر کرتا ہے)

(ص ۲۴۰)

(۲۲) ”یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے“:

ایک صاحب نے لکھا

احقر مولانا عبدالرحیم صاحب زید مجدہم کی معیت میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوا اور وہاں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی زیارت اور مجالس کی برکتیں میسر آئیں یہ سب حضرت والا کی دعاؤں کا طفیل ہے۔

ان کو حضرت والا نے تحریر فرمایا:

”ماشاء اللہ خوش نصیب ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہو کر حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تکریماً کے قیام اور خدمت شیخ اعلیٰ اللہ درجۃ، کی برکات سے مشرف ہو گئے، مبارک باشد۔ یہ ناکارہ تو ہر طرف سے خالی ہے جواب خط میں تاخیر کی وجہ سے کیا لکھوں۔“

اے ترا خارے پانہ شکستہ کے دانی کہ چیت

حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورد۔

(یعنی اے وہ شخص کہ جس کے پاؤں میں کبھی کاٹا بھی نہیں لگا ہو آپ کو اس شیر کا حال کیا معلوم ہو سکتا ہے جو سر پر مصیبتوں کی تلوار کے حملے کھاتا ہے) (۲۳) ”حافظہ تو میرا کمزور ہے“:

ایک صاحب نے لکھا، حضرت حافظہ بہت کمزور ہو گیا ہے قوت کے لئے دعا کی

درخواست ہے۔ انکو تحریر فرمایا:

حافظہ تو میرا کمزور ہے اس میں آپ مجھ سے مقابلہ نہیں کر سکتے، میں تو اپنا نام بھی بھول گیا تھا۔ تاہم دعا سے کیا دریغ ہے ما یعبئو بکم ربی لولا دعائوکم (میرا رب تمہاری ذرا بھی پروا نہ کریگا اگر تم دعائیں نہ مانگو) (ص ۲۴۲)

(۲۴) ”رذائل و خرافات سے دل پر ہے“:

ایک صاحب نے اپنے اعتکاف کی حالت ذکر کر کے دعا کی درخواست کی انکو

جواباً تحریر فرمایا:

”میرا حال تو یہ ہے کہ کمرہ کے بجائے مسجد میں بیٹھ گیا رزائل اور خرافات سے کمرہ میں بھی دل پر تھا، مسجد میں بھی پر ہے نہ وہاں نجات تھی نہ یہاں، البتہ اللہ کے فضل سے مایوسی نہیں ہے، اور آپ احباب کی دعاؤں کا بڑا سہارا ہے۔“ فقط والسلام (ص ۲۴۲)

(۲۵) ”عصر سے مغرب تک ایک دربار میں، مغرب سے عشاء تک ایک دربار میں“:

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی تشریف بری جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے لئے وہاں کے احباب کی دعوت پر تجویز ہوئی، محترم مولانا مفتی احمد خانپوری مفتی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل نے تشریف بری کے موقع پر تحریر اپنے مکان پر بھی تشریف بری کی دعوت دی اور مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب زید مجدہم مفتی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کی خواہش کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ بھی اپنے مکان پر تشریف آوری چاہتے ہیں۔ حضرت والا قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا:

”آپ کا اور مفتی اسماعیل صاحب کا کا شانہ عشرت تو قریب قریب ہی ہوگا پھر کیا خوب ہو کہ عصر سے مغرب تک ایک دربار میں اور مغرب سے عشاء تک ایک دربار میں حاضری کا شرف نصیب ہو جائے۔“ فقط والسلام۔ (اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ انداز مخاطب کس تو اضع و عبیدیت کو ظاہر کرتا ہے) (ص ۲۴۳)

(۲۶) ”میں بیکار ہوں“:

ایک صاحب کو جواباً تحریر فرمایا:

”اپنی صحت سے زیادہ ضروری آپ حضرات کی صحت کو سمجھتا ہوں کیونکہ آپ کام کرنے والے ہیں اور میں بیکار ہوں، خدا تعالیٰ آپ کو اور حضرت مہتمم صاحب کو جلد پوری صحت و قوت عطا فرمائے“ فقط والسلام (ص ۲۴۳)

(۲۷) ”میرے لئے وفد کی ضرورت نہیں۔“

مدرسہ تعلیم الدین جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں حضرت والا قدس سرہ کے ماہ مبارک میں اعتکاف فرمانے کی کوشش کی جارہی تھی اور وہاں کے احباب نے مشورہ طے کیا کہ ذمہ داران کا ایک وفد حضرت والا قدس سرہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر درخواست کرے۔

مولانا مفتی احمد خانپوری زید مجدہم کا مکتوب مع جواب حضرت والا قدس سرہ ملاحظہ ہو:

”یہاں مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ماہ مبارک میں جناب والا کے اعتکاف کے سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب نے تجویز کیا ہے کہ ایک وفد دیوبند حاضر ہو اور جناب والا سے درخواست کرے کہ جناب والا ماہ مبارک میں جامعہ اسلامیہ میں قیام منظور فرمائیں۔“

حضرت والا نے تحریر فرمایا:

”حضرت مہتمم صاحب نے وفد بھیجنے کا ارادہ فرمایا اس سے تو خوشی ہوئی کہ آپ حضرات سے ملاقات کی صورت نکل آئی لیکن میرے خیال میں یہ بلا ضرورت اور چھوٹی بات کو اسکی حد سے بڑا بنانا ہے۔ میرے لئے وفد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے بلکہ مناسب بھی نہیں، میرے لئے ایک فقرہ زبانی فرما دینا یا کسی خط میں ایک جملہ لکھ دینا بھی کافی ہے۔ میرے دل میں زبانی گفتگو کا ایک مقام ہے جس کی وجہ سے خود بھی قلبی تقاضا ہے تقاضا گزشتہ سال بھی تھا مگر اہل افریقہ نے جکڑ رکھا تھا، چھٹکارہ نہ ہو سکا، خدا کرے اب کے سہولت سے موقع مل جائے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے میں نے کسی دوسری جگہ کا وعدہ نہیں کیا نہ ارادہ ہے، وفد اگر آیا بھی تو بس اس سے بھی اتنا ہی کہہ سکتا ہوں فی الحال اتنا موقعہ بھی نہیں نہ وفد جھکوز بردستی پکڑ کر لیجا سکتا ہے“

فقط والسلام۔

(اپنے لئے وفد کی آمد کو بلا ضرورت بلکہ نامناسب سمجھنا بھی کمال تواضع کی بناء پر ہی ہے۔ ورنہ تو اس سے خوش ہوا جاتا ہے کہ ہمارے پاس مستقل وفد آیا ہے اس نے درخواست کی ہے یا سفارش کی ہے)

(ص ۲۴۴)

(۲۸) "قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہیں۔"

حضرت والا قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات جو انمول علمی ذخیرہ ہے اور عوام و خواص کے لئے بے حد مفید و نافع ہے۔ مگر حضرت والا قدس سرہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت والا قدس سرہ کے مواعظ جمع ہوں۔ اور انکو شائع کیا جائے بلکہ سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت والا کے ارشادات ٹیپ کر رہا ہے۔ حضرت والا سخت ناراض ہوتے اور خدام کے عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کرتے کہ اکابر کے مواعظ و ارشادات بہت کافی ہیں۔ ایک خادم کے اصرار کرنے پر فرمایا "میرے ملفوظات ہرگز قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہیں"

ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس گہنگار کے مواعظ، ملفوظات بیکار ہیں وہ قابل اشاعت نہیں بلکہ قابل اضاعت ہیں مگر اس ناکارہ کی شنوائی نہیں ہوتی اس لئے وہ چھپ جاتے ہیں۔ قلق بھی ہوتا ہے۔"

(ص ۲۴۵ بحوالہ مکتوبات فقیہ الامت جلد ۱، ص ۳۲)

(۲۹) "فتاویٰ کی اشاعت کی ناپسندیدگی۔"

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کے فتاویٰ جن کی بیس ضخیم جلدیں چھپ کر قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ علماء طلبہ، عوام و خواص، مفتیان کرام سب ان کے محتاج ہیں اور کوئی ادارہ شاید بمشکل ہی ان سے خالی ہوگا مگر جب ان کی ترتیب و اشاعت کا کام شروع کیا گیا تو حضرت قدس سرہ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا "کیا اکابر کے فتاویٰ، فتاویٰ امدادیہ، فتاویٰ دارالعلوم وغیرہ کافی نہیں، ہر کس و ناکس کے فتاویٰ شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے فتاویٰ ہرگز شائع کرنے کے قابل نہیں۔" خدام کے پیہم اصرار اور تقاضوں پر بمشکل اجازت مرحمت فرمائی۔

ان سب چیزوں سے حضرت والا کی کمال عبدیت و کمال تواضع کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے حضرت والا کے علوم مرتبت و رفعت مقام کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

کیونکہ تواضع و عبدیت بلندی مقام کی دلیل ہے۔ بقول شاعر
 فروتنی است دلیل رسیدگان کمال کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود
 (ص ۲۴۶)

(۳۰) ”اندازِ خطاب“۔

اپنے چھوٹوں کو ہمیشہ آپ اور جناب سے خطاب فرماتے تھے ”مولانا فلاں“ اور
 ”مفتی فلاں“ کہہ کر نام لیتے تھے۔ خطوط میں عموماً ”محترمی! زید احترامہ“ کے عنوان سے
 آغاز فرماتے تھے جس کا اندازہ ”مکتوبات فقیہ الامت“ میں شائع شدہ مکتوبات سے بآسانی
 ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مکتوبات عموماً حضرت والا کے تلامذہ اور متنبین کے نام ہی لکھے گئے
 ہیں۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی وہ معاملہ فرماتے جو اپنے بڑوں کے ساتھ بھی بمشکل
 کیا جاتا ہے۔ چھوٹوں کو چھوٹا نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت والا قدس سرہ کے کسی انداز سے کبھی ادنیٰ
 درجہ کی بڑائی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہ حضرت والا کسی درجہ میں بھی اپنے آپ کو صاحب
 کمال سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت والا قدس سرہ کو اپنے کسی کمال کا وہم بھی نہیں ہوتا تھا۔
 مدت العمر زبان مبارک سے کبھی کوئی جملہ نہیں سنا گیا جس سے ادنیٰ درجہ کی بڑائی
 یا اپنے کسی ادنیٰ کمال کا کسی درجہ میں بھی اظہار ہوتا ہو یا اس کے اظہار کا شائبہ بھی ہوتا ہو۔
 (ص ۲۴۷)

(۳۱) ”عہدہ قبول کرنے سے احتراز“۔

خاکِ و نوری نہاد بندہ مولیٰ صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 (۱) اللہ پاک نے حضرت والا کو اس للہیت اور کمال اخلاص و کمال تواضع و عبدیت کی
 صفت سے نوازا تھا کہ جو بھی کام تھا جو بھی خدمت تھی وہ للہ فی اللہ تھی اس میں نفسانیت کا
 شائبہ بھی نہ تھا، مظاہر علوم سہارنپور میں عرصہ دراز تک فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی مگر
 ہمیشہ اپنے کو معین مفتی ہی لکھتے رہے۔ ارباب مدرسہ کے فرمانے اور تجویز کے باوجود نائب

مفتی لکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس میں خوش تھے، نائب مفتی اور مفتی لقب بھی ناگوار خاطر تھا گو دنیا آپ کو آپ کے تبحر عملی کی وجہ سے مفتی ہی جانتی اور سمجھتی تھی اور اہل علم آپ کے تجربہ علمی کے اس وقت سے معترف و مداح تھے مگر آپ کی طبیعت کا رنگ ہی کچھ ایسا تھا کہ

کچھ ہونا تو میرا ذلت و خواری کا سبب ہے یہ ہے میرا عزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر اس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہونا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے ایسے مخصوص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے کو ہر لاکھ چھپانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے منارہ شہرت پر لاکھڑا کیا اور جو اپنے کو نائب مفتی لکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ہو اس کو نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کی دو عظیم درگاہوں دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم صدر مفتی و مفتی اعظم اور سینکڑوں اصحاب افتاء حضرات کا سر پرست بنایا گیا بلکہ "مفتی اعظم ہند اور "فقیہ والامت" کے لقب سے نوازا گیا، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ من تواضع لله رفعه اللہ۔ (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتا ہے)۔

مجلس شوریٰ اور اکابر دارالعلوم دیوبند نے حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا ناظم اور صدر مفتی تجویز کیا مگر حضرت والا نے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کو صدر مفتی اور ناظم دارالافتاء کے تمام اختیارات سپرد فرمائے اور فرمایا۔ "صدر مفتی اور دارالافتاء کے ناظم آپ رہیں گے۔"

حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ نے انکار فرمایا اور فرمایا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی دوسرا صدر مفتی و ناظم بنے اور آپ کو باقاعدہ یہ عمدہ منصب (شوریٰ و اکابر دارالعلوم کی طرف سے) دیا بھی گیا ہے۔

آخر جب حضرت مفتی نظام الدین صاحب کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اور برابر انکار فرماتے رہے، تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا "اگر آپ نے یہ عمدہ قبول نہ کیا تو یہاں نہیں رہوں گا، استعفیٰ دیکر دارالعلوم چھوڑ کر چلا جاؤنگا،،

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں تو

مجبوری یہ عہدہ قبول فرمایا اور حضرت والا قدس سرہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کی صدارت و انتظام کے تحت برابر خدمت انجام دیتے رہے اور اپنے ہر طرز سے اپنا ماتحت ہونا ہی ظاہر فرماتے رہے، حالانکہ دارالعلوم سے باہر کی اکثر دنیا حضرت والا قدس سرہ کو ہی صدر مفتی سمجھتی اور خیال کرتی تھی۔

(۲) حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے حکم اور مسلسل اصرار اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند میں تقریباً بارہ سال بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیا اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے سال جلد اول بھی مکمل کرائی مگر ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے پاس تشریف لیجا کر فرمایا ”میں اب تک حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا، لیکن میں اس کا اہل نہیں اس لئے آئندہ بخاری پڑھانے سے معذور ہوں کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے۔“

(۳) عہدہ سے احتراز اس درجہ تھا کہ ارکان شوریٰ سے از خود ملاقات بھی ناگوار خاطر تھی۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں ایک خاص اجلاس شوریٰ سے واپسی پر ایک رکن شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو خط لکھا جس میں یہ معذرت کی کہ شوریٰ کے اجلاس میں آنا ہوتا ہے جی بہت چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں مگر وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی صاحب نے جواباً تحریر فرمایا:

”میں باوجود فرصت کے آپ سے ملاقات نہیں کرتا کیونکہ فضا ایسی بن گئی ہے کہ جو ماتحت ملازم کسی رکن شوریٰ سے ملتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی کوئی غرض لیکر آیا ہوگا، میری ترقی کر دو، میرے واسطے یہ سہولت مہیا کر دو، اسلئے اگر مجھے فرصت بھی ہوتی ہے تب بھی میں آپ حضرات میں سے کسی سے نہیں ملتا، راستہ کاٹ کر چلا جاتا ہوں، کبھی آپ اس راستہ میں مل جائیں تو میں اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لوں گا۔“

(۴) قیام کانپور کے زمانہ میں ۸۴ھ میں حضرت مولانا سعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدت علالت کے موقع پر مظاہر علوم میں کسی ناظم کے تقرر کی ضرورت پیش آئی۔ ارباب مظاہر علوم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے اصرار کیا کہ مظاہر علوم کی نظامت کی ذمہ داری سنبھالیں،

مگر مفتی صاحب قدس سرہ نے منظور نہیں فرمایا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامچے میں تحریر فرماتے ہیں:

”رمضان ۸۴ھ میں مولانا سعد اللہ صاحب کی شدید بیماری اور مایوس کن احوال پر ضرورت پیش آئی کہ کوئی ان کے بعد نظامت سنبھالے۔ مفتی محمود پر کئی سال سے اصرار سب کا ہی ہو رہا تھا لیکن حکم زکریا نے نہیں دیا وہ از خود نہیں آئے۔“

مظاہر علوم میں خلفشار ہوا، حضرت والا قدس سرہ کا تاثر اپنے بارے میں یہ تھا کہ یہ اختلاف و خلفشار میری بد اعمالیوں کی نحوست کی بنا پر ہے اس لیے مظاہر علوم سے بیرون ممالک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ اس کمال و تواضع اور عبدیت کی مثال بمشکل ہی مل سکے گی۔

حضرت والا کا ملفوظ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو:

ارشاد فرمایا کہ میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی شوری (منعقدہ اوائل ۱۲۰۵ھ) میں کہا تھا کہ یہ خلفشار مظاہر علوم کا میری نحوست سے معلوم ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس پر مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری (مدرس دارالعلوم دیوبند و خلیفہ حضرت شیخ رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ایسا کہنا آپ کے لیے مناسب نہ تھا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ کہتے ہیں میرے لیے ایسا کہنا مناسب نہ تھا، حالانکہ میرے پاس اس کا مآخذ موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کفار کے مقابلے پر ایک لشکر بھیجا اس کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ صبح سے دو پہر تک مقابلہ ہوتا رہا تب فتح ہوئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”میرے گناہوں کی وجہ سے فتح میں

اتنی دیر لگی کہ صبح سے دوپہر تک مقابلہ کرنا پڑا اور نہ کفر میں اتنی مجال کہاں ہے کہ ایمان کے مقابلے میں اتنی دیر تک ٹھہر سکے، چنانچہ سات آٹھ ماہ تک بیرون ملک میں رہے اور سفر سے واپسی پر بھی مظاہر علوم میں قیام فرمانے کے بجائے دارالعلوم میں قیام فرمایا۔ کیونکہ دارالعلوم میں خلفشار کے موقع پر بھی بیرون ملک کے اسفار میں سات ماہ گزارنے اور پھر واپسی پر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے حکم پر مظاہر علوم میں قیام فرمایا تھا اور ارکان شوریٰ دارالعلوم کی طرف سے بھی حضرت والا پر دارالعلوم میں قیام فرمانے پر برابر اصرار ہو رہا تھا۔ (ص ۲۳۹ تا ۲۵۲)

(۳۲) مجلس فقہی کی رکنیت سے معذرت :-

جمعیتہ العلماء کے تحت مجلس شرعی قائم کی گئی جس میں ایک شعبہ مجلس فقہی کا رکھا گیا اور اس کے ارکان میں معتمد ارباب فتاویٰ اور ارباب اہل بصیرت اہل علم کو منتخب کیا گیا۔ حضرت اقدس قدس سرہ سے بھی اس کی رکنیت قبول فرمانے کی درخواست کی گئی۔ حضرت والا نے رکنیت قبول فرمانے سے معذرت فرمائی۔

مجلس شرعی کی طرف سے جو درخواست پیش کی گئی اور حضرت والا قدس سرہ، نے جو معذرت نامہ تحریر فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو:

”مکتوب مجلس شرعی“: مجلس شرعی کے قیام کے سلسلہ میں پہلے بھی آپ کو اطلاع دی جا چکی ہے، یقیناً جناب محترم بھی مجلس شرعی کی تاسیس و قیام کی اہمیت سے متفق ہونگے۔ یہ عریضہ اس گزارش کے ساتھ پیش خدمت ہے کہ براہ کرم کل ہند ”مجلس فقہی“ کی رکنیت قبول فرما کر مجلس شرعی کے نظام کی توسیع میں رہنمائی فرمائیں۔ امید ہے کہ اس عریضہ کو شرف قبولیت بخش کر عنایت فرمائیں گے۔

مجلس شرعی، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔

جواب از فقیہ الامت قدس سرہ :-

مجلس شرعی کی تاسیس و قیام کی اہمیت اظہر من الشمس ہے اللہ پاک تبارک و تعالیٰ

نصرت فرمائے اور صحیح طریقہ پر کام کی پوری توفیق دے۔

یہ ناکارہ اپنے عوارض کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ رکن بن سکے ویسے جو خدمت اپنے بس میں ہو اس سے ہرگز دریغ نہیں، ضعف بصر، ضعف حفظ کی وجہ سے سراپا ضعف بن کر رہ گیا ہے۔ امید ہے کہ معذرت قبول فرمائیں گے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول“

(ص ۲۵۳)

(۳۳) ہجرت نہ فرمانے کی وجہ:-

آنکھوں کی معذوری اور دیگر امراض و عوارض پیش آنے پر بہت سے مخلص خدام کا تقاضا تھا کہ اب مستقل مدینہ پاک قیام فرمائیں، حضرت والا قدس سرہ، سے بہت سے محبین و متعلقین اور اعزہ جو مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں سب کی خواہش تھی کہ اب بقیہ زندگی حضرت والا مدینہ طیبہ میں قیام فرمائیں، لیکن حضرت والا قدس سرہ لاکھ تمناؤں کے باوجود اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ مدینہ پاک میں مستقل قیام کے لئے جن اوصاف عالیہ کی ضرورت ہے میں ان سے بالکل خالی ہوں۔

ایک صاحب نے حضرت والا قدس سرہ کے پاس لکھا کہ حضرت تو کچھ دن کے بعد ہجرت کرنے چلے جائیں گے اس لئے میں ایک سال کی چھٹی لیکر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

آپ نے جواب میں لکھا:

”ہجرت کے لئے ایمان کی پختگی، اعمال صالحہ پر موانعت اور اخلاق فاضلہ پر استقامت بڑا سرمایہ ہے اور یہ ناکارہ ان سب چیزوں سے خالی ہے اس لئے آپ جہاں پر ہیں وہیں پر رہ کر دین کا کام کرتے رہیں۔

(۳۴) ”میں حضرت مدنی قدس سرہ، کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں“:

جو حضرات اکابر مشائخ میں سے کسی سے بیعت ہوتے اور وہ انکی وفات پر

حضرت قدس سرہ سے بیعت ہونا چاہتے حضرت والا قدس سرہ کمال تواضع و عہدیت کے بناء

پر ان کو کبھی بیعت نہ فرماتے البتہ ان کی خدمت اور مشورہ دینے سے انکار نہ فرماتے بلکہ ہر نوع کی خدمت کے لئے تیار رہتے مگر بیعت سے احتراز ہی فرماتے تھے۔

ایک صاحب جو شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے انہوں نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت والا قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں حضرت مدنی سے بیعت تھا اب حضرت والا سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت والا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

میں حضرت مدنی قدس سرہ کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں کہ میں ان کے مرید کو بیعت کروں، اس انداز سے آبدیدہ ہو کر حضرت والا نے فرمایا کہ حاضرین بھی آبدیدہ ہو گئے اور بعض پر اس درجہ اثر ہوا کہ بمشکل اپنے کو قابو میں کر سکے۔ (ص ۲۵۴)

(۳۵) فناء تام:-

اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے متواضع ظاہر کرنا اور اپنے آپ کو حقیر، فقیر کہنا لکھا تو آسان ہے مگر حقیقی تواضع کہ یہ چیز قال سے بڑھ کر درجہ حال میں آجائے بمشکل حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ درجہ فناء تام کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور فناء تام کا حاصل ہو جانا کوئی آسان چیز

نہیں، اس کے لیے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور اس کے بعد بھی کسی خوش نصیب کو اگر مل جائے تو مالک کا بڑا کرم اور بڑا فضل ہے۔

حضرت والا قدس سرہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ تیس برس تین بزرگوں کی خدمت کی، اس کے بعد تیس برس سے ریاضت و مجاہدات میں مشغول ہوں اب فناء تام حاصل ہوئی ہے، اپنے آپ کو مردہ سمجھتا ہوں، لوگ آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں میری قبر پر آرہے ہیں فاتحہ پڑھنے کے لیے، پھر کبھی سوچتا ہوں کہ شاید میں زندہ ہوں۔

حضرت والا یہ مقولہ کثرت سے سنایا کرتے تھے اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ گویا

آپ اپنا حال ہی بیان فرما رہے ہیں

خوشر آں باشد سرکہ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران۔ (۲۵۵)

(۳۶) پتہ نہیں ہماری بھی کوئی سفارش کرے گا یا نہیں؟

حضرت والا کمال تواضع اور کمال عبدیت کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام مخلوق میں

حقیر و کمتر تصور فرمایا کرتے اور بعض دفعہ یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی ہماری سفارش کرے گا یا نہیں؟

حضرت والا کا ایک ارشاد گرامی ملا ہو:

فرمایا: ایک صاحب کشف جا رہے تھے کسی قبر کے پاس سے گزر رہا تھا، کشف ہوا

کہ صاحب قبر کو عذاب ہو رہا ہے کچھ دن بعد ادھر گزر رہا تھا تو کشف کے ذریعے معلوم ہوا کہ عذاب ہٹ گیا، پوچھا تو قبر والے نے بتایا کہ ایک بزرگ دفن ہوئے ہیں ان کو اجازت دی گئی کہ دس آدمیوں کو بخشواؤ، ان کے انتخاب میں میرا بھی نام آ گیا، اس لیے نجات ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت نور اللہ مرقد نے آہ بھر کر فرمایا:

پتہ نہیں ہماری بھی کوئی سفارش کرے گا یا نہیں۔ (۲۵۵)

(۳۷) اپنے لیے کھڑا ہونے سے انقباض۔

حضرت والا قدس سرہ، اپنے آپ کو کبھی اس لائق نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی تعظیماً حضرت والا

کے لیے کھڑا ہو بلکہ کھڑے ہو نیوالوں سے انقباض ہوتا تھا گوا کثر کمال تحمل کی بناء پر اس

انقباض کا اظہار بھی نہ ہونے دیتے تھے۔ مگر مزاج شناس حضرات ناگواری اور انقباض کی

کیفیت کو پہچان لیتے تھے، ایک صاحب جب حضرت قدس سرہ، کی مجلس میں حاضر تھے

حضرت والا قدس سرہ، کے تشریف لانے پر وہ کھڑے نہیں ہوئے بعد میں ان کو خیال ہوا

کہ کہیں کھڑا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا کو ناگواری ہوئی ہوئی ہو، اپنا یہ خیال خط میں لکھ

کر معافی چاہی۔

حضرت والا قدس سرہ، نے ان کو تحریر فرمایا:

مجھے اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کون کھڑا ہوا، کون نہیں ہوا، البتہ جو کھڑا ہوتا ہے اس سے انقباض ضرور ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا بھولا بھالا ہے کہ میرے لیے کھڑا ہوتا ہے، حالانکہ میرے اوپر زمین سے آسمان تک گناہوں کا بوجھ ہے۔ (۲۵۶)

(۳۸) ڈانٹنے کے لیے میرا نفس کج رفتار ہی بہت کافی ہے۔

کسی کی طرف سے کیسی ہی ناگوار اور خلاف مزاج باتیں پیش آئیں، حضرت والا اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عموماً عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے اور فرماتے جو کچھ پیش آتا ہے وہ قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق ہی ہوتا ہے اس پتہ دل سے راضی رہتے۔

حضرت والا قدس سرہ، کا حال بالکل اس کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

مرا پیر دانا روشن شہاب ، دو انداز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ ہر خویش خود بین مباش ، دگر آنکہ بر غیر بد بین مباش۔

ایک صاحب کو اپنی گستاخیوں اور کوتاہیوں کی بنا پر خیال ہوا حضرت والا مجھ پر ناراض ہوں گے اس لیے معذرت کا خط لکھا۔

حضرت والا قدس سرہ، نے تحریر فرمایا:

میرے لیے ڈانٹنے کے واسطے میرا نفس کج رفتار بہت کافی ہے جب غصہ آتا ہے۔ ایسا ہے جیسے اپنے بھائی کی گردن توڑ دینا۔

ایک صاحب نے حضرت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کی تعریف کی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِيكَ** (مسکوٰۃ شریف ۴۱۲) (افسوس تجھ پر تو نے اپنے بھائی کی گردن کو توڑ دیا۔) تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اگر کسی جلسہ وغیرہ میں تشریف لے جانے کے موقع پر زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے تو سخت ناراضگی ہوتی کہ تحمل نہ فرما سکتے۔ اس لیے بعض دفعہ شدت ناراضگی اور آئندہ

اصلاح کی خاطر فوراً اسی وقت واپس تشریف لے آتے، اگر لوگ غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ اس سے احتراز کا وعدہ کرتے اور واپس وہاں بیٹھنے پر اصرار کرتے تو پھر قیام بھی فرما لیتے۔

غرضیکہ نام و نمود، تعریف و شہرت سے سخت نفرت اور اس سے کوسوں دور بھاگتے۔ عزلت و گوشہ نشینی آپ کو طبعاً مرغوب تھی، مگر آپ دنیا سے جتنا بھاگتے تھے دنیا اتنا ہی آپ کی طرف لپکتی تھی، دوڑتی تھی، آپ نے جتنا چھپنا اور گمنام ہونا چاہا قدرت نے اتنا ہی آفتاب و مہتاب بنا کر چمکایا۔

(۲۸۷)

(۴۱) وہ نہیں آتے تو تو ہی چل مفتی!

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ پہنچا، مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ کے ناظم صاحب کسی طویل سفر سے واپس ہوئے تھے، کہلا بھیجا کہ میرے گھٹنوں میں درد ہے اس لیے حاضری سے معذور ہوں ملاقات کو جی چاہتا ہے اس پر انکی خدمت میں حاضر ہوا اور ملاقات پر شعر کہا وہ نہیں آتے تو تو ہی چل مفتی! اس میں کیا تیری شان جاتی ہے۔

ناظم صاحب نے کہا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ حکیم محمود صاحب کے یہاں تو آپ تشریف لائیں گے۔

ہی، میں وہی ہیں حاضر ہو جاؤں گا کہ وہ قریب ہے۔ (اس سے حضرت اقدس کی کمال تواضع و عبدیت و فنایت جیسے اوصاف ظاہر ہیں) (۳۸۸)

۴۲ ”اس کا مجھے علم نہیں“۔

آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقیر حضرت استاذی مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم جن کا ہر فن میں عبور اور حاضر جوابی ہر ایک کو مسلم ہے، اکثر ان کن کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسکا مجھے علم نہیں۔
(آداب المعلمین ۳۴)

۴۳ ”اب مجھ سے اس طرح نہیں پڑھایا جاتا کیونکہ طلبہ زیادہ فاضل ہونے لگے۔“

عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا صدیق صاحب مدظلہ، باندوی نے جناب سے کیا کتابیں پڑھیں؟ ارشاد فرمایا نور لانو امیں مفتی تکی صاحب مدظلہ، کے ساتھی تھے، مفتی تکی صاحب کاپی میں سبق کے دوران کچھ لکھتے تھے معلوم ہوا کہ تقریر وغیرہ نہیں لکھتے بلکہ صرف یہ لکھتے ہیں کہ کن کتابوں کا حوالہ بالا دیا اس وقت کتاب دیکھنے اور حوالہ دینے کا بہت شوق تھا باقی اب مجھ سے اس طرح نہیں پڑھایا جاتا کیونکہ طلباء زیادہ فاضل ہونے لگے۔

اللہ اکبر کیا تواضع ہے کہ کمی طلبہ کی کہ شوق و محنت نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح کتاب کے مضامین کا حقہ سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی مگر اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرمائی کہ مجھ سے پڑھایا نہیں جاتا۔ ہم لوگ اپنا قصور، اپنی کمی سب طلبہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہ میں تفاوت رہ از کجا است تا کجا۔

(ملفوظات فقیہ الامت، جلد ۱ حصہ سوم ۱۰۵)

(۴۴) ”اس مٹی کے ڈھیر کو اٹھا کر جہاں چاہے رکھ دو۔“

ارشاد فرمایا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب مجاز حضرت تھانویؒ سے میرے تعلقات طالب علمی کے زمانہ سے ہیں وہ عمر میں مجھ سے کچھ چھوٹے ہیں مگر علم و عمل میں بہت بڑے ہیں، اس وقت آپس میں ہنسی مذاق بھی ہوتی تھی، لیکن جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو حضرت تھانویؒ کی طرف سے خلافت مل گئی، میں نے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کا معاملہ بند کر دیا اور کہہ دیا کہ اب میں آپ سے ہنسی مذاق کا معاملہ نہ کروں گا بلکہ جس طرح عقیدت مند خادم حاضر ہوتا ہے احترام کے ساتھ حاضر ہوا کروں گا، انہوں نے فرمایا کہ نہیں آپ کو اسی طرح رہنا ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اب تو وہ ہوا گئی، چنانچہ اس کے بعد سے عقیدت مند انہ ادب و احترام کے ساتھ حاضر ہوتا ہوں وہ بھی شفقت و محبت کے ساتھ ملتے ہیں اپنے برابر میں

بٹھاتے ہیں۔ میں کہہ دیتا ہوں کہ اس مٹی کے ڈھیر کو اٹھا کر جہاں چاہے رکھ دو۔

(ایضاً ص ۱۰۲)

(۴۵) ”میری بکواس کیا سناتے ہو؟“

رمضان شریف ۱۴۰۷ھ مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند میں گزارا، بعد تراویح و وتر وغیرہ مفتی ابوالقاسم صاحب بناری نے حضرت کے وہ مواعظ سنانے چاہے جو سال گذشتہ رمضان ۱۴۰۶ھ میں مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں بحالت اعتکاف بعد تراویح ہوئے تھے تو ارشاد فرمایا ”ارے! کسی بزرگ کی لکھی ہوئی کتاب پڑھو۔ میری بکواس کیا سناتے ہو؟“ اس کے بعد خود مکاتیب رشیدیہ اٹھا کر دی اور اس میں سے مولانا صدیق احمد صاحب انیٹھوی خلیفہ حضرت گنگوہیؒ کے نام حضرت گنگوہیؒ کے خطوط پڑھنے کے لئے فرمایا جن میں حضرت گنگوہیؒ کی تواضع و انکساری کے مضامین تھے حسب ارشاد وہ سنائے گئے۔

(ص ۱۱۲)

(۴۶) ”محبت کو محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔“

عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڑی (صاحب عرفان محبت) آپ کا ذکر بہت محبت سے فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا محبت کو محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ ان کو اللہ سے محبت ہے اس لئے اللہ کی سب مخلوق سے محبت ہے۔ (اہل اللہ و اہل حق کا کسی سے محبت فرمانا دلیل کمال سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت والا پر کس درجہ تواضع و عبدیت کا غلبہ ہے کہ اپنے آپ کو کس طرح تمام مخلوق میں شام فرمایا جس سے حضرت والا کی قلبی کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو عام مخلوق کے اندر شامل سمجھتے ہیں۔ اپنے واسطے کوئی امتیاز یا اپنی طرف کسی کمال کی نسبت گوارہ نہیں) (ص ۱۱۴)

(۴۷) ”دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدحِ خوار دیکھ کر۔“

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب سے میری تین مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ایک، مرتبہ اس وقت جب کہ وہ لکھنؤ بغرض علاج تشریف لائے ہوئے تھے میں حاضر ہوا تو

قریب کر کے میرے ہاتھ چوم لئے اور بعد میں سو روپیہ عطیہ بھجوایا، میں نے قاصد سے کہا کہ میرے قلب میں مال کی محبت محسوس فرمائی مجھے مال عطا فرمایا۔
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔

جن کے قلوب میں دین کی طلب ہوتی ہے ان کو دین عطا ہوتا ہے۔ دوسری مرتبہ جب کہ صحت یاب ہو کر لکھنؤ سے بمبئی تشریف لے جا رہے تھے میں اسٹیشن پر حاضر ہوا اس وقت بھی سو روپیہ عطیہ دیا۔ تیسری مرتبہ جبکہ میں سفر حجاز سے واپس آ رہا تھا۔ بمبئی میں ملاقات ہوئی مگر اس مرتبہ پہچانا نہیں۔ بعد میں عطیہ بھجوایا۔ میں نے لکھا کہ: ”ادب تو مجھ بے ادب کو آتا نہیں لیکن اتنا ہے کہ جب بلا استحقاق یہاں اتنی شفقت ہے تو امید ہے کہ وہاں (آخرت میں) بھی شفقت فرمائیں گے۔“ (حصہ چہارم ص ۱۰۲)

(۲۸) ”پوری دنیا میں خود سے نکمّا اور نا کارہ کسی کو نہیں پایا“

ارشاد فرمایا کہ لندن ایک تبلیغی اجتماع ہوا۔ جس میں ایک صاحب نے تقریر کی جو غیر عالم تھے، بہت طویل دو گھنٹہ تقریر کی اور دوسو کے قریب حدیثیں بیان کیں، عربی عبارت کے بغیر، اور میں سب حدیثوں پر غور کرتا رہا۔ سب صحیح تھیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ”ساری دنیا میں چل پھر کر دیکھ لیا، بس خود سے نکمّا اور نا کارہ کسی کو نہیں پایا، بس کھایا، پیا اور سو گئے، یا کلون و متمتعون کما تا کل الانعام“۔ (یہ فرما کر حضرت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے) (جلد ۲، حصہ ۸، ص ۷۳)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پوری زندگی ہی ان اوصاف سے متصف تھی۔ ان سطور کو ہی اس کا نمونہ سمجھنا چاہیے۔ باطنی محاسن و کمالات حق تعالیٰ شانہ نے یوں تو سب ہی حضرت رحمہ اللہ کی ذات میں علیٰ وجہ الکمال و دیعت فرمادئے تھے، مگر شاید تواضع و عبدیت کا وصف سب سے بڑھ کر تھا، جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے آپ کا ملین کی بلندی معراج تک پہنچا دیا۔
(حیات محمود، جلد ۱، ص ۲۵۸)

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ کے
واقعات :-

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ معروف حدیث من تواضع لله رفعه اللہ حضرت کو
دیکھ کر اس کی تصدیق ہوتی کہ ایک طرف تو ہمارے حضرت مجسم تواضع تھے، کوٹ کوٹ کر
حضرت کے اندر تواضع و انکساری بھری تھی کہیں نام کو بھی اپنی کسی حیثیت کا یا اپنی کسی شخصیت
کا کسی طرح کا احساس نہ تھا اور دوسری طرف حضرت کی ایک عام عزت اور حضرت سے بے
انتہاء عقیدت و محبت پائی جاتی ہے۔

اور بڑوں نے تو لکھا ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ نہیں کہ کسی کام کو یہ سوچ کر اختیار
کیا جائے کہ یہ ہمارے منصب سے تو فروتر ہے لیکن لاؤ کر لیں۔ بلکہ اس کی حقیقت یہ
احساس و تاثر ہے کہ ہم اس لائق بھی نہیں ہیں۔ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے
: ”تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشے سمجھے اور بیچ سمجھ کر تواضع
کرے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور بیچ بچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔“
(بصائر حکیم الامت)

باوجود یہ کہ حضرت اپنے احوال و احساسات کو چھپایا کرتے تھے لیکن حضرت کے
جو حالات ہمارے علم میں ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے یہاں تواضع اسی معنی میں
تھی: ”میں کچھ بھی نہیں اور میں اس لائق بھی نہیں۔“ بقول مولانا محمد احمد علیہ الرحمۃ
یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

اہل اللہ کے یہاں یہ بہت اونچا مقام ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد
ہے: ”اگر کسی کو ساری عمر کی محنت و کوشش کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ کو کچھ بھی حاصل
نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا۔“ (انفاس عیسیٰ)

اسی کو اہل اللہ کے یہاں ”فنائیت“ اور خود کو فنا کر دینے سے تعبیر کرتے ہیں اور سنئے! مفتی محمد

شفیع صاحب نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ، کے متعلقین اور ان کے مریدین کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے یہ چیز عطا فرمائی ہے یعنی فناء۔ اس لئے ان کے اندر حب جاہ نہیں ہوتا اور جسمیں یہ چیز (حب جاہ سے دوری) نہیں تو سمجھ لو کہ اس کا اس سلسلے سے تعلق یا تو صحیح نہیں ہے یا وہ تعلق بہت کمزور ہے اور جو اس سلسلے سے صحیح طور پر وابستہ ہے اس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں تکبر نہیں ہوگا، تعلیٰ نہیں ہوگی، دعویٰ نہیں ہوگا اور اپنے کو اونچا سمجھنے کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔

(مجالس مفتی اعظم ص ۵۲۳)

کہاں کہاں! کس کس صورت میں اور کس کس چھوٹے و بڑے کے ساتھ حضرت کی تواضع کے واقعات پیش نہیں آئے، وہ تو کمال تواضع میں انتہائی چھوٹوں کا ایسا اکرام کرتے اور بڑھاتے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے یاوری نہ ہو تو وہ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اور بقول بعض کہ ”جہنم کا سفر اگرست رومی سے کر رہے ہیں تو لپک کر پہنچ جائیں“۔

حضرت کی تواضع کے بڑے قصے اور بڑی لمبی داستان ہے مگر سوانح کا حاصل تو یہی واقعات ہیں جو ہمارے لئے سامان عبرت ہیں اس لئے ان کے ذکر میں بخل کیوں کیا جائے۔

حضرت کا معاملہ یہ تھا کہ کہیں لے جاؤ، کسی سواری سے لے جاؤ، کہیں بٹھا دو اور کہیں بھی بیٹھ جاتے اور لیٹ جاتے۔ ہم لوگوں نے خود حضرت کے ساتھ ٹرین کے دروازے اور استنجاء خانے کے پاس بیٹھ کر سفر کیا ہے، بسا اوقات حضرت بنفس نفیس بے تکلف ہم لوگوں کے کمرے تک آ جاتے اور کہیں بھی بیٹھ جاتے۔

(تذکرۃ الصّدیق۔ جلد (۱) ص ۴۶۹ تا ۴۷۰)

(۱) ”دروازے پر بیٹھ کر چائے پی“:-

ایک مرتبہ کافی سردی تھی، ہم لوگ ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، صبح کا وقت تھا، اتنے میں حضرت تشریف لے آئے خوب اوڑھے اور کچھ کانپتے، ہم لوگوں نے

فوراُچائے پیش کی اور عرض کیا کہ پی لیس، بہت انبساط سے قبول فرمائی اور کمرے کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے ہم سب کہتے اور عرض کرتے رہ گئے مگر چند منٹ میں پی کر چل دیئے۔ (ص ۴۷۱)

(۲) ”دینی مدارس وغیرہ میں بیان سے ادب اور تواضع مانع ہوتی تھی“:

ہمارے حضرت کا جو ایک یہ معمول رہا کہ ملک کے تین مرکزی ادارے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ ان تینوں میں انتہائی اصرار اور بار بار کی گذارش کے باوجود بیان پر کبھی آمادہ نہ ہوئے (ایک مرتبہ ندوۃ میں ضرور تیار ہو گئے تو بڑے اہتمام سے بیان ہوا) نیز اسی طرح وقت کے معروف و مسلم اکابر اگر کسی اجلاس میں اسٹیج پر موجود ہوں یا بہت قریب تو حضرت کسی طرح بیان کو تیار نہ ہوتے، اس میں ایک تو یہ بات تھی کہ حضرت کو ان اداروں کے مقام اور ان حضرات کی عظمت کا لحاظ تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے:

”آدمی ہر جگہ کہنے کے لیے ہی نہیں جاتا اور نہ ہر جگہ کہنے کی ہوتی ہے، بعض جگہوں پر آدمی کچھ حاصل کرنے بھی جاتا ہے۔“

ایک مرتبہ مغربی یوپی سہارنپور وغیرہ کے سفر کا ایک نظام بن رہا تھا تو ذمہ داروں سے فرمایا:

”بھائی! خیال رہے وہ علاقہ ہمارے بڑوں کا ہے، مجھے اس قسم کی بات پسند نہیں ہے اس لئے زیادہ اہتمام نہ ہو۔“

مدرسہ شاہی مراد آباد کے ساتھ بھی دارالعلوم و مظاہر علوم جیسا معاملہ تھا فرماتے تھے: ”جس ادارے میں درس لیا، اس میں درس دوں یا بیان کروں، یہ سوء ادب ہے۔“

اس کے ساتھ اور اس پہلو سے بڑھ کر حضرت کی تواضع مانع ہوتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان مواقع کے لئے کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتے تھے، اور کہاں کہاں حضرت کے پیش نظر یہ بات رہتی تھی کیا کہا جائے۔“ (ص ۴۷۱)

(۳) ”وہ حضرات بڑے تھے ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیے“:-

بارہا بات آئی کہ حضرت کے یہاں جو مہمانوں کی اور تعویذ والوں کی آمدورفت کی کثرت ہے، کوئی وقت نہیں، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ زحمت ہوتی تھی اور حضرت اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ تو عرض کیا گیا کہ ایک نظام بنالیا جائے جیسے دوسرے اکابر کے یہاں ہوتا تھا اور ہو رہا ہے تو فرماتے: ”وہ حضرات بڑے تھے، ہر کام میں بڑوں کی ریس نہ کرنی چاہیے“۔ (ص ۴۷۲)

(۴) ----- ”ہم تو ادھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے“:-

ایک مرتبہ مغربی یوپی کے اطراف کے بعض حضرات نے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا:

”آپ لوگ تو اس علاقے کے ہیں۔ وہیں سے تعلق قائم کیجئے، یہاں ہم سب تو ادھر ہی سے سب حاصل کرتے ہیں اور ہم تو ادھر کے کتے ہیں سب وہیں سے ملا ہے“۔ (ص ۴۷۲)

(۵) ”لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے؟“:-

حضرت کے اسفار اندرون ملک تو خوب ہوتے رہے، ظاہر ہے کہ باہر بھی نہ صرف واقفین بلکہ حضرت کے مستفیدین و مسترشدین بھی تھے۔ ایک عرصہ سے اکابر کی بیرون ملک افریقہ وغیرہ آمدورفت ہے، متعلقین نے حضرت سے بھی درخواست کی اور اصرار بھی کیا۔ حضرت عذرو معذرت میں اپنے مشاغل و حالات کے ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

”ارے! میں کہاں اس لائق ہوں اور یہ اچھا نہیں ہے، لوگ کہیں گے اب یہ بھی اڑنے لگا ہے اور بزرگ بن رہا ہے۔ بہت اصرار ہونے پر بسا اوقات یہ بھی فرمایا کہ حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ) صاحب کا سفر ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے ہوتے ہوئے سفر کراؤ کہ حضرت رہیں گے تو میں تابع ہوں گا“:-

اگرچہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے قیام افریقہ کے زمانے میں ایک ہی سفر ہوا جو رمضان ۱۴۱۲ھ کا تھا اور بقیہ اسفار حضرت نے تنہا فرمائے لیکن جب گئے تو بہت مجبور ہو کر اور حضرت مفتی صاحب وغیرہ کی طرف سے اجازت ملنے اور کہے جانے پر تشریف لے گئے۔

افریقہ کے پہلے سفر کے بعد ایک صاحب کی طرف سے عمرہ کی پیشکش پر فرمایا: ”لوگ مجھ کو پتہ نہیں کیوں بزرگوں میں شمار کرنے لگے؟“۔ اور یہ بھی فرمایا: ”مجھ کو ان چیزوں سے الجھن ہوتی ہے، افریقہ گیا مگر آج تک قلق ہے کہ لوگ کہیں گے بڑا بننے لگا۔ آج رات بھر نہیں سو سکا کہ کیا کروں۔“۔

ہوائی جہاز میں اور ٹرین میں اے سی کلاس وغیرہ سے سفر میں زیر باری کے ساتھ اس قسم کا احساس بھی شامل رہتا تھا، اس لئے انکار فرمایا کرتے تھے اور بہت مجبوری میں، بادل خواستہ قبول فرماتے۔

کوئی موقع آ جاتا تو حضرت کو نہ تو اپنے آپ کو آخری درجہ تک جھکا دینے میں عار تھا اور نہ آخری درجہ کی کسی خدمت سے انکار تھا خواہ کسی کی ہو، ضروری نہ تھا کہ اکابر و اساتذہ کی خدمت ہو، حضرت کے لئے ہر خادم دین اس کا مستحق تھا بلکہ ہر چھوٹا بڑا اور خاص و عام۔ (ص ۴۷۲)

(۶) ”میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے!“۔

باہمی نزاعات و اختلافات جن کو حل کرنے کے لیے حضرت بکثرت بلائے جاتے تھے اور حضرت کو خود اس کی فکر رہتی تھی، ان میں بارہا یہ ہوا کہ حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا: ”میں آپ لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر یہ کہتا اور یہ چاہتا ہوں۔“۔ یہی نہیں، نہ جانے کتنی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ حضرت نے فرمایا اور کیا کہ: ”میں اپنی ٹوپی آپ لوگوں کے سامنے یا آپ لوگوں کے پیروں پر رکھتا ہوں اس مسئلہ کو ختم کیجئے۔“۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت

جب اس حد تک آ جاتے تو پھر مسئلہ کہاں باقی رہ سکتا تھا۔

اور بسا اوقات تو حضرت بعض طلبہ کی حرکتوں سے عاجز آ کر بھی اس قسم کے جملے ارشاد فرماتے تھے کہ ”ہاتھ جوڑتا ہوں،“ پیروں پر پڑنے کو تیار ہوں اب یہاں سے چلے جاؤ۔“

(ص ۴۷۳)

(۷) اپنی ٹوپی سر سے اتار کر طالب علم کے پاؤں پر رکھ دی:-

بلکہ یہاں تک ہوا کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے ایک غیر مسلم کے تیتھر پکڑ لیئے، اس نے آ کر ناراضگی کا اظہار کیا، حضرت نے غیر مسلم کی رعایت میں بلا کر سامنے ہی سخت مزادی بعد میں اس طالب علم سے کہا کہ معاف کر دو تو اس نے کہا کہ ہرگز معاف نہ کروں گا اور اڑا (بضد) رہا، بالآخر حضرت نے ٹوپی سر سے اتار کر اس کے پیروں پر رکھ دی اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: ”اس کی لاج رکھ لو معاف کر دو“ تو اس نے کہا معاف کیا تب حضرت کو سکون ہوا۔ (ص ۴۷۳)

(۸) ”اکابر، اہل علم اور خدام دین کی خدمت:-“

حضرت نے اپنے بڑوں کی جو خدمت طالب علمی میں کی وہ تو کی، لیکن اس کے بعد بھی جن کو بڑا سمجھا اور کہا اور جو بڑے تھے سب کی بے تکلف خدمت کرتے رہے۔ یہ عام بات تھی کہ حضرت اکابر میں کسی کے پاس ملنے پہنچے اور ذرا ہی دیر کے بعد حضرت ہاتھ پیردبانے میں مصروف ہو جاتے۔ ان حضرات کی معذرت کے وجود حضرت با اصرار اس کام کو کرتے۔

اگر کوئی پیروں کے لئے راضی نہ ہو تو سر کی مالش و تیل کے لئے تیار رہتے، بہت کم ایسا ہوتا کہ ایسے حضرات حضرت کو باز رکھ سکیں بلکہ مجبوراً ان کو گوارا کرنا پڑتا خواہ تھوڑی دیر کو سہی اور ظاہر ہے کہ وہ یہی کہتے کہ: ”ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں کی برکت ہمارے بدن کو حاصل ہو جائے۔“

حضرت کا یہ معاملہ صرف ان حضرات کے ساتھ ہی نہ تھا جو حضرت کے باقاعدہ

استاد و اکابر تھے بلکہ دوسرے حضرات جن سے کسی استفادہ کا تعلق نہ تھا لیکن بڑے اہل علم میں تھے اور دین کے خادم تھے حتیٰ کہ جو معاصر طلباء میں رہے تھے مگر حضرت سے عمر میں بڑے اور آگے تھے اور حضرت نے ان سے کچھ استفادہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہ معاملہ تھا۔ ہم سب نے بار بار یہ مناظر دیکھے ہیں۔

بلکہ علاقے کے غیر عالم پیروں (بوڑھوں) کی جسمانی خدمت سے بھی حضرت کو دریغ نہ ہوتا تھا، دیکھنے والوں نے ان کا پیر دباتے بھی دیکھا ہے۔ (ص ۴۷۴)

(۹) ”طلبہ کی خدمت کے عجیب واقعات“:-

اور بڑے تو بڑے ہی تھے طلبہ کی ہر قسم کی خدمت کرتے۔ سفر میں ایک بیمار طالب علم ساتھ تھا اس کو قے ہو گئی، کپڑے خراب ہو گئے اور بھی کئی لوگ موجود ہیں، کئی چھوٹے ہیں وہ کہہ رہے ہیں اور چاہ رہے ہیں کہ ہم بچے کے کپڑے صاف کر دیں مگر با اصرار ان کو منع کر دیا اور خود کیا۔

مدرسہ کے ایک طالب علم جس کے بدن کو بے انتہا زخم نے ایسا کر دیا تھا کہ اس کے کمرے کی طرف سے لوگ نہیں گذرتے تھے مگر حضرت اس کا بدن و بستر سب صاف کرتے اور بعض نابینا طلبہ کے بدن و کپڑوں سے میل نکالتے اور ان کو نہلاتے دھلاتے۔ یہی نہیں اور سنئے!

ایک زمانے تک مدرسہ کے لئے لکڑیاں جنگل سے آتی تھیں اور دور تک جنگل میں جانا پڑتا، ببول و کھجور کے کانٹوں سے گذرنا ہوتا، بسا اوقات بچاتے بچاتے وہ کانٹے بری طرح پیروں میں چبھ جاتے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کے پیروں میں کھجور کا کانٹا جو لمبا اور مضبوط ہوتا ہے چبھا اور ٹوٹ گیا، ساتھ میں جو طلبہ تھے وہ کوشش کرتے رہے مگر نہ نکال سکے، ہاتھ سے پکڑ کر نکالنا چاہتے تھے مگر چونکہ بہت معمولی سا حصہ باہر تھا اس لئے وہ پکڑ میں نہیں آ رہا تھا، حضرت ساتھ تھے اور لکڑیاں جمع کرنے میں مشغول تھے، علم ہوا تو فرمایا لاؤ میں نکال دوں، میں تم لوگوں سے اچھا کانٹا نکال لیتا ہوں، سہولت کے لئے اس طالب علم کو لانا

دیا گیا تھا تا کہ پیر اوپر کر کے کانٹا نکالنے میں آسانی ہو، حضرت نے اس کا پیر پکڑا اور اپنے منہ کی طرف لے چلے کہ دانتوں سے پکڑ کر نکال لیں، ایک مناسب تدبیر یہی تھی، اس کا احساس کر کے کئی طلبہ بول اٹھے کہ حضرت آپ یہ نہ کریں، ہم کرتے ہیں مگر ان کے کہتے کہتے حضرت نے پیر میں منہ و دانت لگا کر فوراً کانٹا کھینچ لیا۔ اور طلبہ سے فرمایا:

”یہ حق مجھ کو ہی تھا کیونکہ یہاں میں ہی تمہارے لئے ماں باپ ہوں۔“

ایک طالب علم ایک مرتبہ کافی بیمار تھا، حضرت اس کو لیکر باندھ گئے اور رکنا پڑا تو حضرت ہی تنہا خادم تھے۔ رات کو حضرت نے یہ کیا کہ اس کو تو چار پائی پر لٹا دیا اور خود نیچے اپنے ہاتھ میں ایک رسی باندھ کر اس کے پاس رکھ دی کہ ضرورت پر کھینچ دینا۔

(ص ۴۷۵)

(۱۰) ”شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے۔“

ایک مرتبہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: ”میں کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھتا اور کیوں سمجھوں کہ میں خود گنہگار ہوں۔“ جیسے کہ حضرت نے آنے جانے والوں کی فکر و خدمت کی نسبت سے جو ایک مرتبہ یہ فرمایا: ”شاید کسی آنے والے کی دعا کام کر جائے“ اور رو دیئے۔ اور یہ جو فرمایا: ”لوگ مجھ کو بلاتے اور اصرار کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ میں ان کی جگہ ہوتا۔“ یہ بھی حضرت کی تواضع ہی ہے۔ (ص ۴۷۶)

(۱۱) ”بیت الخلاؤں کی صفائی۔“

حضرت کبھی کبھی طلبہ سے فرماتے تھے: ”تم ٹھیک سے رہو تو میں تمہارا سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، پاخانہ اٹھانے اور دھونے کو تیار ہوں۔“

حضرت کا یہ ارشاد کوئی مجازی جملہ نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا اور حضرت نے عملاً بارہا اس کا ثبوت دیا۔ اور حضرت کے اس مزاج نے بہت سے طلبہ ہی نہیں بلکہ مدرسہ کے دوسرے کارکنوں کو بھی حسب موقع ایسے کاموں کی توفیق دی۔

مدرسہ میں ایک زمانے میں چند بیت الخلاء پرانے انداز کے پختہ بنا دیئے گئے تھے، عام

نظام تو جنگل کا تھا مگر آنے جانے والے پھر بعض طلبہ اور بعض اوقات کے پیش نظر یہ بیت الخلاء بنائے گئے۔

گاؤں میں ایسا کوئی نظم نہ تھا جس کے واسطے سے اس کی باقاعدہ صفائی ہوتی، حسب موقع اس کی صفائی کا کام حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہی انجام دیتے اور اس کے لئے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے۔ تواضع اور اس کا اخفاء دونوں ہی پیش نظر تھے۔

مولانا زکریا صاحب کا ذکر کردہ واقعہ خوب لکھا اور پڑھا دسنا گیا ہے آپ بھی پڑھیں کہ:

”ایک مرتبہ درمیان رات میں مولانا کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، مولانا اٹھ کر بیت الخلاء کی عمارت کی طرف گئے تو دور سے محسوس ہوا کہ کوئی بیت الخلاء کی صفائی کر رہا ہے۔ آگے بڑھے اور دلچسپی سے غور کیا کہ آخر کون اس وقت یہ کام کر رہا ہے تو دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ لنگی اور بنیائیں زیب تن فرمائے صفائی میں مصروف ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر نہ تو مجھے آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی حاجت کا تقاضا رہا، چپ چاپ واپس ہو کر دیکھتے رہے۔ چنانچہ حضرت نے پورے بیت الخلاء کو صاف کیا، صفائی کا سامان ایک طرف رکھ کر کنویں کے پاس گئے، نہا کر کپڑے بدلے اور تہجد میں مصروف ہو گئے۔“

یہ ایک واقعہ اور ایک دن کا قصہ نہ تھا، یہ بیت الخلاء جب تک برقرار اور مستعمل رہے تو تب تک صبح سویرے جب یہ صاف ملے تو حضرت کی تواضع کا کرشمہ تھا۔

اور فلش بیت الخلاء بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ اس وقت تک چلا جب تک کہ مدرسہ میں صفائی کے لئے باقاعدہ آدمی نہ رکھ لیا گیا۔ دھیرے دھیرے مدرسہ میں فلش کی تعداد بہت ہو گئی پانی کی سہولت ہو گئی اور خاص انداز کے ٹینک بن گئے تو اب بیت الخلاء کی صفائی کا مسئلہ اہم نہ رہ گیا، تھوڑی بہت ضرورت ٹینکی کے بہتے ہوئے پانی اور اس سلسلے کے ملازمین سے پوری ہو جاتی ہے۔

ورنہ ابتداء تو صرف مہمان خانہ و مہمانوں کے لئے دوش بیت الخلاء بنے تھے اور ان کا ٹینک

سوختے والا تھا، پانی کا نظم بھی زیادہ نہ تھا، تو بیت الخلاء کی صفائی کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی بالخصوص کسی اہم مہمان کی آمد کے موقع سے اور وقتاً فوقتاً ٹینک کی صفائی برابر ہوتی تھی اور مزید جب ایسے بیت الخلاء بنے تو انکی دھلائی و صفائی ہوتی رہتی تھی۔ اس سارے کام میں حضرت کی صرف دلچسپی نہیں بلکہ شرکت ہوتی تھی، بالخصوص سوختے کے ٹینک کی صفائی حضرت خود عملاً لگ کر کراتے اور بسا اوقات ٹینک میں خود اترتے اور دوسروں کو اترنے نہ دیتے۔ (ص ۴۷۶، ۴۷۷)

(۱۲) ”اپنی تعریف و توصیف اور القابات پر اظہارِ ناپسندیدگی کے واقعات“۔

اکابر اپنی تعریف و توصیف بالکل پسند نہیں کرتے بالخصوص بیجا القاب وغیرہ، ہمارے حضرت اور زیادہ اس کو ناپسند فرماتے تھے، لوگوں نے حضرت کے نام کے ساتھ ”عارف باللہ“ کا وصف استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اشتہارات میں حضرت کے نام کے ساتھ بسا اوقات یہ وصف بھی شامل ہوتا تو حضرت کے علم میں بھی آتا رہتا۔ کئی مرتبہ طلبہ کے سامنے اس کا اس انداز میں تذکرہ فرمایا جس سے اس حرکت اور ایسے اقدام کی بے وقعتی ثابت ہو اور یہ کہ حضرت اس کے اہل نہیں۔

اور ایک مرتبہ تو یہ ہوا کہ کانپور کے ایک جلسے کے اشتہار میں یہی کیا گیا، حضرت تشریف لے گئے، علم ہوا تو حضرت خطاب میں ناراض ہوئے، اسٹیج پر کانپور کے علماء بھی تھے۔ حضرت نے فرمایا:

”میرے بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ لوگ آخر میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں کرتے ہیں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آئندہ سے میں نے کسی اشتہار میں اپنے نام کے ساتھ ”عارف باللہ“ کے الفاظ دیکھے تو آ کر چلا جاؤں گا۔

حضرت منہ پر تعریف کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ بسا اوقات جلسوں میں لوگ ایسا کرتے تو حضرت منع فرما دیا کرتے تھے۔ یا فوراً کرسی پر تشریف فرما ہو جاتے اور ایسی گفتگو کا

رخ موڑ دیا کرتے۔

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کو حضرت مولانا علی میاں صاحب وغیرہ نے اتر پردیش کے امیر شریعت کی حیثیت سے تجویز کیا تھا۔ حضرت نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

”میں اس کا ہرگز اہل نہیں، جب سے یہ اعلان ہوا ہے بہت پریشان ہوں۔“

پریشانی کی وجہ حضرت کے مزاج کے علاوہ دوسرے رجحانات کا سامنے آنا تھا۔

(۱۳) ”ایک حیران کن واقعہ۔“

ہمارے حضرات کی تواضع کے کیا کیا قصے سنئے گا۔ ماضی کے بعض بزرگوں اور بعض ممتاز اکابر علماء دیوبند کے قصے سنے ہیں، اب ہمارے حضرت کا ایک عجیب قصہ سنئے

استاد محترم حضرت مولانا نفیس اکبر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”ایک بار میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہوں اور آپ کو پہچانتے بھی نہ ہوں وہ آپ کے ساتھ گاڑی سے اترے ہوں اور تعارف یہاں (مدرسہ) آ کر ہوا ہو۔“

تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا: میں باندہ سے بس کے ذریعہ چل کر نو میل پر اترتا، ایک صاحب جن کے ساتھ ان کا کافی سامان بھی تھا وہ بھی بس سے اترے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں تشریف لیجائیں گے؟ انہوں نے کہا ہتورا، میں نے پوچھا ہتورا کس کے یہاں جانا ہے؟ تو وہ بولے ”مولانا صدیق صاحب“ کے یہاں۔ میں نے ان کا سامان اٹھالیا اور ہم دونوں ہتورا کے کچے راستے پر چل پڑے، راستے میں میں نے ان سے پوچھا کہ مولانا سے آپ کا کیا کام؟ تو وہ بولے جب مولانا صاحب سے ملاقات ہوگی تو انہیں کو بتاؤں گا، میں خاموش ہو گیا اور ڈیڑھ میل کا پیدل راستہ طے کر کے جب ہتورا پہونچے اور اساتذہ و طلبہ سے ملاقات ہوئی اور ان صاحب کو معلوم ہوا کہ ”صدیق احمد“ میں ہی ہوں تو وہ بہت شرمندہ ہوئے، میں نے انکو مطمئن کیا کہ اگر میں اپنا تعارف کرادیتا تو آپ کو یہاں تک کیسے لاتا۔“

واقعی حضرت کا عجیب حال تھا اور اس واقعہ میں تو کئی سبق آموز پہلو اور تواضع در تواضع کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عالمانہ وضع و لباس میں تو رہتے ہی تھے مگر سادگی کے ساتھ معمولی لباس و کپڑوں میں، آنے والے کے ذہن میں شہرت کے حساب سے جو خاکہ تھا اور جو کچھ انہوں نے دوسری جگہوں میں دیکھا تھا حضرت کا نقشہ اس سے بالکل مختلف تھا، اس لئے انکو خیال بھی نہ گذرا کہ یہ صاحب ہی ہمارا مطلوب ہیں۔

پھر اس کے بعد نہ صرف یہ کہ نام نہیں بتایا، بے تکلف سامان بھی لا دیا، ظاہر ہے کہ انہوں نے گاؤں کا ایک مزدور صفت آدمی اور ایک دیندار مسلمان سمجھا جس نے حضرت کی عقیدت و محبت میں حضرت کے ایک مہمان کا سامان اٹھالیا۔

یہ قصہ یا اس انداز کے دو چار قصے وہ ہیں جو روایتوں و ذہنوں میں محفوظ ہیں ورنہ نہ جانے کتنے اس طرح کے قصے ہو گئے اور ایسی جگہوں کے جہاں حضرت کی شخصیت و حیثیت کی بات جلد کھلی ہی نہ ہوگی۔

آنے والے مہمان کے لئے جو بسا اوقات غیر عالم بھی ہوتے مگر محبت علماء، اپنا رمال بچھانا، مصلیٰ لیکر جانا اس کے لئے بچھانا اور بستر چادر وغیرہ کرنا یہ سب تو ہوتا ہی تھا۔ (ص ۴۷۹)

(۱۴) ”حضرت نے ایک ہی ملاقات میں مجھکو اپنا غلام بنالیا“ :-

اس سے بڑھ کر سنئے!

ہتور کے قریب ایک دیہات میں ایک ذی حیثیت خان صاحب رہتے تھے انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ میں نے مولانا صدیق احمد صاحب کا غائبانہ نام سنا تھا، ان سے ملاقات نہیں تھی اور نہ ان سے خاص عقیدت ہی تھی۔ ایک بار ان سے ملاقات کے لئے چلا ”نومیل“ پر بس سے اتر اتو مولانا صاحب مل گئے نومیل سے ہتور تک کچی سڑک تھی، اتفاق سے بارش ہوئی تھی تو کچھڑ تھا اور اس علاقہ کی مٹی بھی عجیب سی تھی میرا بدن بھاری بھر کم تھا مولانا صاحب نے میرا سامان اٹھالیا اور میرے جوتے بھی اٹھالیئے اور اپنے ساتھ مجھے لیکر چل پڑے

اب میرے لئے بڑی ندامت کا موقع تھا کہ حضرت میرے جوتے لیکر چل رہے تھے میں نے بہت کہا کہ آپ میرے جوتے مجھے دیدیجئے مگر وہ نہ مانے اور فرمایا ”آپ صرف اپنے کو سنبھالئے، چلے آئیے سامان اور جوتوں کی فکر نہ کیجئے“۔

اللہ اکبر! حق تعالیٰ ہم متوسلین کو بھی اس تواضع کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔

یہ صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت نے بس اس ایک ہی ملاقات میں مجھ کو اپنا غلام بنا لیا۔ حضرت کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ایک طرف بڑوں کی موجودگی میں بیان نہ فرماتے اور دوسری طرف جلسوں میں جاتے تو حسب موقع توجہ سے بیانات سنتے خواہ بیان کسی کا ہو رہا ہو۔ اور اس کے لئے یہ تو فرماتے ہی کہ ”اس سے طبیعت کھلے گی، مضمون سامنے آئے گا اور یہ بھی کہ کیا میں نصیحت کا محتاج نہیں، میں تو بہت زیادہ محتاج ہوں“۔

(ص ۴۸۰)

(۱۵) تواضع کی انتہاء:-

حضرت کے لئے بڑے سے بڑا ایثار دشوار اور امتحان نہ تھا، انکو دوسروں کی خوشی و راحت اور انکی توقیر و عزت محبوب تھی اس کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے، سواری پر راحت کی جگہ دوسروں کو بٹھاتے اور خود مجاہدہ فرماتے مثلاً ٹرک سے سفر کرنا ہے تو جس کی رعایت مقصود ہے اس کو آگے ڈرائیور کے ساتھ بٹھا دیتے اور خود پیچھے بیٹھ جاتے جبکہ اترنے چڑھنے میں بھی زحمت ہوتی اور راستے میں بھی لیکن وہ کوئی گذارش نہ سنتے، یہی کرتے۔

مفتی شکیل احمد صاحب سیتا پوری نے اپنے ایک سفر کا قصہ لکھا ہے، آپ بھی پڑھیئے، اس ایک قصہ میں حضرت کا ایثار، دوسروں کی رعایت، اپنے لئے مشقت پسندی اور تواضع سب کچھ آگیا ہے، اور مزید دوسروں کی آپ سے انتہائی درجہ کی محبت و عزت بالخصوص برادران وطن کی، اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت سمیت ہم دوسا تھی باندہ میں روڈو یز بس پر سوار ہوئے جو لکھنؤ جا رہی تھی، بس میں

صرف ایک سیٹ خالی تھی۔ بس میں جب حضرت نے قدم رکھا تو پوری بس میں ہل چل مچ گئی، کنڈکٹر، ڈرائیور و سواریاں سب کہنے لگے ”بابا آگئے، بابا آگئے“، بہت سے لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ گئے کہ بابا یہاں تشریف لائے، لیکن حضرت کو صرف ہم دونوں کی فکر تھی۔ چنانچہ خالی سیٹ پر ہم دونوں کو باصرار بٹھا دیا، کنڈکٹر نے ایک سواری کو اٹھا کر حضرت کے لئے سیٹ خالی کروائی، جب حضرت سے اس سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی گئی تو حضرت نے اس پر بیٹھنے سے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا: ”اس سیٹ پر اس کو بیٹھنے کا حق ہے جو پہلے سے بیٹھا ہوا ہے“ یہ کہتے ہوئے حضرت نے اسٹینڈنگ کی جگہ میں اپنی چادر بچھا دیا اور اس پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ڈرائیور نے جو غیر مسلم تھا گاڑی روک دی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا:

”بابا! مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ آپ نیچے بیٹھے ہوں اور میں سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی چلاؤں“ حضرت نے فرمایا: ”میں بس سے تو اتر سکتا ہوں لیکن کسی کو سیٹ سے اٹھا کر اس کی سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتا۔“

جب ڈرائیور اور کنڈکٹر ہر طرح کے اصرار اور خوشامد میں ناکام ہو گئے تو انہیں مجبوراً گاڑی چلانی پڑی۔ اتفاق سے کچھ دور چل کر ”آر ٹی او“ مل گیا، وہ بس پر سوار ہوا تو کنڈکٹر نے اپنی سیٹ پر بٹھایا اور حضرت کے بارہ میں بتایا کہ بس میں ہیں اس نے حضرت کو دیکھا کہ بس کے فرش پر بیٹھے ہیں تو اس نے کنڈکٹر کو ڈانٹا اور بڑی لجاجت کے ساتھ حضرت سے عرض کیا کہ بابا سیٹ پر بیٹھ جائیے ورنہ میں سیٹ پر نہیں بیٹھوں گا، تو حضرت نے فرمایا: ”میں یہی چاہتا ہوں کہ کسی کو اٹھا کر نہ میں بیٹھوں نہ آپ بیٹھیں“ آخر اگلے اسٹیشن پر جگہ ہوئی تو حضرت سیٹ پر بیٹھے۔

اسی واقعہ میں رعایت و خیال کی بات یہ بھی سنتے چلے کہ لکھنؤ پہونچنے پر شب کے گیارہ بج گئے تو حضرت نے ایک ہوٹل کے پاس رکشہ رکوایا اور رفقاء سے فرمایا: ”یہاں سے روٹی خرید لیں اور جہاں ٹھہریں گے وہاں چٹنی پسوالینگے، اس طرح کام چل جائے گا، اگر رات کو

روٹیاں پکانی پڑیں تو گھر والوں کو بڑی زحمت ہوگی۔“

لکھنؤ جیسے شہر میں گیارہ بجے شب کا وقت ایسے انتظامات کے لئے بہت زیادہ اہم نہیں ، محلے، محلے، ہوٹل پائے جاتے ہیں اور دس گیارہ بجے تک لوگ کھانا کھایا کرتے ہیں مگر کیا رعایت؟ ”روٹی لے لو پکانا نہ پڑے، پھر آگے چٹنی پسوالینگے۔“

اللہ اکبر! کیا مزاج پایا تھا اور کس قدر دوسروں کی راحت کا خیال تھا حالانکہ وہاں بھی جہاں قیام کرنا تھا خاص و بے تکلف لوگ تھے۔

اور حضرت کے یہاں کہیں جانے اور کھانے میں اس قسم کی رعایت کا یہ ایک قصہ نہیں، یہ تو حضرت کا مزاج تھا، روٹیاں ساتھ لیجانا یا منگانا اوپیاز و نمٹارو وغیرہ کی چٹنی بنالینا، لوگ کہہ بھی رہے ہوں، پیشکش بھی کر رہے ہوں مگر حالات کا احساس کر کے نہ صرف انکار بلکہ اس طرح ہو جاتے کہ گویا کھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ (ص ۵۷۹، ۵۸۰)

(۱۶) کپڑے دھونے میں طلبہ کی مدد:-

حضرت کپڑے بہت جلد اور بہت صاف دھوتے تھے، مدرسہ کے ابتدائی دور میں طلبہ کے ساتھ تالاب و نالے پر تشریف لیجاتے، سب اپنے اپنے کپڑے دھوتے، حضرت اپنے کپڑوں سے فارغ ہو کر طلبہ کے کپڑوں میں مدد فرماتے۔ (ص ۵۹۵)

(۱۷) تجارت کے پیچھے مشقت کی عجیب داستان:-

فرمایا:

”بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی میں نے تجارت نہ کی ہو، کانپور سے کپڑے، درمی، چپل و جوتے لا کر لایا کرتا تھا (”نومیل“ سے اتنے سامان کو کئی قسطوں میں لانا پڑتا تھا) اس وقت مجھے کوئی جانتا نہ تھا“

فرمایا: ”میں نے سبزی کی بھی تجارت کی ہے، باندہ جب جانا ہوتا تو کافی مقدار میں سبزی لے آتا اور یہاں بہت سستی فروخت کرتا، اس میں بھی فائدہ ہوتا تھا، کم از کم اتنا تو فائدہ ہوتا

تھا کہ کھانے بھرنے کے لئے بچ جاتی تھی۔“

حضرت کا یہ تجارتی مشغلہ بھی سہولت کا نہیں، بسا اوقات کافی مشقت کا ہوتا تھا ایک مرتبہ خود سنایا: ”لوگوں کو معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا حالات گذرے ہیں، ایک زمانے میں گذر بسر کی اتنی تنگی تھی کہ میں شہر ”باندہ“ سے آلو خریدتا، اسے چند گٹھڑیوں میں باندھ لیتا تا کہ اٹھانا آسان ہو، بس سے لاد کر ”نومیل“ پر لاتا، وہاں سے ”ہتورا“ (دو کلومیٹر کے فاصلہ) تک اس طرح لاتا کہ ایک گٹھڑی کچھ فاصلہ پر اٹھا کر دوسرا گٹھڑی اس سے کچھ آگے لیجا کر رکھتا، اس طرح سارے گٹھڑی کے بعد دیگرے منتقل کرتا رہتا، رفتہ رفتہ ہتورا پہنچ جاتا۔ یہ آلو ”ہتورا“ میں بچ لیتا، اصل قیمت نکلنے کے بعد جو آلو بچتے اس سے گھر کا خرچ چلتا، کبھی کبھی آلو ہی پر گزارا کرنا پڑتا۔“

(ص ۶۶۳)

(۱۸) ”حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور ان شاء اللہ اہتمام کریں گے۔“

حضرت مفتی (محمود حسن گنگوہی) صاحب مدرسہ تشریف لائے، وہ مدرسہ کے چونکہ سرپرست تھے لہذا انکی صدارت میں مدرسہ میں دورہ حدیث شریف کے آغاز کے سلسلہ میں مشورہ ہوا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے کچھ گفتگو کے بعد اس کی تائید فرمائی کہ دورہ شروع کیا جائے جیسے کہ ایک مرتبہ انہیں حضرت جب دیوبند تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے حضرت سے فرمایا: ”کیا آپ سے لڑنا پڑے گا آخر آپ دورہ کیوں شروع نہیں کرتے؟“

بہر حال جب حضرت مفتی صاحب نے ہاں فرمادی تو حضرت نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

”حضرت! اہلیت تو نہیں مگر آپ کے فرمانے پر ارادہ کرتے ہیں اور ان شاء اللہ اہتمام کریں گے۔“ حضرت کے اس جواب سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اس بابت کیا سوچتے

اور چاہتے تھے۔ (جلد دوم ص ۱۲۱)
(۱۹) طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ:-

طلبہ کے ساتھ حضرت کا شفقت کا جو معاملہ تھا جس کی وجہ سے طلبہ بسا اوقات غلط فائدے بھی اٹھاتے تھے، اس میں اس کا سوال نہ تھا کہ حضرت طلبہ کو مار پیٹ وغیرہ کی سزا دیں، بہت کم ایسا ہوتا اور جب ہوتا تو دوسرے وقت حضرت اس کی تلافی ضرور فرماتے اور بہت جلد فرماتے اور اس انداز میں فرماتے کہ طالب علم خوش ہو جائے، ابتدائی زمانہ میں ایسا بہت ہوا کہ کسی کو مارا تو بعد میں چوٹی دی۔

کبھی سزا کے معاملہ میں کچھ چوک بھی ہو جاتی، بہر حال انسان تھے تو اس کی تلافی اور اچھی طرح فرماتے، طالب علم سے معذرت بھی فرماتے اور اس کو پیسے بھی عنایت فرماتے، ایسے اوقات بھی ہوئے۔ بلکہ بعض معتبر حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بعض مرتبہ طالب علم عناد پر آ گیا تو حضرت کو بڑی لجاجت و اصرار سے اس سے معافی مانگنی پڑی۔ ایک مرتبہ مطبخ کے نظم میں کچھ پریشانی تھی، اس کے تحت گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”دل کا حال تو خدا بہتر جانتا ہے کہ میں طلبہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرنا چاہتا، ان کو کتنا اچھا کھانا چاہتا ہوں لیکن کیا کروں جتنا ہو سکتا ہے اتنا ہی کر پاتا ہوں، پوری کوشش کے بعد بھی اگر انتظام صحیح نہیں اور کھانا اچھا نہیں ملتا تو سمجھ لو کہ فیصلہ اوپر ہی سے اس طرح کا ہوا ہے۔“

(ص ۱۷۳)

(۲۰) ”میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں“۔۔۔۔۔

حق تعالیٰ کسی سے کوئی کام لیتے ہیں عالم ہو یا ولی، اس کے اثرات و ثمرات جہاں دوسرے دیکھتے ہیں وہ بھی محسوس کرتا ہے اور یوں وہ اس بابت اپنی کوشش و کاوش کو نہ ذکر کرتے ہیں نہ اس کا احساس کرتے و کرواتے ہیں، مگر کبھی اظہارِ حقیقت اور اعترافِ نعمت کے طور پر کچھ تذکرہ و تبصرہ کر دیا کرتے ہیں اور یوں تو اس علاقے (ہتورا ضلع باندہ) میں حضرت نے جس حد تک قربانی دی تھی اور اس کی نسبت سے حضرت کے جو حوصلے تھے اس

کے مطابق اثرات و نتائج حضرت نے نہیں دیکھے، اسی لئے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔
 ”مجھے بنجر علاقہ ملا ہے“ یا ”مجھے تو ایسا علاقہ ملا ہے کیا بتاؤں“ کبھی لوگوں سے کہتے: ”
 ہمارے یہاں آئیے تو اپنا علاقہ دکھائیں کہ کیسا بنجر ہے۔“ بہر حال ایک مرتبہ حضرت نے جو
 کام ہوا اور ضرور ہوا اور الحمد للہ بہت کچھ ہوا۔ بطور تحریث نعمت اور پوری تواضع کے ساتھ اس
 کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو بھی کام لیا ہے یہ سب ہمارے بڑوں کی دعاؤں کا ثمرہ
 ہے، میں تو ایک کاشتکار، جانور چرانے والے باپ کا بیٹا ہوں، اللہ کا کرم ہے اس نے یہ کام
 لیا ہے، یہ سب ہمارے بڑوں کا طفیل ہے جن کی برکت ہے۔“

(ص ۱۹۶)

(۲۱) ”ان کے ایثار و قربانی اور خلوص میں شبہ نہیں، لیکن میرا کیا ہوگا۔“

قاری صدیق صاحب لکھنوی حضرت رحمہ اللہ کے نہایت مخلص دوست تھے،
 حضرت ان کے بڑے احسان مند تھے اور برابر ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک
 سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

”قاری صاحب لکھنؤ سے میرے دعوت پر تشریف لاتے اور پورے علاقے کا
 بیل گاڑی پر سفر فرماتے، ایک ایک ہفتہ کا سفر ہوتا تھا، باندہ کے اطراف میں مختلف علاقوں کا
 سفر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ شدید بخار تھا، اسی حال میں لکھنؤ سے تشریف لائے اور آنے کے
 بعد فرمایا:

”میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اس بیچارے (یعنی حضرت علیہ الرحمۃ) نے لوگوں سے
 وعدہ کر رکھا ہوگا، اس کا کیا ہوگا۔“

بڑے مخلص تھے، انکے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں، ایک مرتبہ ”برولی“ تشریف لے
 گئے تو وہاں اعزاز میں بیسویں قسم کے کھانے دسترخوان پر آئے، یہ دیکھ کر قاری صاحب
 آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

ان بیچاروں کی تو بن گئی، مجھ کو نیک سمجھ کر خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارا کیا ہوگا۔“
 حضرت علیہ الرحمۃ نے قاری صاحب کی اس بات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:
 ”میں بھی اپنے متعلق سوچتا ہوں کہ بلا نے والے بیچارے تو بہت خرچ کرتے ہیں وہ تو مجھے
 نیک سمجھتے ہیں، ان کے ایثار و قربانی اور خلوص میں شبہ نہیں لیکن میرا کیا ہوگا۔“

(ص ۲۳۰)

مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز حضرت
 لاہوری رحمہ اللہ) کے واقعات :-
 (۱) پوری زندگی للہیت و بے نفسی سے عبارت تھی۔
 حافظ محمد جاوید حضروی لکھتے ہیں:

مجھے جامعہ حنفیہ جہلم میں داخلہ لینے سے پہلے حضرت جہلمی کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا لیکن
 جب جامعہ میں داخلہ لیا تو حضرت کی للہیت اور بے نفسی کے ساتھ بہت اوصاف سے آگاہ
 ہوا۔

آپ نے اپنی زندگی میں جامعہ کے آخری جلسہ کے لئے شہریوں اور طالب
 علموں کا جوا جلاس بلوایا، اس میں آپ نے طلبہ سے فرمایا کہ:
 ”اے عزیز طلبہ! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مہمان ہو، ہمارا جی چاہتا ہے کہ
 تمہارے کمروں میں خود صفائی کریں، تمہارے برتن دھوئیں، لیکن مدرسہ کی دوسری ذمہ
 داریاں اور مصروفیات رکاوٹ بن جاتی ہیں“ اور شہریوں سے فرمایا کہ: ”مجھے یہاں جہلم
 میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کوئی ایک شخص کھڑے ہو کر بتا دے کہ عبد
 اللطیف نے کبھی چندہ کی اپیل کی ہو، لیکن تمہیں اس لیے بلا لیتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمیں
 پوچھا نہیں جاتا اور یہ بھی سمجھ لو کہ دین تمہارا محتاج نہیں تم دین کے محتاج ہو۔“
 حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی ساری زندگی للہیت و بے نفسی سے عبارت تھی۔

(ماہنامہ ”حق چاریار“ خصوصی نمبر ۱۵۹)

(۲) طلبہ سے محبت و شفقت :-

جناب حافظ زاہد حسین رشیدی کا بیان ہے:

حضرت جہلمی طلبہ سے بہت زیادہ محبت و شفقت فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی طلبہ کے مقام سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ دفتر کے سامنے کسی چھوٹے طالب علم نے پاخانہ کر دیا، حضرت مدرسہ تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ پاخانہ کس نے کیا ہے؟ غالباً حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ حضرت! کسی چھوٹے طالب علم نے کیا ہوگا، فرمایا کہ اٹھایا کیوں نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! جمعدار آئے گا تو اٹھوا دیں گے۔ حضرت نے غصے ہو کر فرمایا لاؤ، میں خود اٹھاتا ہوں تمہیں کیا معلوم کہ طلبہ کا مقام کیا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ فرشتے برکت کے حصول کے لئے ان کے پاؤں تلے اپنے نورانی پر بچھاتے ہیں۔“

ایک دفعہ ایک مہمان آئے تو حضرت نے ایک طالب علم سے کہا کہ جاؤ کھانا لے آؤ، طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت کھانا تو ختم ہو گیا۔ فرمایا جو طالب علموں کا بچا ہو ہے وہ لے آؤ، وہ کچھ ہچکچایا کہ مہمانوں کو بچے ہوئے ٹکڑے لا کر دوں۔ حضرت نے محسوس فرماتے ہوئے سختی سے فرمایا کہ: ”طلبہ کے ٹکڑوں کی جو عظمت ہے وہ بڑے بڑے اعلیٰ کھانوں میں کہا؟“ چنانچہ کئی دفعہ حضرت کو طلبہ کے بچے ہوئے ٹکڑے کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ (بحوالہ بالا ص ۶۹۲)

تاج العارفین حضرت مولانا پیر جی محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کی عبدیت و فنائیت :-

آپ کے خلیفہ مجاز حضرت حافظ شوکت علی صاحب نقشبندی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت پیر جی رحمۃ اللہ علیہ شہرت سے بڑی نفرت فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”گمنامی کی زندگی میں عافیت ہے“۔ کبھی بھی اپنا بیان بذات خود اخبار والوں کو نہیں دیا۔ اگر کسی نے اخبار میں بیان دے دیا تو معلوم ہونے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ کے ساتھ ”ادریسیہ“ لکھوادیا تو فرمانے لگے کہ ”حافظ جی! کیا لکھوا لائے ہو، خانقاہ غفوریہ ہی رہنے دو اور آگے والے الفاظ (یعنی ادریسیہ) ختم کروادو۔

سالانہ اجتماع میں خانقاہ غفوریہ کے مین گیٹ پر راقم الحروف نے خانقاہ غفوریہ نقشبندیہ کا بورڈ لکھوادیا تو فرمایا کہ ”حافظ جی! تشبیر اچھی نہیں ہے ہم نے تو ساری عمر چھپ کر گزار دی اب تم کس کام میں پڑ گئے ہو۔“ (حیات ادریس ص ۵۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کے واقعات :-
(۱) تواضع اور خدمت کے حسین پیکر :-

آپ کے تلمیذ رشید حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں :

کتابی علم تو بہت سے لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن انسان کی عظمت درحقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب علمی تبحر کے باوجود وہ تواضع اور خدمت کا پیکر بن جائے۔

حضرت مولانا کی حیات طیبہ اس معاملے میں بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتی تھی وہ اپنے گھرانے میں واحد عالم دین تھے، ان کے والد ماجد بھی جدید تعلیم یافتہ تھے، اور تمام بھائی بھی،

اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و فضل کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا، لیکن اپنے والد کی خدمت کے معاملے میں انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مٹائے رکھایوں تو خدمت والدین انکی ادا ادا سے نمایاں تھی، لیکن اس کا بطور خاص مظاہرہ ہمیں ۱۹۶۳ء میں اس وقت ہوا جب حضرت مولانا اپنے والدین کے ہمراہ حج کے سفر پر تشریف لے گئے، حسن اتفاق سے اسی سال ہم دونوں بھائی بھی حضرت والد صاحب کی معیت میں حج فرض کی ادائیگی کے لئے گئے ہوئے تھے، اسکے علاوہ ہمارے بزرگ استاذ حضرت مولانا اکبر علی صاحب نے بھی اسی سال حج کیا تھا۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحب مظاہر العلوم سہارنپور کے قدیم اساتذہ میں سے تھے حضرت

مولانا سحبان محمود صاحبؒ نے ان سے باضابطہ کوئی درس تو نہیں لیا لیکن جس زمانے میں حضرت مولانا مظاہر العلوم میں پڑھتے تھے، اس زمانے میں حضرت مولانا اکبر علی صاحب وہاں پڑھایا کرتے تھے، اس نسبت سے حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ انکی ایسی ہی عزت فرماتے تھے جیسے اپنے حقیقی استاد کی کی جاتی ہے اور ساری عمر انکے ساتھ استاد جیسا ہی معاملہ فرماتے رہے۔

حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ چونکہ ضعیف تھے اور سفر حج میں بالکل تنہا، اس لئے حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا، اس طرح انکے ساتھ والدین بھی تھے، اور حضرت مولانا اکبر علی صاحبؒ بھی، اور یہ سب حضرات عمر رسیدہ بھی تھے، اور مختلف عوارض کا شکار بھی، اور نہایت نازک مزاج اور زودرنج بھی، حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ انکی خدمت کے لئے تنہا تھے، پہلی بار حج کا سفر کیا تھا اور اس دور کے حج میں مشقیں آج سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن انہوں نے ان تینوں بزرگوں کی خدمت کا جو حق ادا کیا ہے اور انکے سامنے اپنے آپ کو مٹا دینے کے جو مناظر ہم نے دیکھے ہیں وہ آج بھی دل پر نقش ہیں، انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظاہری علم و فضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں تواضع اور خدمت کے کس بلند مقام پر فائز فرمایا ہے۔

حضرت مولاناؒ کے والد ماجد بڑے نازک مزاج اور جلالی بزرگ تھے، خلاف طبع باتوں پر وہ حضرت مولاناؒ کے شاگردوں کے سامنے بھی ان پر بگڑ جاتے تھے، لیکن ایسے موقع پر حضرت مولاناؒ کا رویہ جتنا متواضع اور نیاز مندانہ ہوتا اسکی مثالیں اب بہت کم ملیں گی والد صاحب کی اطاعت کا مظہر یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مولاناؒ کا اصل نام جو والدین نے رکھا تھا وہ ”سحبان محمود“ تھا، جب مولاناؒ کا تعلق ہمارے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) سے ہوا تو حضرت والد صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ ”سحبان“ نام مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ کیونکہ عام طور سے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے (جیسے سحبان اللہ) حضرت

والد صاحب نے مشورہ دیا کہ آپ اپنا نام بدل کر ”سحبان محمود“ کر لیجئے۔

حضرت مولانا اس تجویز سے متفق بھی تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت والد صاحب کی اس ہدایت پر عمل کریں، لیکن جب انہوں نے یہ تجویز اپنے والد صاحب سے ذکر کی تو انہوں نے نام بدلنے سے منع کر دیا اب ایک طرف تو مفتی اعظم پاکستان کی تجویز تھی جس سے وہ خود متفق تھے، لیکن دوسری طرف والد کا حکم تھا۔ حضرت نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ اپنے نام کی تبدیلی کا اعلان تو نہیں کیا (کیونکہ اس نام کو صراحتہً ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا اور والد بھی تبدیلی کے حق میں نہیں تھے) لیکن اپنے دستخط اس طرح بنائے کہ انہیں ”سحبان“ بھی پڑھا جاسکتا تھا۔ جب تک مولانا کے والد بقید حیات رہے، انہوں نے نام تبدیل نہیں کیا لیکن والد صاحب کی وفات کے بعد ابھی دو تین سال پہلے، ختم بخاری کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مشورے کے مطابق اپنا نام تبدیل کرتا ہوں اور آج کے بعد مجھے ”سحبان محمود“ لکھا اور کہا جائے۔ اندازہ فرمائیے اس واقع میں کن کن پہلوؤں کی رعایت ہے۔ دستخط میں تو نام فوراً اس طرح تبدیل کر دیا کہ وہ مفتی محمد شفیع صاحب کے مشورے کے مطابق ہو جائے مگر اعلان اپنے والد کے احترام میں مدتوں روکے رکھا۔ اور پھر تبدیلی کا اعلان ایسے وقت میں فرمایا جب وہ ہزار ہا افراد کے مقتدا تھے عمر کے اس مرحلے میں تبدیلی کا اعلان یقیناً بے نفسی کے اعلیٰ ترین مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

(ماہنامہ البلاغ خصوصی نمبر ۲۵ تا ۲۷)

(۲) ”میں مولوی کب ہوں؟“

حضرت مولانا عاشق الہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۷۴ھ میں احقر دارالعلوم کراچی سے وابستہ ہوا تھا، بارہ سال وہاں کام کیا پھر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہو گیا، الحمد للہ ایک سال بعد اہل و عیال بھی آگئے اس وقت سے لیکر اب تک مدینہ منورہ میں قیام ہے۔ اسکنا اللہ تعالیٰ فیہا حیاً

ومیتاً

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ جب عمرہ کے لئے تشریف لاتے تو ضرور ملاقات فرماتے اور اپنی زیارت اور ہدایا سے نوازا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ پانچ سو سعودی ریال پیش فرمائے، میں نے عرض کیا، کیا مولوی بھی ہدیہ دیتے ہیں۔ فرمایا میں مولوی کب ہوں۔ اللہ اللہ یہ علمی مقام اور یہ تواضع کا عالم۔

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ سے بے تکلفی بھی تھی، احقر اپنے مزاج کے مطابق کبھی کبھی اعتراض بھی کر دیتا تھا تو وہ اسے خوش اسلوبی کیساتھ برداشت فرما لیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرات اکابر مدرسین کے صاحبزادگان جو حفظ کرتے تھے، انکے بارے میں حفظ کے اساتذہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ آگے حفظ میں نہیں چل سکتے، ان حضرات نے درجہ حفظ سے اٹھا کر اسکولوں میں داخل کر دیا۔ حضرت ناظم صاحبؒ نے بھی اپنے بڑے لڑکے کو اسکول میں داخلہ دلا دیا اور اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ میں اس پر کچھ اعتراض کر سکتا ہوں، میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ مولوی ہونا کوئی فرض عین تو نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اتنا ہی فرمایا تھا کہ احقر نے عرض کیا کہ امت کو جتنے علماء کی ضرورت ہے کیا اتنی تعداد میں علماء موجود ہیں؟ مزید ہمت کرتے ہوئے احقر نے عرض کیا کہ دیکھئے، میت کا غسل کفن و دفن فرض کفایہ ہے ”کسی مسلمان کی وفات ہوگئی، ایک شخص تیار ہوا، اس نے تنہا میت کو غسل دیا پہلے یوں ڈالا پھر دوسری طرف پچھاڑا، پھر مشکل سے کفن پہنایا، پھر میت کو اٹھا کر کسی چارپائی پر ڈالا، لوگ کھڑے دیکھتے رہے، کسی نے ہاتھ نہ لگایا، پھر اسی شخص نے چارپائی میں رسی ڈالی، چارپائی پر میت پڑی ہے، وہ شخص رسی پکڑ کر کھینچتا ہوا میت کو

قبرستان لے گیا۔، سب لوگ دیکھتے رہے۔ نہ کوئی شروع سے ساتھ لگانہ جنازے کو قبرستان لے جانے میں شرکت کی، جب قبرستان لے گیا تو وہاں قبر کھدی ہوئی نہ تھی، اس شخص نے اکیلے

قبر کھودی، جنازہ رکھا رہا، جب قبر کھودی تو میت کو الٹا سیدھا کر کے قبر میں ڈال دیا۔ کیا اس عمل سے فرض کفایہ ادا ہو گیا اور وہ سب بری الذمہ ہو گئے جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

یہی حال علماء کی قلت کا ہے، جتنے بھی علماء ہیں امت کے کروڑوں افراد کی ضرورت کے لئے کم ہیں۔ یہ سن کر حضرت والا نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی جواب نہ دیا، محض مسکرا کر چھوڑ دیا۔ اگر کوئی ضدی آدمی ہوتا تو اپنے سے کم تر آدمی کی بات کی تردید کرتا اور اپنے عمل کو صحیح قرار دینے میں لفاظی سے کام لیتا اور بڑھ چڑھ کر اپنی طرف داری کرتا، درحقیقت مخلصین کے سامنے اپنا نفس ہوتا ہی نہیں ہے۔ (ص ۳۵)

(۳) ”مجھے تو حدیث کے معنی کا بھی پتہ نہیں“:

آپ کے رفیق خاص حضرت مولانا سید حامد علی شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میرے رفیق حضرت مولانا سید محمد صاحب کو دوران تعلیم روئے صالحہ کا سلسلہ طویل رہا۔ کئی مرتبہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی جو مجھے بلا تکلف بتا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا میں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک رات عالم خواب میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے، حضور نے ہم دونوں کو دوڑ لگانے کا حکم فرمایا ہم نے دوڑ لگائی تو میں ام المؤمنین سے آگے نکل گیا، پوچھنے لگے اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ میں نے عرض کیا انشاء اللہ، علم و حدیث سے وافر حصہ ملے گا۔ خاموش ہو گئے زمانہ تعلیم میں سہارنپور میں کئی منامی بشارتیں ہوئیں۔ ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا مطلب ہو سکتا ہے، میں نے عرض کیا یا راہبہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث بنو گے۔ فرمایا ابے جا! یہ منہ اور مسور کی دال، اللہ نے دارالعلوم دیوبند کا تو نہیں، البتہ دارالعلوم کراچی کا شیخ الحدیث بنا ہی دیا۔ مولانا کو جب دارالعلوم میں حدیث کے اسباق ملے تو میں نے خط کے پتے پر نام کے ساتھ شیخ الحدیث لکھ دیا، جواباً رقم فرمایا ”بھائی مجھے تو حدیث کے معنی کا پتہ نہیں اور آپ نے شیخ الحدیث کیسے لکھ دیا“ (۳۹)

(۴) ”دیدار رسالت مآب ﷺ“:

زمانہ طالب علمی میں مولانا کو ہر سال حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، جسکو آپ مجھے بلا تکلف از خود سنا دیتے تھے، دورہ حدیث سے فراغت کے کافی عرصہ بعد ملاقات ہوئی میں

نے اس نعمت عظمیٰ کے متعلق سوال کیا تو مولاناؒ نے نہایت انکساری کیساتھ فرمایا، ”ارے میاں! اب ہم اس قابل کہاں رہے ہیں، اور بھی بہت سارے دھندے دماغ پر سوار رہتے ہیں۔“ میں سمجھ گیا مولاناؒ اخفا فرما رہے ہیں، اصرار میں نے بھی مناسب نہ سمجھا۔
(ص ۴۱)

(۵) ”وقت کا محدث کمن مہمان کی دلجوئی کر رہا ہے۔“

ایک مرتبہ ملاقات کے لئے حاضر ہوا، میرا گیارہ سالہ بچہ ہمراہ تھا۔ اس سے فرمانے لگے۔ ارے میاں! کراچی آئے ہو کہاں کہاں کی سیر کی؟ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ فرمایا ہم تم کو تو سیر کرائیں گے۔ شام کو سواری منگائی، مجھے اگلی سیٹ پر بٹھایا، خود بچے کو لیکر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے، راستے میں اہم مقامات کی نشاندہی فرماتے گئے، گول مسجد اور کچھ تفریحی مقامات کی سیر کرا کر، ہماری قیام گاہ تک پہنچا کرواپس تشریف لے گئے۔
(ص ۴۲)

(۶) ”علوم مرتبہ کے باوجود انکساری۔“

ہم دونوں بعد فراغت دورۂ حدیث حضرت مولانا عبد الرحمن کیمپوری صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، حضرت کے وصال کے بعد مولاناؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، اور میں نے حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ بانی جامعہ مدینہ لاہور و خلیفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا مرحوم بھی ہم دونوں یعنی احقر اور مولانا سبحان محمود صاحبؒ کے مدرسہ شاہی مراد آباد میں کئی کتابوں میں ہم درس رہے ہیں) سے تعلق قائم کیا۔ مولانا حامد میاں صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا سبحان محمود صاحبؒ سے عرض کیا، حضرت کیمپوری کے وصال کے بعد مولانا حامد میاں صاحبؒ سے تعلق رہا اب انکا بھی وصال ہو گیا، آزاد رہنا نہیں چاہتا اب میرا رجوع آپ کی طرف ہے مولاناؒ نے عجیب منکسرانہ انداز میں فرمایا ارے میاں، میں اس قابل کہاں ہوں۔“

لیکن ساتھ اس جذبہ (میں آزاد رہنا نہیں چاہتا) کی تحسین فرمائی، اور تعلق قائم رکھنے کی ضرورت کے اظہار کے لئے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ باوجود علوم مرتبہ فی العلم والمقام ذاتی، گھریلو اور دارالعلوم کے اہم معاملات کو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مشورے سے طے فرمایا کرتے تھے۔

اس وقت میں نے بھی اپنے مطالبے پر اصرار نہ کیا۔

فیروزہ پہنچ کر میں نے مولانا کو تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک زمانہ طویل حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت نصیب فرمائی، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا، اسکے باوجود میرے درخواست پر آپ کا عذر (میں اس قابل کہاں ہوں) میری سمجھ سے باہر ہے، جواباً مولانا نے تحریر فرمایا ”مشورے کی حد تک آپ کا پابند ہوں گا“۔

(ص ۴۶)

(۷) ”حضرت کی بے نفسی“۔

حضرت اقدس مفتی محمود اشرف صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولاناؒ بہت بے نفس اور مسکین طبع بزرگ تھے، نامعلوم جوانی کے کس حصہ میں حضرت نے اپنے نفس امارہ کو اپنی زندگی سے بے دخل کیا تھا کہ بے نفسی، مسکنت اور تواضع حضرت کی طبیعت بن گئی تھی۔

اکثر صبح کو وہ تہ بند پہن کر اور دوپہلی ٹوپی سر سے اتار کر ٹہلتے اور مدرسے کا چکر لگاتے تو دیکھنے والے کو یہ شبہ بھی نہ ہوتا کہ یہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث، ناظم اعلیٰ، اور سب اساتذہ کے استاذ ہیں۔ عام حالات میں بھی ان کا لباس اتنا سادہ اور عمومی ہوتا تھا کہ عوام اور طلباء اور حضرت کے درمیان شناخت ممکن نہ ہوتی۔

واقفان حال جانتے ہیں کہ حضرت کو نہ کسی جگہ بیٹھنے میں کوئی تکلیف، اور نہ کہیں جانے میں انکار و اصرار کے تکلفات تھے، جہاں دل چاہتا بیٹھ جاتے اور جہاں جانے میں دین کا فائدہ نظر آتا، جانے کے لئے تیار ہو جاتے، خواہ وہ جگہ کتنی دور پسماندہ ہی کیوں نہ ہو، شہرت سے

وہ ہمیشہ گریزاں رہے۔

چنانچہ نہ وہ اخباری بیانات کے آدمی تھے اور نہ خطیبانہ جلسوں کی عادی، مگر ان کے جنازے میں ان گنت افراد نے شرکت کر کے اس بات کی گواہی دی کہ انکے دینی اثرات، بہت دور رس اور ان کی دینی خدمات بہت وسیع تھیں اور انہوں نے جس بے نفسی اور تواضع کے ساتھ لوگوں کی دینی خدمت کی، اس کے نقوش جلد مٹنے والے نہیں ہیں۔ (ص ۵۸)

(۸) ”اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے لیکن۔۔۔۔۔“:

آپ کے خلیفہ مجاز جناب نجیب الحق صاحب زید مجدد ہم آپکے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

۱۱ ستمبر ۱۹۸۶ء۔۔۔۔۔ احقر کی درخواست کے جواب میں مولانا نے تحریر فرمایا، ”یہ حق تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام ہے اور آپ کا حسن ظن۔۔۔۔۔ اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے، لیکن حضرت کے امتثال امر میں بگرانی خاطر اس کو انجام دے رہا ہے اور حضرت کے علوم و معارف کو سامنے رکھ کر خود بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے۔“

سبحان اللہ کیا پیارا اندز بیان ہے اور کس قدر تواضع ہے، اپنے وقت کا شیخ الحدیث جسکے ہزاروں شاگرد بکھرے پڑے ہیں کیا فرماتے ہیں ”اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے لیکن حضرت کے امتثال میں بگرانی خاطر اس کو انجام دے رہا ہے۔“

اپنی ذات کی نفی کر کے اپنے شیخ کی کیسی عظمت اور تکریم فرمائی اور کیا عمدہ تعلیم فرمائی کہ خواہ کچھ بھی ہو شیخ، شیخ ہی رہیگا۔ اس کی عظمت، اس کی عزت اور اسکی تکریم کا ہر دم احساس ہی رہے گا، مزید تحریر فرمایا: ”اور حضرت کے علوم و معارف کو سامنے رکھ کر خود بھی راہنمائی حاصل کرتا ہے اور متوسلین کو بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے۔“

حضرت نے اس چھوٹے سے جملے میں تصوف کی حقیقت بیان کر دی کہ شیخ کے علوم و معارف سے راہنمائی حاصل کرتے رہو گے تو کامیابی کی منزل کی طرف گامزن رہو گے۔ بڑوں کی باتوں کو سینے سے لگانا اور ہر وقت ان کا دھیان رکھنا، حضرت والا کی کیا شان رہی ہے؟

(۹) ”حضرت بار بار معذرت کے الفاظ فرماتے رہے۔“

آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد منصور احمد صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی سیرت و کردار کا وہ عنصر جس نے آپ کے چاہنے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا آپ کی تواضع اور بے نفسی تھی، ایک بڑے ادارے کے ناظم اعلیٰ اور شیخ الحدیث ہونے کے باوجود کوئی آپ کو دیکھ کر نہیں پہچان سکتا کہ یہ کوئی بلند پایہ عالم، شیخ طریقت اور باکمال مدرس ہیں، آپ کے آگے پیچھے چلنے والوں کی کوئی قطار نہیں ہوتی تھی، مسجد میں بھی متواضعانہ نشست ہوتی تھی دفتر کے علاوہ آپ کسی سے بلند آواز سے گفتگو نہ فرماتے۔ ایک جاننے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کسی کام میں مصروف تھے، تھوڑی دیر بعد تشریف لائے تو اتنی معذرت کی میں پانی پانی ہو گیا۔ حالانکہ وقت بھی زیادہ نہیں گزرا تھا۔ مگر حضرت بار بار معذرت کے الفاظ دہراتے رہے۔

(ص ۱۲۶)

(۱۰) ”جواب تو مفتی صاحب کو دینا چاہیے تھا لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے۔“

آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد اکمل صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

بخاری شریف کی روایت اور درایت پر جب کلام کرتے تو امام بخاری جیسی ہستی بھی فخر کرتی ہوگی، بندہ اکثر و بیشتر انکی گفتگو کی جاذبیت میں کھو جاتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ شہادت عمر کے واقعے کو جب بخاری شریف میں بیان کیا تو دونوں گھنٹوں میں بندہ کے آنسو نہ تھم سکے۔ خوفِ خدا اور استحضارِ آخرت اتنا تھا کہ جب بھی کوئی مثال دیتے تو پہلے اپنی طرف اشارہ فرماتے۔ ایک دن ذکر موت کے وقت کثرت ذکر موت کا حدیث میں بیان کرتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”دوسروں کو چھوڑ دو اس بڑھے کو دیکھئے کہ عمر کے باسٹھ برس گزار چکا ہے، لیکن اب تک موت کی کوئی تیاری نہیں کر رہا۔ اور سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اس دنیا میں رہے گا۔“

ٹھیک اس کے دس سال بعد حضرت والا کی وفات ہوئی، اس سال جب نواب شاہ تشریف

لائے تو میں نے اسکا تذکرہ کیا تو مسکرا نے لگے، جب میں نے عرض کیا کہ حضرت اس حساب سے آپ کی عمر ۷۶ سال ہونی چاہیے، کیونکہ میں نے یہ قصہ ۸۹ء کے اوائل میں سنا تھا تو فرمایا ہاں ۷۶ سال عمر ہے۔ طلباء سے مدرسہ کی مسجد میں جب بیان فرماتے تو اکثر فرماتے تھے ”اس بڑھے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اپنی اصلاح کرو“۔

انکی کسر نفسی کا یہ عالم یہ تھا کہ بسا اوقات جب کوئی سائل سوال کرتا تو جواب دیتے اور بعد میں فرماتے کہ جواب مفتی صاحب کو دینا چاہیئے تھا، لیکن میں نے جلدی میں دیدیا ہے ”مفتی صاحب! آپ فرمائیں میرا جواب صحیح تھا“؟۔

اپنے تلامذہ کے ساتھ شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ دورانِ سبق بندہ نے ایک سوال کیا مگر اس سوال کو صحیح طریقے سے سمجھنا نہ سکا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرا سوال ہی غلط ہے، درس گاہ میں موجود طلباء زور سے ہنسنے لگے، حضرت نے مجھے خفت سے بچانے کے لئے فرمایا کہ مولوی صاحب نے سوال کیا میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اور تشریح کرنے کے بعد اسکا جواب دیا زندگی میں بے شمار اساتذہ کی جوتیاں اٹھانے اور خدمت کرینکا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا مگر جو لطف حضرت والا کی خدمت میں آتا خدا جانے آج اس لطف کو یاد کر کے دورانِ تحریر بندہ کی آنکھیں آنسو بہانے پر مجبور ہیں۔ (ص ۱۳۰، ۱۳۱)

(۱۱) ”ہر گز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں“:

آپ کے خادم خاص مولوی رشید احمد اعظمی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے

ہیں:

اپنے شیخ جیسے انکساری کسی میں نہیں دیکھی۔ ہر آدمی سے اس طرح تواضع اور احترام کے ساتھ ملتے تھے کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو جاتا۔ اس قدر تواضع کے ساتھ پیش آتے کہ سامنے والا شرمندہ ہو جاتا، لیکن آپ اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نکاح کی تقریب میں تشریف لے گئے، زیادہ ہجوم کیوجہ سے اسٹیج کے قریب جانے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ احقر نے چپکے سے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے

راستہ دینے کے لئے کہا۔ حضرت نے دیکھ لیا فوراً فرمایا کہ کیا میں لوگوں سے بہتر ہوں، ہرگز نہیں یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔ انہیں حقیر نہ سمجھ، بالآخر جگہ ہونے کے بعد آگے تشریف لے گئے۔

ایک دن ایک صاحب حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت فلاں صاحب میرا ایک کام نہیں کر رہے، اسکی وجہ سے پریشانی ہے، وہ صاحب بھی حضرت سے کچھ تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے جانے سے آپکا کام بن جاتا ہے تو میں جانے کے لئے تیار ہوں، ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ شخص بہت منہ پھٹ ہے، کہیں کوئی غلط بات نہ کہہ دے وہ آپکی عزت کا بھی خیال نہیں کرے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی! پہلے ہی کیا عزت ہے، آپ یہ بتائیں کہ میرے جانے سے آپکا کام بن جائیگا یا نہیں؟ اگر میرے جانے سے تمہارا کام بن جاتا ہے تو میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔

سبحان اللہ کیا تواضع کا مقام تھا۔

وفات سے چار دن پہلے میں نے عرض کیا کہ ہمارے بڑے بہنوئی مولانا شفیع الرحمن صاحب (امام و خطیب مسجد طیبہ گلشن اقبال) کی درخواست ہے کہ ہماری مسجد میں بھی حضرت کا بیان رکھوادو، میں اب تک آپکی مصروفیات اور ضعف کیوجہ سے کچھ عرض کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ لیکن اب انکا اصرار کافی بڑھ گیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی! میں اس قابل کہاں۔ مزید فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے، آئندہ ہفتہ یا دو دن ناوقت مقرر کر لیں گے۔ لیکن افسوس کہ اس کے چار دن بعد ہی انتقال فرما گئے۔ کیا معلوم تھا کہ یہ روشن ستارہ اتنی جلدی رخصت ہو جائیگا۔ (ص ۱۴۵)

(۱۲) ”میری غلطیوں کو معاف فرمادیں“۔

ختم بخاری شریف کے موقع پر شرکاء دورہ حدیث کو آخری دن قیمتی نصائح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”میں اگرچہ عمر میں آپ سے بڑا ہوں، لیکن مرتبہ میں چھوٹا ہوں۔ آپ طالب علم

ہیں، میں تو دنیا دار آدمی ہوں، بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی انسان ہوں بشر ہوں، خطا ہو جاتی ہے، سب سے پہلے میں کھلے دل سے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائیں گے اور آپ کی جانب سے جو غلطیاں میرے حق میں ہوئی ہیں میں نے بھی انکو کھلے دل سے معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے۔

(یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے حضرت والا پر گریہ طاری ہو گیا)

سبکدوشی حاصل کرو۔ حضرات! پوری طرح سبکدوشی حاصل کرو اور اس مجلس سے اٹھنے کے بعد اپنے آپ کو پاک صاف کرلو۔ اس کی طرف خیال کرو۔ اعتدال پر قائم رہیں۔ اختلاف میں بھی اعتدال، مسلک میں بھی اعتدال۔ (اہل علم کی زندگی ص ۲۳۰)

داعی الی اللہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمہ اللہ کے واقعات

(۱) ”بھائی! میں گناہ گار اپنی اصلاح کے لیے کسی کی تلاش میں ہوں“:-

مولانا محمد عیسیٰ منصوری آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ ان چند افراد میں سے تھے جنہیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے دعوت کے کام کے لیے بطور نمونہ تیار کیا تھا۔ یعنی مولانا سعید احمد خان کی ہستی کو اس صدی کے سب سے بڑے داعی الی اللہ کا تراشا ہوا وہ ہیرا قرار دیا جاسکتا ہے جس نے تقریباً پون صدی تک دنیا میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی جھلک باقی رکھی۔

آپ نے حضرت مولانا جیسی ہستی کے زیر نگرانی روحانی تربیت اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ آپ کو متعدد اکابر کی طرف سے اجازت حاصل تھی مگر ہمیشہ خود کو بیعت کے مسئلہ میں پردہٴ خفا میں رکھا۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی بیعت کے لیے اصرار کرتا تو فرماتے: ”بھائی! میں گناہ گار اپنی اصلاح کے لیے کسی کی تلاش میں ہوں“۔ اور اس دور کے

دوسرے مشائخ کا نام لیکر فرماتے کہ ”فلاں کے پاس جاؤ ان شاء اللہ تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔“ اگر آپ دوسرے مشائخ کی طرح بیعت فرماتے تو اتنے کثیر لوگ آپ سے وابستہ ہو جاتے کہ دنیا میں کسی شیخ کے اتنے مرید نہ ہوتے تھے کیونکہ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ حرمین میں گزرا اور آپ دین کی نسبت سے دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔ ہر وقت آپ کے گرد عقیدت رکھنے والوں کا پر دانہ وارا اثر دھام ہوتا مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے زندگی میں بمشکل چند آدمیوں کو بیعت کیا۔ مولانا سے خصوصی تعلق و عقیدت رکھنے والے کتنے ہی افراد ہیں جو مہینوں تک بیعت کے لیے اصرار کرتے رہے مگر آپ نے انہیں دوسرے اکابر کی طرف بھیج دیا۔ (مولانا سعید احمد خان، شخصیت احوال اور دینی خدمات ص ۲۸)

(۲) ”سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل سکے گی؟“

حضرت مولانا کی تواضع اور کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے چھوٹے آدمی کی تنقید بھی قبول فرماتے۔ اس دور میں یہ چیز بالکل نایاب ہو گئی ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے لندن تبلیغی مرکز کے خصوصی کمرے میں بندہ ملاقات کے لیے پہنچا۔ دیکھا کہ مولانا کی پاکستانی جماعت کے رفقاء اور انگلینڈ کے متعدد اہل شوریٰ تشریف فرما ہیں اور کوئی چیز پڑھی جا رہی ہے۔ سنا تو پتہ چلا کہ کسی بیاض (کاپی) میں سے مبشرات پڑھے جا رہے ہیں یعنی کسی جماعت نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی، خواب میں حضرت مولانا کو حضور کے ہمراہ دیکھا وغیرہ وغیرہ چند منٹ بعد بندہ نے عرض کیا:

”حضرت! آپ کی مجلس میں اس طرح مبشرات سننا سنا مناسب نہیں، آپ یہ مبشرات بعض بزرگوں کے لیے، خلفاء کے لیے چھوڑ دیں یہ بزرگ الٹے سیدھے خواب دیکھتے ہیں اور انہیں چھاپ کر یہاں ہمیں ابتلا میں ڈالتے ہیں۔ سنا ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے دعا مانگی تھی ”اے اللہ! ہمارے اس کام کو مبشرات اور کرامات پہ مت چلانا“۔

یہ سننا تھا کہ اسی وقت حضرت مولانا نے بیاض بند کر دی۔ فرمایا: ”ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان

مبشرات سے دل کو تقویت پہنچتی ہے مگر یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے بلکہ زیادہ اہم ہے۔ اس سے کئی فتنے پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے عمومی طور پر مبشرات کے سننے سنانے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک بار انگلینڈ کے سالانہ اجتماع کے اختتام پر ڈیویز بری میں مختلف شہروں کی مساجد والی جماعتوں (روزانہ اڑھائی گھنٹے فارغ کرنے والے) احباب جمع تھے ان میں حضرت مولانا نے بیان شروع فرمایا کچھ دیر کے بعد فرمایا: ”ہمیں اپنی قربانی کی مقدار کو بڑھانا چاہیے روزانہ اڑھائی گھنٹے سے بڑھا کر آٹھ گھنٹے فارغ کرنے چاہئیں۔“ بندہ بیان کے درمیان بول پڑا: ”حضرت! یہ آپ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں، اگر ایک شخص روزانہ آٹھ گھنٹے فارغ کر لے، اس کے ساتھ عصر سے اشراق تک جمعرات کا اجتماع، مہینے کے تین دن، سال کا چلہ، جماعتوں کی نصرت یہ، سب ملا کر نصف سے زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ رہبانیت ہے۔“

ہم میں سے ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے اگر یہ واقعہ ہمارے ساتھ بھرے مجمع میں پیش آتا تو ہمارا کیا عمل ہوتا؟ بندہ کم از کم اپنی بات کہہ سکتا ہے کہ میرا نفس تو اسے برداشت نہ کرتا، نہ جانے کیا کہہ دیتا، مگر حضرت مولانا نے مجھ جیسے معمولی طالب علم کی بات توجہ سے سنی اور قبول فرمائی۔ بعد میں مجھے اپنے اس حماقت پر سخت ندامت و افسوس ہوا کہ مجھے یہ اشکال تنہائی میں عرض کرنا چاہیے تھا مگر واہ! مولانا سعید احمد خان، کیا بے نفسی کی انتہاء ہے کہ پورے سکون و بشاشت سے اشکال سن رہے ہیں اور قبول فرما رہے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ کیا مولانا کے بعد اس کی مثال مل گی؟

اس کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ۔

(بحوالہ بالا ص ۳۰)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے واقعات :-

آپ کے سوانح نگار مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

فنائیت و بے نفسی اور انکار ذات حضرت کی امتیازی صفت ہے۔ تمام ترکمالات اور جامعیت کے باوجود حضرت کی تواضع اور کسر نفسی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، حضرت نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا جو حال اس باب میں نقل کیا ہے وہ خود حضرت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو دین و دنیا کے اعزازات سے خوب نواز لیا لیکن حضرت نے کبھی ان کی نسبت اپنی طرف نہیں کی۔ اس کی سب سے بڑی مثال وہ واقعہ ہے جب حضرت کو خانہ کعبہ میں داخلہ کی پیشکش کی گئی تھی اور حضرت نے جس جس کو کہا اسکو داخلہ کی اجازت ملی تھی لیکن حضرت نے اسکو حضرت رائے پوری کی طرف منسوب فرمایا اور ”سوانح رائے پوری“ میں اس سلسلہ میں اپنا کوئی ذکر تک نہیں فرمایا۔ اس واقعہ کے بارے میں حضرت کا انداز بیان ملا خطہ ہو:

”اس سال کی خصوصیت جس کو الطاف خداوندی میں شمار کیا جاسکتا ہے جو ایک مقبول و مخلص بندہ کیوجہ سے نصیب ہوئی یہ تھی کہ شیمی صاحب (کلید بردار خانہ کعبہ) نے جن سے پہلے سے کوئی تعلقات نہ تھے، اس سفر کے ایک ہمراہی کو خود خانہ کعبہ کے داخلہ کی دعوت دی اور اسکی اجازت دی کہ جن لوگوں اور ہمراہیوں کو وہ ساتھ لانا چاہیں لائیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت کی ضیافت تھی۔ اس صلائے عام سے پورا فائدہ اٹھایا گیا اور نہ صرف اس قافلہ کے ہمراہیوں نے بلکہ بہت سے دوسرے احباب اور غیر متعلق ساتھیوں نے بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کسی ناجائز و مکروہ وسیلہ (بخشش وغیرہ) کو اختیار کئے یا کشمکش کے بغیر داخلہ کا شرف حاصل کیا اور اطمینان سے جوف کعبہ میں نوافل پڑھے، بعض ساتھی چونکہ رہ گئے تھے دوسرے دن شیمی صاحب نے ازراہ کرم دوبارہ اجازت دی اور انتظام کیا اور پھر حضرت کی معیت میں دوبارہ حاضری ہوئی۔ اور اطمینان سے نوافل و دعا کا موقع ملا اور اس

طرح سے ضعفاء اور نا اہل بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے۔

مورسہیں ہوتے داشت کہ در کعبہ رسد

دست بر پائے کبوتر و ناگاہ رسید

بعض رفقاء سفر و خدام جو اس سے پہلے بھی مکہ معظمہ حاضر ہوئے تھے اور اس کے بعد بھی متعدد بار ان کو یہ شرف حاصل ہوا۔ لیکن کبھی اس سہولت اور خوبی کے ساتھ داخلہ کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کو حضرت کے اس سفر کی برکت اور اللہ تعالیٰ کا انعام خصوصی سمجھتے ہیں۔

حضرت کے بعض متوسلین اپنے حالات و کیفیات اور ادارک کا تذکرہ کرتے لیکن حضرت صاف صاف فرمادیتے کہ ہمیں تو احساس نہیں ہوتا۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ محترمی صوفی انیس صاحب انہو نوی مرحوم نے مجلس میں حضرت ہی سے متعلق ایسی کوئی بات شروع کر دی تو حضرت کونا گوار ہوا اور حضرت نے فوراً ان کو منع فرمادیا۔ معاصر مشائخ و علماء کے ساتھ اس طرح معاملہ فرماتے جیسے مشائخ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان سے خاندانی نسبت رکھنے والوں اور چھوٹوں کے ساتھ بھی بڑا کرام کا معاملہ فرماتے، خود اس ناکارہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک معاصر شیخ کی وفات کے بعد جب ان کے صاحبزادے حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے آئے تو حضرت نے ان کو باصرہ اپنی مسند پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ چھوٹوں کے سامنے بھی پاؤں دراز کرنا پسند نہیں تھا، سخت تکلیف اور ضعف کے زمانہ میں بھی اس کا خیال رہتا تھا مجبوراً اگر ایسا کرنا پڑتا تو حاضرین مجلس سے معذرت فرماتے۔

ساری عمر شاید ہی کسی نے حضرت کو چہار زانو بیٹھے دیکھا ہو، چالیس چالیس سال تک خدمت کرنے والے اس کے گواہ ہیں کہ حضرت کو اس طرح نشست کے ساتھ کسی نے نہیں دیکھا۔

بزرگوں کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتے، کئی کئی گھنٹہ بھی نشست ہوئی تو بھی پہلو بدلتے لوگوں نے نہیں دیکھا۔ معاصر مشائخ میں سے کوئی جاتا تو بھی مجلس میں دوزانو ہی تشریف فرما رہتے۔ ضعف اور ٹانگوں کی تکلیف کے باوجود اخیر تک اس وضع میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اللہ جل شانہ کے دربار میں ہمیشہ اپنی عاجزی و احتیاج مستحضر رہتی اور بڑے درد کے ساتھ زبان مبارک سے ”مولای انسی الی فضلک لفقیر“ فرماتے رہتے، صاف محسوس ہوتا تھا کہ یہ صرف قال نہیں بلکہ حال دل ہے جو بے ساختہ زبان پر آ جاتا ہے، حسن اعمال اور حسن کردار کے ساتھ ہمیشہ حسن خاتمہ کی فکر رہی، دعاؤں میں اسکا خاص خیال رہتا، اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا کس طرح پوری فرمائی اس کا کچھ تذکرہ وفات کے باب میں آچکا ہے، اور ”وہاں“ اللہ تعالیٰ نے کس کس طرح نوازا ہوگا یہ اللہ ہی کو معلوم ہے ارشاد ربانی ہے ”وان یس للانسان الاماسعی وان سعیه سوف یریئ ثم یجز الجزاء الاوفی“ کہ بے شک انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کیا، اپنی کوشش (کا نتیجہ) وہ عنقریب دیکھے گا، پھر اسکو بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ (سوانح مفکر اسلام ص ۵۵۰ تا ۵۵۳)

(۲) لباس اور کھانے میں سادگی کا حال :-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم خان اللہ صاحب زید مجدہم اپنے اصلاحی بیان میں ارشاد فرماتے ہیں:

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے امتیازات سے سرفراز فرمایا، ان کے خصائص اور صفات کسی ایک فرد کے اندر جمع ہونا بہت مشکل ہے، میں ایک مرتبہ ایک مہینے تک ان کے پاس رہا ہوں اور وہاں میں نے ایک عجیب بات دیکھی جو مجھے متاثر کرتی رہی وہ یہ بات تھی کہ ان کے ہاں قطعاً نہ لباس کے بارے میں اہتمام تھا اور نہ خوارک کے بارے میں، ایک مہینے کا عرصہ اچھا خاصا ہوتا ہے، میں انکے گھر پر بھی دس دن رہا ہوں اور بیس دن انکے ساتھ ندوۃ العلماء میں رہا، ہر جگہ میں نے یہی دیکھا کہ انکے ہاں خوارک میں اور پوشاک میں کوئی اہتمام نہیں تھا۔

حضرت مولانا ایک مرتبہ مصر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو انکا لباس ایک مختصر سا پاجامہ اور ایک مختصر سا کرتہ تھا اور ایک کالے رنگ کی مختصر سی راپوری ٹوپی تھی۔ قمیص انکی بہت سادہ ہوتی تھی، مولانا فرماتے تھے کہ میرے لباس کی قیمت ایک روزے کے فدیہ سے زیادہ نہیں تھی تو مصری علماء نے مجھے اس لباس میں دیکھ کر بہت تعجب کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں اور اتنے بڑے مورخ اور ادیب ہیں اور آپ کا یہ لباس! مثل تو مشہور ہے کہ ”الاناس باللباس“ یعنی لوگوں کی شان لباس کے ساتھ قائم ہے لیکن مولانا نے فرمایا کہ اصل سنت تو یہی ہے کہ لباس میں سادگی ہو اور اسمیں دین کی حفاظت بھی ہے ”رسول اکرم ﷺ کے ہاں لباس کے سلسلے میں کوئی خصوصی اہتمام قطعاً نہیں ہوتا تھا، حد جواز میں جو چیز بھی سامنے آجائے اس کو استعمال کر لیا جاتا۔“

تو بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ ہمارا ذوق، وہ تو بالکل ہی مختلف ہے۔ فلاں قسم کا کپڑا پہنا جائے گا اور فلاں درزی سے سلائی ہوگی، فلاں تراش اور خراش اور وضع ہوگی تب ہم اس کو استعمال کریں گے۔ اور یہی حال ہمارے دوسرے معاملات کا بھی ہے کہ ہم مباحات میں انہماک رکھتے ہیں۔ (مجالس علم، ذکر، جلد (۲) ص ۲۵)

جامع شریعت و طریقت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے واقعات :-
(۱) امتیازی شان کو ناپسند کرنا :-

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب آپ کے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں :
حضرت ڈاکٹر صاحب کسی معاملہ میں اپنا امتیاز پسند نہ فرماتے تھے، عام لوگوں میں گھلا ملا رہنے کو پسند فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ کوئی ایسا طرز اختیار نہ کیا جائے جس سے اپنا امتیاز معلوم ہو۔ اسی طرح دینی خدمت کرنے کے عادی تھے، کبھی اپنے دینی پروگرام کا اشتہار نہ دیتے تھے، کئی احباب کہتے کہ اگر ایک اشتہار شائع کر دیا جائے تو لوگوں کو سہولت رہیگی مگر حضرت کی طبیعت اس پر آمادہ نہ ہوتی۔ حضرت تھانویؒ کا یہ معقولہ نقل فرماتے کہ ”کام تو سب ہوں مگر نام نہ ہو“۔

حسرت اس کو بھی پسند نہ فرماتے کہ لوگوں کے ملنے کے لئے ملاقات کا وقت مقرر کیا جائے۔ کئی احباب نے عرض کیا کہ بے وقت کے مہمانوں سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے وقت مقرر فرمادیں مگر حضرت کی متواضع طبیعت نے اس کو پسند نہیں کیا، بالکل آخر میں جب امراض اور عوارض نے گھیر لیا پھر خدام نے ملاقات کے لئے وقت مقرر کر دیا۔ (اصلاحی مضامین

ص ۲۲۱)

(۲) حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی تواضع:-

حضرت میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ہر ملنے والے کو تواضع اور ہنستے چہرے کے ساتھ ملتے تھے۔ جس کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ یہ عالم ہے تو ان سے بڑے ادب سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ علماء حضرات کو ”آپ یا تم“ کے لفظ سے خطاب نہیں فرماتے تھے بلکہ جناب کا لفظ فرماتے مثلاً ”جناب کی ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی“ وغیرہ۔

بندہ تو بالکل ناکارہ اور کسی کام کا نہیں ہے، جب حضرت مجھے خط لکھتے تو لفافے پر بندہ کے نام کیساتھ القاب ذکر فرماتے اکثر ”بخدمت بزرگوارم“ ”مکرمی“ ”محترمی“ اور ”حضرت“ کے الفاظ لکھتے۔ بندہ جب سکھر میں بیان کرتا تو شروع شروع میں ہر بیان میں تشریف لاتے اور بندہ کا بیان اپنے قلم سے اپنی کاپی میں لکھتے اور بعد میں اس کو صاف فرمالیتے، اگر پوچھنے کی کوئی چیز ہوتی تو استفسار فرمالیتے، حالانکہ اس مجلس میں حضرت کے عقیدت مند اور مرید موجود ہوتے تھے، حضرت کبھی یہ خیال نہ فرماتے تھے کہ مرید کیا سمجھیں گے، بندہ تو کچھ نہ تھا مگر حضرت باہر سے آنے والے ایک عالم کی قدردانی سکھانا چاہتے تھے کہ جب میں ان کے مضامین کو لکھ رہا ہوں تو دوسروں کو بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ (ایضاً ص ۲۲۳)

(۳) تواضع اور طلب:-

جب کبھی بیان فرماتے اور کوئی عالم وعظ میں موجود ہوتے تو وعظ کے بعد یہ ضرور فرماتے کہ ”اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو بتا دیجئے“ اور کبھی یوں فرماتے میں جاہل آدمی ہوں

غلطیاں ہو جاتی ہوں گی بتا دیجیئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اگرچہ اصطلاحی عالم نہ تھے مگر حقائق و معارف مسائل و فضائل پر ان کی نظر وسیع تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ اور دیگر کتابوں پر بہت عبور تھا، مطالعہ کا خاص ذوق تھا ایک عالم نے کہا اور صحیح کہا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ وقت کے حاجی امداد اللہ صاحبؒ تھے۔ حضرت تھانویؒ کے مسلک و مشرب پر نہایت تصلب سے قائم تھے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی تاکید فرماتے۔ نئے نئے ذوق اور طریقے ان کو پسند نہ تھے وہ اپنے اکابر کے طریقے کو پسند فرماتے اور اس پر جمے رہتے اگرچہ نئے ذوق والوں سے الجھتے نہ تھے۔

(ایضاً ص ۲۶۶)

(۴) اعتراف قصور:-

جب بیان فرماتے تو کاپی یا ارشادات والا کاغذ سامنے رکھ لیتے۔ اس پر کبھی معمولی سی نظر ڈال لیتے اور حاضرین پر بہت کم نظر ڈالتے، ویسے آپ کو ضرورت نہ تھی کہ بیان کے وقت کوئی کاپی یا تحریر شدہ نوٹ سامنے رکھیں کیونکہ آپ کو مضامین کا بہت استحضار تھا اور بہت سے مضامین بار بار بیان کئے ہوئے تھے مگر یہ حضرت کی تواضع تھی کہ آپ عالمانہ شان دکھانا پسند نہ فرماتے اور اپنے آپ کو ایک عامیانہ روپ میں ظاہر کرتے، بعض اوقات ناواقف آدمی سمجھتا کہ وعظ میں کوئی تحریر پڑھ رہے ہیں، بندہ یاد گیر محبین جب کبھی اس کا اظہار کرتے کہ آج تو آپ نے عجیب بیان فرمایا، بہت ہی لاجواب اور موثر مضمون تھا تو تواضعاً فرماتے کہ ”اس میں ہمارا کچھ نہیں ہم تو صرف ناقل ہیں“، یعنی علماء صلحاء کی کتب سے نقل کئے ہوئے مضامین ہیں۔

حضرت قصداً خطیبانہ اور مقررانہ طرز سے احتراز کرتے، سادہ طریقے سے بیان فرماتے اور اسی کو زیادہ موثر سمجھتے، اگر چاہتے تو بلند آواز سے جوش خطابت کے ساتھ تقریر فرما سکتے تھے، مگر اس سے احتراز فرماتے۔ وعظ میں کوئی عالم ہوتا تو وعظ کے بعد اس سے اصرار کرتے کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو بتا دیں، اگر کوئی غلطی بتاتا تو بہت شکر یہ ادا کرتے۔ غلطی کے بارے میں فرماتے کہ جب کوئی شخص غلطی بتائے تو مان لینا چاہیے اگرچہ غلطی نہ ہو، اس کا فائدہ یہ ہو

گا کہ آئندہ غلطی بتائے گا، اگر نہ مانو گے تو آئندہ نہ بتائے گا۔ (ماہنامہ محاسن اسلام ملتان خصوصی شمارہ ص ۴۰)

(۵) گھریلو کام کاج میں گھر والوں کے ساتھ شرکت :-

آپ کی پوتی بنت ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتی ہیں:

امی جان بتاتی ہیں کہ اباجی ہر کسی کا بہت خیال کرتے تھے۔ اگر گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو اس کے دوا، علاج، آرام اور ہر طرح کا خیال کرتے، امی جان بتاتی ہیں کہ ایک دفعہ گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے وہ چلے گئے، میں برتن دھو رہی تھی اباجی آئے فرمانے لگے ”آپ برتن چھوڑ دیں کوئی اور کام کر لیں میں برتن دھولوں گا“۔ امی جان کہتی ہیں میں نے دو تین دفعہ اباجی سے کہا آپ نہ دھوئیں میں دھولوں گی۔ پھر فرمانے لگے ”اچھا آپ جالی لگائیں میں دھوتا جاتا ہوں“۔ اس طرح سارے برتن دھلوائے۔

اسی طرح ایک مہمان آئے پھر وہ کھانا کھا کر چلے گئے میں باورچی خانے سے برتن سمیٹ رہی تھی، اباجی اپنے کمرے میں لیٹ گئے تھے، تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آئے، جو برتن میں نے سمیٹے ہوئے تھے وہ اٹھا کر باہر کھرے میں بیٹھ کر دھونے لگے، امی جان کہتی ہیں میں نے دو دفعہ کہا زیادہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ رہنے دیں، اباجی فرمانے لگے ”کوئی بات نہیں آپ باورچی خانہ نہ صاف کریں میں دھولیتا ہوں“، پھر سارے برتن دھوئے۔ امی جان کہتی ہیں میں نے صبح دادی جان سے کہارات اباجی نے برتن دھوئے تھے مجھے بہت شرم آرہی تھی، دادی جان نے یہ بات اباجی کو بتائی، اباجی فرمانے لگے ”میں لیٹ گیا تھا، مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ اکیلی کام کر رہی ہوگی، اس وجہ سے مجھے نیند نہیں آرہی تھی پھر میں اٹھ کر باہر چلا گیا، ویسے بھی بہوؤں پر حق نہیں، وہ کر دیں تو انکی مہربانی ہے، انکی طبیعت خراب ہے مجھے ترس آتا ہے“۔ اس طرح کے کئی واقعات امی جان بتاتی ہیں کہ جب میری طبیعت خراب ہوتی تو کپڑے دھلوانے میں بھی مدد دیتے تھے۔ (حوالہ بالا ص ۷۴)

(۶) ”بھائی! جس نے انڈے پراٹھے کھائے ہوں وہ دال روٹی پر کیا گزارہ

کرے گا؟“

آپ کے مسٹر شد ڈاکٹر رشید الدین صاحب (نواب شاہ) رقمطراز ہیں:
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احقر کے محسن خاص ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب کی راہنمائی سے احقر کی بیعت و اصلاح کا تعلق ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ سے ہو گیا جو انکی وفات تک قائم رہا، انکی رحلت کے بعد حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اصلاحی تعلق کی درخواست کی تو حضرت والا نے فرمایا:

”بھائی! جس نے انڈے پر اٹھے کھائے ہوں وہ دال روٹی پر کیا گزارہ کرے گا؟“
(حضرت نے ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ سے تعلق کو انڈے پر اٹھے اور اپنے تعلق کو بطور تواضع دال روٹی سے تعبیر کیا) اور یہ بھی فرمایا کہ ”ہم ڈھول کا پول ہیں“۔ یہ بھی حضرت والا کی تواضع تھی، لیکن احقر نے عرض کیا کہ بندہ حاضر خدمت ہو گیا ہے تو فرمانے لگے ہاں بھائی! ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے خادم بنا دیا ہے اس لیے میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔“ (ص ۱۱۰)

(۷) ”یوں کیوں نہیں کہتے کہ میری نحوست سے دوسرے خیمے جل گئے۔“
آپ کے خادم حاجی مسعود احمد بھٹہ آپ کی معیت میں کئے ہوئے حج کی روئداد میں لکھتے ہیں:
جب قربانی کا وقت آیا تو تمام مردروانہ ہوئے اور منی کے کمپ میں صرف خواتین رہ گئیں اور مردوں کے کمپ میں صرف حضرت والا رہ گئے کیونکہ آپ ضعیف تھے اور چلنے میں دقت محسوس ہوتی تھی، ہم لوگ قربانی سے واپس آئے تو دیکھا کہ تمام احاطہ میں آگ لگی ہوئی ہے، مگر آگ ہمارے خیموں کے پاس آ کر رک گئی تھی اور ہمارا سامان وغیرہ سب کچھ محفوظ تھا، ہم سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، میں نے حضرت سے عرض کی کہ آپ کی برکت سے ہمارے خیموں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا، چونکہ حضرت کو اپنی تعریف پسند نہیں تھی اس لئے فوراً فرمایا:

”یوں کیوں نہیں کہتے کہ میرے نحوست سے دوسرے خیمے جل گئے۔“

مجھے احساس ہوا کہ میں نے حضرت کے منہ پر تعریف کر کے سخت غلطی کی۔ (ص ۱۲۰)
 حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے واقعات :-
 (۱) ”وہ حسد اور معاشرت کی بیماری سے پاک تھے۔“

مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف صرف ان کی ایک خوبی کا ذکر کرنا چاہتا ہے جو میرے نزدیک تمام خوبیوں پر
 غالب ہے وہ ہے ”حسد اور معاشرت“ کی بیماری سے پاک ہونا۔
 ان کا سینہ حسد اور کینہ سے بالکل پاک تھا۔ حسد انسانوں کی وہ بیماری ہے جس میں نبی آدم
 مبتلا ہوئے اور اسی حسد کی بیماری کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے
 حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ مشہور مقولہ ہے المعاصرة قنطرة المنافرة۔“

سلف میں بڑے بڑے لوگ اس مرض کا شکار رہے ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے شیخ
 حضرت بنوریؒ سے مسلم شریف جلد اول پڑھتے ہوئے جب امام مسلم کے امام بخاری کے
 متعلق الفاظ بعض ”منتحل الحدیث“ آئے تو حضرت بنوریؒ نے اس پر ایک تقریر فرمائی کہ
 میں بڑی مدت تک پریشان رہا اور سوچ بچار کرتا رہا کہ اتنے بڑے محدث اور بزرگ بھی اس
 مرض میں مبتلا ہو گئے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ مدت بعد سمجھ میں آیا کہ شیطان ان بزرگوں سے
 کوئی بڑا قبیح گناہ، یعنی شراب نوشی، زنا وغیرہ تو کر انہیں سکتا، اور وہ حضرات ساری زندگی
 دین کی خدمت میں گزار دیتے ہیں، تو شیطان ان سے یہ (معاشرت والا) گناہ سرزد
 کر دیتا ہے تاکہ قیامت کے روز واللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے فخر سے سر
 بلند نہ کر سکیں اور معاشرت کے قصور کی وجہ سے وہ اس روز خدا تعالیٰ کے سامنے سرنگوں
 ہوں۔

معاشرت کی بیماری سے اگر کوئی محفوظ ہے تو میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی ولایت
 یہی ہے۔ اس لحاظ سے راقم الحروف مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کو وقت کا ولی کامل سمجھتا
 ہے، بندہ ناچیز بھی چونکہ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرتا ہے اور کسی حد تک حضرت شہیدؒ سے

معاصرت کی نسبت رہی ہے، لیکن مولانا موصوف جہاں بھی میرا ذکر کرتے انتہائی احترام کے ساتھ عموماً ”مخدوم و مکرم“ کے خطاب سے ذکر کرتے۔ حالانکہ بندہ ناچیز ان کا استاد تھانہ ہی پیر و مرشد، بندہ انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کا مرکزی جنرل سیکریٹری ہے، جبکہ مولانا موصوف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور ترجمان تھے، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی حریف سمجھتی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میری کتاب ”رد قادیانیت کے زریں اصول“ پر مولانا لدھیانوی شہیدؒ نے جو تقریظ لکھی تھی وہ ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے ایک ہم عصر کے لئے کس وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔

تقریظ کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

”میرے مخدوم و مکرم جناب مولانا منظور احمد چنیوٹی دامت برکاتہم نے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا مقصد و حید بنا لیا اور ”لکل فرعون موسیٰ“ کے مطابق انہوں نے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ زیر نظر کتاب مولانا زید مجدہم کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اہل علم کو املا کرائے تھے، بعد میں ان کو کیسٹ سے اتار لیا گیا۔ راقم الحروف نے اس کتاب کو (جو دارالعلوم نے راقم الحروف کو بھیجی تھی) حرفا حرفا پڑھا اور جناب مصنف کے لئے دل سے دعائیں نکلیں، اللہ تعالیٰ ان کو سعادتیں اور برکتیں نصیب فرمائے۔ آمین“

مولانا کی یہ خوبی ان کی سب خوبیوں پر غالب ہے جو اکثر لوگوں کی نظر میں نہیں ہوگی۔ بہت کم لوگ معاصرت کے مرض سے محفوظ ہوتے ہیں، یہی ان کی ولایت اور عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے۔

(حسرت لدھیانوی نمبر ۱۶۷)

(۲) ”ایسے نہیں، بلکہ یہ سند میرے نام پر کر کے دیدیں۔“

آپ کے خلیفہ، مجاز حضرت مولانا قاری محمد طاہر مدنی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مجھے تو بالخصوص قدم قدم پر جو خصوصی وصف حضرت اقدس کا یاد آتا ہے وہ آپ کی فنائیت،

تواضع اور منکسر المزاجی ہے۔ اس کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، احقر نے جب سے مدینہ پاک کی ہجرت اختیار کی ہے، مدینہ منورہ میں قیام پذیر مختلف ممالک کے حفاظ و قراء روایت حفص یاد گیر روایات

وقراءات کے مطابق قرآن پاک سنا کر بالخصوص سند متصل بالحضرة النبویہ ﷺ کا مجھ سے مطالبہ کرتے تھے، ان حضرات کے اصرار پر ناچیز نے بروایت حفص عربی میں ایک سند مرتب کر کے طبع کرائی ہوئی ہے، ایک موقع پر احقر نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میں آنجناب کے صاحبزادے کو ایک سند ساتھ دیدیتا ہوں، اس پر بلحاظ عربیت آپ بعد میں نظر فرما کر اصلاح فرما دیں، ارشاد فرمایا کہ ایسے نہیں بلکہ یہ سند میرے نام پر پر کر کے دیدیں، ناچیز نے حصول ادعیہ و رضا قلبی کا ذریعہ اپنے لئے باعث اعزاز تصور کرتے ہوئے حسب ارشاد اعزازی سند پر کر کے پیش خدمت کر دی۔ (ایضاً ص ۱۷۷)

(۳) انتہاء درجہ کی کسر نفسی :-

مولانا مرغوب احمد لاچپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں :

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے انہیں (اپنے تمام کمالات کے باوصف) اپنا وجود بیچ در بیچ نظر آتا ہے، یہی عقیدت و فنایت کا وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں :

”تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں۔“

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اسی معراج کمال پر فائز فرمایا تھا، آپ انتہائی تواضع کے حامل تھے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

”یہ ناکارہ آنحضرت خاتم النبیین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ ترین اور نالائق ترین امتی ہے اور اپنی روسیاهی و نالائقی میں پوری امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوة و سلام) میں شاید سب سے بڑھ کر ہے۔“

اپنی تالیف ”حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور ان کے خلفاء کرام“ میں تحریر فرماتے ہیں :

”(اللہ تعالیٰ نے) حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے اس روسیاء کا تعلق استوار کر دیا، ورنہ میری نالائق و گندگی اور روسیاء ہی تو حضرت کے متسبین میں شمار کئے جانے سے بھی مانع تھی اور بے
 “ (ج ۱ ص ۳۱) (ص ۲۹۵)

(۴) ”ہاں بھائی! وہ سچ کہتے ہیں، میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ“۔
 دشمنان اسلام آپ کو گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرماتے تھے کہ عقیدت مندوں کی تعریف و توصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی تو وہ بحمد اللہ اس سے صاف ہو گئی۔
 حضرت کو ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے کسی بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی باقاعدہ مفتی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ”وہ نہ باقاعدہ“، مفتی ہیں نہ بے قاعدہ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ”ہاں بھائی وہ سچ کہتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ“۔ (صبر و تحمل کی روشن مثالیں ص ۱۴۸)
 (۵) ”عجز و انکسار، تواضع و للہیت پر مبنی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے نام ایک مکتوب“۔
 بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدی حضرت الشیخ الامام دامت فیوضہم و برکاتہم العالیہ السلام علیکم رحمۃ اللہ

و برکاتہ

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھ دیں۔ مگر جب بھی اس کا قصد کیا مجھوب ہو کر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں۔ قرآن کریم حدیث نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرت والا نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے بحمد اللہ وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔ اذان فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی استغفار، درود شریف، تسبیحات فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت

کرتا ہوں۔ الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے قلب مشغول بحق نہیں۔ بلکہ افکار پریشاں اور خطرات و وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ حضرت والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربط قلب ہونا چاہیے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا۔ الحمد للہ پنج وقتہ نمازوں کے بعد حضرت والا کے لئے ایصالِ ثواب اور دعاء ترقی درجات التزما کرتا ہوں، کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے سے بھی ناگوار نہیں ہوتا۔

حضرت! یہ ناکارہ دور افتادہ بھی ہے اور بد استعداد بھی اور حضرت والا کی توجہات عالیہ اور مراحم خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائق رحم ہے۔

حضرت والا اس ناکارہ کے مناسب حال جو بدایت فرما کینگے انشاء اللہ ان پر بجان و دل عمل کرونگا۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و فضل سے حضرت اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے اور فیوض و برکات میں اعضا غافلاً مضاعفہ اضافہ فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۴۰۰/۳/۲۹ھ

۱۹۸۰/۲/۱۷

(ماخوذ از بیانات شہید اسلام نمبر ص ۸۹۲)

امین ملت حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے واقعات :-

(۱) تواضع اور انکسار کا پیکر :-

مولانا محمد سعد صاحب (کبیر والا) آپ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں :

مناظر اسلام ترجمان احناف میں ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی یوں تو بہت سے کمالات و صفات سے موصوف تھے لیکن بے نفسی و فروتنی کا وصف خاص تھا۔ وہ طبعاً منکسر المزاج اور انتہائی متواضع انسان تھے وہ ایک بلند پایہ مناظر محقق نقاد کے ساتھ ساتھ بے حد سادہ اور فنائیت میں کامل تھے۔ آپ کے دیکھنے والوں کی اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ آپ مجز و انکسار کے مرقع تھے اور اپنے اس خصوصی وصف میں سلف صالحین کی یادگار تھے ہر ادا سادگی و مسکنت میں ڈوبی ہوئی اور اظہار انا سے بہت بچی ہوئی تھی رفتار و گفتار نشست و برخاست طرز و انداز میں یہ وصف بہت نمایاں تھا۔ اپنے چھوٹوں بالخصوص طلباء کے ساتھ متواضعانہ طرز عمل تھا اور جب دیگر علماء، مشائخ کرام سے ملتے تو ان کے سامنے سر اپا تواضع بن جاتے۔ ان کا نہایت درجہ احترام اور ادب فرماتے تھے بلکہ کبھی تو ان کے سامنے طالب علمانہ طریقے سے دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ تواضع رسماً نہ تھی بلکہ واقعیت کے ساتھ اندر موجود تھی۔ آپ کی طبیعت میں تعصب کا نام و نشان نہیں تھا شہرت و ناموری کا جذبہ جیسے آپ کی طبیعت میں پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ کبھی کوئی نمایاں لباس زیب تن نہیں فرماتے تھے بلکہ سادہ زندگی اور سادہ طریق ہر معاملے میں رکھتے تھے۔ جو حضرات آپ سے صرف نام کی حد تک متعارف ہوتے وہ آپ کو دیکھنے سے پہلے آپ کا جو تصور ذہن میں بسا لیتے وہ آپ کو دیکھنے کے وقت آپ کو اپنی اس خیالی صورت اور رفع قطع سے بالکل مختلف پاتے کیونکہ وہ آپ کی جو ہر شناس علمی شخصیت اور آپ کی مناظرانہ صلاحتیوں کی غیر معمولی شہرت سن کر آپ کی ظاہری صورت اور وضع قطع کو تصنع سے آراستہ خیال کرتے لیکن جب انہیں آپ کی اصلی صورت دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو وہ دنگ رہ جاتے اور ان کا ذہن یہ ماننے کے

لئے تیار نہ ہوتا کہ یہ وہی عظیم المنزلت شخصیت ہیں جو مسلک علماء دیوبند اہل سنت کے عظیم مناظر کے نام سے شہرت اور مقبولیت کی سند پا چکے ہیں۔ آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ عام سی سواری اور سائیکل کی سواری فرمانے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ کئی مرتبہ کسی مناظرے میں جانا ہوتا تو سائیکل پر پیدل چلے جاتے۔ آخر عمر تک سردی کی شدت اور گرمیوں کی تپش سے بے نیاز ہو کر دور دور کے بلاد و امصار تک بکثرت سفر فرماتے رہے ہیں۔ باطل عقائد و نظریات کی سرکوبی کے لئے ہر دم سینہ سپر رہتے۔ جلسوں اور مناظروں پر بھی کسی قسم کی شان بنانے کا معمول نہ تھا۔ نہ قافلہ بندی کی صورت میں، نہ عمدہ لباس میں، نہ رہنے سہنے میں کروفر ہوتا۔ اور نہ کتابوں کا ہنڈل ساتھ لاتے بلکہ رخت سفر صرف ایک سادہ سا تھیلا ہوتا تھا جس میں چند کتابیں رہتی تھیں۔

بہت مرتبہ رفیق سفر کا بھی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ راقم نے پچشم خود ایک سے زیادہ مرتبہ ملتان لاری اڈے پر آپ کو اکیلے وگین پر سوار ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے آپ کی تواضع کس نفسی اور غایت عہدیت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اسی تواضع کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے آپ کے اندر ایسی صلاحیتیں بھری تھیں کہ آپ ہمیشہ مناظرے کے میدان میں فریق مخالف پر غالب رہتے اور علماء حق کے گروہ میں قابل فخر شخصیت بنے اور دیکھے جاتے تھے۔ اور آپ کی شخصیت بڑے بڑے علماء کی منظور نظر تھی۔ حسب موقع وہ آپ سے اعداء سلف صالحین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی طلب فرماتے مگر آپ باوجود علمی تفوق اور وسیع المطالعہ کے تواضع سے دیگر علماء کے سامنے اپنا کوئی درجہ نہیں سمجھتے تھے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات آپ کی سادگی اور مقام فتائیت کے مؤید ہیں۔

(ماہنامہ ”الخیبر“ مناظر اسلام نمبر ص ۵۸۰)

(۲) پروقا سادگی :-

شیخ الحدیث حضرت مولانا منیر احمد صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں :

حضرت مولانا اوکاڑوی اتنے سادہ مزاج اور کشادہ طبیعت واقع ہوئے تھے کہ تکلفات سے

دور نام و نمود کی ظاہری شان و شوکت سے کوسوں دور حضرت نے کسی بڑے سے بڑے پروگرام پر جانا ہوتا یا کسی بڑے اجلاس میں تب بھی دھلے کپڑے بغیر استری کے پہن کر چل پڑتے، جوتی بھی کسی دوسرے نے پالش کر دی تو ٹھیک ورنہ جس حالات میں ہے ٹھیک ہے۔ اور اگر طویل سفر ہوتا تو کپڑے کے تھیلے میں ایک دو جوڑے کپڑے کے ساتھ لے لیتے۔ نہ خادم کی ضرورت نہ تھیلا اٹھانے والے کی ضرورت: حضرت کو پیشاب کی تکلیف کا عارضہ تھا اگر پیشاب میں دیر ہو جاتی تو بعض مرتبہ گردوں کی تکلیف شروع ہو جاتی بلڈ پریش، گھنٹوں میں درد اور دائمی نزلہ، زکام، بھی تھا اس کے باوجود بھی آپ ہمیشہ ویکنوں اور بسوں میں سفر کرتے، آپ داعی حضرات کے سامنے نہ اپنی اس تکلیف کا اظہار کرتے نہ کار موٹر کی شرط لگاتے بلکہ کئی دفعہ فرمایا، ہمیں دعوت دینے والے غریب لوگ ہوتے ہیں، ان پر کار کا بوجھ ڈالنا طبیعت گوارہ نہیں کرتی، آپ نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ اشتہار میں میرا نام کس انداز سے اور کن القاب سے لکھا گیا ہے نہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ لوگ میرا استقبال کرنے کے لئے آئیں اور مجھے جلوس کی شکل میں شایان شان طریقہ سے لیجائیں، نہ کوئی خاص رہائش کا مطالبہ ہوتا نہ کسی خاص کھانے کا، جیسا بھی کھانا مل گیا حسب منشاء وہی کھالیا، رہائش کا کمرہ دیکھو تو بستر بڑا سادہ برتن بقدر ضرورت، نمائش نام کی کوئی چیز نہیں بس کمرہ میں آپ ہیں کتابیں ہیں اور کاغذ ہے اور قلم ہے اور آپ ہمہ وقت مطالعہ میں اور لکھنے میں مصروف آپ نمائشی چیزوں سے خوش ہونے کے بجائے کتابوں سے خوش رہتے، ان کو مطالعہ اور لکھنے پڑھنے سے فرصت ہی کہاں تھی، جو آپ اپنی آرائش و زیبائش کی طرف توجہ دیتے بلکہ آپ اپنے طلبہ کے لئے نمود و نمائش کے تکلفات کو ناپسند کرتے، اگر کوئی ایسا کرتا تو آپ دبے لفظوں میں اور مزاح کے انداز میں اس کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتے، جب تک مولانا اوکاڑوی کو نہ دیکھا تھا میرے دل، دماغ پر بچپن سے مولانا محمد علی جالندھریؒ پر وقار پر عظمت سادگی کے اعتبار سے چھائے ہوئے تھے لیکن جب میں نے مولانا اوکاڑویؒ کو دیکھا تو مولانا جالندھریؒ کا عکس نظر آئے، مولانا جالندھریؒ کی طرح آپ

میں سادگی ہے مگر پروقار، خوش مزاجی ہے لیکن با مقصد، بے تکلفی ہے لیکن سنجیدہ، علمی اور گہری بات ہے مگر انداز بیان عام فہم اور سادہ۔
(ایضاً ص ۱۹۰)

(۳) ”وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنادیتے تھے:-

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدیر ماہنامہ ”الخیر“ تحریر فرماتے ہیں:
مولانا مرحوم علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور غیر معمولی زہانت و ذکاوت کے باوجود مجسمہ انکسار تھے اس تواضع اور بے نفسی کا اندازہ ان کی سادگی، بے تکلفی، محنت بھر گشتگو اور خوش مذاقی سے بآسانی ہو جاتا تھا۔ احقر نے ایک مرتبہ ”الخیر“ کے ناظم مولوی فیاض احمد صاحب سلمہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ”میں حاضر خدمت ہونا چاہتا ہوں“ تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھ کر انتہاء نہ رہی کہ حضرت مولانا بنفس نفیس دفتر ”الخیر“ میں چلے آ رہے ہیں مجھے انتہائی ندامت و شرمندگی ہوئی اور یہ احساس ہوا کہ پیغام بھیجنے سے بہتر حاضر ہو جانا ہی تھا، تاکہ حضرت مولانا کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ احقر کی حیثیت مولانا کے شاگردوں سے بھی کم تر ہے۔ یہ ان کی محبت و شرافت، مروت و اخلاق اور تواضع و بے نفسی کا کمال تھا کہ وہ چھوٹوں کو بھی بڑا بنادیتے تھے۔
(ص ۲۶۲)

(۴) ”میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں۔“

مولانا فیاض احمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک دن سفر سے واپسی کے بعد جو میرا مولانا کی معیت میں سوا تھا فرمانے لگے آئندہ تجھے ساتھ نہیں لے چلوں گا۔ اس لیے میرے ساتھ تو وہ چلے کہ میں اس کی جوتیاں سیدھی کروں جبکہ تو میری جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔
(ص ۲۷۵)

(۵) سادہ اور بے تکلف زندگی:-

مولانا نعیم الدین صاحب لاہور) تحریر فرماتے ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”البذاذۃ من الایمان“، سادگی ایمان کا حصہ ہے، ارشاد مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم مولانا کا ڈوی مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ

سادگی کا مرقع نظر آتی ہے۔ آپ کے لباس و پوشاک میں سادگی، سفر و حضر اور نشست و برخاست میں سادگی، تقریر و تحریر میں سادگی الغرض آپ کی ہر چیز اور ہر بات سادگی کا آئینہ دار تھی۔ باوجودیکہ قدرت نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ہر جگہ و ہر طبقہ میں آپ کا اثر تھا لیکن اس کے باوجود آپ میں سادگی اور مسکنت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپ سے ناواقف آدمی کے لئے آپ کو عالم و مناظر سمجھنا مشکل تھا۔

ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے راقم سے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کراچی کے ایک بڑے مدرسہ میں گیا وہاں میرے ایک شاگرد مدرس تھے انہوں نے اس مدرسے کے ایک بڑے اور نامی گرامی عالم سے میری ملاقات کروائی تعارف کراتے وقت انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بہت بڑے مناظر ہیں ان عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ جناب کی تعلیم کیا ہے؟ کہاں کے فارغ ہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو کچھ بھی نہیں، صرف ایک اسکول ماسٹر ہوں۔ اس پر ان عالم صاحب نے فرمایا، پھر تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔

مولانا مرحوم نے چونکہ اپنی فطری تواضع اور سادگی کی بنا پر اپنا معمولی تعارف کرادیا تھا اس لیے وہ عالم مولانا مرحوم کی قدر و قیمت نہ جان سکے۔

آپ بارہا ناچیز کے مکان و مکتبہ پر تشریف لائے اور عام آدمیوں کی طرح ایسے بے تکلف انداز میں رہے کہ خود ناچیز کو شرمندگی سی ہونے لگی۔ آپ کی زندگی میں نہ کوئی پروٹوکول تھا نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔ خاموشی سے آتے تھے اور خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ نہ کھانے پینے میں تکلف تھا، نہ آنے جانے میں۔

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہاء درجہ کی تھی۔ باوجودیکہ آپ ایک کامیاب مناظر مقبول ترین خطیب و مقرر اور حق کے بے باک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول و فعل سے کسی قسم کی نمود و نمائش، تعلیٰ اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ جس مقام پر اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے آپ اسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔ آپ کا ہر ایک سے ملنے کا اندازہ مشفقانہ تھا، جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ

تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا ایک خط لکھ دیتا، آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔ (ص ۲۹۸، ۲۹۹)

(۶) سادگی کا ایک عجیب واقعہ:-

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب آپ کے مفصل تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ شخصیت و عظمت کے حوالے سے وسیع و عریض معاشرہ کے اندر ایسے سادہ مزاج شخص کی تلاش یقیناً بہت دشوار ہے۔ بدن پر بسادہ دیہاتی لباس، سر پر کپڑے کی گول ٹوپی، پاؤں میں گرد سے اٹے ہوئے پرانے جوتے اور ہاتھ میں کتابوں سے بھرا ہوا کپڑے کا سبزی والا تھیلا اگر موسم سردی کا ہوتا تو اوڑھ کر سونے والا کھیس ان کے اوپر ہوتا، زندگی بھر یہی ان کا طرز رہا، متعدد بار ایسا ہوا کہ مسلسل اور طویل سفر کی وجہ سے لباس غبار آلود اور پسینہ کی وجہ سے میلا ہو چکا ہوتا، میرے پاس اسی حالت میں تشریف لاتے تو میں بے تکلفی کی بناء پر انہیں اپنا لباس پہنا کر ان کے کپڑے دھلواتا، انہیں اپنے لباس وغیرہ کی قطعاً کوئی فکر نہ ہوتی کہ وہ کس حالت میں ہے؟ اکثر میں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ طویل سفر کے دوران ایک دو جوڑے کپڑے ساتھ رکھ لیا کریں، لیکن ہر بار مسکرا کر یہی فرماتے کہ کپڑوں کی بجائے میں کتابوں کا بوجھ اٹھانا زیادہ پسند کرتا ہوں، میں ان کے اس ذوق و شوق سے لاچار ہو کر کہتا کہ پھر آپ کسی سے کہہ کر کپڑے دھلو تو لیا کریں فرماتے یہ میرے مزاج کے خلاف ہے البتہ شدید ضرورت پڑ جائے تو میزبانوں سے نظر بچا کر خود دھولیا کرتا ہوں ان کی اسی سادگی کی وجہ سے تمام لوگوں کے لئے پہلی بار ان کی شناخت مشکل ہو جاتی چنانچہ:

ایک دفعہ شدید گرمی کے موسم میں میرے پاس گوجرانوالہ تشریف لائے، دوپہر کا وقت تھا، آتے ہی فرمایا کہ میں نے غسل کرنا ہے، اور ساتھ ہی کھل کھلا کر بنس پڑے۔ میں نے بننے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کل مین فلاں مدرسہ میں پہلی بار تقریر کے لئے گیا۔ وہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ تھا میں مدرسہ کے دفتر میں جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر دفتر میں موجود ایک شخص

دوسرے سے کہنے لگا، ایک تو سفیروں نے بڑا تنگ کیا ہوا ہے۔ جب دیکھو چندہ مانگنے کے لئے آ جاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بے چارے میرے کپڑے اور تھیلا دیکھ کر مجھے کسی مدرسہ کا سفیر سمجھ رہے ہیں میں ان کی باتیں سن کر خاموش بیٹھا مسکراتا رہا، اچانک ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج اوکاڑہ سے مولوی امین صاحب آئیں گے۔ اور غیر مقلدین کی ایسی تہیسی کریں گے میں دل ہی دل میں بیٹھا سوچتا رہا اور ہستیا رہا کہ یہ بے چارے اپنے دل میں خدا معلوم میری شخصیت کا کیا تصور لیے بیٹھے ہیں۔ پہلے تو میں نے ان کی گفتگو میں دخل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن میری تقریر کا مقررہ وقت قریب تھا اس لیے مجبوراً میں نے ان سے مخاطب ہوئے کہا کہ میں نے غسل کرنا ہے، انہوں نے بڑی بیزاروی سے غسل کرنا ہے تو مسجد میں جاؤ میں نے کہا بھائی میں بہت دور سے آیا ہوں، اور یہاں ناواقف اجنبی ہوں۔ آپ غسل خانے تک میری رہنمائی فرمادیں انہوں نے طنزاً مجھ سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا اوکاڑہ سے اوکاڑہ کا نام سن کر وہ چونکے اور پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا محمد امین، پھر تو وہ اپنی گفتگو اور طرز عمل پر بہت پشیمان ہوئے اور معذرت کرنے لگے، اب میں نے آپ سے غسل کرنے کا ذکر کیا تو مجھے وہ کل والا واقعہ یاد آ گیا۔ اس قسم کے متعدد واقعات مولانا مرحوم کو اکثر پیش آئے۔ (ص ۳۲۶)

(۷) حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا:-

مولانا اللہ بخش ایاز صاحب ماکانوی رقمطراز ہیں:

پغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی دیگر تعلیمات میں سے سادگی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور مولانا اوکاڑوی سادگی کے اس وصف خاص میں اسوۂ حسنہ کا کامل و مکمل نمونہ ہی نہ تھے۔ بلکہ مظہر اتم تھے۔ اس وصف خاص میں جماعت اہل علم کا دوسرا کوئی بھی فرد ان کا اس میں شریک و سہیم نہ تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست۔

مولانا اکاڑوی اپنے لباس پوشاک، رہن سہن، خوردنوش میں از خود طبعاً کمال درجہ کی سادگی

برتنے کے قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی تھے۔ انجان و ناواقف جسے پہلے کبھی بھی مولانا سے ملاقات، آ منسا منانہ ہوا ہو وہ ہرگز یہ تصور بھی نہ کر پاتا کہ اس حیثیت، مرتبہ۔ فد کاٹھ کا عالم فاضل نامور محقق و مناظر اس قدر سادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا ابو بکر غازی پوری دامت برکاتہم مدبر مجلہ ”زم زم“ نے مولانا مرحوم کے اسی سراپا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”مگر مولانا صدر امین صفدر مرحوم کی ذات بالکل نرالی تھی۔ مجھے ملنے آئے تو بدن پر ایک معمولی کرتا اور ایک معمولی لنگی اور معمولی سی ٹوپی اور ایک بہت کم قیمت کا رو مال تھا۔ مناظر اسلام کی یہ سادگی اور تواضع دیکھ کر مجھے اپنے اکابر یاد آ گئے (زم زم جلد ۳ شمارہ ۶)

زمانہ حال شہرت و ناموری، محض پرو پگنڈے کے کھوکھلے نعروں اور بلند بانگ دعوؤں کا ہے ہر کس و ناکس، بروعم خود عزت و عظمت کے خود ساختہ القابات اور جبہ و دستار کے سہارے اتراتا پھرتا ہے۔ حالانکہ ایسے تہی دامن لوگوں کا نہ کردار گفتار سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی لباس و پوشاک اور وضع قطع میں اتباع شریعت کے پاس لحاظ ہے اور نہ ہی چال ڈھال اور بود و باش میں تعلیمات نبوی کا نمونہ۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب کبھی حضرات صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی ناواقف و انجان مسافر آ جاتا تو اسے دریافت کئے بغیر چارہ کار نہ تھا کہ تم میں سے محمد ﷺ کون ہیں۔

گویا ذات نبوی کے لئے نہ کوئی خاص نشست گاہ تھی اور نہ ہی کوئی نمایاں کروفر اور نہ ہی کسی قسم کی امتیازی نام و نمود تھی جو ہر وارد و صادر کو اپنی طرف متوجہ کر پائے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

(ص ۴۷۳)

(۸) اصاغر نوازی :-

مولانا عمر قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

اصاغر نوازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جولائی کے مہینہ میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت

(ص ۵۰۶)

مولانا محمد ناصر کشمیری صاحب تحریر فرما

کوٹ کر بھری ہوئی تھی بقول شیخ سعدیؒ کے ”نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین۔“

ان حافظ صاحب کا نام مجھے بھول گیا ہے) اگر تم سچ ہو تو مناظر کرلو، جو بارگیا وہ اپنا مذہب

چھوڑ دے گا۔ وہ میرے پاس آئے کہا میں غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ مناظرہ کراؤں۔ میرے پاس روٹی کا خرچہ بھی نہیں ہے مسلک کا معاملہ ہے اگر آپ چاہیں تو آپ کی مہربانی ہوگی فرمایا میں نے حامی بھر لی اور وہاں جا کر مناظرہ کیا اور اللہ نے فتح نصیب فرمائی تو اس بزرگ نے خوش ہو کر مجھے پانچ روپے دیے اور میں خوشی سے واپس آ گیا۔ فرمایا کہ جب شیعہ کو پتا چلا کہ ان کے مناظرہ کو صرف پانچ روپے ملے ہیں تو انہوں نے دوبارہ چیلنج کیا کہ امین کو بلواؤ اب وہ جیت کر دکھائے تو ہم سنی ہو جائیں گے۔ خیر وہ بزرگ پھر آئے کہ اب دوبارہ مناظرہ کرنا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے میں وقت پر پہنچ جاؤں گا فرمایا کہ وہ جگہ سٹاپ سے کافی دور تھی اس لیے مجھے ایک ساتھی سائیکل پر لینے کے لئے آیا۔ میں اس کے ساتھ سائیکل پر سوار ہو کر مناظرہ گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں چند آدمی آئے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ خدا کے لیے آپ مناظرہ نہ کریں کیونکہ دوسری طرف مناظرہ کرنے والے ہم ہیں۔ ہمیں پتہ چلا تھا کہ آپ کو صرف پانچ روپے ملے ہیں اس لیے آپ دوبارہ نہیں آئیں گے، ہم نے چیلنج کر دیا اور آپ پھر آ گئے پچھلی دفعہ ہمارا مناظرہ کراچی سے سیشنل کار پر آیا تھا ہمارا چالیس ہزار خرچ ہوا ہے اس لیے ہم میں ہمت نہیں کہ مناظرہ کروائیں برائے مہربانی آپ واپس چلے جائیں میں نے کہا کہ آپ مناظرہ کرانے والے بزرگوں سے ملیں جو وہ کہیں گے وہی ہوگا اس طرح دوبارہ میرا صرف بیان ہوا اور میں واپس آ گیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فاتح مناظرہ کس عاجزی سے پانچ روپے لیکر دوبارہ پھر دین کی تبلیغ کے لیے پہنچ جاتا ہے، اس طرح کے واقعات سے استاد جی رحمہ اللہ کی زندگی بھری بڑی ہے۔ اور استاد جی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ جلسے والوں پر بوجھ نہ پڑے نہ کسی قسم کی سواری کا مطالبہ نہ ہی کھانے پینے اور فیس کا مطالبہ، میں نے اکابر علماء دیوبند کا مزاج کتابوں میں پڑا بعینہ استاد جی کو پایا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد جی کی خطائیں معاف فرمائے اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر کی اور

شاگردوں کو صبر کرنے اور استاد جی کے مشن پر کام کرنے کی توفیق دے آمین۔

(ص ۵۱۴)

(۱۰) سادگی کا ایک واقعہ:-

مولانا مظہر حسین کاظمی صاحب (بھکر) تحریر فرماتے ہیں:

حضرت استاذ جی رحمہ اللہ ایک دفعہ کہیں پروگرام پر تشریف لے گئے تو راستہ میں جب جانے والی بس کو دیکھا تو نہ اندریٹ اور نہ ہی چھت پر جگہ، تو کنڈیکٹر نے کہا کہ بابا جی جانا ہے تو پیچھے لٹک کر جاؤ! تو حضرت استاذ جی پائیدان پر لٹک کر سفر فرما رہے ہیں اور ساتھ ساتھ

(ص ۵۸۳)

کتابیں بھی اٹھالی ہوئی ہیں۔

(۱۱) سراپا فناء شخصیت:-

مولانا محمد اسلم زاہد صاحب رقمطراز ہیں:

حدیث پاک ہے ”من تواضع لله رفعه الله“ جو عاجزی اختیار کرے اللہ اسکو بلند کرتے ہیں۔ مولانا میں تمام تر صفات کے باوجود کبھی بھی غرور و تکبر کا شائبہ تک محسوس نہ کیا گیا۔

مولانا محمود عالم صفدر نے لکھا:

ایک مرتبہ کہیں ختم مشکوٰۃ کے لئے جانا تھا تو فرمانے لگے: ”قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ جاہل سے ختم مشکوٰۃ کروایا جا رہا ہے۔“ جس قدر تو تواضع حضرت میں تھی اس قدر میں نے کسی میں نہیں دیکھی، شاید حضرت کی تواضع کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس قدر بلند مقام تک پہنچایا تھا۔

حضرت کبھی کسی عالم کی غیبت نہ فرماتے، اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی غیبت کرتا تو حضرت اسکی خوبیاں کرنی شروع کر دیتے۔

اپنے برادر صغیر حضرت مفتی محمد انور صاحب کو ”بڑے مولانا“ کے لقب سے یاد فرماتے اور اکثر فرماتے: ”مولاوی انور صاحب کا علم مجھ سے بہت زیادہ ہے لیکن وہ مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں مجھے کچھ بتاتے نہیں۔“

مولانا نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہاء درجہ کی تھی۔ باوجودیکہ آپ ایک کامیاب مناظر، مقبول ترین خطیب و مقرر اور حق کے بیباک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول و فعل سے کسی قسم کی نمود و نمائش، تعلیٰ اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا، جس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے آپ اسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔ آپ کا ہر ایک سے ملنے کا انداز مشفقانہ تھا، جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا تو ایک خط لکھ دیتا، آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔
(علمی مجالس ص ۱۱۱)

(۱۲) کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ جانا:-

مولانا عبدالحق خان بشیر لکھتے ہیں:

ایک دفعہ ایک پروگرام کے سلسلہ میں چکوال تشریف لائے تو رات دیر سے پہنچے (ان دنوں وہ کراچی میں قیام پذیر تھے) دفتر کے تمام ذمہ دار حضرات سو رہے تھے، مولانا مرحوم کسی کو جگائے بغیر مسجد میں چلے گئے اور بغیر بستر ہی مسجد کے صحن میں سو گئے۔ اتفاقاً میں بھی اسی پروگرام کے سلسلہ میں رات کو وہیں تھا، صبح پتہ چلا تو مجھے انتہائی افسوس ہوا۔ میں نے کہا آپ نے دفتر میں سے کسی کو جگا کیوں نہ لیا؟ حسب عادت مسکرا کر بے نیازی سے فرمایا کہ: ”رات تھوڑی سی باقی تھی (تقریباً چار گھنٹے) موسم معتدل تھا، بستر کی کوئی ایسی ضرورت نہ تھی اس لیے میں نے کسی کی نیند خراب کرنا مناسب نہ سمجھا۔“ (حوالہ بالا ص ۱۱۲)

(۱۳) غریبی میں نام پیدا کر:-

مولانا مفتی عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:

عرصہ ہوا علامہ اقبال مرحوم نے اپنے لخت جگر جنس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال جو اس وقت انگلستان میں زیر تعلیم تھا، کے پہلے خط کے جواب میں ایک نظم لکھی تھی جو ”بال جبریل“ میں اب بھی ”جاوید کے نام“ سے موجود ہے یہ نظم پیغام خودی کا شاہکار ہے اس کا مقطع بہت

مشہور ہوا کہ۔ ع

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر۔

اگرچہ ڈاکٹر جاوید اقبال تو اس کا مصداق نہ بن سکا مگر بہت سے دیگر علماء اور صلحاء اس کا جامع مصداق بنے۔ اسی طرح مولانا کی زندگی بھی شاید سے کہ وہ خودی، خودداری اور عجز و انکسار کا عملی نمونہ تھے۔ اس نظم کے الفاظ کے مطابق مولانا نے علم کے دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر کے نیاز مانہ اور نئی صبح و شام پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ دل فطرت شناس کے ذریعے، سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کیا۔ فقیرانہ طریق پر خودی بیچے بغیر غریبی میں نام پیدا کیا۔۔۔۔۔۔ ہمارے اسلاف کی یادگار یہی عجز و انکسار مولانا کی شخصیت کا ایک لازمی وصف تھا اس کی محض ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

ایک دفعہ سیالکوٹ میں مولانا بیان کے لیے تشریف لے گئے۔ بیان سے قبل مولانا نے ذمہ داران کو فرمادیا تھا کہ سیالکوٹ سے لاہور جانے والی آخری گاڑی میں میری سیٹ بک کروادیکھئے گا، کیونکہ مجھے (صبح اسباق کے لئے) لازمی خیر المدارس ملتان پہنچنا ہے۔ جب مولانا بیان سے فارغ ہوئے اور واپسی کی سیٹ کی بابت دریافت کیا تو منتظمین نے معذرت کر لی کہ حضرت سیٹ تو نہیں ہو سکی، آپ رات یہیں قیام فرمائیں، صبح کی پہلی گاڑی میں آپ کی سیٹ بک کرادیں گے، لیکن مولانا نے خیر المدارس میں وعدہ کیا ہوا تھا اور وعدہ خلافی بھی گوارا نہ تھی لہذا بغیر کوئی گلہ شکوہ کیے مولانا نے رخت سفر باندھ لیا، مولانا کے ہمراہ کافی کتب بھی تھیں۔ مولانا جب بس اسٹینڈ پر پہنچے تو تمام کی تمام گاڑی کچھا کھچ بری ہوئی تھی، تل دھرنے کی بھی جہ نہ تھی، لیکن مولانا کو جانا تو بہر حال تھا، اس لیے اسی گاڑی میں سوار ہونا پڑا جو اندر سے اور چھت سے مکمل بھری ہوئی تھی اس طرح مولانا نے سیالکوٹ سے لاہور تک کھڑے کھڑے تمام سفر کیا لیکن پھر بھی کوئی گلہ نہ کیا۔

ہیں مرد مجاہد کے بھی انداز نرالے

رفتار قیامت کی ہے پاؤں میں ہیں چھالے

(ص ۱۱۳)

(۱۴) صلہ رحمی اور رقت قلبی کا حیران کن واقعہ :-

انسانی ناطوں کے حوالہ سے تو مولانا مرحوم کی رحم دلی کے بے شمار واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، لیکن گزشتہ دنوں مولانا جمیل الرحمن اختر نے مولانا مرحوم کی رحم دلی کا عجیب واقعہ سنایا:

فرماتے ہیں کہ مولانا حافظ محمد ارشد فاضل پوری (گوجرانوالہ) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولانا مرحوم میرے پاس جاہن تحصیل حافظ آباد تشریف لائے، پروگرام کے بعد مولانا کو رخصت کرنے کے لیے ہم سناپ کر کھڑے تھے کہ اچانک ایک ٹرک آیا اور ایک کتا اس کی سائیڈ لگنے سے زخمی ہو گیا، مولانا مرحوم بھاگتے ہوئے گئے اور کتے کو گود میں اٹھا لیا، بھاگتے ہوئے قریبی ہوٹل پر گئے اور اس سے شیشہ کا گلاس لیکر اس کتے کو پانی پلایا۔ کتے کی حالت سنبھلی تو اسے نیچے اتار دیا اور گلاس پھینک کر اس کے پیسے اپنی گرہ سے ہوٹل والے کو دیئے۔

اس ایک واقعہ سے مولانا کے رحم دلانہ احساسات کا بخوبی اندازہ لیا جاسکتا ہے۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگ راہ

ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

فقیر العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ کے واقعات :-

(۱) سراپا عجز و انکسار :-

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی زید

مجہد ہم آگے مفصل تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس عوام کے اعتقاد کی اصلاح کے لیے عموماً بیعت نہیں فرماتے تھے، صرف تزکیہ

نفس اور اصلاح نفس پر زور دیتے تھے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل عوام میں مشہور غلط نظریہ کی اصلاح کے لیے تھا باوجودیکہ طریقت میں آپ باقاعدہ اکابر کی طرف سے مجاز اور اس راستہ کے خوب واقف کار اور ماہر تھے لیکن عرصہ دراز تک عملاً آپ نے صورتاً و رسماً کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔ اول تو اس سلسلہ میں آپ کمالِ اخفاء کے قائل تھے اور یہ آپ کی عادت اور حال تھا اسی لئے اپنی خلافت اور اجازت بیعت و تلقین کا تذکرہ خاص احباب سے بھی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی بیعت کے لئے کہتا تو آپ اس کی دوسرے مشہور و معروف اپنے مسلک کے اصحاب سلسلہ کی طرف راہنمائی فرما دیتے۔ آپ کا یہ معمول تقریباً آخر حیات تک رہا، زندگی کے آخری چند سالوں میں صرف اتنا فرق آ گیا کہ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ اسے اصلاحی تعلق کی اجازت عنایت فرماتے، بیعت کا معمول نہیں تھا، صرف چند حضرات ایسے ہیں جن کو اصلاحی تعلق کے ساتھ ان کے اصرار پر آپ نے بیعت بھی فرمایا البتہ خواتین اس سے مستثنیٰ تھیں ان کو بعد از بیعت وظائف و اوراد کی تلقین فرما دیتے تھے۔ جب انوارِ النظر حصہ دوم میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے اپنے خلفاء اور مجازین میں آپ کا نام شائع کیا تو اس وقت آپ کے بعض احباب کو علم ہوا مگر اس کے باوجود حضرت عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات تک آپ نے کسی کو بیعت نہیں فرمایا بلکہ جب حضرت عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بزمانہ قیامِ ٹنڈوالہار آپ کو محرم الحرام ۱۳۸۵ھ میں خلافت عطا کی تو آپ نے واپسی پر ایک خط میں اس خدمت سے معذرت لکھ دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کو تو قبول نہیں فرمایا مگر اختیار دے دیا کہ دل چاہے بیعت کر لیں ورنہ نہیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو بیعت نہیں فرمایا، کوئی زیادہ اصرار کرتا تو فرما دیتے کہ میں نے حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں اجازت لے لی تھی حضرت نے فرمایا تھا کہ دل چاہے تو بیعت کر لیں اور میرا دل نہیں چاہتا اس لئے بیعت نہیں کرتا۔

ایک مکتوب گرامی میں حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو اخذ

بیعت کا طریقہ اور خطبہ بھی اپنے قلم مبارک سے لکھ کر بھیجا تھا، مگر آپ فرماتے تھے کہ مجھے بیعت کرنے سے طبعاً حجاب ہوتا ہے اس لئے عرصہ دراز تک کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔

احقر کے خیال میں اس کی ایک وجہ تو عوام کے عقیدہ کی اصلاح اور دوسری بڑی وجہ آپ کی فنائیت ہے۔ اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب آپ سے محترم جناب کرنل قاری فیوض الرحمن صاحب نے اپنے حالات لکھنے کے لیے درخواست کی تو آپ نے ان کے جواب میں جو مکتوب سامی لکھا اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس کی ابتدائی چند سطریں پڑھ کر یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل ہی مٹایا ہوا تھا۔

قاری صاحب موصوف کو سلام مسنون کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

عنایت نامہ ملا، اپنے حالات کیا لکھوں میں کیا اور میرے حالات کیا وجود ک
ذنب لا یقاس بہ ذنب جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے۔
حالات کا کیا ذکر البتہ اپنے نسب اور روحانی بزرگوں اور اکابر کا مختصر حال عرض کرتا ہوں، اس
کے ضمن میں اس ناکارہ آوارہ کے بھی کچھ حالات آجائیں گے یہ بھی اول تو آپ کی طلب
کی بنا پر تطیب قلب مسلم کی بنا پر گوارہ کیا جا رہا ہے۔

دوسرے یہ طمع بھی ہے کہ ان مقبولین کے ذکر کے ساتھ اس ناکارہ کا نام بھی آئے گا تو ان کی
برکت سے کام بن جائے گا۔ ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ اپنی زندگی کے پچپن ۵۵ سال کی
طرف جب نظر کرتا ہوں تو سوائے حسرت و ندامت کے کچھ اور نہیں پاتا، اس لئے سلسلہ
اشرفیہ کی طرف اس ناکارہ کے انتساب سے سلسلہ کے لیے تو سوائے بدنامی کے اور کچھ
حاصل نہیں مگر اپنے لیے اس کو ذریعہ سعادت اور وسیلہ نجات تصور کرتا ہوں ورنہ صحیح بات یہی
ہے کہ ”من آثم دائم“ کہنے کا حق بھی اس ناکارہ کو نہیں پہنچتا کہ اس سے بھی ایک گونہ
معرفت نفس کا دعویٰ۔ اور پھر حسب ارشاد من عرف نفسه فقد عرف ربه معرفت رب کا دعویٰ
مترشح ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فنا کے سبق کے ساتھ دعویٰ کا کوئی جواز نہیں۔“

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آپ فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہرت سے آپ کو حد درجہ تنفر تھا، اکثر یہی فرماتے کہ مقصد کام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے رہو شہرت اور نام کی کیا ضرورت ہے اگر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے تو پھر سب کچھ ہے ورنہ شہرت سے کیا ہوگا۔

(حیات ترمذی ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(۲) ”یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی۔“

محترم جناب محمد رمضان صاحب آپ کے ملفوظات تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
احقر راقم سے ہمارے ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک دن میرا جی چاہا اور میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ملنے گیا تو میں نے عرض کیا کہ جناب! جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے دست اقدس کو بوسہ دوں تو حضرت نے فرمایا: ”بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر آپ بوسہ دیں گے تو کہیں میرے دل میں یہ نہ آجائے کہ میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں لوگ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں، یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی اس لئے میں بوسہ نہیں لینے دیتا۔“ (ص ۵۲۰)

(۳) تواضع اور سادگی کے حسین مرقع :-

حضرت مولانا مفتی محمد شاکر صاحب (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) رقمطراز

ہیں:

حضرت کی تواضع و انکساری کا عجیب عالم تھا جو ہم جیسوں کے لئے قابل تقلید اور بہترین نمونہ ہے کہ آپ علمی و عملی تبحر اور بے مثال تفقہ اور تعمق و بصیرت اور فراست و جامعیت کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ آپ کو جسی، نسبی شرافت و سیادت کے ساتھ بچپن سے ہی مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے دربار عالی میں رہنے اور پھر سہارنپور، دیوبند جیسی عظیم علمی درس گاہ ہوں میں وقت کے شیوخ سے استفادہ کا شرف حاصل تھا۔ اس کے ساتھ تصوف و سلوک میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب

رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق کے علاوہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے باقاعدہ اجازت و خلافت حاصل کئے ہوئے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا اور گم کیا ہوا تھا کہ کبھی بھی اپنے خلیفہ مجاز ہونے کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا بلکہ جو شخص اس کی درخواست کرتا اسے مشہور حضرات اکابر میں سے کسی کا نام بتا دیتے۔ آپ کی ذات کرامی اس شعر کا مصداق تھی۔

تو دروغم شو وصال ایں است و بس۔ گم شدن گم کن کمال ایں ست و بس
اسی طرح سادگی کی حالت بھی قابل دید تھی کہ نہ کوئی تصنع، نہ کوئی تکلف نہ جبہ نہ قبہ اور نہ ہی کوئی اعلیٰ لباس، بلکہ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے، عرصہ دراز تک استری کے بغیر ہی کپڑے استعمال فرماتے رہے۔ جمعہ کے روز کپڑے ضرور تبدیل فرماتے مگر غسل میں صابن تیل وغیرہ کبھی استعمال نہیں کیا۔ نشست و برخاست اور استراحت میں بھی سادگی کی انتہاء تھی، آج بھی وہ کمرہ جس میں آپ کی نشست گاہ تھی اسی طرح سادہ نظر آتا ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھا کہ نہ اس میں کوئی آرائش کا سامان ہے نہ زیبائش کا، بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی جامع شریعت و طریقت شخصیت نے کبھی اپنی ذاتی آرائش کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ آپ کو اس کی طرف توجہ بھی نہ تھی، اس کے باوجود اشاعت دین کے تمام امور آپ انجام دیتے رہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ تمام زندگی زینت و زیبائش میں گزار دی، بقول شخصے کہ حضرت جیسے خود یادگار اسلاف تھے ایسے ہی ان کا طرز معاشرت بھی سلف کی یادگار تھا۔ (ص ۸۲۵)

(۴) ”مجھے کچھ نہیں آتا۔“

حضرت اقدس کا وعظ بہت ہی شگفتہ اور دل فریب ہوتا تھا، دل یہ چاہتا تھا کہ سنتے ہی ہیں گویا کہ علم و عرفان کی بارش ہو رہی ہے، آپ کے بیان سے قلوب کی خوب اصلاح ہوتی، تقریر میں بڑی متانت ہوتی، آیات کریمہ اور احادیث نبوی کی دلکش تشریح اور

نکات عامیہ اور معارف سے تقریر منظر ہوتی اور جس موضوع کو اختیار کرتے اس کو مختلف پیراؤں میں دائل کے ساتھ مکمل فرماتے۔ اس حالت ضعف اور نقاہت میں بھی طویل طویل وعظ ارشاد فرماتے، عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور اکثروں نے تقریر کرنے سے منع کیا ہوا ہے اور مجھے آتا جاتا بھی کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب بیان فرماتے تو معلوم ہوتا کوئی بیماری نہیں، کوئی ضعف نہیں، یہ اصل میں روحانی قوت تھی حالانکہ کافی عرصہ سے آپ دل کے مریض بھی تھے۔

اس موقع کی مناسبت سے یاد آیا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ سالہا سال سے جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور تقریر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے وہاں اس عنوان پر بیان فرمایا کہ ”مجھے کچھ نہیں آتا“۔ حضرت کے متعلق طلبہ میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ مجھے کچھ نہیں آتا حالانکہ اس وقت حضرت نے تقریباً دو گھنٹے طویل بیان فرمایا تھا۔ احقر نے حضرت اقدس کو ایک مرتبہ خوش طبعی میں عرض کیا کہ حضرت! طلبہ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ”مجھے کچھ نہیں آتا“، تو حضرت اقدس مسکرائے اور فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے واقعی مجھے کچھ نہیں آتا، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔

کاش! یہ دولت ہمیں بھی نصیب ہو جائے کہ ہم بھی سمجھنے لگیں کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔

(بحوالہ الاصل ۸۲۹، ۸۳۰)

فقہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب
لدھیانوی رحمہ اللہ کے واقعات:-
تواضع و سادگی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو جس طرح دنیوی مال و دولت کی فراوانی، عوام و خواص کی نظروں میں عزت و وجاہت، جسمانی قوت و حسن قامت، علوم ظاہرہ و باطنہ میں فضل و کمال، اپنی معرفت و محبت میں اعلیٰ مقام اور منصب ارشاد و اصلاح میں امتیازی شان سے نوازا ہے اسی طرح ان عظیم الشان کمالات کے ساتھ ساتھ تواضع و

انکساری کی دولت عظمیٰ سے بھی خوب مالا مال فرمایا ہے۔

(۱) جریر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ابو جریر:-

حضرت کے ایک خلیفہ مجاز نے خط میں آپ کی طرف کچھ زیادہ القاب لکھ دیئے۔ حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا:

”میرے مداح جریر ہیں اور میں ابو جریر۔“

عرب میں جریر بہت مشہور شاعر گزرا ہے، اس سے کسی نے پوچھا:

”پورے عرب میں سب سے بڑا شاعر کون ہے؟“

اس نے کہا:

”میرے ساتھ میرے گھر چلو، وہاں جا کر بتاؤں گا۔“

جریر اسے اپنے گھر لے گیا۔ دروازے پر کھڑا کر کے خود اندر چلا گیا، اندر سے ایک بوڑھے کو

اپنے ساتھ باہر دروازہ پر لایا۔ یہ بوڑھا بہت بد صورت تھا، مزید بریں بوسیدہ لباس اور پرا

گندہ بالوں کی وجہ سے انتہائی وحشیانہ منظر سونے پر سہاگا، ڈاڑھی سے دودھ ٹپک رہا تھا۔

جریر نے بتایا:

”یہ بوڑھا میرا باپ ہے، اس کی شکل و صورت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، اس

کے ساتھ یہ بخیل بھی اس قدر ہے کہ بکری کا دودھ کسی برتن میں اس لیے نہیں دوہتا کہ مبادا

کسی کے کان میں اس کی آواز پڑ جائے اور وہ دودھ لینے آ جائے، اس لیے یہ بکری کا تھن

اپنے منہ میں لے کر چوستا ہے، پھر تمیز اتنی کہ دودھ منہ سے باہر گر کر ڈاڑھی پر پھیل رہا ہے اور

زمین پر ٹپک رہا ہے۔

میں نے مقابلہ کے شاعروں میں ایسے باپ کی تعریف میں ایسے اشعار کہے

ہیں کہ ان کی بدولت میں نے پورے عرب کے شاعروں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اب آپ

خود ہی فیصلہ کر لیں کہ پورے عرب میں سب سے بڑا شاعر کون ہے۔“

اس زمانہ میں عرب کے شاعروں میں یہ دستور تھا کہ مقابلہ کے شاعروں میں اپنے اپنے آباء

واجداد کی تعریف میں شعر کہا کرتے تھے۔

(انور الرشید جلد ۱ ص ۶۲۳)

(۲) گھریلو زندگی کی سبق آموز خصوصیات:

ہمارے حضرت کسی سے پاؤں یا جسم دبوانے سے بہت احتراز فرماتے ہیں، تواضع کے ساتھ ایسی سادگی کہ اپنے گھر کے چھوٹے موٹے کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، مثلاً کبھی اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر لی، جھاڑودے لی، کبھی پانی کی ٹونٹیوں کی مرمت کر لی اور کبھی بجلی وغیرہ کا معمولی کام ہو تو وہ خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، گھر میں کسی سے پانی پلانے کی فرمائش نہیں کرتے بلکہ انتہائی مصروفیات اور ہوش ربا مشاغل کے باوجود خود اٹھ کر کولر سے پانی لے کر پیتے ہیں۔ کھانے کے لئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، جو کچھ بھی گھر میں تیار ہوا کھالیا، کھانے کے لئے چٹائی خود بچھاتے ہیں۔ کھانے کے برتن، پانی وغیرہ متعلقات خود جمع فرماتے ہیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد ان اشیاء کو خود اٹھا کر سلیقہ سے رکھتے ہیں اور چٹائی خود لپیٹ کر ایک طرف کھڑی کرتے ہیں۔

(ایضاً ص ۲۴۴)

(۳) معاشرت میں اسوۂ حسنہ:

آپ کا سب چھوٹوں بڑوں سے یکساں برتاؤ ہوتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ بھی مزاح، دل لگی اور بے تکلفی کی باتیں فرماتے ہیں، سب کے ساتھ کشادہ رو اور ہشاش و بشاش، دوسرے علماء و مشائخ کی طرح آپ کے چہرہ مبارک پر غیر ضروری انقباض کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، امتیازی شان آپ کو بالکل ناپسند ہے، اس لیے ناواقف شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کوئی معمولی عالم ہیں، چہ جائے کہ اتنے بڑے علامہ اور شیخ وقت۔ آپ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو کسی کو احترام انا کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

ہر شخص کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، سب چھوٹوں بڑوں حتیٰ کہ اپنے شاگردوں

اور مریدوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، سب کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، البتہ جسکی ڈاڑھی شریعت کے مطابق پوری نہ ہو اسے سلام نہیں کہتے، اس لیے کہ فاسق کو سلام کہنا جائز نہیں، مع ہذا ایسا کوئی شخص کسی مسجد کے دروازہ پر مل جائے یا اس سے تعارف ہو تو اسے سلام کہتے ہیں، ایسے عوارض کی حالت میں فاسق کو سلام کہنا بلا کراہت جائز بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ اسے سلام نہ کہنے سے اس کے دل میں دیندار لوگوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دین سے نفرت کا باعث ہوگی۔ (ایضاً ص ۲۴۵)

(۴) سلام میں سبقت کا عجیب واقعہ:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت والا کے استاد محترم حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ کے بارہ میں عام شہرت تھی کہ آپ کو سلام کہنے میں کوئی پہل نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت بہت مشہور اور عام زبان زد تھی کہ خواہ کوئی سلام میں پہل کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا اس ناکامی کی وجہ یہ تھی:

”مولانا سامنے آنے والے شخص کو اتنی دور سے سلام کہہ دیتے تھے کہ سامنے والا شخص اتنی دور سے چلا کر سلام کہنے کو خلاف ادب سمجھتا، اس لیے ذرا قریب پہنچنے کے انتظار میں رہتا، یہ ابھی اسی سوچ میں ہوتا اتنے میں ادھر سے سلام آ پہنچتا۔“
حضرت والا نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں مولانا کے سامنے سلام میں پہل کرنے کی یہ تدبیر ڈالی کہ جب حضرت مولانا کو سامنے سے تشریف لاتے دیکھتا تو نظریں جھکا لیتا، اسی حال میں مولانا کی طرف بڑھتا جاتا، جب پانچ چھ قدم کا فاصلہ رہ جاتا تو ایک دم نظریں مولانا کی طرف اٹھاتے ہی فوراً ساتھ ہی سلام کہہ دیتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تدبیر میں کامیاب فرمادیا۔“

مولانا اس سے قبل سلام میں ابتداء اس لئے نہیں کر پاتے تھے کہ جب کوئی زیادہ

دور ہو اور متوجہ بھی نہ ہو تو اس کو سلام کہنا مشکل ہے، سب سننے والے پریشان ہو جائیں گے کہ معلوم نہیں کس کو سلام کہا ہے۔“ (ص ۲۴۶)

(۵) انی بارضك السلام :

حضرت والا کے استاد محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت والا کی کثرت سلام اور اس میں ہمیشہ ابتداء کرنے اور سب سے سبقت لے جانے کی عادت دیکھ کر فرمایا:

انی بارضك السلام

”آپ کے علاقے میں سلام کہاں سے آ گیا؟“

یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، حضرت موسیٰ جب حضرت خضر کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے سلام کہا۔ چونکہ اس علاقے میں اسلام نہ تھا اس لئے حضرت خضر کو تعجب ہوا کہ یہ سلام کہنے والا شخص کہاں سے آ گیا۔ (ص ۲۴۷)

(۲) پیدائشی تواضع اور اس کا اثر :

حضرت والا کے والد ماجد دین و دنیا ہر لحاظ سے بہت شہرت رکھتے تھے، بہت ممتاز اور عوام و خواص میں بہت معزز اور مقبول، ایسے خاندان کی اولاد کا عوام سے اختلاط اور میل جول بہت معیوب سمجھا جاتا ہے بالخصوص مساکین کے بچوں کے ساتھ کھیل کود۔ مگر حضرت والا میں پیدائشی تواضع و سادگی کا یہ اثر تھا کہ مساکین اور ملازمین و مزارعین اور ان کے بچوں سے گھلے ملے رہتے تھے۔

حضرت والا کے والد ماجد نے مواشی کے لیے چارہ لانے اور دوسری زمینداری ضرورات کے لئے ایک گدھانوں کو لے دیا تھا، حضرت والا کبھی اس گدھے پر بہت شوق سے سواری کرتے اور عوام کے سامنے اس کو بڑے مزے سے چلاتے جبکہ آپ کے پاس بہت اعلیٰ نسل کا بہترین گھوڑا رہتا تھا۔ کبھی گاڑی بان کو ہٹا کر نیل گاڑی خود چلانے لگتے۔

جس زمانہ میں آپ جامعہ دارالہدی ٹھہر ہی میں شیخ الحدیث و صدر مفتی تھے جب

گھر تشریف لاتے تو کبھی ملازم یا مزرع سے ہل پکڑ کر خود چلانا شروع کر دیتے، کبھی درانتی لے کر کٹائی کر رہے ہیں، کبھی دیکھا کہ ڈرائیور زمین میں ٹریکٹر سے کام رہا ہے تو ٹریکٹر ڈرائیور سے لے کر زمین میں خود چلانا شروع کر دیا۔ اپنی زمین کے کارندوں، ٹریکٹر ڈرائیوروں اور دوسرے ملازمین و مزارعین میں اس طرح نشست و برخاست کہ کوئی ناواقف امتیاز نہ کر سکتا۔

تواضع میں آپ کا ایسا بلند مقام دیکھ کر لوگ انتہائی حیرت سے کہتے:

”علماء میں ایسا بلند مقام، شیخ الحدیث اور صدر مفتی جیسا بڑا منصب، پھر اتنے بڑے زمیندار، اس کے باوجود اپنے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ گفتار، رفتار، نشست، برخاست میں کوئی امتیاز نہ رکھنا، ایسی سادگی اور تواضع کی مثال کہیں دیکھی نہ سنی۔“

اس وقت حضرت والا کا دینی مقام تو پوری دنیا میں معروف ہے، اس کے ساتھ دنیوی مقام کی ایک مثال یہ کہ آپ کے پاس ”اولڈ مہیل، ریجنسی، نانٹی ایٹ، ۳۵۰۰ سی سی، ۸ سلنڈر، گاڑی ہے، بلحاظ تعیش دنیا میں ممتاز اس گاڑی کو خود چلاتے ہیں، لوگ شوکت شاہانہ دیکھ کر آپکو ”ملک فیصل“ کہتے ہیں۔ اس کے باوجود جب آپ تفریح اور بنوٹ کے مظاہرہ کی غرض سے میدان میں تشریف لے جاتے ہیں تو لوگوں کے سامنے کھلے میدان میں ٹوٹی پھوٹی سائیکل کی سواری سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں، بنوٹ کے علاوہ شاگردوں کے ساتھ عام کھیل کود اور ہنسی مذاق کا شغل بھی رہتا ہے، جبکہ اتنے بڑے مناصب اور دنیا بھر میں شہرت کے علاوہ عمر مبارک بھی ستر ۷۰ سے متجاوز ہے، اس منظر سے کسی کو تعجب ہوا تو عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے ہیں:

شدم بدنام در عشقش میں بدنام ہو چکا ہوں،

میں رسوائی سے نہیں ڈرتا، سر بازار رقص کر رہا ہوں۔“

کہیں آنے جانے میں کسی کو ساتھ لے جانا پسند نہیں فرماتے۔

(۷) صبح کی تفریح میں تواضع، افادہ و استفادہ:

بعد نماز فجر روزانہ تفریح کے لئے اپنی گاڑی پر باغ میں تشریف لے جاتے ہیں، دو تین طلبہ کو بھی انکے فائدہ کے مد نظر ساتھ لے لیتے ہیں، گاڑی تو جاہی رہی ہے خالی جانے کی نسبت کسی کا فائدہ ہو جائے تو بہتر ہے، اس میں طلبہ کو دماغی اور جسمانی تفریح کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ آپ کی صحبت مبارکہ سے علوم ظاہرہ و باطنہ اور صلاحیت قلب کا فائدہ پہنچتا ہے، آمد و رفت میں بس انوار کی بارش، کبھی تلاوت، مناجات اور ذکر میں مشغول، کبھی محبوب حقیقی کی یاد میں کھو کر مکمل سکوت۔ آپ خود اپنی اسی حالت کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں۔

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں

تری تصویری دل میں کھینچی معلوم ہوتی ہے

رہتا ہے جو سر خم ترا مخمور ہمیشہ

دل میں ترے بیٹھا کوئی دلبر تو نہیں ہے؟

ہر تھوڑی دیر کے بعد بلند آواز سے لفظ ”اللہ“ سے ملی ہوئی دردناک ”آہ“ پھر اسی حال میں

اچانک ایک دم آپ کا چہرہ مبارک کھل جاتا ہے، گاڑی میں ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے

شاگردوں سے ہنسی، مذاق، اس حال کا نقشہ آپ یوں کھینچتے ہیں۔

روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک بار ہی بس میں

آ جاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

مزاح، خوش طبعی، دل لگی اور ہنسی مذاق میں بھی اسباق معرفت۔

(ص ۲۴۹)

(۸) اعطوا اذا حق حقہ :

مگر باغ میں پہنچ کر آپ سب کو الگ کر دیتے ہیں، بالکل تنہا رہتے ہیں،

اس تنہائی سے دو مقصد ہوتے ہیں:

- ۱۔ عجائب قدرت کے مراقبہ سے دل و دماغ کی تفریح و ترویج، انشراح و تازگی۔
 - ۲۔ اسباب شہرت سے اجتناب۔ عام علماء و مشائخ کی طرح اپنے ساتھ شاگردوں اور مریدوں کا مجمع رکھنا آپکو سخت ناگوار ہے۔
- باغ میں دوسرے لوگ جو تفریح کے لیے آتے ہیں وہ جتھوں کی صورت میں جمع ہو کر دنیوی باتوں میں منہمک رہتے ہیں، حضرت والا ان کے بارہ میں فرماتے ہیں:
- ”یہ لوگ اس وقت کی اور باغ میں آنے کی نعمت کی قدر نہیں کرتے، مقصد تفریح کے طریق تحصیل سے نابلد ہیں اس لیے تفریح کے فائدہ سے بے بہرہ رہتے ہیں۔“

(ص ۲۵۰)

(۹) قیمتی لباس میں سادگی:

حضرت والا زندگی کے ہر شعبہ کی طرح لباس و پوشاک میں بھی سادگی پسند فرماتے ہیں۔ لباس میں انتہائی سادگی لیکن نظافت کا بے حد اہتمام۔ حضرت والا کا لباس بہت قیمتی اور صاف ستھرا ہوتا ہے، اس کے باوجود سادگی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا لباس اس زمانہ کے بیشتر علماء مشائخ کی طرح نقش و نگار سے مزین نہیں ہوتا، جیسا چکن یا گلے اور بازوؤں وغیرہ پر کڑھائی کا کام۔ اسی طرح لباس میں علماء مشائخ کی وضع داری اور بیجا تکلفات مثلاً صدری، شیروانی، عباء، قباء، جبہ، چوغہ وغیرہ سے مستغنی ہیں۔ علماء و مشائخ کی وضع داری کا ایک جزء لانیفک یہ بھی ہے کہ بلا ضرورت کمر کے پیچھے کوئی شاندار تکیہ رہنا چاہیے، مگر حضرت والا حالت مرض میں بھی اپنی نشست پر تکیہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

(ص ۲۵۱)

(۱۰) قصہ ایک لاکھ تومان کا:

ایک بار ایران کے سفر میں وہاں کے ایک مشہور عالم کو آپ کے لباس میں علماء، مشائخ جیسی وضع داری نظر نہ آئی تو کہنے لگے:

”مجھے تو کوئی ایک لاکھ تومان (ایرانی سکہ) بھی دے تو بھی میں ایسے سادہ لباس میں گھر سے

باہر نہیں نکل سکتا۔“

اسکے برعکس ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم نشست و برخاست، بول چال، لباس و پوشاک وغیرہ ہر معاملہ میں ہر قسم کے تکلفات اور وضعداری کی قیود سے بالکل آزاد ہے۔
اے خوشامرو کہ از بندم آزاد آمد

اس اختلاف نظر کی ترجمانی ہمارے حضرت

یوں فرماتے ہیں۔

تجھے اے شیخ فکر جبہ و دستار ہو جانا
ہمیں ہستی کا جامہ اور سر بھی بار ہو جانا
کبھی علماء و مشائخ کی وضعداری اور جبہ و دستار کے بارہ میں بطور لطیفہ فرماتے ہیں۔
”یہ لوگ علاقہ کے دس تار اٹھائے پھرتے ہیں اور ہماری آزادی طبع
پر ایک تار بھی اٹھانا بہت بار۔“

لوگ وضعداری کے چکر میں پریشان اور ہمیں ”پرے شان“
کرنے میں سکون و اطمینان۔

کوئی مصنوعی شرافت کی فکر سے ”شر و آفت“ میں گرفتار اور ہم نظر اغیار سے بے فکر ہو کر
راحت سے سرشار۔“

باطنی مقام اس قدر بلند کہ وہاں تک کسی کی رسائی مشکل ہے اور ظاہری حالت
اتنی سادہ کہ عوام سے کوئی امتیاز ہی نہیں۔

آپ کی اس حالت کے مطابق بسا اوقات آپ کی زبان مبارک سے یہ اشعار سنائی دیتے ہیں
برخلاف سائکاں مجذوب کا مسلک ہے یہ

طبع تو ہوا بہ نہ، وضع رندانہ رہے

ہے خلاف وضع زاہد بر ملا رندی اگر

دختر رز سے چھپے چوری ہی یارانہ رہے

اپنا دل بھی دیکھ زاہد! میری نظریں دیکھ کر
 دل خدا خانہ رہے گو آنکھ بت خانہ رہے
 دن گزارے ساز میں، راتیں گزاریں سوز میں
 عمر بھر ہم دن میں بلبل، شب میں پروانہ رہے۔
 مجذوب مست سے تجھے نسبت ہی شیخ کیا
 تو پار سائے وضع ہے وہ پار سائے دل
 نہ میخانہ میں مجھ کو دیکھ کر بدظن ہواے واعظ
 وہاں اے بے خبر کب ہوں جہاں معلوم ہوتا ہوں
 ہمارے زہد میں بھی زاہدو! اک شان رندی ہے
 بیاد بادہ اکثر نوش ہم انگور کرتے ہیں
 اڑا دیتا ہوں اب بھی تار تار ہست و بود اک دم
 لباس زہد و تقویٰ میں بھی عریانی نہیں جاتی
 چہ خوش ست باتو بزمے نہ ہفتہ ساز کردن
 ”اے محبوب! تیرے ساتھ چھپ کر مجلس بازی کیا ہی اچھی ہے
 گھر کا دروازہ بند کرنا

اور شراب محبت کی بوتل کا منہ کھولنا۔“ (ص ۲۵۱ تا ۲۵۳)

(۱۱) چھوٹوں سے بھی استفادہ علم و طلب اصلاح:

حضرت اقدس دامت برکاتہم کو علم و عمل میں ترقی اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح
 کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی ہے کہ یہ مقصد جہاں سے بھی اور جس سے بھی حاصل ہونے کا
 امکان ہو اسکی تحصیل کی کوشش میں منہمک رہتے ہیں۔

اپنے سے بہت چھوٹوں حتیٰ کہ شاگردوں کے شاگردوں تک سے بھی بہت تاکید سے فرماتے
 رہتے ہیں:

”میرے اندر کوئی علمی غلطی یا کوئی علمی کوتاہی نظر آئے تو بتایا کریں، یہاں تک کہ عام بول چال اور گفتگو میں بھی تلفظ کی کوئی غلطی سنیں یا تحریر میں رسم الخط کی کوئی غلطی دیکھیں تو وہ بھی لازماً بتایا کریں۔

اسی طرح میرے اقوال، اعمال اور احوال کی طرف بھی خاص توجہ رکھا کریں، کوئی بات ذرا سی بھی کھٹکے تو بتانے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔
اگر زبانی بتانے میں جھجک محسوس کریں تو لکھ کر دے دیا کریں۔“

ایک بار طلبہ کو بھی اپنے اندر اصلاحِ علم و عمل کی ایسی طلب پیدا کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: قرآن و حدیث اور عقل و تجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ اصلاح کے لئے باہم گفت و شنید اور کہنے سننے کا سلسلہ رکھنا بہت ضروری ہے۔

(ص ۲۵۴)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ کی
تواضع انکساری:-

مولانا محمد جاوید اشرف میرٹھی ندوی تحریر فرماتے ہیں:
حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے غایت درجہ کی تواضع اور انکساری و دیعت فرمائی تھی، خطوط کا جواب تحریر کراتے تو اکثر و بیشتر یہ تحریر کراتے:

”میں اس لائق کہاں کہ آپ میرے بارے میں ایسے اچھے تاثرات رکھیں، یہ آپ کا میرے ساتھ حسن ظن ہے، اللہ اسی حسن ظن کے بدلے میری مغفرت فرمادے۔“
کبھی بندہ نے ایسا نہیں دیکھا کہ کوئی مہمان آیا ہو اور آپ نے اس سے لیٹے لیٹے یا ٹیک لگائے ہوئے ملاقات کی ہو خواہ کیسی ہی نقاہت و کمزوری اور بیماری کی حالت رہی ہو آنے والے کے ساتھ کبھی بھی ٹیک لگا کر گفتگو نہیں فرمائی، مرض و فاقہ میں رمضان کے ابتدائی ایام میں، حضرت تین چار روز ہسپتال میں رہے، بندہ عیادت کے لئے حاضر ہوا افطار کا وقت قریب تھا، حضرت لیٹے ہوئے تھے، ذرا آہٹ پر فرمایا کون صاحب حاضر ہوئے ہیں؟

فرماتے ہیں:

کچھ دیگر محاسن کی طرح تواضع بھی حضرت والا میں حد درجہ موجود تھی جس کا اندازہ آپ کے ہر عمل اور ہر قول سے لگایا جاسکتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے من بدء بالسلام فھو بری من الکبر (یعنی جو سلام میں پہل کرے وہ تکبر سے بری ہے) اسی طرح حضرت والا بھی ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے حتیٰ کہ اگر چھوٹے بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو بھی سلام فرماتے اور حدیث میں حضور ﷺ کا بھی اسی طرح عمل مروی ہے کہ آپ بچوں کو بھی سلام فرماتے تھے مگر آج کل اکثر لوگوں میں اس سنت کا فقدان ہے، ہر بڑا اس انتظار میں رہتا ہے کہ چھوٹا مجھے سلام کرے، میں چونکہ بڑا ہوں اس لیے میں نہ کروں حالانکہ یہ سوچ متکبرانہ ہے جو غلط ہے۔

آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ انزلوا للناس منازلہم (کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو)۔

حضرت والا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے درجہ تخصص کے طلبہ میں سے کسی کا نام لفظ ”مولوی“ کے بغیر نہ لیتے تھے حالانکہ وہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلبہ ہی تھے مگر چونکہ وہ اصطلاحی عالم بن چکے تھے اس لیے آپ ان کو مولوی کا لقب دیا کرتے تھے۔

ایک واقعہ:

اس مضمون کی مناسبت سے احقر کا ایک واقعہ بھی پیش خدمت ہے وہ یہ کہ جب احقر تخصص کے دوسرے سال میں پڑھتا تھا تو دارالعلوم کے ایک قاری صاحب اطلاع کیے بغیر مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے ان کی کلاس خالی تھی فوراً دوسرے استاد کا ملنا کچھ مشکل تھا اس لیے حضرت مہتمم صاحب نے احقر کو فرمایا کہ جب تک دوسرے استاد کا انتظام نہ ہو آپ اس کلاس کو پڑھاتے رہیں۔ چنانچہ نے احقر نے آٹھ ماہ تک اس کلاس کو پڑھایا ان دنوں کی بات ہے کہ ایک دن حضرت والا عشاء کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے آپ کو پیاس

لگ رہی تھی آپ پانی منگوانا چاہتے تھے، احقر کو علم ہو گیا تو احقر نے عرض کیا کہ بندہ پانی لاتا ہے تو حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں اب آپ استاد شمار ہوتے ہیں اس لیے آپ سے کام لینا مناسب نہیں، کسی طالب علم کو بھیجو۔ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والا ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے تھے۔

بزرگوں کا ادب:

جب شاگرد اور مریدین کے ساتھ اس قدر تواضع کا معاملہ فرماتے تھے تو اس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دیگر علماء اور بزرگوں کا کس قدر ادب کرتے ہو گئے۔ چنانچہ احقر نے پچشم خود دیکھا کہ اگر کوئی بڑے عالم اور بزرگ تشریف لاتے تو حضرت والا اپنی نشست گاہ چھوڑ کر ان کو بٹھاتے اور خود دوسری طرف با ادب بیٹھ جاتے چنانچہ متعدد مرتبہ دیکھا کہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کبیر والا تشریف لاتے تو حضرت والا ان سے نہایت ادب سے پیش آتے اور ان سے بیان کی درخواست کرتے اور خود ان کا بیان سامنے بیٹھ کر توجہ سے سنتے اور ایک مرتبہ احقر سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا بیان لکھنے کو بھی فرمایا تھا اور اپنے مریدین و متعلقین کو بیان سننے کا فرماتے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہ کا سالانہ پروگرام بنایا جائے اور شہر کبیر والا میں ان کے بیانات کرائے جائیں۔

اس نفس پرستی و خود پسندی کے دور میں اپنے ہم عمر اور ہم عصر کے ساتھ اس قدر محبت و عقیدت اور ادب کا معاملہ کرنا یقیناً اخلاص، للہیت اور تواضع کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ آج کے دور میں اپنے ہم عصر کو اپنے اوپر فوقیت دینا اور ادب کرنا تو دور کی بات ہے بلکہ اگر کوئی منجانب اللہ لوگوں میں مقبول ہو اور اس کا مرتبہ ہو تو اس کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ اور طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں اور اس پر نکتہ چینی کر کے اس کی مقبولیت کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس مرض میں آج کل کے علماء اور مشائخ کہلانے والے بکثرت مبتلا نظر آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

اس طرح بڑے مشائخ مثلاً اپنے شیخ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ اور حضرت اقدس حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے سامنے بالکل عام طالب علم کی طرح بیٹھتے، ناواقف یہ اندازہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم یا بزرگ ہیں۔ (اصلاحی مضامین ص ۳۳)

(۲) تواضع و انکسار اور سادگی کا پیکر مجسم:-

مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ (مدیر ماہنامہ ”الخیر“ ملتان) تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم کبیر والا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان سنجیدہ و متین علماء میں ہوتا تھا جن کا وجود مسند تعلیم و تدریس کے لیے زینت تھا اور جو تعلیم و تدریس کے ساتھ طہارت و تقویٰ اور زہد و اخلاص کے اوج کمال پر فائز تھے۔ بایں ہمہ تواضع و انکسار اور سادگی کا پیکر مجسم تھے۔ حوصلہ افزائی، اعلیٰ ظرفی اور بر خودارنوازی ہمارے اکابر اور تخلصین کا طرہ امتیاز رہی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا دامن بھی ان صفات سے مالا مال تھا احقر کو ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا جسے پڑھ کر احقر حقیقتاً ششدر گیا، اس میں مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بغایت تواضع تحریر فرمایا تھا کہ:-----

”آپ کو چونکہ تحریر سے مناسبت ہے اس لیے میں وقتاً فوقتاً ایک دو صفحے آپ کو لکھ کر بھیج دیا کروں گا آپ اصلاح کر کے مجھے واپس کر دیا کریں۔“

احقر اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درمیان علم و فضل، فکر و نظر اور لیاقت و صلاحیت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہی نہیں، کہاں وقت کا شیخ الحدیث اور فقیہ، جس کے قلم کا ایک ایک لفظ حزم و احتیاط کے سانچوں میں ڈھلا ہوا اور کہاں مجھ جیسا مبتدی اور طالب علم (اور وہ بھی اپنی خوش فہمی کے اعتبار سے) میں اس کا بظاہر مطلب یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لطیف انداز میں احقر کو اکابر کی سرپرستی و رہنمائی کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلایا تھا جس کی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

زاهدان خشک اپنے زہد کے خول میں بند ہو کر مخلوق خدا کو کمتر سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تقویٰ کی بلند یوں کو چھونے اور عبادت و ریاضت میں حد درجہ انہماک کے باوجود ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں سے بھی ملتے وقت محبت و اپنائیت اور تواضع کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ آپ کا یہ متواضعانہ طرز عمل آپ کے باطنی کمالات، فنائیت اور بے نفسی کا آئینہ دار ہے۔

(بیس علماء حق ص ۶۷۷)

وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) تواضع و فروتنی:-

مولانا محمود الرشید حدودی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان و عظمت عطا فرما رکھی تھی، جس قدر آپ کا مرتبہ بڑا اور بلند تھا اسی قدر آپ عجز و انکسار کے پیکر اور مجسمہ تھے، کبھی بھی کسی محفل میں یا مجمع میں اپنی بڑائی کا دعویٰ نہیں کیا، تحریر تفریر کی دنیا میں رب العالمین نے آپ سے جس قدر کام لیا یہ آپ ہی کا نصیب تھا، مگر حاسدین کا کیا جائے وہ حب علی رضی اللہ عنہ کے بجائے ہمیشہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی دوکان چمکاتے رہے، پاکستان بھر میں کتنے قلم فروش اور ضمیر فروش خامہ گوش لکھاری دستیاب ہیں جو حضرت اقدس کی شمشیر قلم کی تیز دھاری کی تاب نہ لاسکے مگر زبان و دہن کو ایک مرد حق آگاہ کی شان میں ہرزہ سرائی کر کے خراب کرتے رہے، ان کی مسموم تحریروں کے جواب میں حضرت نے کبھی بھی ایسا انداز اختیار نہیں کیا جس سے سنت نبوی کی کہیں کسی بھی انداز میں مخالفت کا پہلو چھلکتا، گالیاں کھا کر مسکراتے، زہریلی تحریروں کا جواب سنجیدگی و وقار سے دیکھتے تھے، یہ حضرت کی عاجزی، فروتنی اور انکساری کی بین دلیل ہے۔

یہ شان انکساری آپ کو اپنے مرشد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملی تھی۔

منادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔

(ماہنامہ حق چار یا خصوصی نمبر ص ۷۷۴)

(۲) بے نفسی:-

آگے لکھتے ہیں:

ایک شخص تحریک کا بانی ہو، امیر ہو، مدرسے کا مہتمم ہو، ہزاروں عقیدت مند ہوں، لوگ اس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتے ہوں تو فطری بات ہے کہ ایسا شخص اپنے ارادت مندوں، عقیدت کیشوں اور متوسلین کے حضور اپنی کرامات اور خوارق عادات کہانیوں کی ایک لمبی فہرست نئی آن بان اور شان سے بیان کرے اور اپنا سحران پہ ہمیشہ قائم رکھے، مگر ہمارے حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ کی ذات حرکات و سکنات سے کسی ایسی چیز کی بوتک نہ آتی تھی، وہ اپنے واقعات سنا کر عقیدت مندوں کے سر ہائے عقیدت کی جنبش و حرکت دینے میں شاداں فرحاں نہیں ہوتے تھے بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، حضرت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ اور حضرات خلفاء راشدین کے ادوار تاباں سے ایسے عبرت انگیز واقعات بیان فرماتے کہ ہر شخص اپنے کونسیا منسیا خیال کرتا تھا۔ دوران گفتگو سبحان اللہ، ماشاء اللہ، الحمد للہ کے کلمات جمیل سے رطب اللسان رہتے تھے۔ (ص ۷۷۶)

(۳) کسرِ نفسی کی انتہاء:

مولانا صوفی محمد شریف صاحب لکھتے ہیں:

ایک دفعہ ہم نے سالانہ سنی کانفرنس میں حضرت کوکلور کوٹ دعوت دی، جو تحریک خدام اہل سنت کے زیر اہتمام تھی۔ جب سنی کانفرنس کے اشتہار شائع کیے گئے تو اشتہار میں حضرت کے نام کے ساتھ ”امام اہل سنت“ لکھ دیا گیا۔ جب ہم نے اشتہار چکوال میں بھیجا تو حضرت نے ”امام اہل سنت“ پر روشنائی پھیر کر چکوال میں اشتہار لگوائے اور مجھے خط لکھا کہ آپ کو کس نے کہا کہ میرے نام کے ساتھ امام اہل سنت لکھیں؟ میرے نزدیک تو امام

اسی طرح ایک دفعہ قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۷ء میں جنڈانوالہ ضلع بھکر تشریف لائے۔ جلسہ گاہ سے کچھ فاصلے پر حضرت کی قیام گاہ تھی۔ مسجد میں

عبدالمجید خدای نے حضرت کی شان میں نظم شروع کی، ابھی پہلا مصراع ہی پڑھا تھا کہ حضرت تک آواز پہنچ گئی۔ حضرت نے اسی وقت مولانا فرزند علی صاحب کو بھیجا کہ اسے منع کرو کہ میرے متعلق نظم نہ پڑھے بلکہ خلفاء راشدین کی شان میں نظم پڑھے۔

چنانچہ مولانا فرزند علی صاحب نے آ کر خدای صاحب کو منع کر دیا اور فرمایا کہ حضرت نے حکم دیا ہے کہ خلفاء راشدین کی شان میں نظم پڑھی جائے۔ خدای صاحب کی نظم کے بعد حضرت نے شان صحابہ پر خطاب فرمایا۔ اور اپنے وعظ میں بھی فرمایا کہ آپ میری تعریف میں کچھ نہ کہا کریں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور شان رسالت ﷺ پر نظمیں پڑھا کریں۔

(ص ۸۸۴)

شہید ناموس صحابہ حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ کے واقعات۔

(۱) عجز و انکسار کا پیکر۔۔۔۔۔ اعظم طارق شہیدؒ

حضرت مولانا عبدالغفور ندیم صاحب کراچی، آپ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بہت تیراک دعویدار ہیں دریا عبوری کے

کرے اس آگ کے دریا کو کوئی یار تو مانوں۔

حیات پر تعیش ہو میسر، پھر بھی دے ٹھکرا

کوئی اعظم سا کرے ارشاد ادا کر دار تو مانوں۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عظمتوں کے حصول کے لیے انسان کو عظیم دل گردہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عزت شہرت اور عظمت محض سوچنے سے نہیں ملتی بلکہ اس کے لئے اپنی انا کو مٹا کر ”عاجزی و انکساری“ کی کنٹھن اور دشوار ترین راہوں پر چلنا پڑتا ہے۔

شہید ملت اسلامیہ مولانا محمد اعظم طارق کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جب مولانا ایثار القاسمی شہید رحمہ اللہ کے بعد انہیں ”سیاہ صحابہ پاکستان“ کا نائب سرپرست اعلیٰ بنادیا گیا اور جماعت نے ان کی کراچی سے جھنگ منتقلی کا فیصلہ کیا تو مولانا شہید رحمہ اللہ نے ”جامع مسجد صدیق اکبر ناگن چورنگی“ کی امامت و خطابت کے لیے اپنی جگہ پر بندہ کا انتخاب کیا۔ میری امامت و خطابت کے دوران کچھ عرصہ تک مولانا شہید رحمہ اللہ میرے برابر والے مسجد کے مکان میں مقیم رہے، اسی دوران کا واقعہ ہے کہ میرے اور اُن کے گھر کے باورچی خانے کا مشترکہ ”مین ہول“ کچرا پھنس جانے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ میں مسجد کے بیت الخلاء میں کام کرنے والے بھنگی کو بلا کر لایا اور مولانا کے گھر کی دروازے پر دستک دی۔ مولانا نے دروازہ کھولا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے گھر کی طرف سے ”میں ہو دل“ بند ہو گیا ہے جس کی صفائی کے لئے میں بھنگی کو پکڑ کر لایا ہوں۔ تو مولانا جو پہلے ہی آستینیں چڑھائے ہوئے گٹر کھولنے کے لیے مستعد تھے، فرمانے لگے کہ ”اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو میں خود بھی کر لیا کرتا ہوں۔“

خیر، یہ تو گھر کا ”مین ہول“ تھا۔ مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد مدنی صاحب فرمانے لگے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ جب کبھی مسجد کی گٹر لائن بند ہو جاتی تو مولانا کسی بھنگی کو بلانے کے بجائے خود ہی آستینیں چڑھاتے اور ”اپنی مدد آپ“ کے تحت گٹر صاف کر دیتے اور فرماتے کہ ”اس سے ہماری شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔“

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص عجز و انکساری کا پیکر بن کر اپنے آپ کو گرا دیتا ہے، خداوند عالم اُسے پستیوں سے اٹھا کر عظمتوں کی ثریا تک پہنچا دیتا ہے۔ ورنہ مجھے بخوبی

یاد ہے کہ اپنی امامت و خطابت کے آغاز میں اُن کی تقاریر انتہائی بے ڈھب اور بور کر دینے والی ہوتیں۔ وہ اپنی تقاریر کو کبھی ”قاری محمد حنیف ملتانی مرحوم“ کی طرز میں ڈھالنے کی کوشش کرتے اور کبھی ”مولانا ضیاء القاسمی مرحوم“ کے طرز کو اپنانے کی کوشش کرتے اور صحیح انداز اپنانے میں ناکامی کے نتیجے میں ان کی تقاریر بد مزہ ہو جاتیں۔

اس زمانے میں ہم نے انہیں معتد بار کبھی ”مجلس تحفظ حقوق اہلسنت“، کبھی ”تنظیم اہلسنت“ اور کبھی کسی دوسری تنظیم کے اسٹیجوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو بڑی ناگواری سی محسوس ہوتی اور پھر دوستوں کی محافل میں ان کے لیے یہ تبصرہ ہوتا کہ ان کو تقریر کرنا تو آتی نہیں، بلاوجہ ہر اسٹیج پر پہنچ جاتے ہیں تاکہ ان کو بھی خطاب کی دعوت دی جائے۔

لیکن جب انہیں قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو حقیقت کھلی کہ وہ محض تقریر کے شوق میں ہر اسٹیج پر موجود نہیں ہوتے تھے لکہ ان کے پیش نظر ایک نظریہ اور مشن تھا جس کی تکمیل کے لیے وہ کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ جہاں بھی انہیں بات کرنے کا موقع ملتا پہنچ جاتے۔ ہم نے انہیں ”ہنڈ 701“ موٹر سائیکل کے کیریئر پر کتابیں لادے ہوئے معتد بار یونٹوں کی تشکیل کے لیے قریہ قریہ، بستی بستی، جاتے دیکھا ہے۔ یہ اُن کا اخلاص تھا جس کی بدولت خداوند عالم نے اس انمول ہیرے کو کچرے سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ اللہ رب العزت نے ان کے خلوص اور عاجزی و انکساری کی بدولت انہیں فن خطابت میں وہ مقام بخشا کہ بڑے بڑے نامور خطباء و مقررین مولانا شہید رحمہ اللہ کے خطبات سے استفادہ کرتے نظر آئے۔

مولانا شہید رحمہ اللہ کے مزاج میں کبر، غرور اور نخوت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ جس سے ملتے بڑے پر تپاک طریقے سے ملتے اور ہر ملنے والا یہ محسوس کرتا کہ مولانا کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر ہر کن ان کا متوالا بن گیا اور ملک بھر میں ہر شخص کی زبان سے ان کے قصیدے سنے گئے۔ (خلافت راشدہ خصوصی نمبر ص ۴۸، ۴۹)

(۲) ”یہ خدمت میں ہی سرانجام دیتا ہوں۔“

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ کے فرزند صاحبزادہ خالد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

مولانا کا ایک خاصہ یہ تھا کہ بڑوں پر اعتماد ادب اور چھوٹوں پر کمال اور غایت درجہ کی شفقت فرماتے تھے۔ اس کی بہت ساری مثالیں میرے مشاہدات میں ہیں۔ جب نواز شریف حکومت نے آخری مرتبہ والد محترم، حضرت مولانا محمد اعظم طاق اور حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی صاحب کو گرفتار کر کے ”گٹ والا پارک“ فیصل آباد میں نظر بند کیا تو حضرت شہیدؒ نے والد گرامی کو عشاء کے بعد دبا نا شروع کر دیا۔

والد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا ”مولانا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی عظمتوں کا امین بنایا ہے، اس کام کے لیے اور بہت ہیں، جس کا کام اسی کو سناجھے۔“ حضرت شہیدؒ نے مزید فرمایا کہ ”آپ مختلف عوارض میں مبتلا ہیں اور خاصے کمزور بھی ہیں اور یہاں دوسرا بھی کوئی نہیں اس لئے یہ خدمت میں ہی سرانجام دیتا ہوں۔“

یہ تھی مولانا کے کردار کی عظمت کی دلیل کہ جس کی ذاتی شدت و عزیمت اور جثہ کو چھوئے لیکن وہ اپنے ایک بڑے کا ادب کیسے کرتے تھے۔ (حوالہ بالا ص ۳۴۴)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ کے واقعات:

(۱) صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ:-

مولوی محمد عتیق الرحمن لکھتے ہیں:

آپ رحمۃ اللہ علیہ میں تواضع، عاجزی و انکساری ایسی کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی کہ ماضی قریب میں بھی اس کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں ملے گی۔

جیسے جیسے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ و مقام بڑھتا گیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی و تواضع بھی بڑھتی چلی گئی، تین سال قبل ۱۴۲۲ھ کی بات ہے جب راقم الحروف دورہ حدیث کا طالب علم

تھا، جمعرات کے دن صبح کو ہمارا ششماہی امتحان ختم ہوا تھا، جس کے بعد پورے جامعہ میں تین یوم کی تعطیل تھی، ان دنوں حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب احوال اللہ بقاءہ کراچی کے دورہ پر جامعہ میں قیام پذیر تھے، مریدین و متعلقین کا تانتا بندھا رہتا تھا، ہر روز بعد نماز عصر جامعہ کے چھوٹے سے باغچے میں (جو کہ اپنے اندر کئی تاریخی واقعات کو سموئے ہوئے ہے) تشریف فرما ہوتے اور حلقہ، وعظ و نصیحت جمارہتا۔

اسی دن جمعرات کو عصر کے بعد میں نے کمرے سے باہر آ کے دیکھا کہ جامعہ کے وسطی باغچے میں حضرت شاہ صاحب تشریف فرما ہیں اور چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، جس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہ صاحب مدظلہ کی بائیں جانب تشریف فرما ہیں اور حضرت الشیخ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب اور دیگر اکابر موجود ہیں۔

راقم الحروف بھی قریب آ کر حضرت شاہ صاحب کے دائیں پہلو میں ایک طرف بیٹھ گیا اور کیا عجیب پر کیف و پر نور مجلس تھی، حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم اکابرین کے حالات، کارنامے، مجاہدے، تقویٰ پرہیزگاری اور ان کی دل سوز قربانیاں بیان فرما رہے تھے۔

اس محفل میں جس چیز نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈالا وہ یہ تھی کہ میں حضرت مفتی صاحب کو دیکھ رہا تھا کہ وہ مسلسل حضرت شاہ صاحب کی طرف آگے کو جھکے ہوئے ہمہ تن گوش اور خاص کر مغرب کی اذان تک دوزانوں بیٹھے رہے، باوجود اس کے کہ بیمار ہیں، کمر کا درد لاحق ہے، اور عمر کھولت کو پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے روادار نہیں کہ اپنے شیخ کے روبرو چارزانو ہو کر بیٹھ جائیں، تا آنکہ مغرب کی اذان کا وقت ہوا، حضرت شاہ صاحب مدظلہ نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی اتباع میں کھڑے ہو گئے اور مسجد میں تشریف لے گئے، ہر دو حضرات نے ایک ساتھ پہلی صف میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد جب حضرت شاہ صاحب ذکر و اذکار میں مصروف ہوئے، تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ ساتھ ذکر و اذکار میں مشغول رہے، یہاں تک کہ جب حضرت شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

بھی ذکر و اذکار کا سلسلہ منقطع کر کے حضرت شاہ صاحب کی اقتداء میں دعا کے لئے ہاتھ بلند کر لیئے جب تک حضرت شاہ صاحب نے دعا ختم نہیں فرمائی، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لمبی دعا مانگتے رہے، اور ایک ساتھ ہی سنت و نوافل ادا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے عظیم المرتبت ہونے کے باوجود اپنے اکابر کے سامنے کس ادب و احترام کو ملحوظ رکھے ہوئے تھے؟ میں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور بے اختیار یہ شعر لب پر مچلنے لگا۔

جو عالی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیانا!

(ماہنامہ بنیات خصوصی نمبر ۱۱۲)

(۲) شفقت کا عظیم پیکر:

سید معراج الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے استاذ جامعہ فاروقیہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رہ چکے ہیں، انہوں نے ایک واقعہ سنایا جو قارئین کے پیش نظر ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔ پرچے شروع ہو گئے، ایک دن پرچے کے درمیان ایک طالب علم کوئی بات پوچھنے کی غرض سے امتحان ہال میں کھڑا ہو گیا وہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی استاذ اس کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ان سے سوال کرے۔ کھڑے کھڑے اس نے ایک دوسرے طالب علم سے باتیں شروع کر دیں، امتحان ہال میں

کسی طالب علم سے بات چیت بہت سخت جرم سمجھا جاتا ہے اور پھر وہ طالب علم تو کھلم کھلا باتیں کر رہا تھا، لہذا اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو سخت غصہ آ گیا، انہوں نے اس طالب علم کو ایک ہی بات سے چپ کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اب بتائیں کون سی بات پوچھنی تھی، بات بتا کر طالب علم کو بٹھا دیا۔ جب پرچے کا مقررہ وقت اختتام پذیر ہوا تو

آپ نے اس طالب علم کو بلالیا اور اس سے معافی کی درخواست کی، اس طالب علم کی غلط حرکت پر مفتی صاحب کا غصہ اپنے آخری حد کو پہنچ گیا تھا لیکن ایسے غصے کے عالم میں بھی آپ کی شفقت و تحمل غالب رہی، نہ صرف یہ بلکہ آپ نے بہت ادنیٰ طالب علم سے معافی بھی مانگی۔
(اخبار المدارس خصوصی نمبر ۳۸۷)

وَكَاذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ امَّةٍ قِسْطًا

اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے

البقرة : ۱۴۳

علاء دیوبند
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

دینی رُخ اور مسلکی مزاج

آخری تصنیف

حکیم الاسلام خضرہ مولانا قاری محمد طیب

(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

دارالاسلام دیوبند

۱۹۰- انارکلی ۵ لاہور



تعلیم و ثقافت

جلد اول

برصغیر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی کارنامہ

اسلامی تعلیم و ثقافت اور ملت کی نشاۃ ثانیہ کا سرچشمہ
دارالعلوم دیوبند کی عظیم دینی علمی خدمات اور سیاسی سرگرمیوں کا تاریخی جواہر

بایں

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

حکام

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مترجم: سید محبوب رضوی

ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

أَشْرَفُ الْأَحْكَامِ

تَتِمُّهُ أَمْدَادُ الْفَتَاوَى

حضرت تھانوی قدس سرہ کی بیسیوں کُتُب اور سینکڑوں مواعظ و ملفوظات
سے اہم فقہی مسائل کا جامع اور مفید انتخاب

از افادات

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جمع و ترتیب

جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ

ادارہ احیاء
کراچی
الہور

اساتذہ کرام کے ادب و احترام کے موضوع مفصل اور جامع کتاب
دینی مدارس کے اساتذہ عظام اور طلبہ کرام کے لیے بہترین تحفہ

اساتذہ کرام کے ادب و حقوق

تحریر

مولانا محمد صادق آبادی

استاذ مدارس عربیہ رحیم آباد

تقریب

حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب نعیم

ادارہ اسلامیات

مربعہ روڈ، چوک اردو بازار، کراچی

تاریخ اسلام اور سیر و سوانح سے نصیحت آموز واقعات کا مفید مجموعہ

صبر و تحمل کی روشن مثالیں

تالیف

جناب مولانا محمد صاحب استاذ مدرسہ عربیہ رحیم آباد، صادق آباد

تصحیح و تہذیب

جناب مولانا اعجاز احمد صدیقی صاحب

ناشر

ادارۃ اسلامیات کراچی، لاہور

كُونُوا بَشِيرِينَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكُونُونَ

عظیم قرآنی و ستاویز موسومہ

مَفَاتِحُ الْحِجَازِ فِي فَضَائِلِ الْحِفَاطِ

سرور بہ

قرآنی دائرۃ المعارف

فَضَائِلُ حِفَاطِ الْقُرْآنِ

علوم قصص و اخلاق حملۃ القرآن

یہ کتاب قرآن مجید کے احکام و احادیث پر مشتمل ہے۔ اس میں قرآن مجید کے فضائل و مناقب اور اس کے احکام و احادیث پر مشتمل ہے۔ اس میں قرآن مجید کے احکام و احادیث پر مشتمل ہے۔ اس میں قرآن مجید کے احکام و احادیث پر مشتمل ہے۔

أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْقَاسِمُ مُحَمَّدٌ طَاهِرٌ حَرَمِيٌّ

مقیم المدینۃ المنورۃ زادھا اللہ شرفا

دائرۃ المعارف

کراچی، لاہور